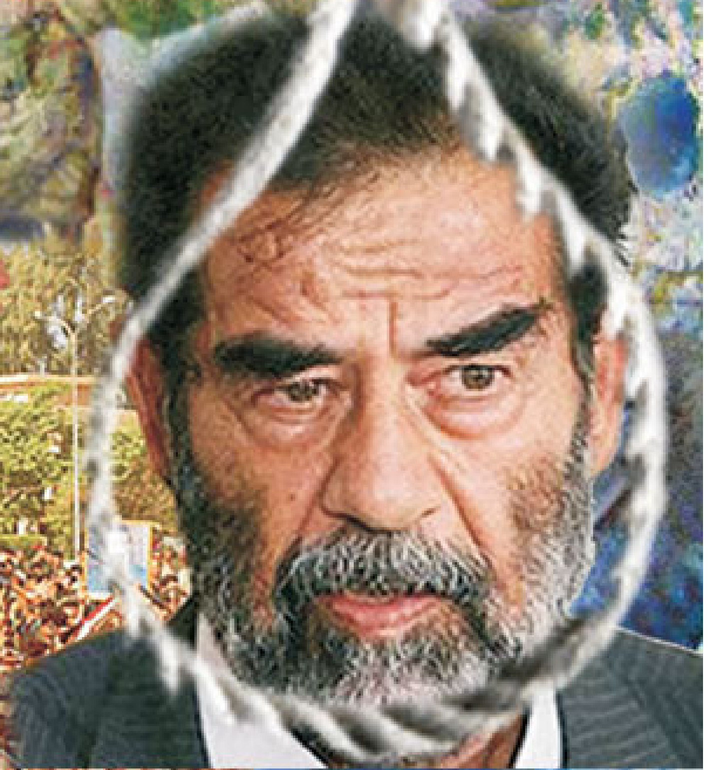
امت مسلمہ کی نظر میں

صدام حسین

ہیرو یا زیرو؟

(پیدائش سے شہادت تک)





تحریر، تحقیق و تالیف

محمد اسلم لودھی

فہرست

تمہید

عراق کے معزول صدر صدام حسین کو عید کی صبح 30 دسمبر 2006ء پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ ایک روز پہلے یہ خبر نشر کی گئی تھی کہ امریکی افواج نے صدام حسین کو عراقی حکام کے حوالے کر دیا ہے اور اب ان کی سزا پر عملدرآمد میں ایک دن کی تاخیر بھی نہیں کی جائے گی۔ سو اس ارادے پر من و عن عمل ہوا اور عید کا دن گزرنے کا انتظار بھی نہ کیا گیا۔ یہ بھی خیال نہ کیا گیا کہ عرب اسلامی روایات کے تحت حج کے ایام میں خون بہانے سے پرہیز کیا جاتا ہے...... یا شاید بالارادہ ایسا کیا گیا تاکہ محکوم قوم کو یہ پیغام دیا جاسکے کہ مغربی دنیا عرب اسلامی کلچر کے احترام کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔ یہ طرز عمل ستعمار اور حملہ آور فوجوں کے مخصوص جارحانہ کردار کا آئینہ دار ہے۔

صدام حسین پر لگائے گئے الزامات صحیح تھے یا غلط' اس بحث سے قطع نظر یہ حقیقت اپنی جگہ انتہائی اہم ہے کہ انہیں ایک ایسے وقت سزا دی گئی ہے جب عراق پر غیر ملکی فوجوں کا تسلط ہے اور ان کی مرضی کے بغیر وہاں پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ بظاہر عراق کی منتخب حکومت نے اپنی ایک قانونی عدالت کے حکم پر سزا دی ہے لیکن کون نہیں جانتا کہ یہ غیر ملکی افواج کی نصب کردہ کٹھ پتلی حکومت ہے اور اس کی نام نہاد عدالت کے جج غیر ملکی آقاؤں کے اشارے کے بغیر سیاسی اہمیت کا حامل کوئی بڑا فیصلہ سنانے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتے۔ تاریخ میں اس واقعہ کو ان بے شمار واقعات کی فہرست میں شامل کیا جائے گا جن میں فاتح قوم نے مفتوح قوم کو خوفزدہ کرنے کیلئے اس کے حکمران کو عبرتناک سزا دی۔ صدام حسین آمر تھا' ظالم تھا یا جنگجو' جو کچھ بھی تھا' اسے اپنے اعمال کی سزا نہیں دی گئی بلکہ مسلم دنیا کے کٹھ پتلی حکمرانوں کو یہ پیغام دیا گیا ہے کہ سرکشی کی صورت میں ان کا بھی یہی حشر ہو گا۔ کیا صدام اس وقت ظالم نہیں تھا جب امریکی اسلحہ ساز فیکٹریاں اس کے لئے دھڑا دھڑ اسلحہ بنا رہی تھیں اور وہ اسے ایرانی عوام پر بلا خوف و خطر استعمال کر رہا تھا۔ اس سزا کے ذریعے عربوں کو یہ باور کرانے کی کوشش بھی کی گئی ہے کہ انہیں شکست دی جا چکی ہے' وہ نئی حقیقتوں کو تسلیم کر لیں۔

مقدمے کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ صدام حسین نے ایک امریکی عدالت میں یہ اپیل دائر کر رکھی تھی کہ انہیں عراقی حکام کے حوالے نہ کیا جائے' وہ جنگی قیدی ہیں' لہٰذا انہیں جنیوا کنونشن کے تحت تحفظ دیا جائے۔ امریکی عدالت نے یہ اپیل مسترد کر دی اور سزائے موت پر عملدرآمد کروانے

سے انکار کر دیا۔ یہ درخواست م۵طور بھی کیسے کی جاسکتی تھی! اسی سے جان چھڑانے کے لئے تو صدام حسین کو ان مبینہ جرائم کی سزا دی گئی جن کا ارتکاب عراق کے اندر کیا گیا تھا۔ اگر ان پر جنگی جرائم کا الزام عائد ہوتا تو پھر کئی بنیادی سوالات سر اٹھاتے۔ غالباً سب سے پہلا سوال یہ ہوتا کہ کیا عراق نے ایران کے خلاف جنگ چھیڑ کر جنگی جرم کا ارتکاب نہیں کیا تھا؟ پھر پوچھا جاتا کہ اس جنگ کے محرکات کیا تھے اور وہ کون طاقتیں تھیں جنھوں نے صدام حسین کو حملے پر اکسایا؟ یہ سوال بھی زیر بحث آتا کہ صدام حسین نے زہریلے ہتھیار کس ملک سے حاصل کئے تھے اور کس کی بلہ شیری پر اسے انہیں استعمال کرنے کا حوصلہ ہوا اور سب سے بڑا سوال عراق پر امریکی حملے کے بارے میں اٹھایا جاتا۔ پھر یہ مطالبہ بھی کیا جاتا کہ صدر بش اور ان امریکی حکام پر بین الاقوامی عدالت میں ان کے جنگی جرائم کی بنیاد پر مقدمہ چلایا جائے۔ بش حکومت سے پوچھا جائے کہ عراق پر ایٹمی اور کیمیائی ہتھیاروں کی تیاری کا جھوٹا الزام کن افراد اور ایجنسیوں نے تراشا تھا؟ اور عراق پر قبضے کے کچھ ہی عرصے کے بعد جب وہاں سے کوئی ایسا ہتھیار نہ ملا تو جنگ جاری رکھنے اور چھ لاکھ بے گناہ عراقیوں کے قتل کا کیا جواز تھا؟ یہ اتنا بڑا جھوٹ تھا کہ جسے بعض حساس افراد برداشت نہ کر سکے۔ برطانوی انٹیلی جنس کے ایک بڑے اہل کار نے خودکشی کر لی اور سابق امریکی وزیر خارجہ کولن پاول کو کھل کر یہ اعتراف کرنا پڑا کہ اس نے اس بارے میں سلامتی کونسل کے سامنے جو جھوٹ بولا تھا' اس کا داغ اس کی پیشانی سے کبھی دھل نہیں سکے گا۔ وزیر دفاع رمسفلیڈ کو بھی رخصت ہونا پڑا جو آخر تک جنگ کے بارے میں بڑے پر جوش تھے۔ اگر دنیا میں واقعی عدل کی حکمرانی ہوتی تو آج صدر بش' ٹونی بلیئر اور ان کے ساتھ صدام حسین کے ساتھ کٹہرے میں کھڑے ہوتے اور ان سب سے ان کے جنگی جرائم کا حساب لیا جا رہا ہوتا۔ لیکن ستم ظریفی ملاحظہ ہو' استعمار نے عالمی رائے عامہ کو اصل موضوع کی طرف آنے ہی نہیں دیا اور اسے ان مبینہ جرائم کے منظر میں الجھا دیا ہے جن کا ارتکاب صدام حسین نے اپنے سیاسی مخالفین کے خلاف کیا تھا۔

اب اس بات کا فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے گا کہ صدام سرزمین عراق اور مسلم دنیا کا ہیرو تھا یا اس کی حیثیت زیرو تھی۔ اس کتاب میں زیادہ تر مضامین صدام حسین کی شخصیت کے گرد ہی گھومتے دکھائی دیتے ہیں۔ کیونکہ اس وقت مسلم امہ صرف اور صرف صدام کے بارے میں جاننے کی جستجو رکھتی ہے۔ اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لئے پاکستان کے ممتاز اور قابل ذکر کالم نگاروں اور تجزیہ نگاروں کی تحریروں کا سہارا لیا گیا ہے۔ جنھوں نے حالات و واقعات کے تناظر میں صدام حسین اور سرزمین عراق پر امریکی یلغار اور صیہونی اور عیسائی سازشوں سے نہایت بے باکی سے پردہ اٹھایا ہے میں ان تمام کالم نگاروں اور تجزیہ نگاروں (جن کا ذکر ان کی تحریروں کے آخر میں درج ہے) کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کی تحقیق آمیز اور رجحان ساز تحریروں اور کالموں کو اس کتاب میں شامل کر رہا ہوں یہ جسارت میں اس لیے کر رہا ہوں کہ صدام کی پھانسی سے پوری مہذب دنیا میں تشویش اور تڑپ کی ایک لہر سی دوڑ گئی ہے۔ اس لہر کے تار پود کو ماضی کی دھول میں گم ہو جانے سے پہلے پہلے میں انہیں آنے والی نسلوں تک پہنچانے کی جستجو کر رہا ہوں اب میں اس مقصد میں کامیاب ہوا ہوں یا نہیں اس کا فیصلہ اس کتاب کا قاری اور مستقبل کا مورخ ہی کرے گا۔

دعا ہے کہ خدا میری تحقیقی اور تخلیقی کاوشوں کو قبول کرتے ہوئے مسلم امہ کی نجات کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

محمد اسلم لودھی

صدام خود اپنے آئینے میں

دریائے دجلہ عراق کا ایک رومانوی دریا ہے۔ اس کے پانیوں میں بہت سی الف لیلوی داستانوں نے پرورش پائی۔ خاندان بنو عباس کے دور میں بغداد عرس البلاد تھا۔ بغداد کے شمال میں واقع تکریت نام کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جو اب اتنا چھوٹا بھی نہیں رہا۔ صدام کے مولد ہونے کی وجہ سے شہر اب کافی پھیل چکا ہے اور مشہور بھی ہو چکا ہے۔ لیکن آج سے 70,60 برس پہلے یہ ایک قصبہ ہی تھا۔ اس کے نزدیک ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کا نام ال اوجا (Al-Auja) ہے۔ اس گاؤں میں آج سے 66 برس پہلے 28 اپریل 1937ء کو صدام حسین نے جنم لیا۔

صدام کے والد ایک سنی العقیدہ مسلمان تھے اور انتہائی غریب تھے۔ کھیتی باڑی کر کے اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ پالتے تھے۔ والد بچپن ہی میں فوت ہو گئے تو والدہ نے ایک اور شخص سے شادی کر لی۔ صدام کے یہ سوتیلے والد بھیڑ بکریاں چراتے تھے۔ بچپن میں ان کے ہاتھوں صدام کی بار ہا پٹائی ہوئی۔ غربت کا عالم یہ تھا کہ صدام نے دس برس کی عمر تک سکول کا منہ نہ دیکھا۔ وہ جب دس برس کے ہوئے تو والدہ نے بڑی کوششوں سے سکول بھیجنا شروع کیا۔ لیکن والد ہمیشہ اس کی مخالفت کرتے رہے۔ آخر کار بھاگ کر صدام بغداد چلے گئے جہاں ان کے چچا رہتے تھے۔ چچا نے بغداد کے ایک سکول میں صدام کو داخل کروا دیا۔ سکول میں ان کے ہم کلاس لڑکے چونکہ ان کے ہم عمر نہیں تھے۔ اس لئے کلاس روم میں وہ ہمیشہ دبے دبے رہتے۔ ان کا شمار اگرچہ ذہین لڑکوں میں ہوتا تھا لیکن دیر سے سٹارٹ لینے کی وجہ سے نفسیاتی طور پر ان کی تعلیمی کارکردگی کچھ ایسی اچھی نہ تھی۔ جب ان کی عمر 16 برس کی ہوئی تو انہوں نے بغداد ملٹری اکیڈمی میں داخلہ لینے کی کوشش کی لیکن تعلیمی استعداد کے مطلوبہ معیار پر پورا نہ اترنے کے باعث ان کو اس اکیڈمی میں داخلہ نہ مل سکا۔

اس طرح جب ان کا فوج جوائن کرنے کا خواب پورا نہ ہو سکا تو انہوں نے سیاسی تحریکوں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ بغداد پر شاہی خاندان کی حکمرانی تھی اور ملک میں قوم پرست تحریکوں کا زور تھا۔ چنانچہ بادشاہت کے خلاف ایک انقلاب میں انہوں نے بھی شرکت کی۔ یہ انقلاب ناکام رہا۔ چنانچہ صدام یہ پارٹی چھوڑ کر 1957ء میں بعث پارٹی میں شامل ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔ ایک برس بعد تکریت میں حکومت کا ایک اعلیٰ عہدیدار قتل ہو گیا۔ پولیس نے صدام کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ ان پر چھ ماہ تک مقدمہ چلتا رہا۔ لیکن جب کوئی ثبوت نہ مل سکا تو انہیں رہا کر دیا گیا۔

انہی ایام میں جنرل عبدالکریم قاسم نے ایک فوجی انقلاب برپا کیا اور بعث پارٹی نے ان کا ساتھ دیا۔ بعد میں یہی بعث پارٹی قاسم کے

مخالفوں میں شامل ہوگئی۔ 1959ء میں عبدالکریم قاسم پر ایک قاتلانہ حملہ ہوا جس میں صدام نے بھی شرکت کی۔ یہ حملہ ناکام رہا اور صدام اس میں زخمی ہوگئے۔ کہا جاتا ہے کہ اگرچہ وہ شدید زخمی تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے دریائے دجلہ تیر کر عبور کیا اور فرار ہو کر شام جانے میں کامیاب ہوگئے۔ صدام کے حامی ان کے اس حملے کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کے زخم درجن سے زیادہ تھے'ان کا بہت سا خون بہہ چکا تھا۔ لیکن ان کی جسمانی قوت اور عزم و حوصلہ کا عالم یہ تھا کہ وہ اس کے باوجود دجلہ جیسے بڑے دریا کو عبور کرنے میں کامیاب ہوگئے۔۔۔۔۔

دریائے دجلہ کا پانی واقعی بہت سے عظیم داستانوں کا شاہد ہیں۔۔۔۔ لیکن ان کے مخالفین یہ کہتے ہیں کہ صدام کے زخم معمولی تھے اور ان کے فرار میں بعث پارٹی نے ان کی بھرپور مدد کی تھی۔

بہرکیف اس کے بعد صدام حسین شام سے مصر چلے گئے اور وہاں چار سال تک مقیم رہے۔ یہیں انہوں نے قاہرہ میں ایک لاء کالج میں داخلہ لے لیا اور قانون کی تعلیم انہوں نے ابھی مکمل نہیں کی تھی کہ 1963ء میں بعث پارٹی نے جنرل عبدالکریم قاسم کو بغداد میں قتل کر دیا۔ صدام فوراً قاہرہ سے بغداد پہنچے اور بعث پارٹی میں تیزی سے ترقی کی منزلیں طے کرنے لگے۔ لیکن بعث کے مخالفین نے 1964ء میں جب بعث پارٹی نے دوبارہ اقتدار پر قبضہ کیا تو صدام کو جیل سے رہائی ملی اور وہ انقلابی کمانڈ کونسل کے ڈپٹی چیئرمین بن گئے۔

بعث پارٹی' عراق کی ایک ترقی پسند اور نہایت متحرک و فعال پارٹی تھی۔ اس کا شہرہ یہ تھا کہ یہ بادشاہت کی مخالف ہے اور شدت سے قوم پرست ہے۔ صدام نے ترقی کی منزلیں طے کرنے میں حیرت انگیز عجلت اور ذہانت کا مظاہرہ کیا۔ بعث پارٹی کی سیکورٹی فورسز بہت سنگدل اور جابر تھیں۔ فوج میں پرانے خیالات کے لوگ بھی کافی تھے۔ ایک ایسا طبقہ بھی تھا جو شاہ پرست تھا۔ صدام نے بہت ہوشیاری سے اس طبقے کو فوج سے خارج کیا اور ایک ایسی نوجوان قیادت کو اوپر لانے میں کامیاب ہوگئے جو شاہ پرست نہیں تھی بلکہ وطن اور قوم پرست تھی۔

1968ء سے 1979ء تک کے گیارہ برس میں صدام اگرچہ عراق کے صدر نہیں تھے' لیکن حقیقی طاقت انہی کے پاس تھی اور جب 1979ء میں وہ باقاعدہ عراق کے صدر منتخب ہوئے تو ان کی عمر صرف 41 برس تھی۔ اب وہ عراق کے سیاہ سفید کے مالک تھے۔ اوائل عمری میں ان کو ملٹری اکیڈمی میں تو داخلہ نہیں مل سکا تھا لیکن اب وہ اپنے تمام جرنیلوں کے سپریم کمانڈر تھے۔ انہوں نے فیلڈ مارشل کا رینک اپنے لئے منتخب کیا اور تمام پبلک اجتماعات میں فوجی وردی' کالی ٹوپی (Beret) اور فیلڈ مارشل کے رینک لگا کر شریک ہونے لگے۔

صدام حسین' ہٹلر سے بہت متاثر تھے۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ہٹلر' صدام کا ہیرو تھا جس کی زندگی کی داستان ہٹلر سے ہی ملتی جلتی ہے آیئے ایک نظر ہٹلر کی زندگی پر ڈال لیں۔ تاکہ تقابل میں آسانی رہے۔

ہٹلر کا بچپن بھی نہایت تنگدستی کے عالم میں گزرا۔ اس نے بھی اپنی تعلیم کا آغاز بہت بعد میں کیا۔ وہ بھی چھ برس تک آنا کے اسٹیشن پر ریلوے قلی کے طور پر کام کرتا اور اپنا پیٹ پالتا رہا۔ اس نے ہائی سکول میں داخلے کی درخواست دی لیکن فیل ہوگیا۔ ملٹری اکیڈمی میں جانے کی کوشش کی تو وہاں بھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ وہ بطور کارپورل جرمن آرمی میں شامل ہوگیا۔ پہلی جنگ عظیم میں داد شجاعت دی اور بہادری کا اس وقت کا سب سے بڑا اعزاز حاصل کیا۔ پھر وہ قید ہوگیا اور قید ہی میں اس نے ''مین کیمپف' (Mein Kampph) نامی اپنی خودنوشت لکھی۔ یہ کتاب

پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ جب اسے رہائی ملی تو وہ نازی پارٹی میں شامل ہوگیا اور ترقی کرتے کرتے پارٹی کا صدر اور جرمن کا چانسلر بن گیا۔

بطور سپریم کمانڈر وہ بھی فیلڈ مارشل کی وردی پہنتا تھا۔ اس نے درجنوں فیلڈ مارشلوں کو پروموٹ اور ڈیموٹ کیا اور اگر آپ دوسری عالمی جنگ کی ملٹری تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہٹلر کی شخصیت آپ کو شدت سے متاثر کرے گی۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے دشمنوں (فرانس، امریکہ، برطانیہ، روس بلکہ جاپان کو چھوڑ کر ساری دنیا) نے اسے ایک آمر اور ایک برے انسان کے طور پر متعارف اور مشہور کروایا' لیکن ہٹلر کی عسکری اہلیت وقابلیت میں کوئی شبہ نہیں' اس کا حافظہ غضب کا تھا اور اس کے عسکری جائزے بیشتر جرنیلوں کے جائزوں سے زیادہ درست نکلا کرتے تھے۔

بہرکیف عراق کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد صدام نے اپنے ملک کی ترقی میں اہم کردار ادا کرنے کا مشکل کام اپنے ذمے لیا۔ انہوں نے رفتہ رفتہ ایجوکیشن' زراعت' صنعت وحرفت اور سماجی ترقی کیلئے منصوبوں کو فروغ دینا شروع کر دیا۔ سعودی عرب کے بعد مشرق وسطیٰ میں تیل کے سب سے بڑے ذخائر عراق میں دریافت ہوئے۔ سعودی عرب کے برعکس عراق کی سرزمین پر تو دجلہ وفرات بھی بہتے تھے۔ آب وہوا خوشگوار اور کھیتی باڑی کیلئے سازگار تھی۔ اس لئے دیکھتے ہی دیکھتے عراق نے تمام شعبوں میں تیزی سے ترقی کرنی شروع کر دی۔ صدام کا سب سے بڑا کنٹری بیوشن یہ ہے کہ انہوں نے عراقی افواج کی بنیاد رکھی اور بہت جلد سارے عرب ممالک میں عراقی آرمی ایئر فورس اور نیوی کا شہرہ ہونے لگا۔ عراق کی صرف ایک چھوٹی سی بندرگاہ جنوب میں واقع ہے جس کا نام ام قصر ہے۔ یہ گہرے پانی کی بندرگاہ ہے۔ اگر عراق کا ساحل بھی ایران کی طرح وسیع ہوتا یا کویت' اس کو مل گیا ہوتا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ عراق کی نیول فورسز بھی آج دنیا بھی میں بہت مضبوط ہوتیں۔

صدام حسین اپنے اس نیشنلسٹ عرب انقلاب کو اپنے ہمسایہ ممالک تک لے جانا چاہتے تھے۔ اردن' سعودی عرب' کویت' قطر اور دوسری عرب ریاستوں میں بادشاہتیں قائم تھیں (اور آج بھی ہیں) یہی وجہ تھی کہ یہ سب ممالک' عراق کے خلاف تھے۔ یہ ممالک بھی تیل کی دولت سے مالا مال تھے اور چونکہ اس تیل پر امریکہ اور برطانیہ کا کنٹرول تھا۔ (براہِ راست نہ سہی' بالواسطہ سہی) اس لئے ان ممالک کے حکمران صدام سے خائف تھے۔ امریکی اور برطانوی اثرات نے ان ممالک میں کوئی قابل ذکر عسکری تنظیم قائم نہ ہونے دی۔ مصر' افریقہ میں واقع تھا اور وہاں بھی کرنل جمال عبدالناصر کی قیادت میں فوجی انقلاب آچکا تھا۔ دراصل صدام' مصر کے انقلاب سے بھی متاثر تھے۔ 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں مصر اور شام کی شکست ان پر واضح کر چکی تھی کہ جب تک عرب ممالک اپنی افواج کو جدید خطوط پر تشکیل نہیں دیں گے' وہ دوسروں کے رحم وکرم پر ہی رہیں گے۔ پھر 1973ء کی جنگ میں مصر کی فتح اور اسرائیل کی شکست نے صدام کی اس سوچ کو مزید پختہ کر دیا کہ قوموں کا وقار صرف اور صرف عسکری وقت کے بل بوتے پر قائم ہوتا ہے۔ باقی سارے پہلو اس پہلو کے تابع ہوتے ہیں۔ دنیا کی کوئی قوم آج تک عسکری ترقی کے بغیر عظیم قوم نہیں بن سکی۔

صدام نے اپنی افواج کو جدید خطوط پر ڈھالنے اور انہیں ٹریننگ دینا شروع کی۔ امریکہ اور روس دو سپر پاورز تھیں بلکہ ایک دوسرے کی حریف تھیں۔ اس لئے خلیج کی ریاستوں میں امریکی غلبے نے صدام کو اشتراکی کیمپ کی طرف مائل کیا اور عراقی مسلح افواج کا اسلحہ اور ساز وسامان سوویت یونین کی طرف سے آنا شروع ہوا۔ 1980ء سے لے کر 1990ء تک انڈیا کے بعد عراق' روسی اسلحہ کا سب سے بڑا خریدار تھا۔ انڈیا اور عراق کے

تعلقات بھی ایک الگ باب کا تقاضا کرتے ہیں۔ان تعلقات میں فوجی وجوہات سر فہرست تھیں ۔درجنوں بلکہ سینکڑوں انڈین' آفیسر' عراقی آرمی اور ایئر فورس کو عسکری تربیت دینے پر مامور کیے گئے اور انڈیا کی ملٹری درسگاہوں میں عراقی افسروں اور دوسرے عہدیداروں کو ہر سال بڑی تعداد میں بھیجا جاتا رہا۔عراقی آرمی کے ٹینک کمانڈر' آرٹلری کمانڈر اور ایئر فورس کے پائلٹ وغیرہ سب کے سب یا تو روس میں تربیت حاصل کرتے رہے یا انڈیا میں ۔1980ء کے عشرے میں پاک عراق تعلقات پر بھی عراق' بھارت تعلقات کی پرچھائیاں سایہ فگن رہیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ صدام حسین کا اپنے ملک کیلئے ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اپنے تیل کی دولت کو دوسری فروعات پر ضائع نہیں کیا بلکہ اپنی افواج ثلاثہ کو مضبوط اور مستحکم بنانے میں صرف کیا۔

ایران پر حملہ:

صدام نے ایران پر حملہ کیوں کیا' اس کی کئی وجوہات تھیں جن میں سے دو بہت اہم تھیں۔ایک شط العرب کا جھگڑا اور دوسری ایران میں شاہ ایران کا سقوط اور حضرت امام خمینی کی قیادت میں مذہبی حکومت کا قیام۔شط العرب' ایران اور عراق کے مابین ایک حد فاصل ہے یہ ایک واٹر چینل ہے۔بعض مقامات پر جہاز رانی ہوسکتی ہے لیکن زیادہ علاقہ دلدلی ہے۔دونوں ممالک ایک عرصہ سے اس کے دعویٰ دار رہے ہیں۔ایران کا دعویٰ یہ ہے کہ یہاں کے ساحلوں کی آبادی اکثر فارسی بولتی ہے اور شیعہ عقیدہ کی پیروکار ہے۔دوسری طرف عراق کا کلیم یہ تھا کہ خلافت عثمانیہ کے دور میں بھی یہ ذخیرہ آب میسوپوٹیما کا حصہ تھا اور جب عراق آزاد ہوا تو یہ علاقہ بھی اس کے قبضے میں آگیا۔بہر حال 22 ستمبر 1980ء کو عراق نے ایران پر حملہ کردیا۔اس حملے میں صدام حسین کو امریکہ کی آشیرباد بھی حاصل تھی۔انقلاب ایران سے پہلے رضا شاہ پہلوی کے تعلقات امریکہ سے نہایت گہرے تھے۔ایرانی تیل کا بڑا خریدار امریکہ اور یورپ تھا اور جیسے کہ امریکن ارباب اقتدار کی عادت ہے' تیل کے بدلے ہتھیاروں کی ایک بڑی کھیپ ایران کو فروخت کی جاتی تھی۔ چنانچہ جب ایران پر نئی اسلامی جمہوریہ کا پرچم لہرایا گیا تو امریکہ کو فکر لاحق ہوئی کہ اب عراق اور سعودی عرب تک بھی اس کے اثرات جائیں گے۔اسلحہ اور گولہ بارود کے جو انبار ایران میں موجود تھے' ان کو ضائع کرنا بھی مقصود تھا۔اس لئے امریکہ نے ایران کے ساتھ جنگ شروع کرنے میں عراق کا بھرپور ساتھ دیا۔تاکہ اس طرح امریکی مقاصد حاصل کیے جاسکیں۔

تاہم ایرانی شہروں پر عراقی یلغار ناکام ہوئی اور ایک سال بعد 1981ء میں ایرانی فوجیں بصرہ تک جاپہنچیں۔بصرہ کی آبادی کا 55 فیصد حصہ شیعہ مذہب کا حامل ہے اور باقی 45 فیصد سنی مسلمان رہتے ہیں۔جس میں 20 فیصد کرد بھی شامل ہیں۔بصرہ کی آبادی کی اکثریت بھی شیعہ تھی۔لیکن صدام نے وہاں ایسے دفاعی انتظامات کیے کہ ایرانی افواج بصرہ پر قبضہ نہ کرسکیں۔جنگ ساکن ہو کر رہ گئی۔دریں اثناء امریکہ کی مدد سے عراق نے کیمیاوی' بیالوجیکل اور نیوکلیئر ہتھیار بنانے شروع کردیئے کہ اگر بغداد پر برا وقت آئے تو ان کا بے دریغ استعمال کیا جاسکے۔تاریخ گواہ ہے کہ ان ہتھیاروں نے جنگ کے نتائج پر بہت گہرا اثر ڈالا۔بغداد کے نواح میں ایٹمی ری ایکٹر کی تعمیر کو اسرائیل نے شک وشبہ کی نظر سے دیکھا اور حملہ کر کے اس ری ایکٹر کو تباہ کردیا۔البتہ امریکی ایماء پر عراق میں کیمیاوی اور جراثیمی ہتھیار تیار ہوتے رہے۔عراق نے ایران کے خلاف 1984ء، 1985ء اور 1986ء میں اس کا استعمال بھی کیا اور اس کے بعد کردوں کی بغاوت آنے پر بھی یہ ہتھیار استعمال کیے گئے۔ہزاروں'

لاکھوں مرد، عورتیں، بچے اور بوڑھے ان کا شکار ہوئے۔

امریکہ کو اب ایران عراق جنگ بند کرانے کی فکر تھی۔ نیز وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ عراق ایٹمی ہتھیار بنائے لیکن صدام ایسا کرنا چاہتے تھے چنانچہ اس خطرے کا سدباب کرنے کیلئے امریکہ نے جنوری 1983ء میں اس خطے میں ایک نئی کمانڈ تشکیل دی جس کا نام سنٹرل کمانڈ (Cen com) رکھا۔ آج ٹومی فرینکس اس کے کمانڈر ہیں۔ اس کمانڈ کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ مشرق وسطیٰ اور اس سے بھی آگے انڈونیشیا تک امریکی مفادات کا تحفظ کرے اور سیاسی حالات پر بالواسطہ اثر انداز ہو۔

کویت پر حملہ:

ایران پر حملے کے دس برس بعد کویت پر حملہ صدام حسین کی سب سے بڑی غلطی شمار کی جاتی ہے۔ کویت ایک چھوٹا سا آزاد ملک تھا (اور ہے) اور اقوام متحدہ کا ممبر ہے۔ 2 اگست 1990ء کو عراق نے کویت پر حملہ کر کے تین چار روز میں اسے فتح کر لیا اور عراقی افواج اس جانب سے سعودی عرب کی سرحدوں تک جا پہنچیں۔

یہ درست ہے کہ صدام کا کویت پر حملہ کرنا غلط تھا۔ لیکن ان کی سب سے بڑی غلطی یہ نہیں تھی کہ انہوں نے ایک آزاد اور خودمختار ملک پر دھاوا بولا بلکہ یہ غلطی وہ پہلے بھی ایران پر حملہ کر کے کر چکے تھے۔ ان کی اصل غلطی یہ تھی کہ اس حملے میں انہیں امریکہ کی حمایت حاصل نہیں تھی بلکہ امریکہ کی طرف سے انہیں شدید مزاحمت کا سامنا تھا۔

صدام کی شخصیت کا یہ پہلو کہ انہوں نے اپنے دوست امریکہ کے غیض و غضب کی پرواہ نہ کر کے کویت پر حملہ کیا، ان کے کردار کا تعین کرنے میں بہت مددگار ہوگا۔ بہت سے قارئین کو شاید صدام حسین کا مؤقف معلوم نہ ہو انہوں نے کویت پر یہ حملہ کیوں کیا۔ ان کی معلومات کیلئے عرض ہے کہ کویت پر عراقی حملے کی مندرجہ ذیل پانچ وجوہات تھیں۔

1- پہلی جنگ عظیم 1914ء تا 1918ء سے پہلے کویت، عراق کا حصہ تھا۔ نقشے پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جغرافیائی اعتبار سے واقعی عراق کا حصہ ہے۔ تاہم انیسویں صدی عیسوی میں برطانیہ نے ان علاقوں پر اپنا اثر و رسوخ اور تسلط جما لیا اور کویت کو ایک الگ ریاست کا نام دے کر خلیج فارس میں اپنی بحری موجودگی کا بندوبست کر لیا۔ تیل تو بعد میں دریافت ہوا۔ خلافت عثمانیہ کے ٹوٹنے کے بعد جب عراق آزاد ہوا تو اس نے فوراً کویت کو واپس لینے کا مطالبہ کیا جسے برطانیہ نے نامنظور کر دیا۔

برطانیہ کو خطرہ تھا کہ اس علاقے میں اگر جرمن اثرات مضبوط اور گہرے ہو گئے تو برطانوی مفادات پر زد پڑے گی۔ اس لئے اس نے خلیج فارس کے مغربی ساحلوں کو بہت سی نیم خودمختار ریاستوں میں تقسیم کر دیا۔ آج ان ریاستوں کو خلیجی ریاستیں کہا جاتا ہے۔ کویت، بحرین، قطر اور متحدہ عرب امارات تک کے سارے علاقے سعودی عرب کا حصہ تھے یا عراق کے۔ لیکن برطانوی استعماری انتظامات نے اس خطے کو تقسیم کر کے مستقبل کی بہت سے جنگوں اور جھگڑوں کی بنیاد رکھ دی۔

2- دوسری وجہ یہ تھی کہ ایران عراق وار کے دوران صدام حسین نے کویت اور سعودی عرب سے بہت سا قرض حاصل کیا۔ یہ قرض اس مفروضے

پر لیا گیا تھا کہ ایران' اپنی نئی شیعہ سلطنت کی توسیع کرنا چاہتا ہے۔ جس سے کویت کو بھی خطرہ ہے اور سعودی عرب کو بھی۔ ان دونوں ممالک (کویت اور سعودی عرب) نے 1990ء کی عراق امریکہ جنگ میں امریکہ کو جو مالی مدد دی تھی وہ بھی اس خطرے کے سبب دی تھی کہ عراق کویت کے بعد سعودی عرب پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ بہرکیف ایران عراق جنگ میں کویت نے عراق کو 80 ارب ڈالر کا قرض دیا۔ جنگ کے بعد جب صدام حسین نے یہ جواز پیش کیا کہ یہ قرضہ معاف کر دیا جائے جو خود کویت کے تحفظ کیلئے حاصل کیا گیا تھا تو کویت نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے صرف 15 ارب ڈالر معاف کئے اور باقی 65 ارب ڈالر معاف کرنے پر تیار نہ ہوا۔ صدام نے اس کیلئے کویت کے حکمرانوں کو قصوروار گردانا۔

3- تیسری وجہ یہ تھی کہ کویت کے بعض امراء اور تاجر بے حد دولت مند تھے اور مغربی ممالک کے بینکوں میں ان کے اربوں ڈالر جمع تھے صدام نے سوچا کہ یہ رقم حاصل کر کے ایران عراق جنگ کے اقتصادی بوجھ سے نجات حاصل کر جا سکتی ہے۔

4- چوتھی وجہ کویت کا رومیلا (Rumalla) کے علاقے میں تیل کے کنوؤں کی کھدائی تھی۔ یہ علاقہ کویت اور عراق کے مابین متنازعہ علاقہ ہے۔

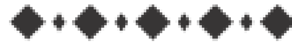
5- پانچویں اور آخری وجہ کویتی تیل کی زائد پیداوار تھی۔ کویت نے اوپیک معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے کنوؤں سے تیل کی زیادہ مقدار نکالنی شروع کر دی جس سے عالمی مارکیٹ میں تیل کی قیمتیں گر گئیں۔ عراق کو پہلے ہی سرمائے کی کمی کا سامنا تھا۔ کویت کی اس ''حرکت' نے صدام کو سیخ پا کر دیا اور انہوں نے 17 جولائی 1990ء کو کویت کو وارننگ دی کہ یا تو تیل کی یہ زائد تولید روکی جائے ورنہ اس پر حملہ کر دیا جائے گا۔ صدام حسین نے کویتی حکمرانوں کو یہ پیغام بھی بھیجا کہ اس مسئلے پر مذاکرات کئے جائیں لیکن کویت نے انکار کر دیا اور کہا کہ ان مذاکرات کو اگر ہونا ہی ہے تو عرب لیگ کے توسط سے عمل میں لایا جائے۔ اس کے بعد کویت پر حملے کا کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو گیا۔

صدام حسین پر یہ الزام بھی ہے کہ انہوں نے 1987ء اور پھر 1988ء میں دو بار کردوں پر جراثیمی ہتھیار استعمال کئے۔ اس استعمال کا سبب یہ بتایا گیا کہ کردوں نے ایران عراق جنگ میں ایران کا ساتھ دیا تھا' اس لئے ان کو اسی خوفناک حملے کا نشانہ بنایا گیا۔ بی بی سی بار بار کردوں پر کیمیاوی حملے کے اثرات کی تصاویر دکھاتا رہتا ہے۔ لیکن اگست 1945ء میں جو کچھ امریکہ نے جاپانیوں کے ساتھ کیا تھا' اس کی تصاویر شاید سال بھر میں ایک آدھ بار اور وہ بھی خانہ پری کے لئے دکھائی جاتی ہیں۔ جاپانی عوام جو ان ایٹمی حملوں میں ہلاک ہوئے ان کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ تھی اور جو زخمی ہوئے ان کی تعداد کئی لاکھ تھی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ایٹمی حملے کے اثرات' جراثیمی حملے کے اثرات سے کئی گنا زیادہ بھیانک ہوتے ہیں۔

صدام حسین آسمان عرب کا وہ درخشندہ ستارہ ہے جس نے عراق کو بہت کم مدت میں ایک قدیم' فرسودہ اور روایت پسند معاشرے سے اٹھا کر ایک جدید' متحرک اور ترقی پسند سوسائٹی میں تبدیل کر دیا۔ عراق کے بڑے بڑے شہروں کی جو تصاویر ٹیلی ویژن پر دکھائی جاتی ہیں ان سے اندازہ کیا

جاسکتا ہے کہ یہ ملک کس طرح تیزی سے ترقی کر رہا تھا۔

لیکن میں سمجھتا ہوں۔ صدام کا سب سے بڑا کارنامہ ملک کی تعلیمی حالت کو سنوارنا ہے۔ عوام کو جدید سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی کا شعور دینا ہے۔ ان میں گروہی، نسلی اور مذہبی امتیازات کا خاتمہ کرنا اور عراقی آبادی کو حب الوطنی کی لڑی میں پرونا ہے۔ ان کا ایک اور کارنامہ جدید عراقی آرمی کی تشکیل ہے۔ عرب دنیا میں کوئی دوسری فوج، عراقی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ صدام نے یہ سب کچھ بہت زیادہ شور شرابے کے ساتھ نہیں کیا۔ وہ نہایت خاموشی لیکن نہایت استواری اور تسلسل کے ساتھ ایک ایسی مسلح فورس کی تشکیل، تکمیل کرتے رہے ہیں جن کو امریکہ اور یورپ کی بہت سی ریاستوں کی طرف سے شدید مزاحمت بلکہ دشمنی کا سامنا تھا۔ بغداد پر قبضے کے بعد تمام عراقی فوج منظر سے ایسے غائب ہوئی کہ آج بھی اس کے بارے میں تجسس سے یہ کہا جاتا ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں عراقی فوج کہاں گئی۔ بہر کیف سرزمین عراق پر امریکہ کا قبضہ تو ہو چکا ہے لیکن امریکی فوج اپنے تمام تر ہتھکنڈوں کے باوجود عراقی عوام کے دلوں سے صدام حسین کے محبت بھرے اثرات ختم نہیں کر سکے گی جو ایک عظیم محب وطن تھا اور تاریخ اس کے ذکر کے بغیر ہمیشہ نامکمل رہے گی۔



صدام حسین کی پھانسی اور تاریخ کا اہم سبق

سابق عراقی صدر اور مرد آہن صدام حسین کو 30 دسمبر 2006 کی صبح مقامی وقت کے مطابق علی الصبح چھ بجے بغداد کے گرین زون میں پھانسی دے دی گئی بعدازاں ان کی میت کو تکریت کے آبائی قبرستان میں نہایت خاموشی سے دفن بھی کر دیا گیا، کہا جاتا ہے کہ یہ قبر صدام حسین نے اپنے دور اقتدار میں اپنے لئے کھدوائی تھی جس کے پہلو میں ان کی والدہ اور ان کے دو شہید بیٹے بھی مدفن ہیں سرکاری ذرائع کے مطابق صدام حسین کو پھانسی کی یہ سزا 5 نومبر 1982 کو 148 شیعہ مسلمانوں کو جیل میں ہلاک کرنے کا حکم دینے کی پاداش میں سنائی گئی جبکہ سزا کے خلاف صدام حسین کی اپیل پھانسی سے چار روز قبل ہی مسترد کر دی گئی تھی عینی شاہدوں کے مطابق صدام حسین نے غسل اور وضو کر کے پہلے نماز فجر ادا کی پھر خود چل کے پھانسی گھاٹ تک آئے جہاں انہیں سیاہ نقاب پہنانے کی کوشش کی گئی لیکن انہوں نے نقاب پہننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ کھلی آنکھوں سے امریکی ایما پر دی جانے والی پھانسی کے پھندے پر جھول جانے کو اپنی شہادت تصور کرتے ہیں ٹی وی کے مختلف چینلز پر پھانسی کی جو تصویری رپورٹ دکھائی گئی اس میں صدام حسین پھانسی سے چند لمحے قبل تک انتہائی مطمئن اور پرسکون دکھائی دیئے گویا انہیں پھانسی پر چڑھنے کا کوئی خوف اور ملال نہیں تھا ایسا بہت کم دیکھا گیا ہے کہ پھانسی پر چڑھنے والے لوگ خود اپنے قدموں سے مکمل ہوش حواس کے ساتھ چل کر پھانسی گھاٹ تک جائیں پاکستان میں بھٹو کو دی جانے والی پھانسی کے بارے میں اب تک یہ خبر سننے میں آتی ہیں کہ انہیں سٹریچر پر ڈال کر پھانسی گھاٹ تک لے جایا گیا تھا اور جس وقت پھندہ ان کی گلے میں ڈالا گیا وہ شعور کی حالت میں نہیں تھے زندگی سے پیار اور موت کا خوف کسے نہیں ہوتا انسان ہونے کے ناطے پھانسی کا لفظ انسان کو وقت سے پہلے ہی مار ڈالتا ہے

صدام حسین کو پھانسی تو دی جا چکی ہے اور انہیں دفن بھی کیا جا چکا ہے لیکن ان کی زندگی اور موت کا تجزیہ کیا جائے تو ان کی زندگی تین عوامل کے تناظر میں گھومتی نظر آتی ہے ان کی لائف ہسٹری بتاتی ہے کہ 28 اپریل 1937 کو جب تکریت میں صدام حسین نے ایک کسان گھرانے میں آنکھ کھولی تو ان کی ولادت سے پہلے ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا گویا پیدا ہی یتیم ہوئے شفقت پدری کا سر پر موجود نہ ہونا ہمارے مسلم معاشرے میں انتہائی تکلیف دہ تصور کیا جاتا ہے پھر صدام نامی یہ بچہ شعور کی حالت کو پہنچنے کے بعد اپنے ماموں کے پاس چلا آیا بغداد اور قاہرہ سے تعلیم مکمل کی دوران تعلیم ہی سیاسی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کے حصہ لینے لگا سیاست میں فعال کردار ادا کرنے کے عوض بہت جلد عراق کی بعث

پارٹی کے قابل ذکر رہنماؤں میں ان کا شمار ہونے لگا1968 کے انقلاب کے نتیجے میں جب بعث پارٹی کو ایک بار پھر اقتدار ملا تو صدام حسین اس حکومت میں نائب صدر کی حیثیت سے منظر عام پر آئے پورے دس سال نائب صدر کے طور پر فرائض منصبی انجام دیتے رہے1979 میں جب عراقی صدر احمد حسن بکر نے خراب صحت کی بنیاد پر استعفیٰ دیا تو صدام حسین صدر کی حیثیت سے عراق کے اقتدار پر مکمل طور پر چھا گئے یہاں ہم سب کے لئے بہت بڑا سبق پنہاں ہے کہ ایک یتیم بچہ جس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی باپ فوت ہو چکا تھا کس طرح مشکل ترین حالات وواقعات سے نبرد آزما ہوتا ہوا منصب صدارت تک جا پہنچا اسے کہتے ہیں اللہ جو چاہتا ہے اور جسے عزت دینا چاہتا ہے دے دیتا ہے انسانی عقل خدائی فیصلوں کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتی ایک مرتبہ خالق کائنات نے ملک الموت حضرت عزرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ تم حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر کروڑوں بلکہ اربوں انسانوں کی جان قبض کر چکے ہو اور خصلتاً بے رحم مشہور ہو، کیا تمہیں جان نکالتے وقت کسی پر رحم بھی آیا حضرت عزرائیل علیہ السلام نے کہا اے باری تعالی میں تو وہی کرتا ہوں جس کا تو حکم دیتا ہے اور تیرے حکم کی سرتابی کا تصور بھی نہیں کرسکتا لیکن مجھے دو مرتبہ رحم ضرور آیا تھا ایک مرتبہ جب سمندر میں تیرتا ہوا جہاز سمندری لہروں کی نذر ہو کر ٹوٹ گیا اس میں سوار تمام انسان سمندر میں ڈوب کر مر گئے تھے لکڑی کے تختے پر ایک ماں اپنی نومولود بچے کے ساتھ سمندری لہروں کے تھپیڑوں پر تیر رہی تھی اور تیز ہوا کی وجہ سے کسی بھی وقت لکڑی کا وہ تختہ الٹ سکتا تھا جس کی وجہ سے اس پر سوار ماں اور بچہ بھی سمندر میں باقی لوگوں کی طرح غرق ہو جاتے اس نازک لمحے تیرا حکم ہوا کہ لکڑی کے تختے پر تیرتی ہوئی ماں کی جان قبض کرلوں جان تو میں نے تیرے حکم کے مطابق قبض کرلی لیکن دل میں خیال ضرور پیدا ہوا کہ ماں کے مرنے کے بعد اب اس بچے کا کیا بنے گا حضرت عزرائیل علیہ السلام نے کہا کہ دوسری مرتبہ مجھے اس وقت ترس آیا جب شداد نامی بادشاہ نے اپنے لئے جنت بنائی دولت کے انبار اس کی تعمیر میں صرف کردیئے ہر قسم کے پھل دار پودے اور جنت کا سماں پیدا کرنے والی حوریں اس میں چھوڑیں لیکن جب جنت بالکل تیار ہوگئی تو شداد اپنی بنائی ہوئی جنت کو دیکھنے کے لئے آیا ابھی اس کا ایک قدم جنت سے باہر اور ایک اندر ہی تھا کہ تیرا حکم ہوا اس کی روح قبض کرلوں پرور دگار نے حضرت عزرائیل کی بات سن کے فرمایا جس بچے کی ماں کی جان تم نے سمندری لہروں پر تیرتے ہوئے لکڑی کے تختے پر قبض کی تھی اور گمان کیا تھا کہ ماں کے مرنے کے بعد اب اس بچے کا کیا بنے گا یہ وہی بچہ تھا جسے ہم نے ساحل پر پہنچا کر ایک ایسے معزز گھرانے میں پرورش کروائی کہ اس کی ذات میں بے شمار خوبیاں پیدا فرمائیں پھر وہ بچہ لڑکپن اور نوجوانی کی حدیں عبور کرتا ہوں بادشاہت کی مسند تک جا پہنچا لیکن بادشاہ بننے کے لئے بعد اس

نے شکر ادا کرنے کی بجائے کفران نعمت کیا اور یہ کہہ کر خود ساختہ جنت بنانے لگا کہ مرنے کے بعد خدا جس جنت کا وعدہ کرتا ہے میں زندگی میں ہی اسے بنالیتا ہوں

گویا یہ وہی بچہ تھا جو بعد بادشاہ کے روپ میں شداد کہلایا اس لئے جو میں بہتر جانتا ہوں کوئی اور نہیں جانتا

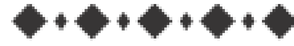
اس میں کوئی شک نہیں کہ عراق کی جدید پیمانے پر ترقی کے لئے صدام حسین نے انتہائی اہم کردار ادا کیا لیکن ان کی زندگی کا دوسرا ناپسندیدہ پہلو ایک برادر ملک ایران کے خلاف امریکہ کے ایما پر دس سال تک غیر ضروری جنگ لڑنا تھا ذاتی انا کو تسکین پہنچانے والی اس بے مقصد جنگ

کے نتیجے میں عراق اور ایران دونوں جانب کے لاکھوں مسلمانوں نے جانوں کا نذرانہ پیش کیا قابل ذکر بات تو یہ ہے کہ امریکہ نے ایرانی عوام کے خلاف استعمال کرنے کے لئے انتہائی ہولناک اور تباہ کن میزائیل اور ہتھیار دانستہ صدام حسین کو دیئے تاکہ ان ہولناک ہتھیاروں کا شکار ہو کر دونوں جانب زیادہ سے زیادہ مسلمان ہلاک اور برباد ہوں اس جنگ کے حوالے سے صدام حسین کا کردار کسی بھی طرح تحسین کے قابل نہیں قرار دیا جاسکتا اگر یہی طاقت وہ اسرائیل کے خلاف استعمال کرتا تو اسرائیل کبھی عربوں کے درمیان استحکام حاصل نہ کرپاتا لیکن بدقسمتی سے صدام یہودیوں اور عیسائی طاقتوں کا آلہ کار بن کے مسلم امہ کے خلاف ہی بے جا طاقت استعمال کرتا رہا جو اس کی زندگی کا تاریک ترین باب ہے

1988 میں مسلم امہ کے مجبور کرنے پر جب جنگ بند ہوگئی تو صدام حسین نے بلا سوچے سمجھے ایک اور پڑوسی مسلم ریاست کویت پر یلغار کردی اور آناً فاناً اس پر عراقی فوج قابض ہوگئی اس کی اس حماقت کا فائدہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو اس طرح ہوا کہ کویت کو آزاد کرانے کے لئے ان کی فوجیں کویت میں جا اتریں اور صرف چند دنوں میں ہی عراقی فوج کو دھکیلتی ہوئی عراقی سرحدوں کے اندر تک لے گئیں اس عراقی یلغار کے نتیجے میں کویت کی معیشت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا تیل کے بیشتر کنوؤں کو عراقی فوج نے آگ لگادی کویت کی حدود میں آنے والے تمام شہروں اور قصبوں کو درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسا لوٹا جیسے ایک جارح فوج مفتوح ممالک کو لوٹا کرتی ہے کویتی معیشت کی رہی سہی کسر امریکی فوج نے دفاع کی آڑ میں اس کے وسائل پر قبضہ کرکے نکال دی صدام حسین کا یہ اقدام بھی تاریخ کے اوراق میں انتہائی شرمناک باب کی حیثیت سے موجود رہے گا

صدام حسین کی زندگی کے تیسرے اور سبق آموز دور کا آغاز 19 مارچ 2003 کو اس وقت شروع ہوتا ہے جب ایران کے خلاف عراق کی حمایت کرنے والا جارح ملک امریکہ اور اس کی اتحادی فوجوں نے سرزمین عراق پر یہ کہہ کر حملہ کردیا کہ عراق کے پاس خطرناک ترین ہتھیار موجود ہیں جن کی موجودگی بالخصوص اسرائیل کے لئے خطرناک ہے صدام حسین حقائق کے برعکس بڑھکیں مارتے رہے کہ عراقی سرزمین کو امریکی فوجوں کے لئے قبرستان بنادیں گے صدام نے ایک اور احمقانہ حرکت یہ کی کہ اپنی فوجوں کو سعودی عرب کی سرحد پر بھی یلغار کے لئے تعینات کردیا سعودی عرب کی سلامتی کو خطرے میں محسوس کرکے پاکستان سے افواج کو بھیجا گیا لیکن خدا کا شکر ہے کہ صدام نے ارض مقدس پر حملے کا ارادہ ملتوی کرکے مسلم امہ پر احسان عظیم کیا وگرنہ اپنے ہی ہاتھوں ارض مقدس کی بے حرمتی ہوجاتی ہے جس پر غیر مسلم اقوام کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا بلکہ امریکہ کو دفاع کی آڑ میں سعودی عرب میں مزید قدم جمانے کا موقعہ میسر آجاتا ہے بہرکیف چند ماہ کی مزاحمت کے بعد عراقی فوجیں پسپا ہوگئیں امریکی اور اتحادی فوجوں نے بغداد سمیت پورے عراق پر قبضہ کرلیا اس قبضے کے بعد امریکی جریدے کی رپورٹ کے مطابق اب ساڑھے چھ لاکھ مزید انسان لقمہ اجل بن چکے ہیں جن میں امریکی صرف تین ہزار ہیں اتنی بڑی ہلاکتوں کا ذمہ دار صدام ہے یا بش اس کا فیصلہ تاریخ ہی کرے گی لیکن یہ بات کہنے میں عار محسوس نہیں ہوتی کہ صدام حسین نے اپنی مقبولیت کے برعکس مسلم امہ کی مضبوطی اور استحکام کے لئے کام کرنے کی بجائے ان کو اپنے دور اقتدار میں آزمائشوں، مصیبتوں اور پریشانیوں میں ہی مبتلا کئے رکھا طاقت اور اختیارات کا جنون انہیں ایک ہیرو کی بجائے ایک جابر انسان کے روپ میں دکھاتا ہے ان تمام واقعات سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ امریکہ جس کو پہلے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کرتا

ہے وقت گزرنے کے بعد اسی شخص کو صفحہ ہستی سے مٹانا بھی وہ اپنا فرض اولین سمجھتا ہے یہ سبق صرف عراق کی حد تک ہی محدود نہیں ہے پاکستان کے کئی حکمران اس امریکی رویے اور طوطا چشم پالیسیوں کا شکار ہو چکے ہیں بلکہ موجود حکمرانوں کا انجام بھی صدام سے مختلف نظر نہیں آتا جو اٹھتے بیٹھے دہشت گردی کے خلاف جنگ کرنے کے ساتھ ساتھ امریکی ایما پر روشن خیالی کے روپ میں پاکستان جیسے اسلامی معاشرے میں ہر سطح پر بے حیائی اور بے راہ روی کا ماحول پروان چڑھنا چاہتے ہیں کہ یہاں کسی کی عزت اور آبرو محفوظ نہ رہے میں سمجھتا ہوں صدام حسین کا انجام ہمارے حکمرانوں کے لئے بالخصوص لمحہ فکریہ پیدا کرتا ہے جو امریکی حکمرانوں کی اشیر باد حاصل کرنے کے لئے اپنے ہی ملک میں اور اپنے ہی ہم وطنوں کے خلاف نہ صرف جنگ عروج پر پہنچا چکے ہیں بلکہ اب بھی جاری رکھے ہوئے ہیں بحیثیت انسان اور مسلمان مجھے صدام حسین کی پھانسی پر دلی دکھ اور رنج ہے لیکن دوسروں کی خاطر اپنوں کو ہلاکتوں کا شکار کرنے والے عناصر کا انجام اس سے مختلف نہیں ہوا کرتا یہی تاریخ کا اہم سبق ہے



صدام..........مردآہن

ہٹلراور نپولین کے بعد صدام حسین دنیا کا ایک ایسا حکمران تھا جسے تاریخ دان اور محقق کبھی فراموش نہ کرسکیں گے۔صدام حسین نے اپنے چوبیس سالہ دوراقتدار میں انتہائی متحرک اور متنازعہ زندگی بسر کی۔اقتدار میں آنے سے پہلے اور اقتدار سے معزولی کے بعد بھی صدام حسین خبروں کا مرکز رہے۔

دنیا کی واحد سپرپاورامریکہ کو جس تسلسل سے انہوں نے چیلنج کیا وہ اپنی جگہ منفرد حیثیت کی حامل ہے۔صدام حسین کی شخصیت ان کے سیاسی نظریات اور دور حکمرانی کا تجزیہ کرنے سے حیران کن پہلو سامنے آتے ہیں۔عراق کے مردآہن صدام حسین کا دوراقتدار 10 اپریل 2003ء کو سقوط بغداد کے ساتھ ختم ہوا تقریباً آٹھ ماہ بعد 13 دسمبر 2003ء کوصدام حسین کوامریکی فوج نے ان کے آبائی گاؤں تکریت کے قریب ایک زیر زمین ٹھکانے سے گرفتار کیا۔امریکہ کے زیراثر بغداد میں قائم کی جانے والی عراقی عدالت نے انسانیت کے خلاف جرائم کی بنیاد پر مقدمہ چلایا اور پھانسی کی سزادینے کا اعلان کیا۔صدام کو مشرق وسطیٰ میں عیدالاضحیٰ کے دن پھانسی دے دی گئی،اس طرح صدام کی قسمت کے فیصلے پرعمل درآمد ہو چکا ہے۔صدام اگر چاہتے تو جنگ سے پہلے بھی فرار ہو سکتے تھے۔امریکی قبضے کے وقت بھی ہتھیارڈال سکتے تھے،یا کسی اور ملک میں پناہ لے سکتے تھے، لیکن انہوں نے اپنے اس قول کو سچ کردکھایا کہ''عراق میں پیدا ہوا ہوں اور عراق میں ہی مروں گا۔''

امریکہ عراق جنگ کی رپورٹنگ کے دوران بغداد، شام اور اردن میں میری جن دانشوروں، صحافیوں اور صاحب الرائے افراد سے ملاقات ہوئی، انہوں نے صدام حسین کے بارے میں مختلف آراء کا اظہار کیا اس کی تفصیل میں نے اپنی کتاب ''میں نے بغداد جلتے دیکھا'' میں بیان کی ہے۔ان آراء کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1۔ صدام امریکی ایجنٹ تھا اس نے امریکی مفادات کا بھرپور تحفظ فراہم کیا اور ملت اسلامیہ کو عظیم نقصان پہنچایا۔

2۔ صدام، عالم اسلام کا ایک ایسا قوم پرست جنگجو عرب حکمران تھا جس نے سپرپاور کے سامنے سرنگوں ہونے کی بجائے اصولوں کی خاطر سب کچھ قربان کردیا۔

3۔ صدام اسرائیل اور امریکی حاشیہ بردار حکمرانوں کے سخت خلاف اور آزادی کی تحریکوں کا سرپرست رہا۔

ایک طبقۂ فکر نے صدام کے سارے گناہ معاف کر کے انہیں اسلام کا ہیرو قرار دیا ہے۔ دوسروں کا کہنا ہے کہ صدام حسین عقل سے عاری ایک ظالم اور ضدی حکمران تھا جس نے عالم اسلام کے مفادات کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا.........صدام نے صدر کا منصب سنبھالنے کے 14 ماہ بعد ایران پر حملہ کر دیا۔ 9 سال تک جاری رہنے والی اس جنگ میں تین لاکھ سے زیادہ عراقی اور سات لاکھ کے قریب ایرانی مسلمان جان گنوا بیٹھے۔ 20 لاکھ سے زیادہ زخمی ہوئے۔ افغانستان پر سوویت یونین کا فوجی قبضہ ہوا تو صدام حسین نے اس کی حمایت کی۔ 1990ء میں صدام حسین نے کویت پر قبضہ کر لیا۔ وہاں قتل و غارت گری کا شکار بننے والے سب کے سب مسلمان تھے۔

کچھ دانشور صدام کو صلاح الدین ایوبی قرار دیتے ہیں، دوسرے کہتے ہیں کہ صدام حسین اور صلاح الدین ایوبی میں کیا مماثلت تھی؟ صلاح الدین ایوبی نے عربوں کو متحد کیا، صدام حسین نے عربوں کو تقسیم کیا۔ صلاح الدین ایوبی حسن اخلاق، رحم دلی اور انسانیت کا پیکر تھا جبکہ صدام حسین ایک ظالم، جابر اور قاتل تھا جو مخالفوں کو اپنے ہاتھ سے گولی مارنا پسند کرتا۔ صلاح الدین ایوبی نے قبلہ اول کو عیسائیوں سے آزاد کرایا اور غیر ملکیوں کو اپنے خطے سے نکالا، صدام حسین نے غیر ملکیوں کو اس خطے میں اڈے بنانے کے مواقع مہیا کیے اور ملت اسلامیہ کے نمائندہ شہروں نجف و کربلا، بغداد اور بصرہ پر غیر ملکی قبضے کرا دیئے۔

صدر صدام دنیا کا واحد سربراہ تھا جس نے ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹاگون کے حادثے پر امریکہ سے افسوس کا اظہار نہیں کیا۔ صدام حسین نے اسرائیل پر فدائی حملے کرنے والوں کی نہ صرف یہ کہ مالی اعانت کی بلکہ ان کی شہادت کے بعد اہل خانہ کے وظائف بھی مقرر کیے۔ صدام حسین نے فدائی حملوں میں شہید ہونے والے ہر فرد کی مالی مدد کیلئے ایک خصوصی فنڈ قائم کیا ہوا تھا۔ اس فنڈ سے ہر فدائی کے کنبے کو فوری طور پر 25 ہزار ڈالر دیئے جاتے تھے۔

صدام حسین نے اقتدار میں آتے ہی پورے ملک میں کنڈرگارٹن سے لے کر یونیورسٹی تک مفت تعلیم کر دی۔ پورے ملک میں ایک معین نصاب کا کورس شروع کیا۔ پورے ملک میں سکولوں اور ہسپتالوں کی نئی عمارتیں تعمیر کرائیں، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے مضبوط تعلیمی نیٹ ورک قائم کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عراق کا ہر آدمی پڑھا لکھا بن گیا، اس حیران کن تعلیمی انقلاب پر اقوام متحدہ کے ادارے یونیسکو نے صدام حسین کو دنیا کا اعلیٰ ترین اعزاز "کروپیکا" دیا۔ صدام دنیا کا واحد حکمران ہے جس نے اپنی پوری قوم کو پڑھا لکھا بنا دیا۔

صدام حسین ستائیس کتب کے مصنف ہیں۔ ان کی ایک مشہور کتاب کا نام "حول کتاب التاریخ" ہے۔ صدام حسین کے بارے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کو اپنا آئیڈیل قرار دیتے ہیں۔ صدام حسین نے اپنے دور اقتدار میں شیعہ اور سنی تنازعہ کو سختی سے دبائے رکھا۔ عراق میں محرم کے جلوس نکالنے کی اجازت نہ تھی۔ صدام حسین نے اپنے دور اقتدار کے آخری دو سال میں اہل تشیع کے بارے میں اپنی پالیسی بتدریج تبدیل کرنا شروع کی اور محرم میں مجالس اور جلوس کی اجازت بھی دی۔ اقوام متحدہ کی پابندیوں اور امریکہ کی طرف سے گھیرا تنگ ہونے کے بعد اندرون ملک شیعہ کمیونٹی سے بہتر تعلقات استوار کرنے کیلئے صدام حسین نے یہ پالیسی اپنائی کہ امن و امان کے قیام

میں ان کا تعاون حاصل رہے۔

صدر صدام نے اسم المشروع النباء المساجد کے نام سے ایک پروگرام شروع کیا جس کے مطابق اللہ کے ننانوے ناموں پر ننانوے مساجد بنانے کا اعلان کیا گیا۔ بغداد کی ایک مسجد میں ایک بہت بڑے قرآن پاک کے صفحات کو شیشے میں محفوظ کیا گیا ہے۔ یہ قرآن پاک صدام نے اپنے خون سے تحریر کرایا ہے۔ صدر صدام حسین نے تین برسوں میں چوبیس لیٹر خون دیا جس سے یہ قرآن تحریر کیا گیا اس خون میں سرخ اور براؤن رنگ کی خاص سیاہی شامل کی گئی۔ صدام حسین نے 1991ء میں خلیجی جنگ کے موقع پر امریکی صدر سینئر بش کو جو خط لکھا وہ بھی تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔

''آپ ایک سپر ریاست کے صدر ہیں آپ اور آپ کے پستہ قد ایجنٹ مجھے (صدام حسین) کو ایک دروغ گو قرار دیتے ہیں لیکن آپ اس الزام کو ثابت کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ کا سب سے بڑا خواب یہی ہے کہ آپ صدام حسین کو جھوٹا دیکھنا چاہتے ہیں لیکن صدام کے نزدیک جو جھوٹ بولتا ہے وہ قوت ارادی اور ایمان کی دولت کھو دیتا ہے۔''

ریاستہائے متحدہ امریکہ کے صدر آپ نے بھی جھوٹ کی راہ اپنالی ہے اور آپ بھی اس دروغ گو جتھے کے ساتھی بن گئے ہیں جو اپنے آپ کو عرب قوم کا نمائندہ سمجھتے ہیں۔ عرب عوام کے خدمت گزار وہ عرب حکمران نہیں ہیں جو آپ کے تابعدار ہیں اور قوم کی دولت چرانے میں آپ کے شریک کار ہیں۔ عرب وہ ہیں جو غریب اور ایماندار ہیں اور حقیقی معنوں میں محب وطن ہیں۔ آپ عرب قوم کو ڈرا دھمکا نہیں سکتے کیوں کہ یہ وہ عظیم قوم ہے جو نبیوں، پیغمبروں اور مقدس آسمانی کتب کے نزول کے لئے منتخب کی گئی۔

1991ء کی خلیجی جنگ کے موقع پر صدام حسین نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے اقوام متحدہ پر بھی کڑی تنقید کی، یہ سلامتی کونسل کیا ہے؟ کیا امریکہ سوویت یونین، فرانس، چین اور انگلینڈ یہی پانچ ممالک اس کے ارکان ہیں۔ انہیں کیا حق پہنچتا ہے، عربوں کے معاملات میں مداخلت کریں۔ وہ کون ہوتے ہیں کہ جو آ کر ہمارے معاملات کو حل کریں، انہیں کیا حق ہے کہ وہ آئیں اور ہمارے مسائل میں ٹانگ اڑائیں۔ نہ انہیں ہماری ثقافت کا علم نہ انہیں ہمارے اقتصاد معلوم ہیں۔ وہ خود جو چاہیں کرتے پھریں اور ہمارے لیے عالمی قوانین کا ڈنڈا لے کر آ جائیں ہم بھی انسان ہیں۔ اگر وہ خود بین الاقوامی اصولوں کا احترام نہیں کریں گے تو وہ ہم سے بین الاقوامی قوانین کا احترام کیسے کروا سکتے ہیں؟ انہیں خود بھی ان کا احترام کرنا ہوگا۔ ہم نے کتنی دفعہ سلامتی کونسل میں مسئلہ فلسطین پیش کیا ہے۔ مگر کسی نے کوئی توجہ نہیں دی۔ سلامتی کونسل اپنا وقار کھو چکی ہے۔ نہ یہ عالمی ہے اور نہ امن کی کونسل بلکہ یہ بش کا تابعدار ادارہ ہے میں اس کا احترام نہیں کر سکتا۔ یہ جھوٹے مکار اور دغا باز ہیں، ہم ان پر اعتماد نہیں کر سکتے۔

عراق نے امریکہ کی اس سازش کو بے نقاب کیا تھا کہ وہ تیل پر قبضہ کر کے پوری دنیا پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ وہ تیل پر قبضے کی بجائے خرید و فروخت کرے۔ وہ ہم سے خریدے ہم انہیں فروخت کریں جو ایک عالمی اصول ہے لیکن یہ کہ وہ آئے اور تیل پر قبضہ کرے اور عربوں اور مسلمانوں کو اپنا محکوم بنا لے ہم اسے یہ نہیں کرنے دیں گے۔

ہم جنگ نہیں چاہتے، ہم نے اپنے ہاتھوں سے بغداد تعمیر کیا ہے۔ جب ہم نے زمام اقتدار سنبھالی تو پورے بغداد میں صرف دو محل اور ایک ہوٹل تھا۔ ہم نے بغداد کو تعمیر کیا اسے آباد کیا۔ ہم جنگ کر کے یہ سب کچھ برباد نہیں کرنا چاہتے۔ ہم نے اس کیلئے راتوں کی نیند قربان کی ہے ہم نے

اس کیلئے بڑی مشقتیں اٹھائی ہیں، اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بغداد کو ہم برباد نہیں کرنا چاہتے، ہم امن چاہتے ہیں جنگ نہیں۔ صدام کی شخصیت کے بہت سے پہلو ابھی تک محققین اور تاریخ دانوں سے چھپے ہوئے ہیں۔ صدام کی شخصیت اور اس کے کردار کے بارے میں حتمی رائے کا اظہار آنے والے دنوں میں کیا جاسکے گا۔

صدام کی زندگی، اس کی طرز فکر اور حکمرانی کے اصولوں کا مطالعہ تاریخ کے طالب علم کے لئے خصوصی دلچسپی کا حامل ہے۔ اس نے زندگی کس ڈھب پر گزاری، اس کی شخصیت کے نمایاں پہلو کیا تھے اس بارے میں چھپنے والے مواد کا مطالعہ کرنے اور لوگوں کے انٹرویوز سے صدام کی شخصیت کے کئی حیران کن پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ صدام حسین 28 اپریل 1937ء کو عراق کے ایک قصبے تکریت میں پیدا ہوئے۔ صدام کی پیدائش سے پہلے ہی اس کے والد فوت ہو گئے تھے۔ ان کا نام ان کے چچا حسن الماجد نے ''صدام'' رکھا۔ صدام کے معنی ہیں سامنے آنے والا اور ڈٹ کر مقابلہ کرنے والا۔ صدام کی پیدائش جس قصبہ میں ہوئی اسی قصبے میں 1138ء میں ایک عظیم مسلمان فاتح سلطان صلاح الدین ایوبی بھی پیدا ہوئے تھے۔ صدام کی تعلیم و تربیت ان کے ماموں نے کی۔ صدام کا قد 6 فٹ 2 انچ تھا، صدام کو مطالعے کا شوق شروع سے تھا۔ وہ اپنے جیب خرچ سے کتابیں خریدتا اور اپنی چچازاد، ساجدہ کے ساتھ بحث کرتا (بعد میں یہی ساجدہ صدام کی پہلی بیوی بنی)، صدام کو شکار کا بہت شوق تھا خاص طور پر تیتر اور بٹیر کا شکار ان کا معمول تھا۔ صدام عرب تاریخ اور عسکری کتب کا مطالعہ بھی بہت ذوق شوق سے کرتا، صدام دوسرے نوجوانوں کے برعکس شراب اور شباب میں دلچسپی نہ لیتا تھا۔ صدام نے 18 سال کی عمر میں بعث پارٹی میں شمولیت اختیار کی۔ اس زمانے میں عبدالکریم قاسم عراق کے صدر تھے اور وہ کمیونسٹ نظریے کے حامی تھے۔ ان کا ایک عزیز دوست سعدون ناصری تکریت میں قتل ہو گیا۔ اس قتل کا ذمے دار صدام کو ٹھہرایا گیا اور گرفتاری عمل میں آئی۔ صدام کی یہ پہلی گرفتاری تھی۔ صدام پر خصوصی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا لیکن ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے 6 ماہ بعد رہا کر دیا گیا۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد صدام کو بعث پارٹی کی ہائی کمان نے بغداد بلا لیا۔ وہاں اسے ایک اہم مشن سونپنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ مشن عراق کے صدر عبدالکریم قاسم کو قتل کرنا تھا۔ صدام نے عسکری تربیت حاصل کی، جس میں خاص طور پر ریوالور اور مشین گن سے ٹھیک نشانہ لگانے کی خصوصی مہارت شامل تھی۔ صدام نے اپنے پانچ ساتھیوں کے ہمراہ عراق کے صدر عبدالکریم قاسم پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ وہ کئی دن تک صدارتی محل کے اردگرد گھومتا رہا اور صدر عبدالکریم قاسم کے گزرنے والے راستوں کا جائزہ لے کر پلان بناتا رہا کہ کیسے حملہ کیا جائے اور کن کن راستوں سے فرار اختیار کی جائے۔ 7 اکتوبر 1959ء کی سہ پہر کو صدام نے اپنی مشین گن کا رخ صدر کی کار کی طرف کیا اور فائر کھول دیا۔ دو گولیاں صدر کو لگیں۔ صدر کا شوفر قتل ہو چکا تھا۔ باڈی گارڈ بھی فائر کھول چکے تھے، صدام کا ایک ساتھی قتل ہو گیا، ایک گولی صدام کی ٹانگ پر لگی جس سے وہ زخمی ہو گیا لیکن وہ موقع واردات سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ صدر کو فوراً ہسپتال لے جایا گیا اور ان کی جان بچ گئی۔ صدام گرفتاری کے خوف سے کسی ہسپتال میں نہیں جاسکتا تھا۔ بعث پارٹی کے ایک ساتھی نے ریزر بلیڈ سے صدام کے زخم کے اردگرد کے گوشت کے لوتھڑے کاٹ کر قینچی سے گولی نکال دی اور پٹی کر دی۔ حکومت نے ملک کی سرحدیں سیل کر دی تھیں۔ بغداد شہر میں جہاں شک گزرتا چھاپے مارے جاتے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے صدام نے بھیس بدلا اور بغداد سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ دریائے دجلہ کے کنارے چلتے چلتے صدام تکریت پہنچا۔ راستے میں ایک جگہ

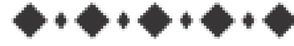
صدام کا ٹکراؤ ایک پولیس آفیسر سے ہوا۔ صدام نے گھبرانے کی بجائے پولیس آفیسر کو انتہائی اعتماد سے تمام سوالوں کے جواب دیے، جب پولیس آفیسر نے صدام سے شناختی کارڈ مانگا تو صدام نے کہا! ہم بدو ہیں، ہمارے پاس شناختی کارڈ کہاں؟ اس پر پولیس آفیسر مطمئن ہوگیا اور صدام اپنی منزل کی جانب چل پڑا۔ راستے میں ایک جگہ صدام کو دریا عبور کرنا تھا۔ سردیوں کے دن تھے اور کشتیوں کی آمدورفت شام ہوتے ہی بند ہو چکی تھی۔ صدام نے دریائے دجلہ کا سامنا کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ صدام نے کپڑے اتار کر ایک گانٹھ کی شکل میں اپنے سر پر باندھ لیے اور خنجر دانتوں میں دبا کر دریائے دجلہ میں چھلانگ لگادی۔ صدام زخمی ہونے کے باوجود تیر کر دریا پار کر گیا اور آخر کار اپنے گاؤں پہنچا۔ صدام نے تمام تفصیلات اپنی ماں اور سوتیلے باپ کو (جو رشتے میں اس کا چچا تھا) بتادیں۔ سب نے یہی بہتر جانا کہ اب صدام عراق میں رہنے کے بجائے کسی دوسرے ملک میں پناہ لے۔ صدام نے شام میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ بعث پارٹی کا ہیڈ کوارٹر شام میں تھا۔ اور اسے شام آنے کی دعوت بھی مل چکی تھی۔ صدام نے بعث پارٹی سے تعلق رکھنے والے چند قریبی رفقاء کو ہمراہ لیا اور سفر شام شروع کیا۔ راستہ انتہائی دشوار گزار تھا اور راستے میں بہت سی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا، آخر کار شام کی سرحدی چوکی ''بوکمال'' پہنچے، اس چوکی پر ایک دن قیام کرنے کے بعد صدام اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دمشق روانہ ہوگیا۔

دمشق میں بعث پارٹی کے بانی مائیکل افلق نے صدام اور اس کے ساتھیوں کو خوش آمدید کہا۔ مائیکل افلق نے صدام کو اپنی پارٹی میں خاص مقام دیا۔ پارٹی کے فیصلے کے مطابق صدام کی ادھوری تعلیم مکمل کرنے کے لئے اسے مصر بھیج دیا گیا جہاں صدام نے قانون کی تعلیم حاصل کی۔ قاہرہ میں صدام کی مصر کے صدر جمال عبدالناصر سے ملاقات ہوئی، جمال عبدالناصر بھی عبدالکریم قاسم کی حکومت کے خلاف تھا، یہاں ہی امریکی سی آئی اے نے صدام سے روابط استوار کیے۔ صدام نے قاہرہ یونیورسٹی سے قانون کی تعلیم مکمل کی۔ قاہرہ میں قیام کے دوران صدام حسین باقاعدگی سے امریکی سفارت خانے جاتا اور امریکی سی آئی اے سے عراق کی صورت حال کے بارے میں رہنمائی حاصل کرتا رہا۔ عراق میں بعث پارٹی کے کامیاب انقلاب کے بعد صدام بغداد واپس آگیا۔

صدام کے دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ بڑے بیٹے کو اودے حسین یا عدی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ عدی کو ''اودے حسین'' بھی لکھا جاتا ہے۔ صدام نے اپنے بڑے بیٹے کا نام حضرت عدی بن حاتم کے نام پر رکھا جن کے والد کی سخاوت دنیا میں ضرب المثل ہے۔ اودے حسین 1964ء میں پیدا ہوا۔ صدام کے دوسرے بیٹے کا نام ''قصے حسین'' تھا۔ یہ بیٹا 1966ء میں پیدا ہوا (یہ دونوں جنگ ختم ہونے کے چند مہینے بعد امریکی فوجوں کے خلاف مزاحمت کرتے ہوئے جاں بحق ہوگئے) صدام کی تین بیٹیاں، راغدہ 1967ء میں، رعنا 1969ء میں اور حالہ 1972ء میں پیدا ہوئیں۔ صدام نے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی کا نام ساجدہ ہے۔ صدام کی سیاسی زندگی میں ساجدہ کا کردار انتہائی اہم رہا۔ صدام کے پانچوں بچے ساجدہ ہی کی اولاد ہیں۔ صدام کی دوسری بیوی کا نام سمیرا ہے، اسے سعیدہ بھی کہا جاتا ہے۔ سمیرا سے صدام کی شادی ایک ایسا حادثاتی واقعہ ہے جو صدام کی شخصیت کے ایک حیران کن پہلو کو اجاگر کرتا ہے۔ اس شادی کا واقعہ مجھے ایک سفارت کار نے اس طرح سنایا.......... بغداد شہر میں دریائے دجلہ کے وسط میں پگس Pigs کے نام سے ایک جزیرہ ہے۔ اہل بغداد کے لیے یہ جزیرہ ایک بہت بڑی سیر گاہ ہے۔ مصر کے صدر حسنی

مبارک کی اہلیہ جب بغداد کے دورے پر آئیں تو ان کے اعزاز میں صدام حسین کی بیوی ساجدہ نے اسی جزیرے پر ایک پرتکلف دعوت کا اہتمام کیا۔ اس دعوت میں صدام کے قریبی دوست ”جی او جو“ اور اس کی بیوی سمیرا بھی مدعو تھیں۔ تقریب کے دوران صدام کا بڑا بیٹا اودے حسین بھی موجود تھا۔ کسی بات پر ناراض ہو کر عدی نے ”جی او جو“ کو مارنا شروع کیا۔ اودے حسین کے باڈی گارڈز نے بھی ”جی او جو“ کو مارا۔ ”جی او جو“ شدید زخمی ہوا اور اسے ہسپتال پہنچایا گیا۔ ہسپتال جا کر وہ فوت ہو گیا۔ صدام کو جب پتا چلا تو اس نے اپنے بیٹے اودے حسین کو اتنا مارا کہ اسے بھی ہسپتال لے جانا پڑا۔ صدام کچھ دیر بعد ہسپتال پہنچا تو ڈاکٹروں نے سمجھا وہ عیادت کرنے آئے ہیں مگر صدام نے ڈاکٹروں کو جو عدی کا علاج کر رہے تھے، دھکا دیا اور ہسپتال میں بھی عدی کو مارنا شروع کر دیا اور کہا جس طرح تو نے میرے دوست کا خون بہایا ہے اس طرح میں بھی تیرا خون بہانا چاہتا ہوں۔ علاج کے بعد عدی تو بچ گیا مگر صدام کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ صدام کے حکم پر قتل کا مقدمہ چلانے کے لیے عدالت قائم کر دی گئی۔ اودے حسین کی والدہ ساجدہ نے بیٹے کا ساتھ دیا اور عدالتی کارروائی پر اثر انداز ہو کر بیٹے کو بچا لیا۔ جب صدام کو حقائق کا علم ہوا تو اس کی پاداش میں صدام حسین نے اپنی بیوی ساجدہ کو تمام اعزازات سے محروم کر دیا۔ صدام نے ”جی او جو“ کی بیوہ سمیرا سے شادی کر لی اور ساجدہ کو خاتون اول کے اعزاز سے محروم کر کے سمیرا کو خاتون اول بنا دیا۔

بشکریہ (سرور منیر راؤ)



ایک کسان کا بیٹا حکمران کیسے بنا

دریائے دجلہ کے کنارے واقع تکریت کے علاقے میں ایک غریب کسان گھرانے میں 1937ء میں سیدہ حجہ طلفاح نے ایک بچّے کو جنم دیا۔ مگر اسے بچّے کے پیدا ہونے کی خوشی سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ وہ اس کی پرورش کس طرح کرے گی، کیوں کہ بچّے کا باپ حسن عبدالماجد اس دنیا سے چند ماہ قبل جدا ہو چکا تھا۔ سیّدہ حجہ طلفاح اپنے کچے مکان میں اسی فکر میں غلطاں تھی کہ بچے کے ماموں الحاج خیر اللہ اور چچا حسن مجید نے اُسے دلاسہ دیا" مانا کہ ہم غریب ہیں اور ہماری گزر بسر آسانی سے نہیں ہوتی، مگر تم فکر نہ کرو، ہم جس طرح بھی ہو سکا اس کی پرورش کریں گے۔

حجہ طلفاح جو پہلے ہی اپنے بھائی اور دیور کے احسانوں کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے تھی، اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ دونوں پہلے ہی غربت اور افلاس کے باوجود اس کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ اب انہیں مزید ایک اور جان کا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔ مگر یہ دیکھ کر اسے اطمینان ہوا کہ دونوں کے چہروں پر تردد نہ تھا بلکہ وہ بچے کی پیدائش پر خوش تھے۔

بچّے کے چچا نے اس کا نام صدام حسین رکھا، صدام کا مطلب زوال دُور کرنے والا ہے۔ صدام کے والد کا سلسلہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا تھا۔ تکریت جسے اِن دنوں خاصی شہرت حاصل ہے، اُن دنوں شہری سہولتوں سے محروم ایک ایسا علاقہ تھا، جس کے مکین دو وقت کی روٹی کے لیے ہر وقت فکر مند رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ صدام حسین کا بچپن تکلیف دہ تھا۔ خوشیاں اسے بہت کم دیکھنے کو ملتی تھیں اور یہ عمر جس میں کسی قسم کی فکر لاحق نہیں ہوتی، بالعموم فکر و تردّد میں گزرتی تھی۔

کچھ ہی عرصے بعد اس کی ماں نے اپنے دیور کے ساتھ شادی کر لی۔ جس کے نتیجے میں صدام کو ایک بھائی اور مل گیا جس کا نام ادھام رکھا گیا۔ دونوں بھائی نہ صرف ایک دوسرے کے گہرے دوست، بلکہ راز دار بھی تھے۔ غربت اور افلاس نے صدام حسین کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے تھے۔ دیگر بچّوں کے مقابلے میں اس کا رعب اور دبدبہ زیادہ تھا اور کسی حد تک دلیر اور بے خوف بھی۔

تکریت میں غریب گھرانوں کے بچّوں کو تعلیم کے لیے درس گاہوں میں بھیجنے کا رواج نہیں تھا، اس کی بڑی وجہ غربت اور دوسری وجہ علاقے میں تعلیمی اداروں کی قلت تھی۔ صدام کے چچا اسے کھیتی باڑی پر لگانا چاہتے تھے۔ مگر ایک دن جب صدام حسین کو اپنے ہاں آنے ولے ایک مہمان بچّے کی زبانی یہ پتا چلا کہ وہ طالب علم ہے اور لکھنا پڑھنا جانتا ہے، تو وہ بہت حیران ہوا اور اس نے دل ہی دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ بھی لکھنا پڑھنا

سیکھے گا۔ اس نے اپنی خواہش کا اظہار والدہ سے کیا تو انہوں نے غربت کے پیشِ نظر اسے باز رکھنے کی کوشش کی، مگر صدام نے شاید تعلیم حاصل کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا تھا، اور پھر ایک رات وہ خاموشی کے ساتھ کپڑوں کے چند جوڑے لے کر اپنی ماں کو بستر پر سوتا چھوڑ کر اپنے ماموں کے گھر چلا آیا، جو تھوڑے فاصلے رہتے تھے، اُن سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ ماموں نے اس کی لگن دیکھ کر ایک سکول میں داخل کرا دیا۔ اس طرح صدام حسین آج وہ صدام حسین بن گیا جو آج ہمارے درمیان نہیں رہا اور اسے پھانسی دے دی گئی ہے۔

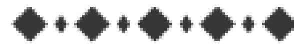
شاید اگر صدام حسین تعلیم حاصل نہ کرتا اور کھیتی باڑی ہی کر رہا ہوتا تو اسے آج پھانسی نہ لگتی اور وہ شہرت کی بلندیوں کی بجائے گم نامی کے اندھیرے میں ہوتا، مگر زندگی جی رہا ہوتا اور اپنے پوتے پوتیوں کے ساتھ ہرے بھرے کھیتوں کے درمیان مٹی کے کسی مکان میں ہوتا، جس سے اٹھنے والی سوندھی سوندھی خوشبو مسحور کر دیتی ہے۔ مگر تقدیر کا لکھا، کون مٹا سکتا ہے۔ وہ صدام حسین جو کچھ عرصے قبل تک رعب، دبدبے، شان و شوکت کی علامت سمجھا جاتا تھا کس بے بسی کے عالم میں پھانسی کے پھندے پر جھول گیا۔

آخر ایک کسان کا بیٹا سیاست کی راہ پر کیوں چل پڑا اور اس نے سیاست بھی ایسی کی کہ نہ صرف وقت کو اپنا مطیع بنا لیا بلکہ عراق کے عوام پر کئی دہائیوں تک اس طرح حکومت کی کہ اپنے خلاف کوئی بات سننا بھی ناقابل معافی جرم قرار دیا۔ صدام کا یہ مزاج غالباً ان واقعات کا ردعمل بھی تھا، جن کے مطابق اس کے آباؤ اجداد کے متعدد افراد کو ترکوں نے قتل کر دیا تھا اور ان کے گھروں کو نذر آتش کر دیا تھا۔ ان کارروائیوں سے تنگ آ کر صدام کے اجداد اپنے گھر بار چھوڑ کر قریبی پہاڑوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے تھے۔ صدام حسین کو یہ واقعات اپنے بزرگوں کی زبانی معلوم ہوا کرتے تھے، تو وہ بدلے کی آگ میں جلتا رہتا تھا۔ تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ وہ نہ صرف اپنے حالات کا جائزہ لیتا رہتا تھا بلکہ بین الاقوامی سطح پر تبدیل ہونے والے حالات پر بھی گہری نظر رکھتا تھا۔

اُن دنوں دنیا بھر میں برطانوی اور فرانسیسی نو آبادیاں ایک کے بعد ایک کر کے سامراجی تسلط سے آزادی ہو رہی تھیں۔ بالخصوص عرب خطے میں بھی زندگی حقیقی معنوں میں آزاد طور پر گزارنے کا جذبہ ابھر رہا تھا۔ تعلیم جاری رکھنے کی خاطر صدام حسین بغداد آ گئے اور کرخ کے ہائی اسکول میں داخلہ لیا۔ ان دنوں بین الاقوامی سطح پر سیاسی حالات بدل رہے تھے۔ برطانوی اور فرانسیسی استعمار کی زنجیریں یکے بعد دیگرے ٹوٹ رہی تھیں۔ عرب ممالک میں بھی آزادی کی تحریکیں انگڑائی لے رہی تھیں اور یہ ماحول ہر ذی شعور کو متاثر کر رہا تھا۔ صدام نے تعلیم کے حصول کے ساتھ ساتھ ان حالات و واقعات کا نہ صرف مشاہدہ شروع کیا بلکہ اس کا اثر بھی لینا شروع کر دیا۔ ان دنوں عراق میں سوشلسٹ اور بعث پارٹی بہت مقبول تھیں۔ صدام حسین نے بعث پارٹی میں شمولیت اختیار کی، اُس وقت سوشلسٹ پارٹی کی حکومت تھی اور عبدالکریم قاسم حکمران تھے۔ صدام حسین نے تھوڑے ہی عرصے میں سیاسی میدان میں مقبولیت حاصل کر لی۔ اس دوران عبدالکریم قاسم کے قریبی دوست سعدون ناصری کا تکریت میں قتل ہو گیا۔ حکمران پارٹی نے اس قتل کا ذمے دار صدام حسین کو قرار دے کر گرفتار کر لیا۔ صدام حسین چھ ماہ جیل میں رہے اور عدم ثبوت کی بنا پر رہا کر دیے گئے۔ اس گرفتاری نے انہیں مزید مقبول بنا دیا 1959ء میں ان کی پارٹی کی ہائی کمان نے بغداد طلب کیا اور انہیں عبدالکریم قاسم کو ہلاک کرنے کی ذمے داری سونپی۔ صدام اور ان کے ساتھیوں نے بہ ظاہر یہ مشن کامیابی سے پورا کیا اور فرار ہو گئے، البتہ ایک گولی اُن کی ٹانگ میں

لگی ۔ بعد میں انہیں یہ پتا چلا کہ عبدالکریم قاسم قاتلانہ حملے میں بچ گیا۔اُن دنوں صدام ہائی اسکول میں پڑھتے تھے۔شدید زخمی ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے زخم کی خود ہی مرہم پٹی کی اور اسی حالت میں اسکول بھی جاتے رہے۔اس دوران ان کے ساتھیوں کو گرفتار کرلیا گیا۔لہٰذا وہ بھیس بدل کر فرار ہوگئے اور سات دن صحرا میں سفر کرنے کے بعد شام پہنچ گئے۔ وہاں تین ماہ قیام کے بعد1960ء میں مصر چلے گئے اور وہاں تین سال تک تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ بعث پارٹی کے منصوبوں کے لیے کام کرتے رہے۔اسی دوران ان کی منگنی اور بعدازاں شادی، ماموں زاد ساجدہ سے ہوگئے اور یہ اطلاع بھی ملی کہ عراق میں سوشلسٹ پارٹی کا تختہ الٹ دیا گیا ہے۔عبدالکریم قاسم کے قتل کی سازش کے الزام میں انہیں سزائے موت بھی سنادی گئی تھی،مگر بعث پارٹی کے برسراقتدار آنے کے بعداس پر عمل درآمد نہ ہوا اور صدام حسین عراق واپس آگئے۔مگر یہاں آکر ان کو اپنی ہی پارٹی میں کچھ لوگوں کے خلاف مورچہ لگانا پڑا، کیوں کہ پارٹی میں اختلاف ہوگئے تھے۔صدام حسین نے اپنے مخالف عبدالسلام عارف کے قتل کی سازش تیار کی،مگر یہ سازش پکڑی گئی جس کے بعد انہیں روپوش ہونا پڑا،مگر کچھ ہی دنوں بعد وہ گرفتار کرلیے گئے۔ان پر دورانِ حراست سات روز تک تشدد کیا گیا۔بعدازاں جیل بھیج دیا گیا۔ان کی گرفتاری کے خلاف ملک بھر میں مظاہرے شروع ہوگئے،مگر حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی، بلکہ ان کی بیوی اور شیر خوار بیٹے عدی کو کرائے کے مکان سے باہر نکلوا کر سڑک پر پھنکوادیا۔مظاہروں کے نتیجے میں صدام کے دو ساتھیوں کے علاوہ سازش میں شریک دوسرے افراد کو رہا کردیا گیا،اور پھر ایک دن جب انہیں عدالت لے جایا جارہا تھا وہ ایک پلان کے تحت فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔جس کے بعد انہوں نے اپنی پارٹی کے ہم خیال لوگوں کو ساتھ ملا کر انقلاب کے لیے راستہ ہموار کرنا شروع کردیا اور پھر اپنے تدبّر اور فراست کی بنا پر جولائی1968ء میں برسراقتدار آگئے۔جس کے بعد 24 برس تک انہوں نے بلاشرکت غیرے حکمرانی کی۔اس دوران ان کے خلاف بھی سازشیں ہوتی رہیں۔مگرانہوں نے ان سازشوں کو سختی سے کچل دیا۔اور اپنے دو دامادوں کو بھی، سازش میں شریک ہونے پر موت کے گھاٹ اتروادیا۔

بشکریہ (غلام محی الدین)



صدام کا مقدمہ تاریخ کے حوالے

عیدالاضحیٰ کے روز صدام حسین کو پھانسی دے دی گئی یوں دنیا کا یہ متنازعہ راہنما اپنے انجام کو پہنچا اب اس کی حیثیت کے تعین کا معاملہ تاریخ کے سپرد ہو چکا ہے وقت طے کرے گا کہ یہ شخص آمر تھا یا مقبول راہنما، قاتل تھا یا محبّ وطن سپاہی، ظالم تھا یا مظلوم اور بزدل تھا یا بہادر، یہ فیصلہ تاریخ ہی پر چھوڑتے ہوئے پہلے واقعات کا تسلسل دیکھتے ہیں اور پھر اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ امریکا نے ایسا کیوں کیا صدام حسین کو امریکی خفیہ اداروں نے اپنے مقاصد کی خاطر بھرتی کیا تھا اور پھر خاموشی سے اقتدار کی سیڑھیوں پر چڑھایا تھا اور آخر کار عراق کا حکمران بنا دیا تھا اس دوران اس پر برا وقت بھی آیا لیکن صدام کی مستقل مزاجی اور دلیری اس کے کام آئی قدرت بھی مہربان تھی امریکا کی حمایت حاصل تھی سو آخری نتیجے میں وہ کامیاب رہا۔ بعث پارٹی کی سربراہی اور عراق کی حکمرانی سنبھالنے کے بعد وہ عرب سیاست کا متحرک کردار بنا اپنے ابتدائی دور کے بعد اس نے عرب سیاست میں اس بلاک میں شمولیت اختیار کی جس کا جھکاؤ روس کی طرف تھا تب امریکی ذرائع ابلاغ ہمیں صدام حسین کی جو تصویر پیش کر رہے تھے اس سے لگتا تھا کہ ایک فوجی آمر طاقت کے استعمال سے عراق میں حکومت کر رہا ہے اور اپنے ہر مخالف کو قتل کروا دیتا ہے۔ جس کے خلاف آواز اٹھانے والے کیلئے عراق میں کم از کم کوئی جگہ نہیں پھر اسی صدام کو شہہ دے کر ایران پر حملہ کروایا گیا اس وقت عرب بلاک ایران کے شیعہ انقلاب سے خوف زدہ تھا اور عرب بلاک میں عراق ہی ایسا ملک تھا جس کے پاس ایران سے ٹکرانے کی فوجی قوت تھی امریکا بہادر اس سے اپنے پرانے مراسم کی تجدید کر چکا تھا لہٰذا اس کی مکمل پشت پناہی کی گئی اور وہ تمام تباہی پھیلانے والے ہتھیار جن کا بہانہ بنا کر بعد میں عراق پر حملہ اسے امریکا یا اس کے حواریوں نے فراہم کئے تھے اور اپنے ریکارڈ کی بنیاد پر ہی وہ یہ کہتے رہے کہ ایسے تمام ہتھیاروں کے تلف کرنے کا ثبوت نہیں مل رہا۔ کئی سالوں پر محیط عراق ایران جنگ جنگی نکتہ نظر سے تو نتیجہ خیز نہ رہی مگر امریکا نے اپنے اہداف حاصل کر لئے اس کے بعد یہ جانتے ہوئے کہ عراق کویت پر حملہ کرنے والا ہے امریکا نے چشم پوشی کی کیونکہ کویت پر حملہ بھی امریکی ایجنڈے کی تکمیل کرتا تھا۔ کویت پر عراق کے قبضے سے امریکا نے خلیج کی ریاستوں کو زیر نگیں بنا لیا امریکا کویت پر عراقی قبضے کو ختم کرنے کے بہانے یہاں داخل ہوا اور پھر مستقلاً یہاں اڈے بنا لئے۔ سعودی عرب یمن وغیرہ میں بھی اس نے عراق کے خطرے کا استعمال کیا اور وہاں اپنی مضبوط موجودگی کے اسباب پیدا کر لئے یوں صدام حسین نے امریکی ایجنڈا تکمیل تک پہنچایا۔ کویتی قبضے کو ختم کروانے کے بعد امریکی افواج عراق میں داخل ہوئیں۔ لیکن اس وقت عراق کے پاس مہلک ہتھیار تھے اور وہ اندرون خانہ

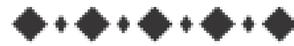
اتحادی تھا لہٰذا جلد ہی امریکی افواج کا انخلا عمل میں آ گیا اور صدام کی حکمرانی بچ گئی۔

اب عراق سے مطالبہ ہوا کہ وہ فوجی ساز و سامان تلف کرے جو اسے ایران کے خلاف جنگ کیلئے فراہم کیا گیا تھا یہیں سے صدام کے ساتھ اختلافات کا آغاز ہوا کیونکہ ان ہتھیاروں سے لیس عراق اسرائیل کے لئے خطرہ تھا جو امریکا اور اسرائیل دونوں کو کسی صورت قبول نہ تھا۔ یہاں سے عراق امریکا مدمقابل آئے۔ عراق پر اقتصادی اور فوجی پابندیاں لگیں لیکن صدام حسین جسے یقیناً امریکا کی بے وفائی چرکے لگاتی ہوگی جھکنے سے انکاری رہا اور پردیئے گئے جنگی معاملے صدر بش کے والد کے دور حکومت میں ہوئے تھے لہٰذا بش جونیئر نے اقتدار سنبھالتے ہی والد کے ادھورے مشن کو مکمل کرنے کی ٹھان لی پہلے عراق پر حملے کی منصوبہ بندی کی گئی اور پھر بہانے تلاش کئے جانے لگے یہاں بھی صدام کی ہٹ دھرمی کام آئی اور باوجود اس حقیقت کے کہ عراق مہلک ہتھیار تلف کر چکا تھا صدام حسین اقوام متحدہ کے انسپکٹروں سے معائنہ کروانے سے گریز کرتا رہا۔ امریکا نے عراق پر حملے کے جواز کیلئے اقوام متحدہ کو استعمال کرنے کی کوشش کی مگر روس، چین اور فرانس کی مخالفت آڑے آئی لہٰذا اس نے برطانیہ اور آسٹریلیا کی حمایت سے عراق پر حملہ کر دیا۔ امریکا کی فوجی قوت کے سامنے عراق کی حیثیت چیونٹی سے زیادہ نہ تھی لیکن اس سے صدام کے بارے میں اندازے کی بہت بڑی غلطی ہوگئی اس کا خیال تھا کہ صدام طاقت کے وحشیانہ استعمال کی بنیاد پر برسر اقتدار ہے اس لئے جب امریکی فوجیں عراق میں داخل ہوں گی ان کا نجات دہندہ کے طور پر استقبال ہوگا لیکن ہوا اس کے برعکس، فلوجہ کی مذمت نے ہی ان پر حقیقت ظاہر کر دی تھی مگر تب تک امریکا بہادر اتنا اندر گھس چکا تھا اور اس کے پاس وہاں رک کر حکمت عملی کو نئے سرے سے مرتب کرنا ممکن نہ تھا خیر عراق فتح کر لیا گیا۔ صدام اور اس کے خصوصی محافظ حکومتی اہلکاریوں غائب ہوئے جیسے ان کا کوئی وجود ہی نہ تھا اور پھر انہوں نے وہ کر دکھایا جس کی امریکا کو توقع نہ تھی صدام کی بعث پارٹی نے امریکا کے خلاف شہری گوریلا جنگ کا آغاز کر دیا۔ اور اس میں اسے اردگرد کی اسلامی تحریکوں کی حمایت بھی حاصل ہوگئی یوں صدام حسین عراق کی آزادی کے محافظ کے روپ میں ابھرنے لگا۔ صدام کے اس ابھرتے امیج کو اس کی گرفتاری نے نقصان پہنچایا۔ اکثریت کی خواہش تھی کہ وہ مزاحمت کرتے ہوئے مارا جاتا گرفتار نہ ہوتا اس دوران امریکا بہت سی حیرتوں کا سامنا کرنے کے بعد نئی حکمت عملی بنا چکا تھا لہٰذا صدام کو گرفتاری کے وقت اس کے بیٹوں کی طرح نہیں مارا گیا تھا بلکہ عدالتی عمل سے گزارا گیا صدام کے اختتام سے امریکی ایجنڈ امتاثر ہوتا۔ لہٰذا اسی دوران عراق میں عربوں کیلئے ایک نئے خطرے کی بنیاد رکھی گئی یہ عراق کی شیعہ حکومت تھی جس کے ایران سے تعلقات تھے سنی مسلک سے وابستہ مشرق وسطیٰ کو امریکا نے اس خوف میں مبتلا کر دیا کہ شیعہ حکومت کی عراق میں مضبوطی ان کے اپنے وجود کو خطرے سے دوچار کر دے گی اس دوران سنی مزاحمت کو زندہ رکھنے اور فروغ دینے کیلئے عدالتی عمل سے صدام کو ہیرو بنایا جانے لگا صدام اپنی شخصی خصوصیات کی وجہ سے ہٹ دھرم تو تھے ہی لہٰذا ان کا مزاحمتی ہیرو کا تصور تقویت پکڑنے لگا اور پھر اس عمل کی آخری مثالی ضرب صدام کی عیدالاضحیٰ کے روز پھانسی تھی اصل میں صدام کی صورت میں اصل قربانی تو جارج ڈبلیو بش نے دی جس شخص کو بہت محنت سے پروان چڑھایا تھا اسے قربان کر دیا آج عراقی حکومت کو ہر طرف سے لعن طعن کا سامنا ہے۔

ایران کی طرف سے صدام کی پھانسی پر خوشی کا اظہار، شیعہ گارڈوں کی طرف سے نعرہ زنی اور عید کے روز پھانسی کی سزا نے صدام کو سنی مسلمانوں کا ہیرو بنا دیا ہے اور عراق کی آزادی کی جنگ شیعہ سنی لڑائی میں بدلنے لگی ہے امریکا جانتا ہے کہ یہی تفریق پوری اسلامی دنیا کو فرقے کی بنیاد پر تقسیم کر

سکتی ہے اور اسے امریکا کا دست نگر بنا سکتی ہے بد قسمتی یہ ہے کہ اسلامی ممالک کے حکمرانوں کی اکثریت عوام کی نمائندہ نہیں اور ان میں اقتدار سے چمٹے رہنے کی خواہش انہیں امریکا کا خادم بناتی ہے۔ یہ امریکی وائسرائے جو مقامی طور پر حکمران سمجھے جاتے ہیں امریکا بہادر کے ملازم ہیں اور اس کے ایجنڈے کو ہی پورا کرنے میں مصروف ہیں جتنا یہ امریکی احکامات کی بجا آوری میں آگے بڑھتے ہیں اتنے ہی اپنے عوام سے دور ہوتے جاتے ہیں اس وقت صورت حال یہ ہے کہ اگر عالم اسلام میں آزادانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کروائے جائیں تو تقریباً تمام ممالک میں امریکا مخالف عناصر برسر اقتدار آ جائیں یہی وہ نکتہ ہے جس کی وجہ سے کبھی کبھی کسی حکمران کے دماغ میں فتور آ جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ امریکا کے لئے ناگزیر ہے لیکن ایسا ہوتا نہیں مالک کے لئے ملازموں کی کمی نہیں ہوتی ایک جائے تو دوسرا جگہ لینے کو موجود ہوتا ہے اس لئے احسان جتانے والے اور امریکی آشیر باد کو خدمات کے صلے میں اپنا حق سمجھنے والے حکمران کو فارغ کر دیا جاتا ہے جس پر وہ بے وفائی کا رونا روتا ہے میرے دوست قریشی حفیظ کہتے ہیں اس میں قصور امریکا کا نہیں ان ملازم مقامی حکمرانوں کا ہے۔ امریکا تو ان سے کام لینے کے بعد ان کو باعزت طور پر فارغ کرنا چاہتا ہے یا انہیں کوئی دوسرا کام سونپنا چاہتا ہے جبکہ یہ سمجھتے ہیں کہ امریکا نے انہیں جو نوکری دی تھی اس پر رہ کر انہوں نے اس کی جو خدمت کی ہے اس کی وجہ سے انہیں اس نوکری پر رہنے کا حق حاصل ہے بس یہاں سے خرابی جنم لیتی ہے اور پھر ضیاء الحق، صدام حسین، رضا شاہ پہلوی اور جنرل پنوشے جیسے انجام سے انہیں دوچار ہونا پڑتا ہے۔ یقین کریں میری اس تحریر کا مقصد یہ نہیں کہ موجودہ حکمران سبق لیں کیونکہ ایسا ممکن ہی نہیں خدمات کے بل بوتے پر منہ چڑھا نوکر باغی ہو ہی جاتا ہے بعض اوقات اس کے مطالبات مان بھی لئے جاتی ہیں ہاں صرف اسے یہ اندازہ ہونا چاہیے کہ مالک اس کے مطالبات کس حد تک مان سکتا ہے اور کہاں آ کر اس کی لچک ختم ہو جائے گی اور اس کی برخواستگی کا باعث بنے گی اگر مالک اسے فارغ کرنے پر تل گیا ہو تو اسے خاموشی سے نوکری سے علیحدگی قبول کر لینی چاہیے ورنہ مالک تو مالک ہے اسے یہ بھی یقین رکھنا چاہیے کہ اپنے اختتام کو سامنے دیکھ کر اسے عوام یا اللہ یاد آ جائے تو یہ بے وقت کی راگنی ہے جس کا اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

بشکریہ (طارق خورشید)



صدام کا مقدمہ: دنیا کو فریب دینے کی کوشش

صدام حکومت برخاست کردی گئی اور صدام کو گرفتار بھی کرلیا گیا مگر صدام کے حوصلے قطعی کم نہیں ہوئے ہیں اس کی تائید وہ سبھی کریں گے جنہوں نے 19 اکتوبر کو عراق کی عبوری حکومت کی قائم کردہ ٹریبونل کورٹ میں جج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر صدام کو بات کرتے اور یہ کہتے سنا کہ ''میں اس نمائشی عدالت کو جوابدہ نہیں ہوں اور تم کون ہوتے ہو مجھ سے سوالات کرنے والے؟ میں عراق کا آئینی صدر ہوں'' صدام حسین ظالم و جابر خواہ کچھ بھی ہوں مگر جس انداز میں انہیں سزا دیئے جانے کی کوشش کی جارہی ہے اس کی وجہ سے ان کی شناخت ایک مظلوم کے طور پر کی جارہی ہے کیونکہ یہ عام طور پر محسوس کیا جارہا ہے کہ عراق کے معزول صدر کے گرد گھیرا اس لئے تنگ کیا جارہا کہ انہوں نے اپنے دور حکومت میں انسانیت پر مظالم کی انتہا کی ہے بلکہ اس لئے اپنے دور حکومت کے آخری ایام میں انہوں نے امریکی مفادات کو نظرانداز کرنے کی جرات کی یہی وجہ ہے کہ امریکا کی سرپرستی میں قائم عراق کی عبوری حکومت کی اس عدالت پر کسی کو یقین نہیں۔ صدام حسین کے خلاف مقدمہ شروع ہوگیا ہے دنیا بھر کے اخبار اس مقدمہ کو عراقی عوام اور عالمی نظام قانون کیلئے ایک اہم موڑ قرار دیا ہے اور یہ بات بڑی حد تک سچ بھی ہے پہلی بات تو یہ کہ کسی بھی ظالم اور جابر آمر مطلق کے خلاف خود اس کے لئے اپنے ملک میں مقدمہ چلایا جارہا ہے۔ یوگوسلاویہ کے میال سووچ کے خلاف بھی اس قسم کا مقدمہ چل رہا ہے مگر وہ مقدمہ بین الاقوامی ٹریبونل میں چل رہا ہے۔

دوسرے ایشیا یا افریقہ کے کسی بھی ملک میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ کسی ڈکٹیٹر کو اس کے گھناؤنے جرائم پر عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا گیا ہے گویا یہ مقدمہ دنیا کیلئے ایک مثال اور ایک نظیر بن رہا ہے تاکہ اگر کوئی اقتدار کا بھوکا شخص قانون اور آئین کو پامال کرکے پوری قوم کو اپنی مرضی اور منشا کا غلام بنانے کا خیال بھی دل میں لائے تو اسے اپنا انجام سامنے نظر آئے لیکن جس انداز سے صدام حسین کے خلاف مقدمہ چلایا جارہا ہے اس سے کسی طرح بھی یہ توقع پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔ صدام حسین کے خلاف مقدمہ چلانے کا مطالبہ انسانی حقوق کی عالمی تنظیموں نے کیا تھا جن کا خیال ہے کہ صدام نے جو جرم کئے ہیں وہ صرف عراقی عوام کے خلاف نہیں بلکہ وہ پوری انسانیت کے خلاف جرم ہیں۔ لیکن اب وہی تنظیمیں شبہ ظاہر کررہی ہیں کہ بدھ کے دن جس خصوصی عدالت میں مقدمے کی سماعت شروع ہوئی ہے اس سے واقعی انصاف بھی مل سکے گا اول تو یہ مقدمہ جس قانون کے تحت چلایا جارہا ہے وہ عراق پر قبضے کے بعد امریکی انتظامیہ کا بنایا ہوا قانون ہے جس میں عبوری حکومت نے تھوڑی بہت ترمیم کرلی

ہے۔

دوسرے جو پانچ جج سماعت کر رہے ہیں وہ کھلم کھلا صدام حسین کے مخالف ہیں۔ عدالت کے سربراہ تو اپنے نام سے ہی کرد معلوم ہوتے ہیں اور سب جانتے ہیں کہ کرد صدام کے جانی دشمن ہیں پھر اس مقدمہ کی ساری تیاریاں قابض حکومت کے ماہرین قانون نے کی ہے جو امریکی برطانوی اور آسٹریلین ہیں ہیومن رائٹس واچ کا کہنا ہے کہ اس مقدمہ کی تفتیش کے سلسلے میں امریکا اب تک 12 کروڑ ڈالر خرچ کر چکا ہے اس کے علاوہ بعث پارٹی کے جس ہیڈ کوارٹر کو عدالت کے کمرے میں تبدیل کیا گیا ہے اس پر امریکا نے لاکھوں ڈالر خرچ کئے ہیں امریکا کی دلچسپی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ صدام حسین کے خلاف جو الزام اس مقدمہ میں پیش کئے گئے ہیں ان میں کوئی بھی الزام ایسا نہیں ہے۔ جس میں امریکا بھی کسی نہ کسی طرح ملوث ہو جائے۔

سب جانتے ہیں کہ ایران کے خلاف امریکی اشارہ اور امریکی امداد سے ہی صدام نے جنگ لڑی تھی یہ امریکا ہی تھا جو عراق کو ایران کے بارے میں خفیہ معلومات فراہم کر رہا تھا ایران کے وزیر انصاف جمال کریمی کو شکایت ہے کہ عراق کے قابض حکمران صدام حسین کے تمام گناہوں کے بجائے محض ایسے تنگ دائرہ میں بند کر کے سزا دینا چاہتے ہیں جس میں امریکا کی اپنی جان بچ جائے۔ لوگ تو کویت پر عراقی حملے کو بھی امریکی سازش ہی قرار دیتے ہیں لیکن یہ بات غلط بھی ہے تب بھی لوگوں کا یہ کہنا غلط نہیں کہ صدام اصل میں پروردہ امریکا کا ہی تھا اور ایران پر حملے کے بعد وہ اتنا شیر ہو گیا تھا کہ اس نے کسی کی بھی پرواہ نہیں کی شاید اس وقت بھی اسے امریکا پر بھروسہ تھا۔

پچھلے ہفتے جو مقدمہ شروع ہوا وہ اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے ابھی دوسرے مقدمے بھی چلائے جائیں گے پہلا مقدمہ جس کی سماعت شروع ہو گئی ہے 1982ء کے اس واقعہ سے متعلق ہے جب صدام پر قاتلانہ حملے کے الزام میں 15 سو افراد کو گرفتار کر کے تنگ و تاریک کوٹھریوں میں ڈال دیا گیا تھا۔ ان میں سے 200 آدمی نہایت کسمپرسی کی حالت میں وہیں مر گئے تھے۔ 143 آدمیوں پر مقدمہ چلایا گیا تھا اور انہیں موت کی سزا دے دی گئی تھی یہ تمام لوگ شیعہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور اس شہر کے رہنے والے تھے جو موجودہ عبوری حکومت کے وزیر اعظم ابراہیم جعفری کا شہر ہے ایک اور مقدمہ لاکھوں کردوں کے قتل کا ہے صدام نے اس قتل عام پر کیمیاوی ہتھیار بھی استعمال کئے تھے اسی طرح 1991ء میں جب شیعہ آبادی نے صدام کے خلاف بغاوت کی تھی تو اس میں بھی ہزاروں افراد نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کر دیئے گئے تھے لیکن اس بغاوت کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ باغیوں کو امریکا نے اکسایا تھا ان باغیوں کو یہ بھروسہ دلایا گیا تھا کہ کویت پر حملے اور اس کے بعد اتحادی فوجوں کی طرف سے عراق کے خلاف جنگ کے بعد چونکہ صدام کمزور ہو گیا ہے اس لئے اس وقت اس کے خلاف بغاوت کامیاب ہو سکتی ہے اور اس میں باغیوں کو امریکا کی حمایت حاصل رہے گی مگر عین وقت پر امریکا پیچھے ہٹ گیا اور بغاوت کے الزام میں پوری کی پوری آبادیاں نیست و نابود کر دی گئیں۔

جہاں تک کیمیاوی ہتھیاروں کا تعلق ہے وہ بھی عراق کو امریکا اور جرمنی وغیرہ نے ہی فراہم کئے تھے لیکن اس وقت یہ سوال نہیں ہے کہ کس نے ہتھیار دیئے تھے اور کس نے کس کو اکسایا اصل حقیقت یہی ہے کہ صدام بہر حال انسانیت سوز جرائم کا مرتکب ہوا ہے اسے اس کی سزا ملنی چاہیے مگر یہ سزا انصاف کے تمام تقاضے ملحوظ رکھنے کے بعد ہی ملنا چاہیے مقدمہ ایسا چلنا چاہیے جو ہر قسم کے شکوک و شبہات سے بالا ہوتا ہے کہ ہم جیسے جذباتی اور

کمزور ذہن لوگوں کو بھی قائل کیا جاسکے کہ یہ شخص واقعی مجرم ہے اب جس طرح یہ مقدمہ چلایا جارہا ہے اس سے تو یہی خطرہ ہے کہ 1991ء کی طرح ایک بار پھر وہ ہیرو بن سکتا ہے صدام حسین کے ایک ساتھی ملزم کے وکیل کا اغواء اور اس کے بعد اس کا قتل اس خدشہ کو بھی تقویت دے رہے ہیں۔

اگر اس طرح کے مقدموں کے بعد صدام کو موت کی سزا ہوتی ہے تو ایک طرف صدام کے بارے میں مسلمان ملکوں میں ہمدری کے جذبات ابھریں گے دوسری طرف امریکا کے خلاف نفرت اور بڑھ جائیگی اور انسانی حقوق کے علمبرداروں کا یہ خواب ہی رہ جائے گا کہ ظالم اور آمروں کا راستہ روکنے کیلئے یہ مقدمہ ایک نظیر بن جائے گا۔

برطانوی جریدے کی رونگٹے کھڑے کردینے والی رپورٹ

عراق میں امریکا اور اتحادی افواج کی طرف سے آگ اور خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے۔ برطانوی میڈیکل جرنل ''دی لانسٹ'' نے عراق کے حوالے سے اپنی رپورٹ میں رونگٹے کھڑے کردینے والے انکشافات کیے ہیں رپورٹ کے مطابق عراق پر امریکی اور برطانوی حملے سے لے کر اب تک عراق میں چھ لاکھ پچپن ہزار عراقی موت کے منہ میں جاچکے ہیں۔ ان ہلاک ہونے والوں کی اوسط عمریں 15 سے 44 سال کے درمیان ہیں ان اعداد و شمار کا مطلب ہے کہ اس مختصر عرصے میں 2.5 فیصد عراقی موت کی وادی میں جاچکے ہیں ہر 40 عراقیوں میں سے ایک عراقی اپنی زندگی سے ہاتھ دھو چکا ہے۔ اس برطانوی طبی جریدے کی طرف سے عراق میں ہونے والی ہلاکتوں کے اعداد و شمار منظر عام پر لانے سے پوری دنیا میں امریکا اور برطانیہ کے خلاف نفرت میں اضافہ ہوا ہے۔ ان وسیع پیمانے پر ہونے والی ہلاکتوں نے صدر بش اور امریکا کا اصل چہرہ دنیا کے سامنے بے نقاب کردیا۔

برطانوی جریدے کی طرف سے ہلاکتوں کے اعداد و شمار صدر بش کی طرف سے تسلیم کردہ ہلاکتوں سے 20 گنا اور برطانوی گروپ کے اعداد و شمار سے 10 گنا زیادہ ہیں۔ عراق میں 2003ء سے لے کر اب تک ہلاکتوں میں بے تحاشہ اضافہ ہوا ہے۔ صرف 2004ء کے دوران عراق میں ایک لاکھ افراد ہلاک کردیئے گئے تھے ہلاکتوں کے حوالے سے اکٹھے کئے جانے والے یہ اعداد و شمار مکمل طور پر سائنسی طریقے سے مرتب کئے گئے ہیں۔ اس لئے ان اعداد و شمار میں کسی قسم کی مبالغہ آرائی یا غلطی کا کوئی امکان نہیں ہوسکتا ہے۔ امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے ''میں نہ مانوں'' کے مصداق پر عمل کرتے ہوئے ان رپورٹوں کو مسترد کردیا ہے صدر بش جو خود کو عالمی منصف سمجھتے ہیں کا کہنا ہے کہ عراق میں ہلاکتوں کے حوالے سے برطانوی طبی جریدے کی رپورٹ قابل اعتبار نہیں ہے اس رپورٹ میں حقائق اور اعداد و شمار کو مسخ کرکے پیش کیا گیا عراق میں تعینات امریکی جنرل گریسی، عراقی حکام اور آسٹریلوی وزیر اعظم نے بھی خبث باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے حقائق کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا ہے۔ عراقی حکومت کے نمائندے کا کہنا ہے کہ رپورٹ میں ہلاکتوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے۔ رپورٹ کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ عراقی حکام کے مطابق عراق میں تشدد اور ہنگاموں سے اب تک صرف 1 لاکھ 28 ہزار افراد ہلاک ہوئے ہیں۔

برطانوی جریدے کی رپورٹ نے صرف ہلاک ہونے والوں کے اعداد و شمار دیئے ہیں رپورٹ میں ان لوگوں کا ذکر نہیں کیا گیا ہے جو عراق

میں امن وامان کی ابتر صورت حال کے باعث اپنی جانیں بچا کر دوسرے ممالک کو نقل مکانی کر گئے ہیں اقوام متحدہ کے اعداد وشمار کے مطابق ہر روز ہزاروں عراقی صرف شام کی سرحد عبور کرتے ہیں۔ مختلف مذہبی گروہوں اور فرقوں کی طرف سے عراق چھوڑنے والوں کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ عراق سے نقل مکانی کرنے والوں میں بڑے بڑے عالم اور اپنے اپنے شعبوں کے ماہر افراد شامل ہوتے ہیں وہ امریکی اور برطانوی پالیسیوں کے باعث اپنا گھر بار سب کچھ چھوڑ کر پناہ گزین بن جاتے ہیں۔

عراق میں امریکا اور برطانیہ کی پالیسیوں کے نتیجے میں ہونے والی ہلاکتیں ایک انسانی المیہ ہے۔ اس کا ذمہ دار صرف صدر بش اور اس کا جنگی جنون ہے۔ صدر بش کے نزدیک انسانی زندگی کی اہمیت ایک کیڑے مکوڑے سے زیادہ نہیں ہے۔ وہ اپنی طاقت کے زعم اور نشے میں ایک بدمست ہاتھی کی طرح چنگاڑ رہا ہے بش کی ناقص پالیسیوں کے باعث عراق میں انسانی تاریخ کے بڑے انسانی المیے نے جنم لیا ہے امریکا، افریقہ، کانگو اور ڈارفر میں تو خود ہلاکتوں کی تحقیقاتی رپورٹیں تیار کرواتا ہے لیکن عراق کے حوالے سے مرتب کی جانے والی رپورٹ کی صداقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ رپورٹ سو فیصد حقیقت پر مبنی ہے اور اس میں ایک فیصد بھی مبالغہ آرائی نہیں ہے۔ جنیوا کنونشن پر امریکا اور برطانیہ نے بھی دستخط کر رکھے ہیں اس کنونشن کے مطابق عراق پر قابض اتحادی افواج عام شہریوں کی جان و مال کے تحفظ کی ذمہ دار ہیں لیکن اس ذمہ داری سے سنگین کوتاہی برتی گئی ہے جس کے نتیجے میں لاکھوں عام شہری ہلاک ہوئے اب حقائق دنیا بھر کے سامنے ہیں۔ کیا امریکا اور برطانیہ میں اتنی اخلاقی جرات ہے کہ وہ عراق کے حوالے سے اپنی پالیسیوں اور لاکھوں انسانی جانوں کے ضیاع کی ذمہ داری قبول کر لیں گے؟ ایک اور مغربی صحافی لنڈا ایس ہرڈ کا کہنا ہے کہ عراق میں شروع کیے گئے کروسیڈ میں صدر جارج ڈبلیو بش اپنے اصل چہرے کو بے نقاب ہونے سے بچانے کے لیے اور کتنے عراقیوں کے خون سے ہاتھ رنگیں گے۔ امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے اعلیٰ عہدیدار البرٹ فرنانڈس نے عراق کے حوالے سے امریکی پالیسیوں کو غرور، تکبر اور حماقت سے تعبیر کرتے ہوئے کہا ہے کہ امریکی پالیسیاں مکمل طور پر ناکام ہو چکی ہیں۔ جبکہ وائٹ ہاؤس کے ترجمان نے روایتی ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ البرٹ فرنانڈس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کیونکہ انہوں نے الجزیرہ ٹی وی کو دیئے گئے انٹرویو میں ناظرین کی آسانی کیلئے عربی کے الفاظ استعمال کیے تھے لیکن ان الفاظ کو غلط رنگ دیا گیا ہے فرنانڈس کے الفاظ کا بغور جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے الفاظ امریکی پالیسیوں پر سو فیصد صادق آتے ہیں عراق میں غاصبانہ قبضہ، صدام حکومت کی معزولی، سرکاری ملازمین کی برطرفی، کٹھ پتلی حکومت کا قیام، آئین کی معطلی، تعمیر نو اور پرتشدد کارروائیوں کے نام پر عراق کی اینٹ سے اینٹ بجانا، چیک پوسٹوں پر عام شہریوں کا قتل عام، قیدیوں کے ساتھ تذلیل آمیز اور شرمناک سلوک، امریکی غرور و تکبر اور حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟

امریکی سینٹ کی آرمڈ سروسز کمیٹی کے رکن سینٹر جیک ریڈن بھی عراق کے حوالے سے صدر جارج ڈبلیو بش کی پالیسیوں کو مکمل ناکامی سے تعبیر کیا ہے۔ جیک ریڈ کا کہنا ہے کہ صدر بش کی ناقص اور احمقانہ پالیسیوں کے باعث امریکا کا عالمی سطح پر وقار بری طرح مجروح ہوا ہے۔ کروسیڈ کے نام پر شروع کردہ جنگ 6 لاکھ 55 ہزار عراقیوں کو نگل چکی ہے۔ عراق میں جمہوریت قائم کرنے کے نام پر خون کی ندیاں بہا دی گئی ہیں لیکن ہر طرف لاقانونیت اور گڑبڑ اور مایوسیوں کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکا ہے۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق امریکی اور اتحادی افواج نے 30

لاکھ عراقیوں کو اپنے گھر بار چھوڑ کر ہمسایہ ممالک کو ہجرت کرنے اور پناہ گزین بننے پر مجبور کر دیا ہے۔ ان پناہ گزینوں کا حال تو برا ہے ہی انہیں اپنا مستقبل بھی بہتر نظر نہیں آ رہا ہے ان عراقیوں کے لئے زندگی ایک بوجھ بن کر رہ گئی ہے عراق میں دو ہزار سے زائد ڈاکٹروں کی ہلاکت کے باعث طبی سہولیات بھی ناپید ہو گئی ہیں۔ ہسپتال ویران اور کھنڈر بن چکے ہیں جو ڈاکٹر اور پیرا میڈیکل سٹاف موت کے منہ میں جانے سے بچ گیا ہے وہ اپنی جانیں بچا کر ہمسایہ ممالک کو ہجرت کر گئے ہیں اس طرح عراقیوں کے زخموں پر مرہم رکھنے والا بھی اب کوئی نہیں ہے۔ ہسپتالوں کے آثار بھی غائب ہو گئے ہیں اگر کہیں ہسپتال کی عمارت بنتی ہے تو وہاں پر کسی قسم کی ادویات دستیاب نہیں ہیں۔ ایک مغربی صحافی پیٹر کاک برن نے عراقی ہسپتالوں کا ان الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے۔ ''عراق میں خانہ جنگی کے باعث ہسپتال میدان جنگ کا منظر پیش کر رہے ہیں۔''

عراق میں حالات اس حد تک سنگین صورت حال اختیار کر چکے ہیں کہ صدر بش کو ایک ٹیلی ویژن انٹرویو کے دوران اعتراف کرنا پڑا ہے کہ عراق کی صورت حال اس نہج پر پہنچ چکی ہے کہ عراق دوسرا ویت نام بن چکا ہے عراق کے حوالے سے صدر بش کا اعتراف امریکی ناکامی کو ظاہر کرتا ہے اس سے بش کے ذہنی انتشار اور شکست وریخت کا اظہار بھی ہوتا ہے امریکی کانگریس کی زیر نگرانی جیمز بیکر کی قیادت میں قائم کردہ سٹڈی گروپ کی منظر عام پر آنے والی رپورٹ نے بھی عراق میں امریکی اور اتحادی افواج کی مزید موجودگی اور تعیناتی کی مخالفت کی ہے۔

آسٹریلیا کے ایک سابق سفارتکار رڈ وولکوٹ نے عراق کی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ امریکا کی طرف سے شروع کردہ جنگ نے اس ملک پر دہشت گردی کی کارروائیوں کا خطرہ بڑھا دیا ہے امریکا اور برطانیہ خود اس ساری تباہی کے ذمہ دار ہیں عراق کے حوالے سے امریکی پالیسیاں مکمل طور پر ناکام رہی ہیں عراق میں امریکا کی موجودگی کا اب کوئی جواز باقی نہیں رہا ہے اس لئے امریکی افواج فوری طور پر عراق سے نکل جائیں۔ برطانوی افواج کے سربراہ جنرل رچرڈ ڈانٹ نے بھی عراق سے امریکی اور اتحادی افواج کے فوری انخلاء کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ عراق میں اتحادی افواج کی موجودگی سے سیکورٹی کے مسائل میں اضافہ ہوا ہے ان کا کہنا ہے کہ ''ہم ایک مسلمان ملک میں موجود ہیں اور غیر ملکیوں کے بارے میں مسلمانوں کے خیالات بالکل واضح ہیں۔ مسلمان اپنے مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہیں لیکن ہم عراق میں مہمان نہیں ہیں کیونکہ ہم نے ان کی مرضی کے خلاف عراق پر چڑھائی کی ہے۔''

صدر بش اپنے مشیروں اور جرنیلوں کے اعتراف کے باوجود ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پھر اس عزم کا اظہار کر رہے ہیں کہ جیت اور فتح ہمارا نصب العین ہے ہم مشن کی تکمیل تک عراق سے فوجیں واپس نہیں بلوائیں گے'' اب البرٹ فرینڈس کہاں ہیں؟ کہاں یہ غرور و تکبر اور احمقانہ خیال نہیں ہے۔ اس سے بڑھ کر اور بڑی حماقت کیا ہوگی صدر بش اور کتنی معصوم جانوں کو اپنی ضد ''ڈھٹائی'' غرور، تکبر اور حماقت کی بھینٹ چڑھائیں گے بش کا دامن پہلے ہی لاکھوں انسانوں کے خون سے رنگین ہے۔ عراق، افغانستان، فلسطین، بوسنیا، کشمیر، لبنان میں جہاں بھی زمین خون مسلم سے رنگین ہوئی ہے اس کے پیچھے صدر بش کا ہی ہاتھ ہے۔

بشکریہ (حافظ طارق عزیز)

صدام حسین کی پھانسی کا پس منظر

جارج آرویل نے کسی شخص کو پھانسی پر لٹکتے دیکھا تو لکھا: ''اس سے پہلے میں نے منظر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایک حیران کن نظارہ تھا۔ ایک اچھے بھلے صحت منداور باہوش آدمی کو موت کی وادی میں دھکیلا جارہا تھا'' ...... دوسری جنگ عظیم سے قبل جارج آرویل برما میں بطور پولیس آفیسر تعینات تھا۔ کسی شخص کی موت کو اس کے اتنا قریب دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا تھا، لیکن 2007ء کے عین اوائل میں ایک شخص کی موت کا منظر دنیا بھر کو حیران وپریشان کر گیا۔ مرنے والا صدام حسین تھا۔ اسے پھانسی پر لٹکایا جارہا تھا، اس کی پھانسی کے منظر کو کیمرہ فون پر ریکارڈ کرنے کے بعد انٹرنیٹ پر ریلیز کر دیا گیا۔

جان پریسکاٹ نے بی بی سی کے ساتھ ایک انٹرویو کے دوران صدام حسین کی موت کو ''حد درجہ قابل مذمت'' قرار دیا۔ اگر صدام حسین کی پھانسی کے موضوع پر اس کے انٹرویو کو زیادہ کوریج نہ دی جاتی، اسے صرف ایک ''سرکاری بیان'' سمجھ لیا جاتا، اس کی باقاعدہ کاٹ چھانٹ ہوتی اور فلم بھی خاموش بنتی تو ممکن ہے وہ اس قدر بے باکانہ گفتگو نہ کرتا۔ اتنی صاف گوئی سے کام نہ لیتا۔

بعض اخبارات نے جو ساکن تصاویر شائع کیں، وہ بھی دل ہلا دینے والی تھیں۔ دنیا ششدر رہ گئی۔ صدام حسین کو بڑی بے رحمی سے مارا گیا۔ اسے بڑے سفاکانہ انداز میں قتل کیا گیا۔ جو موت صدام حسین کو دی گئی، وہ آج کل پورے عراق میں ناچ رہی ہے۔ موت اور عراقیوں کی باہمی شناسائی میں کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ پریسکاٹ کے بیان پر کسی شبے کا اظہار نہیں کیا جاسکتا۔ مارگریٹ بیکٹ نے بھی اپنے ابتدائی بیان میں درست کہا تھا کہ صدام حسین نے اپنے اعمال کی سزا بھگتی: ''جیسا کرو گے ویسا بھرو گے'' ...... یہ محاورہ درست ثابت ہو گیا۔ مارگریٹ بیکٹ نے حکومت برطانیہ کی ترجمانی کی، 10۔ ڈاؤننگ سٹریٹ کا مؤقف بیان کیا۔ اصولاً سرکاری مؤقف یہ نہیں ہونا چاہیے تھا، کیونکہ سفارتی آداب کی نفی ہمارا شیوہ نہیں۔

جس جگہ صدام حسین کو پھانسی دی گئی، وہاں عراق کے دفاعی شعبے کے سابقہ دفاتر ہوا کرتے تھے۔ صبح کے وقت وہاں بنائی گئی فلم بہت سے حقائق کو بے نقاب کر گئی۔ ان دفاتر کے بالکل ساتھ وہ عدالت ملحق ہے جہاں صدام حسین کو موت کی سزا سنائی گئی، ایک ناخوشگوار سزا۔ وہ سزا اقتدار اعلیٰ کی مالک ایک ذمہ دار ریاست نے سنائی۔ ایک ایسی ریاست جہاں فرقہ وارانہ تشدد عروج پر ہے۔

جن حالات میں عراق کے سابق حکمران کی موت واقع ہوئی، وہ عجیب وغریب اور اپنی مثال آپ تھے۔ اخلاقیات کو بری طرح روندا گیا۔

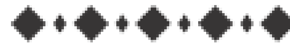
عراق کے اندر بھی اس اقدام کو اچھی نظر سے دیکھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی ۔ برطانیہ کو بھی چاہئے تھا کہ سرکاری سطح پر اس اقدام کی مخالفت کرتا، لیکن سرکاری ترجمان کا اطمینان ناقابل فہم تھا۔عراق کے صدر جلال طالبانی تک معترض تھے تو برطانیہ کو کیا حق حاصل تھا کہ وہ صدام حسین کی پھانسی کے اقدام کو سراہتا۔

صدام حسین کی پھانسی کے پس منظر میں کارفرما بدنیتی نے صورت حال میں قابل نفرین بگاڑ پیدا کر دیا ہے۔اب صدام حسین کے بارے میں عامتہ الناس کی رائے منقسم ہو چکی ہے۔ مذمت کرنے والوں کی تعداد سراہنے والوں سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ انصاف کی بدترین شکل تھی۔صدام حسین کی موت سے چند لمحے قبل ''باوردی شیعہ افسران'' نے باقاعدہ نعرے بازی کی، جو صدام حسین پر طنز کے نشتر چلاتے رہے۔ یہ لاقانونیت کی انتہا تھی۔اطلاعات کے مطابق سرکاری وکیل فلکت الفارون نے پھانسی کی تصاویر اتاریں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عراق میں مرکزی حاکمیت نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔

اس پھانسی کا اہتمام ان قوتوں نے کیا، جن پر برطانوی حکومت یا صدر بش کو کوئی کنٹرول حاصل نہیں۔ دونوں صورت حال کی سنگینی کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں۔ پریسکاٹ کو صدام حسین کی پھانسی کے طریق کار سے زیادہ اس بات سے اختلاف ہے کہ پھانسی کی عوامی سطح پر تشہیر کی گئی۔ اس کے خیال میں ''ویڈیو ریکارڈنگ اور تصاویر'' صد فیصد ناقابل قبول ہیں۔ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے تھا۔

اگر تصاویر نہ بھی اتاری جاتیں تو بھی موقع پر موجود گارڈز نے صدام حسین کے ساتھ جو سلوک کیا۔وہ قابل مذمت تھا۔انہوں نے عراقی آئین کی عائد کردہ حدود و قیود کا مذاق اڑایا۔سنیوں کی قوت برداشت قابل تحسین ہے، کرد اپنی جگہ ناراض ہیں کہ کردستان میں صدام نے جو ہلاکت خیز کھیل کھیلا تھا، جس طرح کیمیکل ہتھیاروں کے ذریعے قتل عام کیا تھا، ان کا تو اس کے خلاف مقدمہ ہی نہیں چلایا جا سکا۔

صدام حسین کی پھانسی کے عمل کی تصاویر اس لحاظ سے بھی قابل مذمت ہیں کہ ان میں اس عروج و زوال میں عراقی قوم کے کردار کی عکاسی کی گئی ہے، جو صدام حسین کے حصے میں آیا۔ یہ حقیقت ہے کہ صدام حسین کو اس خصوصی ٹربیونل نے پھانسی پر لٹکایا جو مغربی طاقتوں نے متشکل کیا تھا۔صدام حسین کا جسد خاکی ایک امریکی ہیلی کاپٹر پر تکریت پہنچایا گیا۔ امریکہ پھانسی کی تفصیلات کو جس طرح چھپانے کی کوشش کر رہا ہے اس نے عراق حکومت کو تحقیقات کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔



صدام حسین: اہل مغرب کی دوستی سے دشمنی تک

تاریخ اسلام کے جدید ترین باب ''دورِ قیادت روح صدام'' کے آغاز میں ہی فطرت کے کچھ اشارے قلم کار پر عیاں ہوئے، انھیں اشاروں کی زبان میں ہی سپرد قلم کیا جا رہا ہے، اس احساس کے ساتھ کہ ''ادبیات صدام'' کے کتب خانہ میں ایک حقیر نذرانہ کے طور پر حاضری لگواتے رہیں ....روح صدام لحہ حاضر کی سیاسیات اور صلیبی یلغار کے حوالہ سے بنیادی حقائق سے پردہ ہٹاتی ہے۔ صدام کی پھانسی سے افکار و نظریات کی کرنیں یوں نکھرتی ہے:

1- اسلامی دنیا سامراج کے ایجنڈے کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ اکیسویں صدی کی پہلی تاریخ سے صلیبی لشکر گرم محاذ پر ہے۔ مشکل ترین مقامات افغانستان و عراق کو اولین نشانہ بنایا گیا۔ عیدالاضحیٰ کو انسانی قربانی کا لٹکانا پہلا واقعہ ہے۔ سامراج نے رمضان المبارک اس کی لیلتہ القدر، عیدالفطر جیسی مبارک گھڑیوں میں افغانستان اور عراق میں کلمہ توحید کے فرزندوں کا قتل عام جاری رکھا۔ ایسی حرکات سے سامراجی نشہ میں سرشاری کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ شعائر اسلام کی توہین صلیبی یلغار کا ایک ترجیحی لائحہ عمل ہے۔ خون صدام کے چھینٹے ایک جانب یلغار پر نکلے ہوئے صلیبی لشکروں کی جانب سے اپنی امت کو کرسمس و سال نو کے تحفے میں اور دوسری جانب ''عقیدہ توحید کے علمبرداروں'' کے لیے حج وعید کے موقعہ پر امت مسلمہ کے لئے افتراق و مایوسی پھیلانے اور شکست خوردگی کا عالمی سطح پر احساس و نفسیات پیدا کرنے کے سامراجی ہتھکنڈے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ اس چیز کا اعلان بھی ہیں کہ عراق جیسے مضبوط و مستحکم ستون کو گرا دینے والا سامراج دیگر مقامی ''راجوں مہاراجوں'' کو کیا سمجھتا ہے۔

2- صدام کی پھانسی مغربی طاغوتی تہذیب کا شاہکار و نمائندہ واقعہ ہے۔ برطانوی نمائندے کا بیان کہ یہ عراق کی ''خود مختار و آزاد حکومت کا فیصلہ ہے جس کا ہم احترام کرتے ہیں، اور امریکیوں کے پے در پے فرمان کہ صدام کی پھانسی کے واقعات سے ہمارا کیا تعلق؟'' یہ وہ طنزیہ مکالمے ہیں جن پر غور ہونا چاہیے شاید کوئی سویا ہوا ضمیر یا غیرت کا جذبہ بیدار ہو سکے۔ میڈیکل سائنس بتاتی ہے کہ جب مہلک بیماریوں کے وائرس جسم پر حملہ آور ہوتے ہیں تو جسمانی مشینری اپنے فرائض چھوڑ کر وائرسوں کے احکام ہی بجا لایا کرتی ہے جو خود اس جسم ہی کے پرخچے اڑانے والے ہوتے ہیں۔ اسی قانون کے مطابق ''جارح سامراج'' جب کسی ملک کی آزادی چھیننے آتا ہے تو مقامی مشینری کو سو فیصد اپنے حکم بجا لانے والا بناتا ہے۔ (ہم اپنے ہاں سات سالہ ریموٹ کنٹرول سامراجی تسلط بھگت ہی رہے ہیں مگر ہمیں حقیقت پر غور کرنے کی اجازت نہیں۔ اقبال اسی کا نام غلامی رکھتا ہے۔)

3- کہا جاسکتا ہے کہ صدام کو لٹکایا جانا سامراج کے لیے انتہائی ضروری تھا کیونکہ وہ ''آج کا کام کل پر نہیں چھوڑ سکتے''۔ 31 دسمبر کو ختم ہونے والے سال کے ٹارگٹ اگلے سال پر نہیں ڈالے جاسکتے تھے اور یہ خطرہ مول نہیں لیا جاسکتا تھا کہ امریکہ کا اندرونی سیاسی انقلاب اس آئیٹم کو بدل دے۔ اب لوگ پھانسی کے وقت اور ڈیزائن پر باتیں کرتے رہیں مگر سامراج اگلے مرحلوں پر قدم بڑھاتا جائے گا۔ اس نے تو اگلے سے بھی اگلے میدانوں میں ابتدائی وسل بجادیا ہے۔ افریقی زمینیں بھی خیر منائیں۔ (خود ہمیں نصف صدی کے لیے کرزئیوں علاویوں کے سپرد کر کے لندن جا بیٹھا تھا اور ان کے کارندے کھیل کھیلتے رہے، تاوقتیکہ ہر مسلمان بچے کی گردن کے گرد صلیبی پٹی بندھ گئی۔ ہر خاتون کے سر سے دوپٹے اتر گئے۔ ہر معصوم بچے کی زبان پر فخر وغرور کے ساتھ دشمن کی زبان طاری کردی گئی۔ اور اب مابدولت اپنے انکل جی کے ہمراہ واپسی کے سفر پر بذریعہ عراق آرہے ہیں)۔ مغربی سامراج کے مسلم کش ایجنڈا اب کچھ بھی خفیہ نہیں رہا مگر ''ہمارے دماغ میں بت خانہ نہ ہو تو کیا کہیئے''۔

4- ایران واضح ٹارگٹ ہے۔ اب تک ایرانی بھائی عزم وہمت کا مظاہرہ کرتے آرہے ہیں اور پوری امت (سوائے مغرب کے غلاموں کے) کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔ مگر دشمن نے صدام کی پھانسی کی صورت میں دو دھاری تلوار میدان میں لہرادی ہے۔ ایرانی بھائیوں کی تلخ جنگی یادیں بجا، مگر دست بستہ التجا ہے کہ ایران کی ایٹمی طاقت کا دشمن بھائیوں کے درمیان افتراق کے سینکڑوں حربے کام میں لانے میں لگا ہوا ہے۔ اور اس کا حالیہ امت مسلمہ کو تقسیم کردینے کا ''فرقہ واریت بم'' تو بہت کاری وار ہے۔ ملت ایرانیہ کی بیدار مغز قیادت سے اپیل ہے کہ صدام نے اپنی اور اپنی نسل کی عظیم قربانی پیش کردی ہے۔ جب تک صدام مغرب کا لاڈلا اور آلہ کار تھا، قبضہ کویت وجنگ ایران جیسے سانحات برپا ہوئے، مگر تاریخ نے گواہی دی ہے کہ ''آدم'' کے بیٹے صدام نے خطا کرنے کے بعد تلافی مافات کی مقدور بھر کوشش کی اور دلیرانہ انداز میں جان کی قربانی پیش کردی۔ اب حالات کی نزاکت کا تقاضا ہے کہ دشمن کی زہریلی اور مہلک چال کو کامیاب نہ ہونے دیا جائے۔ بعداز شہادت صدام حسین کو معاف کیا جائے اور اس عنوان سے اسلامی دنیا میں ''عظیم فتنہ'' (جس کی پوری قوت سے آبیاری ہو رہی ہے) برپا ہونے سے روکا جائے یہ اتحاد امت کے حوالہ سے ملت ایرانیہ اسلامیہ کا بہت بڑا ایثار ہوگا۔

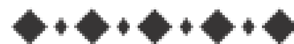
5- صدام حسین نے جس بانکپن اور شوخی کردار کا مظاہرہ کرتے ہوئے خوبصورتی سے اپنی جان نذر کی ہے اس نے جواز مہیا کردیا ہے کہ اس کی انسانی وبشری خطاؤں کو معاف کردیا جائے لگتا ہے فیض وغالب وغیرہ کے کلام کا قابل ذکر حصہ اسی منظر کے لئے تھا۔ چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے اور جس دھج سے کوئی مقتل میں جاتا ہے وہ شان سلامت رہتی ہے اور خموشی گفتگو میری بے زبانی ہے زباں میری...... سچی بات ہے کہ کسی ''باڈی لینگویج'' نے اتنا پر شکوہ پیغام نہیں دیا ہوگا جس طرح جرأت وعزیمت کا پیکر بن کر صدام حسین نے ''خطاب بزبان حال'' سپرد تاریخ کیا۔ ان لمحات پر ماہرین نفسیات کا کلام سامنے آنا چاہیے۔ اگر دنیا ہزاروں سال قبل کے سقراط کے زہر کے پیالہ کو فراموش نہیں کرسکی، تو نوک دار پر صدام حسین شہید کی اللہ اکبر کی صداؤں کو بھی کبھی فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔ امریکی کہتے ہیں کہ صدام کی ''دومنٹ کی زندگی'' کو چھوڑ کر سابقہ انہتر سال کو دیکھیں۔ یہی تو نکتہ ہے کہ جو عشرے صدام حسین نے مغرب کا تابع مہمل بن کر بسر کیے، وہ اس کے لئے

نفرت کا باعث بنے، مگر مغرب کی اندھی تقلید کے جال سے نکل کر جب اللہ اکبر کے پیغام کو سمجھ گیا، تو یہی لمحات ان کی عظمتوں کی ضمانت بن گئے۔ دورِ رسالت مآب ﷺ میں ایک زانی پر حد جاری ہوئی۔ واپسی پر کچھ لوگ اس کے بارے میں منفی انداز کے جملے بول رہے تھے تو حضور اقدس ﷺ نے روک دیا اور فرمایا کہ اس نے جو توبہ کی ہے وہ تمام انسانوں پر تقسیم کی جائے تو سب بخشے جائیں۔ اللہ کرے صدام کی شہادت کو اللہ کریم کے ہاں قبولیت کا درجہ حاصل ہو وہ ملت اسلامیہ کا ایک قائد بن کر سامراج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کا حوصلہ دیتا رہے۔ سامراج کو معلوم ہونا چاہیے کہ صدام کی تو زندگی شروع ہی اب ہوئی ہے۔ ''مغرب کا چاپلوس صدام'' نہیں ''مغرب کا دشمن صدام'' ہمارا ہیرو ہے۔

6- سامراج نے عمل سے پیغام دیا ہے کہ وہ اسرائیل کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں۔ آج اسلامی دنیا کے لیے یہی آنکھیں کھولنے والا موضوع ہے کہ اسرائیل کی صورت میں اسلامی دنیا کا سکون صدیوں کے لئے غارت کرنے والا مغرب مسلمانوں کا دوست کیسے ہوسکتا ہے۔ مسلمانوں کی فلاح اس میں ہے کہ مغربی تہذیب وثقافت کو پاؤں کی ٹھوکروں میں رکھ کر واپس اسلامی تہذیب و ثقافت کی جانب آئیں اور انگریزی زبان کے فضائل کی تسبیح پڑھنے کی بجائے اپنی مادری قومی، علاقائی، برِاعظمی ملّی اور دینی زبان کی طرف رجوع کریں۔ انگریزی زبان کا تسلط مسلمانوں کو غلامی کی ذلت کے سوا کچھ نہیں دے سکتا۔ تہذیبی وثقافتی آزادی ہی اللہ اکبر کے لطف سے شنا سا کرسکتی ہے۔ پرائمری کے بچوں کو انگریزی کی قربان گاہ کی بھینٹ چڑھادینا ظلم عظیم ہے، اس سے باز آیئے۔

7- مغربیت اور مغربی جارحیت کی یلغار بتارہی ہے کہ پھانسیوں کا سلسلہ شروع ہوا ہے، ختم نہیں ہوا۔ قومی آزادی، تہذیبی آزادی، ایٹمی آزادی، تعلیمی آزادی، سیاسی آزادی کی تمناؤں کے جواب میں مغرب نے صدام کے لٹکے ہوئے جسم کا ماڈل پیش کیا ہے۔ مگر شہادت کی طلب وآرزو مومن کا مرغوب میدان ہے۔ یہ تب ہوسکتا ہے کہ مسلمان بچے سکولوں میں روزانہ ''غلامی کیپسول'' کھانے کی بجائے ایمان، سائنس، تہذیب، حریت کا درس حاصل کریں ورنہ مغرب تو اپنے عمل سے روزانہ اعلان کررہا ہے کہ ایٹم بم کافروں کے لیے بنایا اور مسلمان صرف اس کا نشانہ بن سکتا ہے اور جو اس طرف بڑھے گا اسے عبرت کا نشان بنا دیا جائے گا۔ (ہیروشیما ناگاساکی پر بمباری دوسرا قصہ تھا اس وقت تک اسلامی خطرہ اس قدر اہم نہیں بنا تھا کیونکہ اسرائیل پیدا نہیں ہوا تھا) امت مسلمہ کو اپنے مسائل کا حل خود سوچنا اور ڈھونڈنا ہے۔ صدام حسین نے مغرب کی چاپلوسی کی تھی مگر جب حقیقت کھل گئی تو دشمن کی آنکھ کا تارا بنے رہنے کی بجائے ''آنکھ کا کانٹا'' بن گیا اور شہادت کی خلعت پہن کر تہذیب مغرب کی ہلاکتوں سے آگاہ کررہا ہے۔ علامہ اقبال نے حضرت مجدد الف ثانی کے متعلق کہا تھا ''گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے''...... آج صدام کو یوں خراج تحسین پیش کیا جاسکتا ہے کہ ''گردن نہ جھکی جس کی سامراج کے آگے''۔ جب عالم اسلام کی حاکم طاقتوں کو سانپ سونگھا ہوا تھا یہی گناہ گار خطا کار انسان آگے آیا اور اپنے خون میں نہا کر پاک صاف قیادت مہیا کر گیا۔

بشکریہ (پروفیسر رشید احمد رنگوی)



صدام اور بش کا مشترکہ کردار

امریکی صدر بش نے صدام حسین کو پھانسی دیئے جانے پر کہا ہے کہ ان کی پھانسی عراق کے لئے سنگ میل ثابت ہوگی۔ صدام حسین کو وہ انصاف ملا ہے جس سے انہوں نے اپنے مخالفین کو محروم رکھا تھا۔ بش انتظامیہ کو بھی صدام حسین کی پھانسی کو ایک خود مختار عراقی حکومت کا فیصلہ قرار دے رہی ہے جبکہ حقائق اس کے برعکس صورتحال کی عکاسی کر رہے ہیں۔ امریکی انتظامیہ نے دنیا بھر کو یہ بھی باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ صدام حسین کا مقدمہ نہایت شفاف اور غیر جانبدار طور پر ٹرائل کیا گیا ہے جبکہ عراق کی نام نہاد حکومت اور عدلیہ امریکی حکومت کے زیر سایہ فیصلے کرتی رہی ہے۔ صدام حسین کا سارا مقدمہ امریکی عدلیہ اور امریکی انتظامیہ کے زیر تسلط رہا جبکہ انہیں پھانسی بھی امریکی حکام نے دی۔ امریکی فوج نے صدام حسین کو 13 دسمبر 2003ء کو ان کے آبائی علاقے تکریت کے قریب ایک زمین دوز ٹھکانے سے گرفتار کر کے عدالت کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا تھا۔ ان کے مقدمہ کی سماعت کے دوران ان کے وکلاء گواہ اور جج قتل کر دیے گئے۔ تین سال تک مقدمہ کی سماعت کے بعد انہیں عین اس روز پھانسی دی گئی جب عراق میں عید قربان منائی جا رہی تھی۔ صدام حسین نے پھانسی کے فیصلے کے خلاف اپیل کی تھی جسے 9 ججوں کے پینل نے خارج کر کے انہیں تیس روز کے اندر اندر پھانسی چڑھانے کا حکم دیا جس پر صدام حسین کے وکلا نے امریکی عدالت میں درخواست دائر کی کہ انہیں عراقی حکام کی تحویل میں نہ دیا جائے کیونکہ وہ جنگی مجرم ہیں اور جنیوا کنونشن کے تحت انہیں تحفظ ملنا چاہیے۔ لیکن امریکہ کی وفاقی عدالت کے ایک جج نے ان کی اپیل مسترد کرتے ہوئے صدام حسین کی سزائے موت برقرار رکھی۔

امریکہ نے صدام حسین کو پھانسی چڑھانے میں عجلت سے کام نہیں لیا بلکہ ان کی پھانسی سے دوہرا مقصد حاصل کیا ہے عراقی صدر کو عین اس روز پھانسی پر چڑھایا ہے جب عراقی قوم عید قربان منا رہی تھی۔ امریکہ نے اس دن کا انتخاب کر کے امت مسلمہ کو ایک پیغام دیا ہے کہ جمہوریت اور امن کا داعی امریکہ دراصل ایک متعصب اور جہادی عیسائی ملک ہے جو بظاہر تو دہشت گردی کے خلاف جنگ کا دعویٰ کر رہا ہے مگر اپنے مکروہ عزائم پر عمل پیرا ہو کر اسلامی دنیا کو سبق آموز سزا دینا چاہتا ہے۔ عراقی قانون کے تحت عید اور حج کے روز کسی مجرم کو سزائے موت نہیں دی جا سکتی۔ اگر امریکہ کو عراقی آئین کی پاسداری کا خیال ہوتا تو یقیناً وہ عید الاضحیٰ کے دن صدام حسین کی پھانسی مؤخر کر دیتا یا پھر عراقی عدلیہ اور عدالت میں جرأت اور آزادی کارفرما ہوتی تو وہ ایک غیر آئینی اقدام پر عمل نہ کرتی۔ امریکی تسلط کے تحت عدالتی فیصلے کرنے والی نام نہاد عراقی حکومت محض ربڑ سٹمپ کی

حیثیت رکھتی ہے۔ اصل فیصلے تو وہ امریکی انتظامیہ کر رہی ہے۔ صدام حسین کو عیدالاضحیٰ کے دن پھانسی چڑھانا امریکی عدلیہ کی جانبداری اور متعصب امریکی حکومت کی اعانت کا ایک سیاہ فیصلہ ہے۔

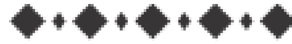
صدام حسین کو محض ایک ڈکٹیٹر کی حیثیت میں پھانسی نہیں دی گئی بلکہ امریکی مجرم ہونے کی بنا پر وہ اقتدار سے محروم ہو کر تختہ دار پر کھینچ دیے گئے۔ ایک ڈکٹیٹر کو پھانسی دینا اگر وہائٹ ہاؤس یا پینٹاگون کے ہاں قانون کا درجہ رکھتا ہے تو پاکستان سے امریکہ تک آمر حکمرانوں کی ایک طویل صف کھڑی نظر آتی ہے۔ جن کے اقتدار کو امریکی حکومت تقویت دیتی رہتی ہے۔ صدام حسین کو بظاہر 1982ء میں 148 شیعہ افراد کو ہلاک کرنے کے جرم میں پھانسی دی گئی ہے لیکن اس سے بڑا جرم امریکہ سے بغاوت تھا۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ بڑی طاقتیں دستاویزی جرائم کرنے کے لئے قانون، جمہوریت اور مساوات کے تحت عدل کا ڈھنڈورا پیٹ کر عدالتی ڈرامہ رچاتی ہیں، چونکہ انہیں اپنے مخالفین کو پھانسی پر چڑھانا مقصود ہوتا ہے لہٰذا وہ ایسا طریقہ کار اختیار کرتی اور رائے عامہ ہموار کر کے دنیا کی آنکھوں میں مرچیں ڈالتی ہیں کہ ان کے مخالفین کو ان کے ملکی آئین کے تحت ہی تختہ دار تک لایا جاتا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو کی سزائے موت بھی اس کی ایک مثال ہے۔ صدام حسین نے امریکہ کو کھلا چیلنج کیا ہوا تھا۔ امریکی برطانوی دانشوروں اور عسکری تجزیہ نگاروں سمیت آئی اے ای اے نے بھی واشگاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ عراق سے کسی قسم کے کیمیکل ہتھیار برآمد نہیں ہو سکے۔ بُش اور بلئیر نے تیل کے ذخائر تک پہنچنے اور اُمت مسلمہ کو اپنی عصبیت کا نشانہ بنانے کے لئے عراقی صدر صدام حسین کے ملک کو بارود سے اڑا دیا ہے مگر امریکی انتظامیہ نے ان رپورٹس کو یکسر اہمیت نہ دی۔ بُش کی ڈیموکریٹس کے ہاتھوں ناکامی کی وجہ بھی یہی تھی کہ امریکہ سے یورپ تک بُش انتظامیہ کی عراق اور افغانستان میں جنگ ایک غلط اقدام تسلیم کر لی گئی ہے۔ صدر بُش ایک سفاک جنگی مجرم کے طور پر نمایاں ہوئے ہیں۔

صدام حسین کو جب ان کی گرفتاری کے سات ماہ بعد عدالت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے واضح الفاظ میں اعلان کیا تھا کہ ''اصل مجرم بُش ہے، اس کے جنگی جرائم کو دنیا فراموش نہیں کرے گی، اس نے عراق کے معصوم بچوں، جوانوں، ماؤں، بہنوں اور بزرگوں پر کیمیکل ہتھیاروں کی بارش کر کے ہلاک کر دیا ہے۔ لاکھوں عراقی بُش کے جنون کا نشانہ بن گئے ہیں، وہ تاریخ کا سب سے بڑا مجرم ہے۔'' صدام حسین کے یہ الفاظ یورپ سے امریکہ تک سُنے گئے اور پھر جب حساس اور غیر جانبدار امریکی دانشوروں نے بُش کے عراق اور افغانستان کی جنگوں کے پس پردہ عزائم پر غور کیا تو بُش انتظامیہ کی مذموم سازشوں تک پہنچنے میں دیر نہیں لگی مگر افسوس کہ حقائق سے آگاہی اور بُش کے خلاف امریکی عوام کے نئے مینڈیٹ کے باوجود امریکی صدر بُش کے آمرانہ فیصلوں کو نہیں روکا جا سکا۔ امریکی بذاتِ خود بُش کو جنگی مجرم قرار دے رہے ہیں۔ امریکی فوجوں کی مائیں وائٹ ہاؤس کے سامنے سینہ کوبی کر کے بین ڈال رہی ہیں کہ بُش نے تیل کی خاطر ہمارے معصوم بچوں کا خون فروخت کر دیا ہے۔

عراق کے خلاف امریکی جنگ بذاتِ خود ایک مجرمانہ اقدام تھی۔ مارچ 2003ء میں کینیڈا کے وزیر اعظم نے اپنی پارلیمنٹ کو اعتماد میں لے کر اعلان کیا تھا کہ کینیڈا عراق کے خلاف امریکہ کی جنگ میں شریک نہیں ہوگا کیونکہ عراق کے خلاف جنگ سلامتی کونسل کی قراردادوں کے منافی ہے اور ویسے بھی کینیڈا اگر عراق کے خلاف بُش کی جنگ سے اجتناب کر رہا ہے تو اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ فرانس، سپین، روس اور چین نے بھی عراق پر بُش انتظامیہ کی یلغار کو نہایت غلط اقدام قرار دیا تھا لیکن جب بُش نے عراق پر جنگ مسلط کی تو یہ بڑے ملک دبی زبانوں میں احتجاج بلند

کرتے رہے۔ تاہم امریکہ کے حقیقی عزائم کے دستاویزی ثبوت سامنے آنے کے بعد وہ کھلم کھلا بُش کے جنگی جرائم پر بحث کرنے لگے۔ مگر اب سوال یہ ہے کہ اگر امریکی انتظامیہ غیر جانبدارانہ انصاف کی داعی ہے تو جس طرح صدام حسین کو تختہ دار تک پہنچایا گیا ہے۔ اس سے بڑے جرائم کا ارتکاب کرنے والے امریکی صدر جارج بش کا بھی ''جنگی مقدمہ'' تیار کیا جائے گا یا نہیں؟ انسانی حقوق کو سلب کرنے کی بنا پر اگر صدام حسین ایک سفاک مجرم تھے تو کیا جارج ڈبلیو بُش کے مسلم ممالک میں قتل عام کو انسانیت کے قاتل کی حیثیت میں تختہ دار تک نہیں پہنچایا جا سکتا؟ اگر امریکی عدالتیں آزاد ہیں تو بُش کے خلاف جنگی مقدمہ چلانے کے لئے ان کے پاس بھی سینکڑوں وجوہات موجود ہیں۔ انسانی تاریخ امریکی حکومتوں کے ہاتھوں قتل ہونے والے مسلمانوں کا قصاص طلب کر رہی ہے۔

بشکریہ (شاہد نذیر چودھری)



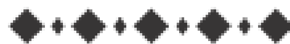
مزاحمت، خانہ جنگی اور انقلاب

صدام حسین کو جس انداز میں پھانسی دی گئی، عید الاضحیٰ کے دن کے انتخاب سے لے کر آخری لمحات میں ان کے خلاف لگائے گئے نعروں سے اس تاثر کو تقویت ملتی ہے کہ عراق اب شیعہ سنی تصادم یا خانہ جنگی کی طرف بڑھ رہا ہے یا بڑھایا جا رہا ہے۔ گویا بیشتر مغربی تجزیہ نگار ''مزاحمت کاروں'' کی اصطلاح کے ساتھ ''خانہ جنگی'' یا ''سول وار'' کے الفاظ بھی بکثرت استعمال کرنے لگے ہیں تاہم مستقبل قریب میں کیونکہ ہم حالات کا بغور مطالعہ کرتے رہیں گے اس لئے ضروری ہے کہ مزاحمت کا مفہوم اور خانہ جنگی کی تعریف سے آگاہ رہیں۔ نصابی کتب میں سیاسیات کے ماہرین کے مطابق جب کسی معاشرے میں متحارب گروہ طاقت کے حصول کے لئے باہم دست و گریباں ہو جائیں تو یہ ''خانہ جنگی'' کہلاتی ہے۔ یہاں دو شرائط لازم ہیں، پہلی یہ کہ متحارب گروہوں کا ایک ہی ملک سے تعلق ہونا ضروری ہے جہاں وہ طاقت کے مراکز پر قبضے، علیحدہ ریاست یا پھر اہم سیاسی تبدیلیوں کے لئے ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار اٹھالیں اور دوسری شرط کے مطابق ان فسادات میں کم از کم ایک ہزار افراد کا مارا جانا ضروری ہے جن میں سے 100 ہر متحارب گروہ سے ضروری ہونے چاہئیں۔ اگر خانہ جنگی کامیابی سے ہمکنار ہو تو یہ انقلاب کی صورت کہلاتا ہے جبکہ اس کے نتیجے میں اہم معاشرتی ڈھانچے کی از سر نو تعمیر ممکن ہو سکے، کچھ مؤرخین مزاحمت تحریکوں کو بھی خانہ جنگی سے تعبیر کرتے ہیں جہاں جنگ روایتی یا گوریلا انداز میں لڑی جاتی ہے اور جہاں ایک مضبوط حکومت یا منظم فوج کے خلاف چھاپہ مار کارروائیوں سے لے کر بم دھماکوں، اغواء، تشدد اور ہائی جیکنگ تک سب ہتھکنڈے استعمال ہو سکتے ہیں۔ خانہ جنگی اور انقلاب کے الفاظ تاریخ میں گڈمڈ ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ایک کامیاب خانہ جنگی میں عارضی طور پر برطانیہ سے بادشاہت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ چارلس اوّل کا سر قلم اور ان کے بیٹے کو جلاوطن کر کے چرچ کا ریاست پر کنٹرول ختم کر دیا گیا تھا اور کامن ویلتھ آف انگلینڈ قائم ہوئی تھی جسے آزاد خیال مؤرخین برطانوی انقلاب اور روایتی برطانوی مؤرخین ایک خانہ جنگی سے تعبیر کرتے ہیں۔ 1770ء کی دہائی میں امریکہ میں برطانوی نو آبادیاتی علاقوں میں منظم مزاحمتی تحریکیں امریکی انقلاب کہلاتی ہیں جس کے نتیجے میں تیرہ امریکی ریاستوں پر برطانوی غلبہ ختم ہوا تھا اور 1776ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے جنم لیا تھا۔ جبکہ امریکی خانہ جنگی یا امریکن سول وار اس جنگ کو کہا جاتا ہے جو امریکہ کی مرکزی حکومت یا یونین اور ان 11 جنوبی غلام ریاستوں کے درمیان 1865ء -1861ء میں تب لڑی گئی جب ان باغی ریاستوں نے علیحدہ امریکی کنفیڈریشن قائم کر کے اپنا الگ صدر منتخب کر لیا تھا جبکہ مرکز میں ابراہم لنکن صدر تھے۔

قدیم تاریخ میں یہودی رومن سلطنت میں بغاوتیں کرتے رہے اور خود اسلامی تاریخ کے ابتدائی سالوں میں بدقسمتی سے مسلمان خانہ جنگی کا شکار ہونے کے بعد اس شیعہ سنی تقسیم کا سبب بنے جو آج تک امت کو متحد ہونے سے روکتی ہے اور دشمنوں کو سازش کے لامحدود مواقع فراہم کرتی ہے۔ خود عیسائیت سولہویں صدی عیسوی میں خون ریزی کے شکار مختلف گروہوں میں تقسیم ہوگئی۔ زمانہ حال میں برطانیہ اور شمالی آئرلینڈ کے درمیان طویل کشیدگی بھی اسی کا مظہر ہے اور پھر 1618ء سے 1648ء تک کے 30 سالوں کے دوران موجودہ جرمنی کے مختلف علاقوں میں دونوں عیسائی فرقے ایک دوسرے کے خون سے ہولی کھیلتے رہے اور لاکھوں افراد اس دوران بھوک اور قحط سے دم توڑ گئے اور پھر تاریخ کے معروف انقلاب فرانس کے دوران بھی کیتھولکس کو سرکاری طور پر تختہ دار تک پہنچایا جاتا رہا۔ تاریخ کی کتابیں خانہ جنگیوں اور انقلابات کی داستانوں کو مختلف انداز میں اس طرح بیان کرتی ہیں کہ تفریق ناممکن ہوجاتی ہے۔ چند مؤرخین بضد ہیں کہ انقلاب کی قیادت ہمیشہ معاشرے کا نچلا کچلا ہوا طبقہ کرتا ہے جبکہ کچھ مؤرخین کے نزدیک معاشی ناہمواریوں سے زیادہ مذہبی، لسانی یا قبائلی طبقاتی منافرت زیادہ اہم کردار کا سبب بنتی ہے۔ حالیہ تاریخ میں سامراجی خواہشات کے مطابق متعدد آزادی حاصل کرتے ممالک کے غیر فطری نقشوں میں موجودہ علیحدگی پسند قوم پرست تحریکیں نئی خانہ جنگیوں کا سبب بن رہی ہیں۔ یوگوسلاویہ کی مثال ہمارے سامنے ہے اور سری لنکا کے حالات بھی یہی کہانی سناتے ہیں۔ خانہ جنگیوں کی تاریخ کا بغور مطالعہ یہ عجیب حقیقت بیان کرتا ہے کہ کسی بھی مکمل آمرانہ سلطنت یا مکمل جمہوری معاشرے میں خانہ جنگی کے امکانات بہت کم ہوا کرتے ہیں۔ خانہ جنگی کا خاتمہ یوں دشوار تر ہوا کرتا ہے کہ جہاں دو ریاستوں کے درمیان جنگ میں بیرونی طاقتیں جنگ بندی میں کھل کر کردار ادا کرتی ہیں وہاں خانہ جنگی کی آگ کو بھڑکاتے، خفیہ ادارے اور حکومتیں اس شکل میں اپنے مفادات کی وہ ''پراکسی وار'' لڑ رہی ہوتی ہیں جس کی حمایت کا دعویٰ وہ کسی صورت الاعلان نہیں کرسکتیں، لڑنے والے افراد میں سے اکثریت مخالفین کے ہاتھوں اپنے اہل خانہ، دوست احباب کا بے دردی سے قتل دیکھنے کے بعد ذہنی طور پر اس حد تک انتقام کی خواہش رکھتے ہیں کہ انہیں واپس امن کے راستے پر لانا اور مخالفین کے ساتھ اخوت اور بھائی چارے کو اپنانے کا درس دینا انتہائی دشوار ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ خانہ جنگی کے دوران ایک متحارب گروہ طاقتور یا برسر اقتدار ہوا کرتا ہے لیکن اکثر امریکی مبصرین عراق کے موجودہ حالات کو خانہ جنگی قرار دیتے ہوئے جنوری 2004ء کے اس وقت کو نقطہ آغاز قرار دیتے ہیں جب وہ امریکہ کے خلاف لڑتی مختلف قوتوں میں سے ایک کو منتخب کرکے ایاز علاوی کو وزارت عظمیٰ عطا کردی گئی اور خانہ جنگی کا پہلا باقاعدہ مظاہرہ سامرہ میں ایک مقدس شیعہ مقام پر بم دھماکے اور پہلے پانچ روز کے دوران سینکڑوں ہلاکتوں کی صورت میں سامنے آیا، یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

خود عراقی وزیر اعظم نے اعلان کیا ہے کہ عراق میں اس وقت خانہ جنگی جاری ہے اور دنیا کے تجزیہ نگاران حالات کو بیک وقت خانہ جنگی اور مزاحمت سے تعبیر کرتے ہیں۔

بشکریہ (ڈاکٹر شاہد مسعود) رپورٹ شبیر عثمانی



'شیطان بزرگ' کی کامیاب سازش

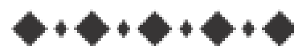
امریکی عراق میں اپنے اصل منصوبے میں کامیاب ہوگئے اور اب یہ ملک یوں لگتا ہے کہ تین حصوں میں بٹ کررہے گا۔ سنی عراق، شیعہ عراق اور کردستان۔ کردستان کے قیام میں رکاوٹیں بہت ہوسکتی ہیں لیکن شیعہ سنی دو عراقوں کے قیام کا مسئلہ بظاہر صدام حسین کی پھانسی نے حل کردیا ہے جب اسے اس کے سیاسی مخالف شیعہ جلادوں کے سپرد کردیا گیا اور دنیا بھر کے شیعہ فرقے سے تعلق رکھنے والوں نے اس پھانسی کی حمایت کی اور خوشیاں منائیں۔ یہ واقعہ سنیوں کی عید قرباں کے دن ہوا، اس سے دوسرے دن عراق کے شیعہ عید قرباں منارہے تھے، اس طرح امریکی صدر بش نے ان کو بروقت عید کا تحفہ دے دیا، حیرت شیعہ حضرات کے اس گروہ پر ہوئی جس کی حمایت عامتہ المسلمین کررہے تھے جن کا اس حمایت میں کسی فرقے سے تعلق نہیں تھا، وہ محض ایک مسلمان کی اس لئے حمایت کررہے تھے کہ مسلمانوں کا دشمن اس کے خلاف ہے اور ایٹمی توانائی کے جائز حق سے اسے محروم کرنا چاہتا ہے۔ صدام نے تو ختم ہونا ہی تھا لیکن اس کی پھانسی نے تاریخ کے اس انتہائی نازک دور میں مسلمانوں کے اتحاد پر ایک کاری ضرب لگادی لیکن صدام نے جس ثابت قدمی، جرات اور شجاعت کا ثبوت دیا، اس نے یہ ثابت کردیا کہ یہ شخص اپنے عقائد پر پختہ یقین رکھتا تھا۔ اللہ اکبر کا نعرہ اس کی زبان پر تھا اور کلمہ طیبہ کا ورد اسے وہ قوت عطا کررہا تھا جس نے اسے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دینے کا حوصلہ عطا کیا۔ ہمارے ایک شاعر کے مطابق وہ جس سج دھج کے ساتھ مقتل میں گیا اس کی شان تاریخ کا حصہ بن گئی ہے۔ اس نظریاتی شاعر کے خیال کو حقیقت اس نے بنایا۔ دنیا نے ایک شخص کو کمال تمکنت کے ساتھ یقینی موت کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ تاریخ کی شاید یہ پہلی پھانسی تھی جس کے جلاد طنز و تشنیع اور دشنام کے ساتھ کسی کو پھانسی کے پھندے کی طرف لے جارہے تھے، معلوم ہوا کہ ان جلادوں کے قائدین، مبلغین اور رہنماؤں نے ایسے کاموں کے لیے بدمعاش پال رکھے تھے۔ کچھ بھی تھا، فرقہ واریت کا یہ ایک بھیانک واقعہ تھا جو مسلمانوں کی تاریخ میں ایک سانحہ بن کر زندہ رہے گا۔ ایک شرمناک واقعہ۔ پاکستانی حیرت زدہ ہیں کہ امریکہ جیسے دشمن کی سازشوں اور ارادوں اور نیتوں کا تو علم ہے لیکن جن لوگوں کی جوہری توانائی اور جن کی اسلامیت کے حق میں وہ حد سے گزرنے پر بھی تیار رہتے ہیں اندر سے وہ کچھ اور نکلے لیکن شاید اچھا ہی ہوا۔

'شیطان بزرگ' کی اس کامیابی پر واشنگٹن اور لندن میں جشن منایا جارہا ہے۔ امریکہ کے پاس دولت ہے، فوجی طاقت ہے اور ان کی وجہ سے دنیا بھر میں وہ سب سے بڑی طاقت بنا ہوا ہے لیکن اس میں عقل اور دانش نہیں ہے جو کسی قوم میں طویل تجربے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ تاریخ کی

گہرائی سے محروم امریکیوں میں اس قدر گہرے منصوبوں کا شعور کہاں کہ وہ دشمن مسلمانوں پر اس قدر گہرا وار کر سکیں، یہ سب انہیں انگریزوں نے سکھایا ہے۔ٹونی بلیئر افغانستان آ کر کہتا ہے کہ یہ فوجی نہیں نظریاتی جنگ ہے اور اس کا فیصلہ افغانستان میں ہونا ہے کیونکہ یہ تیل والا نہیں ایک نظریاتی ملک ہے۔ پھر وہ جب یہ سنتا ہے کہ امریکہ عراق سے باہر آنے کی سوچ رہا ہے تو فوراً واشنگٹن جا پہنچتا ہے اور امریکیوں کو سمجھاتا ہے کہ مسلمان اپنے کھوئے ہوئے اتحاد کی طرف بڑھ رہے ہیں اور خلافت قسم کی کسی دنیا کی تلاش میں ہیں۔ اگر یوں ہوتا ہے تو پھر یہ دنیا مغربی قوتوں کے لیے مشکل ہو جائے گی اس لیے بش کے ساتھ مشترکہ پریس بریفنگ میں وہ اسے ایک نظریاتی کشمکش سے تعبیر کرتا ہے اور دہشت گردی کو توڑ پھوڑ نہیں کسی دور رس خطرے کی علامت قرار دیتا ہے۔ چنانچہ امریکہ شیعہ سنی کے تاریخی اختلاف کو اپنی پالیسیوں اور حکمت عملی کے لیے ایک نہایت ہی موزوں بلکہ تیر بہدف نسخہ سمجھ کر اسے ایک نئی توانائی دے رہا ہے۔ جو کام اس کا بے پناہ اسلحہ نہیں کر سکا وہ کام اس فرقہ وارانہ اختلاف سے لینا چاہتا ہے۔ صدام کو وہ سوڈیڑھ سو افراد کے قتل کا ذمہ دار ٹھہرا کر موت کی سزا دے رہا ہے لیکن بش جس نے چھ لاکھ سے اوپر جو عراقی قتل کر دیے ہیں اور جن کے قتل کا امریکہ خود اعتراف کرتا ہے اس کو پھانسی پر کون چڑھائے گا۔

یہودیوں نے جب نائن الیون کا ڈرامہ سٹیج کیا تو یہ مسلمانوں پر حملے کے لیے نہایت ہی موزوں وقت تھا۔ مسلم امہ زوال کے انتہاؤں پر پہنچی ہوئی تھی۔ جہالت اور غربت کا عروج تھا اور ہر مسلمان حکمران امریکہ کا محتاج تھا۔ ان حکمرانوں کا اقتدار امریکہ نے اپنے قبضہ میں لے رکھا تھا اور اس کی خوشنودی بلکہ رحم و کرم پر یہ حکومت کر رہے تھے، ایسے نہایت ہی مناسب حالات میں امریکہ نے کروسیڈ کا نعرہ بلند کیا اور مسلمانوں پر پل پڑا۔ اس کی پہلی قربانی نظریاتی پاکستان نے پیش کی اور امریکہ نے اس کی گردن میں اپنا پھندا ڈال دیا اور اسے 'دوست' بنا لیا۔ تازہ ترین قربانی صدام حسین کی ہے جس کی وجہ سے امریکہ مسلمانوں کے ایک ایسے مرض کو زندہ کرنے میں کامیاب ہو گیا جو تاریخ اور حالات کے بڑے مسائل کے بوجھ میں دبا ہوا تھا۔ کسی ملک میں کوئی مولوی اگر یہ مسئلہ اٹھاتا تو خود اس کے فرقے کے لوگ اس کی مذمت میں پیش پیش ہوتے اور اب جب مغرب کی عیسائیت اور عالمی صیہونیت نے مسلمانوں کے خلاف کروسیڈ شروع کیا تو انہیں فرقہ واریت کا یہ ہتھیار سب سے کارگر نظر آیا اور اس میں اس دفعہ کوئی مولوی نہیں نامور حکمران ملوث نظر آئے۔ گویا دنیا کی بڑی طاقت کی پناہ میں مسلمان حکمرانوں نے اس فرقہ وارانہ اختلاف کو نئی زندگی دی۔ الحمدللہ کہ ہم پاکستانی مسلمان جن کی بھاری اکثریت عقیدے کے اعتبار سے سنی رہی لیکن وہ اسلام کے عالمی مفادات اور اس عالمی نظریاتی جنگ میں فرقہ واریت سے بے نیاز امریکہ کے حقیقی دشمن ہیں اور ایسے فرقہ وارانہ اختلافات کو مغرب کے خلاف جنگ میں حائل نہیں ہونے دیتے۔ ایران امریکہ جوہری تنازعہ میں پاکستانی دل و جان سے ایران کے ساتھ رہے، کبھی ان کے ذہنوں میں کوئی فرقہ وارانہ اختلاف نہیں کیونکہ ایسے اختلافات کو وہ اس عالمی جنگ میں اپنا نہیں دشمن کا ہتھیار سمجھتے تھے۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کو امریکی سازشوں کا علم ہے اور ان کے حکمران نہ سہی ان کے دانشور اور وہ خود ان سازشوں کو ذہن میں رکھ کر اپنے آپ کو عالمی اسلامیت کے راستے سے الگ نہیں ہونے دیں گے۔

بشکریہ (عبدالقادر حسن)



امریکہ سے بغاوت کرنے والا ہر شخص صدام ہے

بلاشبہ امریکہ ہار چکا ہے اور ہاری ہوئی جنگ لڑنے والے کم ظرف لشکر کچھ نہ کر پائیں تو جاتے جاتے بستیوں' کھیتوں اور باغوں کو اجاڑ جاتے ہیں۔ وہ تو پھر بھی ربع صدی کے لگ بھگ فرمانروائی کرنے والا حکمران تھا۔ اس سے نفرت کرنے والے بے پناہ تھے تو ٹوٹ کر محبت کرنے والے بھی کم نہ تھے۔ معاملہ نفرت کا ہے نہ محبت کا' بس اس قدر ہے کہ امریکہ کی دہلیز پر اپنا سرخم نہ کرنے والا ایک باغی امریکی قہر کا نشانہ بن گیا اور جاتے جاتے ایک کہانی چھوڑ گیا۔ کہانیاں چھوڑ کر جانے والے لوگ اپنے کرتوتوں' کاموں یا کارناموں کے حوالے سے نہیں' کسی ایک ادا کی نسبت سے نام اور مقام پاتے ہیں۔ اُن کی کوئی گم گشتہ سی نیکی' کسی لمحہ خاص میں ڈھل کر اُن کی طویل زندگی کے سارے ماہ و سال پر حاوی ہو جاتی ہے۔ کوئی اچھوتا بانکپن' اُن کے ماضی کی تمام بے چہرگی کو یکا یک حُسنِ بے کراں میں بدل دیتا ہے' کوئی جگنو اُن کی آن چمکتا اور اُن کے نامہ اعمال کی تیرگی میں آفتاب و ماہتاب بو جاتا ہے۔ معاملہ یہ بھی نہیں کہ صدام اُمت مسلمہ کا ہیرو تھا یا نہیں' قصہ صرف اس قدر ہے کہ جارج ڈبلیو بش نامی شخص کو امام کا درجہ دیتے ہوئے' اُس کی اقتداء میں صف در صف' دست بستہ' سرنگوں کھڑے بندگانِ وقت میں سے وہ ایک تھا جس نے حلق کی پوری توانائی کو بروئے کار لاتے ہوئے کہا کہ ''نہیں۔ میں تمہاری امامت سے انکار کرتا ہوں۔''

جُز قیس اور کوئی نہ آیا بُروئے کار
صحرا مگر بہ تنگیِ چشمِ حُسود تھا

یہ وہی تھا جسے ''ہمتِ کفر'' بھی ملی اور ''جراٴتِ انکار'' بھی اس کا تیس سالہ عہد نا مطلوب اپنی جگہ' لیکن بغداد پر اترنے والی زخم خوردہ صبح کے وہ لمحات امر ہو گئے ہیں جب مسجدوں میں نماز فجر کی اذانیں گونج رہی تھیں اور عید الاضحیٰ طلوع ہونے کو تھی اور صدام حسین نرغہ دشمناں میں سراوپر اُٹھائے' جراٴت و مردانگی کا پیکر بنا کھڑا تھا۔ یہ وہ دن تھا جب تیس برس تک بے مہر حکمرانی کرنے والا سخت گیر ڈکٹیٹر گہری قبر میں دفن ہو گیا اور فرعونِ وقت کی رعونت پر خاک ڈالنے والے ایک غیرت مند اور حمیت کیش صدام نے جنم لیا جو صدیوں کی عمر پائے گا۔

یہ بھی تو ممکن تھا کہ تین سالہ قید اس کی رگوں میں دوڑتے لہو کی ساری حرارت چوس لیتی۔ ایسا بھی تو ہو سکتا تھا کہ دو جواں سال بیٹوں کا بہیمانہ قتل اس کی انا کے پَر نوچ ڈالتا۔ یہ بھی تو قرینِ قیاس تھا کہ وہ اپنی خودسری سے تائب ہو کر امریکہ کے مطلوب سانچے میں ڈھل جاتا۔ لیکن کوئی ایک بھی

ایسی خبر نہ آئی کہ وہ ڈھل رہا ہے، تحلیل یا تبدیل ہو رہا ہے اور یہ بھی تو ممکن تھا کہ موت کو عین اپنے سامنے دیکھ کر اس کے اعصاب جواب دے ڈالتے۔ اس پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ اس کے قدم ڈگمگانے لگتے‘ اُس کا چہرہ پسینے سے تر ہو جاتا‘ اس کے ہونٹ خزاں رسیدہ پتے کی طرح کپکپانے لگتے‘ اس کے لئے اپنے پاؤں چل کر پھانسی گھاٹ تک جانا مشکل ہو جاتا‘ اُسے سٹریچر پر ڈال کر باندھنا پڑتا‘ وہ دہائی دیتا‘ فریاد کرتا‘ زندگی کی بھیک مانگتا‘ پھانسی کا پھندا دیکھ کر حواس کھو بیٹھتا اور پھر اس کی ’’لاش‘‘ کو پھانسی چڑھا دیا جاتا۔ ایسا ہوتا تو کہانی مختلف ہوتی۔ خلقِ خدا اُسے کبھی معاف نہ کرتی۔ اگر اُس نے دنیا کے سب سے نیک نفس‘ غمگسار‘ عوام دوست‘ عظیم فاتح اور مثالی حکمران کی سی زندگی گزاری ہوتی تو بھی موت کی دو چار بزدلانہ ساعتیں اس کے تابناک ماضی پر سیاہی پھیر دیتیں۔ تیس برس کی بے مثل و بے نظیر حکمرانی‘ چند کمزور لمحوں کی بھینٹ چڑھ جاتی۔ ایک خوفزدہ لمحہ اس کی سال ہا سال کی عظمتوں کو نگل جاتا۔ ایک بے مہری گھڑی اس کے کارہائے نمایاں سے سجے زمانوں پر محیط ہو جاتی۔ لیکن وہ خوش بخت تھا۔ اس کی زندگی کے آخری لمحات‘ اس کی جرأت‘ اس کی استقامت‘ اس کے عزم‘ اس کی سرکشی‘ اس کی کشیدہ سری اور اس کی سج دھج نے اُس کے سارے ماضی پر نورانی چادر تان دی۔

امریکی اخبار ’’نیویارک ٹائمز‘‘ میں شائع شدہ ’’مارک سینتورا‘‘ کی رپورٹ کا پہلا جملہ "Saddam Hussain never bowed his head untill his neck snappe ’’صدام حسین نے کسی لمحے اپنا سر نہ جھکایا یہاں تک کہ اس کی گردن ٹوٹ کر لڑھک گئی‘‘۔ اخبار لکھتا ہے ’’ساڑھے پانچ بجے صبح صدام کو امریکیوں نے عراقی نیشنل پولیس کے حوالے کر دیا۔ گرین زون سے چودہ عینی گواہوں کو دو امریکی ہیلی کاپٹروں میں بھر کر جائے وقوعہ پر پہنچا دیا گیا۔ صدام کے سر پر 1940ء کی دہائی والی اونی ٹوپی تھی۔ اس کے گلے میں ایک سکارف تھا۔ اُس نے سفید کالروں والی قمیض پر لمبا سیاہ اوورکوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ آگے کر کے باندھ دیئے گئے تھے۔ اُسے پھانسی والے کمرے سے متصل ایک اور کمرے میں لے جایا گیا جہاں ایک ’’جج‘‘ بیٹھا تھا۔ اُس نے صدام حسین کو انسانیت کا مجرم قرار دینے والی دستاویز پڑھنا شروع کی۔ صدام حسین نعرہ زن ہوا ’’عراقی قوم زندہ باد‘ عراقی عوام زندہ باد‘ فلسطینی عوام زندہ باد‘‘ جج مسلسل قتل نامہ پڑھتا اور صدام پیہم نعرے لگاتا رہا۔ اُسے ایک بار پھر پھانسی گھاٹ والے کمرے میں لایا گیا جو ٹھنڈا بھی تھا اور جس میں روشنی کا انتظام بھی ناقص تھا۔ سرکاری وکیل نے پوچھا ’’یہ قرآن مجید کا نسخہ کسے دیا جائے؟‘‘ صدام نے تحمل سے کہا ’’بندر کو‘‘ بندر انقلابی عدالت کے سابق جج عوض البندر کا بیٹا ہے۔ عوض البندر کو بھی پھانسی کی سزا ہو چکی ہے اور وہ کسی بھی دن صدام کے پاس پہنچنے کو ہے۔ اُس کے ہاتھ اب پیچھے کو باندھ دیئے گئے۔ نیشنل سکیورٹی کونسل کے ایڈوائزر موافق الرابعی نے پوچھا ’’کسی قسم کا پچھتاوا یا خوف؟‘‘ اُس نے گردن گھما کر اُس کی طرف دیکھا اور لمحہ بھر کے توقف کے بغیر بولا ’’میں ایک جنگجو ہوں۔ مجھے نہ کوئی پچھتاوا ہے نہ خوف۔ میں نے اپنی زندگی جہاد میں گزاری ہے۔ میں ساری عمر جارحیت کے خلاف لڑتا رہا ہوں۔ جو کوئی بھی اس راستے کا انتخاب کرتا ہے‘ وہ ڈرا نہیں کرتا۔‘‘ ایک گارڈ چیخا ’’تم نے ہمیں غارت کر دیا۔‘‘ وہ بولا ’’میں نے تمہیں غربت و بدحالی سے بچایا‘ تمہارا دفاع کیا۔‘‘ گارڈ نے کہا ’’جہنم میں جاؤ‘‘ اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا ’’جہنم میں تم جاؤ گے‘‘ اس کے چہرے پر سیاہ غلاف چڑھایا جانے لگا تو بولا ’’مجھے اس غلاف کی ضرورت نہیں۔ میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ سکتا ہوں۔ گارڈ نے کہا ’’رسی تیز ہے اور گردن کٹ سکتی ہے۔‘‘ اُس نے کہا ’’میرا

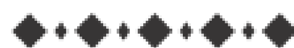
سکارف میری گردن میں لپیٹ دو جو تم نے اُتار لیا تھا۔'' وہ کھلی آنکھوں اور نپے تلے قدموں کے ساتھ تختہ دار تک پہنچا۔ کلمہ شہادت کا ورد کیا۔ اللہ اکبر کہا...... اور پھر اپنے لہجے میں ہلکی سی لرزش کے بغیر امریکہ پہ حرف ملامت بھیجا۔ عین اس لمحے پھاٹک کھل گیا اور اُس کا بھاری بدن گہرے کنوئیں میں جھولنے لگا۔

پھانسی کا سارا کھیل اس طرح بُنا گیا کہ شیعہ سُنی خلیج گہری ہو۔ فلمیں اسی لئے بنیں، فون کیمرے کی خفیہ ریکارڈنگ اسی لئے سامنے لائی گئی۔ پھانسی کا اہتمام ریاستی اہلکاروں کے بجائے مقتدر الصدر کی ملیشیا کے حوالے کر دیا گیا۔ مقصد صرف ایک ہی ہے کہ خانہ جنگی کو ہوا دی جائے اُردن کے شاہ عبداللہ نے کہا ہے کہ پورے مشرق وسطیٰ کو خانہ جنگی کی آگ میں جھونکا جا رہا ہے۔ ایران کے صدر احمدی نژاد کا کہنا ہے کہ صدام کا قاتل صرف امریکہ ہے اور ہم اس کی سازش کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ کاش سوا ارب مسلمان جان لیں کہ امریکہ ہر اُس شخص کا دشمن ہے جس کا رشتہ محمد عربی ﷺ سے جڑتا ہے چاہے اس کا مسلک کچھ ہی ہو۔

بلاشبہ صدام ہیرو نہیں لیکن نیل کے ساحل سے کاشغر کی خاک تک، اقتدار کی کارنسوں پہ سجی پتھر کی مورتیوں کو دیکھ دیکھ کر اہلِ حرم کو ابکائی آنے لگی ہے۔ ایسے میں ہر وہ شخص ہیرو ہے جو ''متاعِ غرور'' کا سودا نہیں کرتا اور جو سفاک جلادوں کی موجودگی میں پوری قوت سے ''امریکہ مردہ باد'' کا نعرہ لگاتا ہے۔ حبس حد سے بڑھ جائے تو لُو کا تھپیڑا بھی بادِ بہار کا جھونکا لگتا ہے۔ صدام اس لئے ہیرو بن گیا کہ اُس کے چار سو بے حس و حرکت لاشوں کا ڈھیر پڑا ہے۔ وہ اپنے کرتوتوں، کاموں یا کارناموں سے قطع نظر اس لئے ہیرو ٹھہرا کہ اس نے تختہ دار پر کھڑے ہو کر وقت کے فرعون کو للکارا اور اس کے حضور سر جھکانے سے انکار کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی گردن پر 'صدام' کا نہیں سوا ارب مسلمانوں کا سر رکھا ہے۔ صد شکر کہ اُس نے یہ سر جھکنے نہ دیا۔ وہ جو کوئی بھی تھا، جیسا بھی تھا، ہیرو کی طرح سر بلند و سرفراز ٹھہرا اور ہیرو کی طرح یاد رکھا جائے گا۔ منصور کے مسلک کو شریعت کی میزان پر تولنا فقیہوں اور مفتیوں کا مسئلہ ہے، لوگ تو صرف اس کے بانکپن سے عشق کرتے ہیں۔ وہ بانکپن جو ایک علامت بن چکا ہے اور جو قحط کے موسموں کو بھی شاداب رکھتا ہے۔

میرؔ پہ دار نخلِ تو آیا موسم ہے
آیا بار کا ہی منصور سرِ

بشکریہ (عرفان صدیقی)



تختہ دار پر بھی اس نے سر نہیں جھکایا

تختہ دار پر بھی اس نے سر نہیں جھکایا تھا یہاں تک کہ اس کی گردن ڈھلک گئی اور یوں وہ آخری سانس تک سر بلند رہا۔

اس کے آخری الفاظ میں بھی سرکشی تھی...... غداروں اور جاسوسوں کے لئے' امریکیوں اور ایرانیوں کے لئے اس کی زبان پر مردہ باد کے الفاظ تھے۔ صدام حسین کے آخری سفر کا آغاز 30 دسمبر ہفتے کے روز صبح 5 بجے ہوا۔ وہ بغداد ائیر پورٹ کے قریب 'کیمپ کراپر' میں امریکیوں کی قید میں تھا۔ امریکی اسے لے کر شہر کے قلب میں ایک اور امریکی اڈے ''یمپ جسٹس'' کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں اسے عراقی نیشنل پولیس کی نو تربیت یافتہ یونٹ کے حوالے کر دیا۔ ساڑھے پانچ بجے وہ ''عراق'' کی مکمل تحویل میں تھا۔

ادھر 2 امریکی ہیلی کاپٹر 14 عینی شاہدین کو لے کر گرین زون سے پھانسی گھاٹ کی طرف اُڑے۔ یہ صدام کے دور میں اس کی ملٹری انٹیلی جنس ''استخبارات'' کا ہیڈ کوارٹر تھا' اب یہ امریکی اڈے کے اندر ہے۔

صدام حسین کو سرخ ریلنگ والے پھانسی کے کمرے میں لے جایا گیا۔ دروازے پر 3 نقاب پوش جلاد اس کے ''خیر مقدم'' کے لئے موجود تھے۔ یہاں کچھ عینی شاہد بھی تھے۔ عدالت کا ڈپٹی پراسیکیوٹر منکث الفرعون' عراقی ہائی ٹریبونل کا ڈپٹی چیف جج منیر الحداد' عراقی پارلیمنٹ کا رکن سمیع العسکری...... صدام کے آخری لمحات کی اس کہانی کے راوی بھی یہی ہیں۔

بغداد کی وہ صبح بہت سرد تھی۔ صدام حسین نے کیمپ کراپر سے کیمپ جسٹس تک مختصر سے سفر میں سردی سے بچاؤ کے لئے 1940ء کی دہائی والے سٹائل کی اونی ٹوپی' سکارف اور سفید کالر والی شرٹ پر لمبا سا کوٹ پہن لیا تھا۔

جلاد سیاہ نقاب پہنے ہوئے تھے' لیکن صدام حسین کے لئے ان کی گہری براؤن جلد اور لہجے سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ وہ عراق کے جنوبی شیعہ علاقے سے تعلق رکھتے ہیں' جہاں اس کے دور اقتدار میں 2 بغاوتیں ہوئیں اور اس نے انہیں سختی سے کچل دیا تھا۔

چھوٹے سے کمرے میں عجیب سی بو تھی۔ نیم روشن اور ٹھنڈے کمرے میں اداسی وافسردگی اور حزن وملال کے سائے بہت گہرے تھے۔ صدام نے یہاں موجود تمام اشخاص پر نظر ڈالی جیسے وہ جاننا چاہتا ہو کہ اسے موت کے سپرد کرنے والے کون کون ہیں؟ وہ جج کے سامنے بیٹھ گیا۔ تب جج نے بلند آواز میں وہ فیصلہ پڑھنا شروع کیا' جس میں اسے انسانیت کے خلاف جرائم کا مجرم قرار دیا گیا اور جس کے تحت اب اسے حوالہ دار کیا جانا تھا۔

اس دوران صدام حسین عراق' عراقی عوام اور فلسطینیوں کے لئے زندہ باد کے نعرے لگاتا رہا۔ جج نے فیصلہ مکمل کیا تو صدام حسین بھی خاموش ہو گیا۔ وہ حوصلے میں تھا' اس نے خود کو پوری طرح سنبھال رکھا تھا۔

6 بج رہے تھے' جب اسے دوبارہ پھانسی گھاٹ کی طرف لے جایا گیا۔ موت کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے وہ پُرعزم' پُراعتماد اور پُرسکون نظر آ رہا تھا۔

جنرل پراسیکیوٹر نے پوچھا کہ وہ اپنا قرآن پاک کا نسخہ کسے دینا چاہتا ہے؟ اس نے ''بندر'' کا نام لیا' عراق کی انقلابی عدالت کے سابق چیف جسٹس عواد البندر کا بیٹا...... عواد کو بھی اس مقدمے میں سزائے موت سنائی گئی تھی' جس پر جلد ہی عملدرآمد ہو گا۔

کمرے میں خاموشی تھی' پھر صدام حسین سمیت یہاں موجود تمام لوگوں کی زبان پر محمدﷺ اور آپ ﷺ کی آل اولاد کے لئے درود و صلوٰۃ کے کلمات تھے۔ اس موقع پر 2 گارڈز نے مقتدیٰ کا نام لیا۔ وہ مقتدیٰ الصدر کی بات کر رہے تھے' جو عراق میں شیعہ جنگجوؤں کے ایک بڑے گروپ کا سربراہ ہے۔ اس کے والد محمد صادق الصدر اہل تشیع کے ممتاز مذہبی پیشوا تھے۔ جنہیں صدام دور میں قتل کر دیا گیا' بیشتر اہل تشیع اس کا ذمہ دار صدام حسین کو قرار دیتے تھے۔

''مقتدیٰ'' کا نام سن کر صدام کو ایک لمحے کے لئے حیرت نے آ لیا' اس نے مڑ کر ان گارڈز کو دیکھا اور نفرت سے تھوک دیا۔

اب عراقی' نیشنل سیکیورٹی کا ایڈوائزر متوفق الربیعہ صدام سے استفسار کر رہا تھا کہ کیا اسے اپنے کئے پر کوئی خوف یا ندامت ہے؟

''نہیں!'' س نے بلا جھجک جواب دیا ''میں ایک جنگجو ہوں' جسے کوئی خوف نہیں۔ میں نے اپنی زندگی جارحیت کے خلاف لڑتے اور جہاد کرتے ہوئے گزاری' اس راستے کا انتخاب کرنے والے کو کس چیز کا خوف''؟

صدام کے شانہ بشانہ کھڑے ہوئے متوفق الربیعہ نے اب اس سے محمد الصادق الصدر کے قتل کے متعلق پوچھا۔ اسی دوران ایک گارڈ نے غصے میں کہا۔ ''تم نے ہمیں تباہ کر دیا' تم نے ہمیں قتل کیا' تم نے ہمیں غربت اور افلاس کی زندگی دی''۔

صدام نے سخت لہجے میں جواب دیا۔ ''میں نے تم لوگوں کو غربت اور دکھوں سے بچایا اور تمہارے دشمن ایرانیوں اور امریکیوں کو تباہ کیا''۔

اس موقع پر ڈپٹی پراسیکیوٹر مسٹر فرعون نے گارڈ کو ڈانٹا ''میں اس (صدام) پر کسی حملے کی اجازت نہیں دوں گا''۔

اب صدام حسین کو تختہ دار کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ اس نے کوئی مزاحمت یا کشمکش نہ کی۔ اس کے ہاتھ کھولے گئے اور انہیں پچھلی جانب باندھ دیا گیا۔ اس کے چہرے پر تاسف یا ندامت کی کوئی جھلک نہیں تھی۔ اس نے اپنا سر اسی طرح بلند کئے رکھا۔ جلاد نے اسے نقاب پہننے کے لئے کہا' لیکن اس نے انکار کر دیا۔ جلاد نے اس کی گردن کے گرد سکارف لپیٹنے کے لئے کہا تاکہ پھانسی کا رسہ گردن کے لئے تکلیف دہ نہ ہو تو صدام نے اسے قبول کر لیا۔

اب وہ پھانسی کے تختے پر کھڑا تھا۔ اس نے آخری دعا مانگی آنکھیں کھلی رکھیں' اس کی آواز اور لہجے میں کوئی فرق نہیں آیا تھا' اس نے امریکیوں اور ایرانیوں کے خلاف نعرہ لگایا۔

6 بج کر 10 منٹ پر تختہ کھینچ دیا گیا۔ صرف ایک منٹ میں اس کا جسم ساکت ہو گیا۔ اس کی روح پرواز کر گئی تھی' لیکن آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ سکارف کے باوجود اس کی گردن میں گہرا زخم آ گیا تھا۔ اس کا مردہ جسم مزید 9 منٹ تک جھولتا رہا پھر اسے اتار لیا گیا۔

اکثر بیشتر مبصرین کا خیال ہے کہ صدام کی موت عراق کے مسائل میں کمی کی بجائے ان میں اضافے کا باعث بنے گی۔ شیعہ سنی تقسیم مزید گہری ہو جائے گی۔ صدام کی موت پر اس کا بے ساختہ اظہار بھی ہوا۔

عراق کے اہلِ تشیع کے لئے یہ خبر مسرت اور آسودگی کا باعث بنی اور انہوں نے اسے ظلم و جبر کے ایک دور کا خاتمہ قرار دیا...... جبکہ سنی آبادی کا ردِعمل مختلف تھا۔

عراق کے نیشنل سیکیورٹی ایڈوائزر متوفق الربیعہ نے پھانسی کی صبح عراقی ٹیلی ویژن پر کہا ''آیئے! اسے بھول کر ایک دوسرے کے ساتھ (اتحاد و اتفاق سے) رہنے کا آغاز کریں''۔ لیکن عراق کی سنی آبادی خدشات اور شکوک و شبہات کا شکار ہے۔ انہیں شیعہ جنگجوؤں کے مختلف گروپوں کی طرف سے تشدد کی نئی لہر کا خطرہ ہے' ان میں سے بیشتر گروپوں کو موجود عراقی حکومت کی پشت پناہی اور تحفظ بھی حاصل ہے۔

صدام ایک سخت گیر ڈکٹیٹر تھا' جو اپنے مخالفین کے ساتھ کسی رو رعایت کا قائل نہیں تھا' (اور اس حوالے سے شیعہ سنی اس کے لئے یکساں تھے) لیکن اس کے دور میں امن و امان تھا' اہلِ عراق متحد تھے اور عراق کی تقسیم کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔

بغداد کے علاقے ''صدرسٹی'' میں جہاں شیعہ آبادی کا غلبہ ہے' درزی کی دکان کرنے والے احمد حلو کو وہ منظر اب تک یاد ہے' جب صدام کی ایلیٹ فورس نے شیعہ مخالفین کو گولیوں سے بھون ڈالا تھا' تب اس کی عمر 6 سال تھی۔ قصر عطاش نامی اس علاقے میں اب شیعہ جنگجوؤں کی حکمرانی ہے اور اسے وہ اپنے مخالفین کی لاشیں ٹھکانے لگانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

''جب اس کی گردن میں پھندا ڈالا گیا تو شاید اسے یاد آیا ہو کہ اس نے کتنے بے گناہوں کا خون بہایا''؟ یہ صدرسٹی میں گھڑیوں کا کاروبار کرنے والے حسام عبدالحسین جاسم کے الفاظ تھے۔

لیکن 30 دسمبر...... صدام کی پھانسی والے دن...... بغداد کے شیعہ اکثریت والے شمال مشرقی حصے میں صورت حال قطعاً خلاف توقع تھی' یہاں اہلِ تشیع کی طرف سے کوئی اظہار مسرت نہیں تھا' کوئی چہل پہل بھی نہیں تھی' یہاں تک کہ مقتدیٰ الصدر کا دفتر بھی بند تھا۔ یہ کیفیت نومبر کی اس کیفیت سے مختلف تھی' جو صدام کو سزائے موت سنائے جانے کے عدالتی فیصلے پر سامنے آئی تھی' تب یہاں جشن کی فضا تھی اور مٹھائیاں تقسیم کی جا رہی تھیں۔

ادھر بغداد کے جنوب میں اہلِ تشیع کے مقدس شہر کوفہ کی فش مارکیٹ میں اس روز 34 افراد بم دھماکے کا شکار ہو گئے' جبکہ بغداد کے حریہ ڈسٹرکٹ میں کار بم دھماکوں میں 36 افراد مارے گئے۔

عراقی سنیوں کو اس بات کا بھی دکھ تھا کہ پھانسی کے لئے عیدالاضحیٰ جیسے مقدس دن کا انتخاب کیا گیا۔ کردوں کو اس بات پر افسوس تھا کہ صدام کو پھانسی دینے میں جلدی کیوں کی گئی؟ ان کے بقول' اس کے خلاف کردوں کے قتل عام سمیت مزید جرائم کے مقدمات چلنے چاہئیں تھے۔

لندن ''آبزرور'' کے صاف گو کالم نگار رابرٹ فسک کے بقول: صدام کے ساتھ واشنگٹن اور لندن کے کئی اہم راز بھی دفن ہو گئے' جن سے پتہ چلتا کہ امریکہ اور برطانیہ ایک دہائی سے زیادہ عرصے تک کس طرح صدام کی خفیہ مدد کرتے رہے۔ ان میں عراق کی کمیونسٹ پارٹی کو تباہ کرنے کے لئے امریکی سی آئی اے کے تعاون کا راز بھی تھا۔ صدام کے اقتدار سنبھالنے کے بعد امریکی انٹیلی جنس نے اسے بغداد اور دیگر شہروں میں کمیونسٹوں کے متعلق اطلاعات فراہم کیں تاکہ عراق میں سوویت یونین کے اثر ورسوخ کا قلع قمع کیا جائے۔ سی آئی اے کی فراہم کردہ اطلاعات کی روشنی میں صدام کی ''مخابرات'' ایک ایک کمیونسٹ کے گھر پہنچی اور اسے اس کے اہلخانہ سمیت گرفتار کر کے کیفر کردار تک پہنچا دیا۔

عراق' ایران جنگ میں بھی امریکہ (اور برطانیہ) صدام کی پشت پر تھے۔ 1980ء میں ایران پر حملے سے قبل سینئر امریکی اور امریکیوں کو یقین تھا کہ ایران کا ''اسلامی انقلاب'' عراقی حملے کی تاب نہیں لا سکے گا۔ پینٹا گان کو ہدایت تھی کہ ایرانی بارڈز کے متعلق' عراقی فوج کو مکمل انٹیلی جنس فراہم کرے۔

رابرٹ فسک نے جرمنی کے اس اسلحہ ڈیلر سے اپنی ملاقات اور گفتگو کا بھی ذکر کیا ہے' جس نے امریکہ کی درخواست پر واشنگٹن اور بغداد میں براہ راست رابطوں کے لئے زمین ہموار کی تھی۔

اس نے بتایا: ''ستمبر 1980ء میں عراق' ایران جنگ کا ابھی آغاز ہوا تھا' جب مجھے پینٹا گان میں مدعو کیا گیا۔ وہاں مجھے ایرانی فرنٹ لائن کی سٹیلائٹ تصویریں دی گئیں' جن میں ایرانی افواج' اسلحہ اور ٹینکوں کی پوزیشن کی تفصیلات تھیں۔ میں یہ نقشے لے کر واشنگٹن سے ہوائی جہاز کے ذریعے فرینکفرٹ پہنچا اور وہاں سے عراقی ایرویز کے ذریعے بغداد کا رخ کیا۔ عراقیوں کو ان نقشوں سے زیادہ اور کیا چاہیے تھا' وہ اس پر بہت ممنون اور شکر گزار تھے۔ ایرانیوں کی فوجی پوزیشنوں کے متعلق یہ نقشے عراقیوں کے بہت کام آئے۔ عراق کے ساتھ جنگ کے متعلق ایران کی سرکاری تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عراق نے اس کے خلاف کیمیائی ہتھیار پہلی بار 13 جنوری 1981ء کو استعمال کئے۔

ایرانیوں کا الزام تھا کہ عراق کو یہ کیمیائی ہتھیار واشنگٹن نے مہیا کئے' جبکہ واشنگٹن اس سے انکاری تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ امریکی کمپنیوں نے اپنی حکومت کی منظوری کے ساتھ ''بیالوجیکل ایجنٹس'' کی شپ مینٹس عراق بھجوائی تھیں۔ ان میں Bacillus Anthracis بھی تھی' جس سے اینتھراکس (Anthrax) اور E.coli حاصل ہوتی تھیں۔ پینٹا گان عراقیوں کے ہاتھوں ان کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال سے بے خبر نہیں تھا۔ امریکی ڈیفنس انٹیلی جنس افسر لیفٹیننٹ کرنل رک فرینکونا نے بھی اس سلسلے میں پینٹا گان کو رپورٹ دی تھی۔ وہ ان 60 امریکی افسروں میں سے تھا' جو عراق کو ایرانی فوج کی دفاعی صلاحیت اور جنگی پوزیشن کے متعلق خفیہ معلومات بہم پہنچا رہے تھے۔ یہی گیسیں بعد میں حلجبہ میں کردوں کے خلاف بھی استعمال کی گئیں۔ رابرٹ فسک نے عراق کو امریکہ کے روایتی ہتھیاروں کی فروخت کا ذکر بھی کیا ہے' اس میں برطانیہ کی طرف سے عراق کو اسلحہ کی فراہمی کی بات بھی ہے' لیکن یہ سارے راز صدام کے ساتھ ہی دفن ہو گئے' جس پر امریکہ اور برطانیہ کے ''ذمہ داران'' نے یقیناً سکھ کا سانس لیا ہو گا۔

بشکریہ (رؤف طاہر)

میں جنت میں جاؤں گا......صدام

مجھے صدام کی پھانسی پر ایران کا بیان اچھا نہیں لگا۔ امریکہ کے خلاف ایران کی ثابت قدمی اور جرأت مندی نے عالم اسلام کا سر اونچا کر دیا ہے۔ میں ایرانی صدر محمود احمدی نژاد کا عاشق ہوں۔ مسلمان حکمرانوں کی بے بسی اور بے حسی کے برعکس ایرانی صدر کی موجودگی ایک عجیب وغریب قومی آسودگی کی طرح ہے۔ ہم مسلمان امریکہ کی درندگی کے خلاف شرمندگی کے سوا اور کچھ تاثر نہیں رکھتے۔ صرف اور صرف ایران ہے جس کی پالیسیوں سے ہمیں دلیرانہ زندگی کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

مگر میرا دل دکھ سے بھرا ہوا ہے۔ معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ اتنے بڑے لیڈروں سے چھوٹی بات کی امید نہ تھی۔ صدام نے امریکہ کے بہکاوے میں ایران پر حملہ کیا۔ آٹھ برس کی بیکار جنگ نے اسلامیان عالم کو بے قرار کیے رکھا۔ کیمیائی ہتھیار جو امریکہ نے عراق کو دیے تھے انہی کی بنیاد پر امریکہ نے عراق پر حملہ کیا۔ امریکہ نے ایران کو بھی امداد دی جو اس نے قبول کی۔ امریکہ چاہتا تھا کہ دونوں طاقتور ملک آپس میں لڑ لڑ کر برباد ہو جائیں۔ ایران نے امریکہ کے ایجنڈے کو آگے بڑھانے میں تعاون کیا۔ ہمارے مسلمان حکمران نہ دل رکھتے ہیں نہ دماغ رکھتے ہیں اپنی ذات دیکھنے کے باوجود مسلمان حکام امریکی غلام بن جاتے ہیں۔ صدام بھی بنا رہا۔ مگر وہ اس سے عبرت کیوں نہیں پکڑتے۔ امریکہ مسلمان حکمرانوں کو عبرت کا نشان بنا دیتا ہے۔ بھٹو صاحب کے بعد صدام حسین پھانسی پانے والا تیسرا شکار ہے۔ اس کے بعد بھی پاکستانی حکمرانوں اور عراقی حکمرانوں کو کوئی احساس نہیں ہوا۔ بھٹو صاحب کو صدر جنرل ضیاء الحق سے پھانسی دلوائی اور پھر اس کا طیارہ فضاء میں راکھ بنوا دیا۔ عراقی وزیر اعظم نے صدام کو امریکہ کے اشارے پر پھانسی دینے پر خوشی کا اظہار کیا ہے۔ اس نے صدام کی پھانسی پر دستخط کئے جیسے صدر جنرل ضیاء الحق نے بھٹو کیلیے کئے تھے۔ نور المالکی بھی عبرت پکڑنے کا قائل نہیں لگتا۔ عبرت کا نشان بننے کی طرف مائل ہے۔ میرے خیال میں افغان صدر کرزئی اور عراقی وزیر اعظم نور المالکی میں کچھ فرق نہیں۔

ایرانی صدر محمود احمدی نژاد اور ایرانی رہنما جناب رفسنجانی کے صدام حسین کی پھانسی پر ردعمل سے میرا دل اور میرا قلم زخمی ہوا ہے بلکہ زخم خوردہ حالت میں کراہ رہا ہے۔ میں ایرانی لیڈروں کی بے پناہ عزت کرتا ہوں ورنہ یہ کہتا کہ ردعمل نہیں یہ تو ردی عمل ہے۔ ایرانی صدر نے کئی برسوں کی اپنی ساری کریڈیبلٹی مشکوک کر دی ہے۔ میری افسردگی یہ ہے کہ میں اس کریڈٹ اور کیفیت کا کیا کروں جو آج بھی میرے جلتے ہوئے لہو میں ان کے لئے رقص کرتی ہے۔ عید قربان پر یہ عدالتی قتل ہوا اور اس کے بعد محرم ہے۔

اس سے سنہری موقعہ شاید بہادر ایرانی صدر کی زندگی میں نہ آئے کہ وہ پورے عالم اسلام کا دل جیت سکتا تھا۔ وہ آٹھ برس کی لڑائی کی مذمت کرتا اور یہ بھی کہتا کہ صدام کو پھانسی چونکہ امریکہ نے دی ہے۔ اس لئے میں اس کی بھی مذمت کرتا ہوں۔ شیعہ سنی اتحاد کی بات کرتا......

صدام زندگی میں بہت بری طرح ظالم تھا مگر اس نے ایک بہادر آدمی کی موت مر کے صدر بش کی ساری امیدوں کو خاک میں ملا دیا ہے۔ امریکہ نے صدر کی پھانسی کی فلم بنا کے سوچا تھا کہ اس طرح وہ مسلمان حکمران کی گھبراہٹ اور بزدلی سے اپنے لوگوں اور مسلمانوں کو بتائے گا کہ ظالم بہادر نہیں ہوتے مگر وہ تو بہادر نکلا۔ بش ظالم اور بزدل ہے۔ ابھی صرف ایک جملہ کہ صدام نے مرتے مرتے صدر بش کو ایسی شکست دی ہے جو اسے کبھی نہیں بھولے گی۔ عراق میں شکست سے زیادہ بڑی شکست یہ ہے۔ یہ اس کے لئے شکست خوردگی ہے جو اس کی مایوسی اور بے بسی کو اور گہرا کرے گی۔

ایران کا بیان امریکہ، اسرائیل اور انگلستان سے زیادہ سخت ہے۔ اس طرح تو ایران اسرائیل امریکہ اور انگلستان میں کوئی فرق نہیں۔ یہ اسلام دشمن ممالک شیعہ سنی فساد پھیلانا چاہتے ہیں تو پھر ایران کیا چاہتا ہے؟ صدر بش نے جو بندے عراق میں مارے اس پر مقدمہ چلنے کا مطالبہ بھی ہونا چاہیے تھا۔ صدام پر ہزاروں کردوں کے قتل پر مقدمہ نہیں چلایا گیا۔ اسے سینکڑوں شیعوں کے قتل پر پھانسی دی گئی۔ اس طرح امریکہ، عراق میں اور پورے عالم اسلام میں ایک بار پھر کم ہو چکے شیعہ سنی مخالف جذبات کو بھڑکانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

میرا ایمان ہے کہ امام خمینی سب مسلمانوں کا لیڈر تھا۔ اسے امریکہ اور یورپ نے شیعہ لیڈر بنانے کی کوشش کی۔ محمود احمدی نژاد کو بھی سارے مسلمان اپنا لیڈر سمجھنے لگے ہیں۔ پھر یہ کس کی کوشش ہے کہ وہ صرف شیعہ لیڈر رہیں۔ میں اسے پاکستانی لیڈروں سے زیادہ اپنا لیڈر سمجھتا تھا۔ اب بھی سمجھتا ہوں مگر نجانے مجھے چین کیوں نہیں پڑتا۔ کیا صدام کی موت کا منظر ایرانی صدر نے دیکھا ہے۔ اس کے بعد تو اسے معاف کر دینا چاہئے تھا۔ غلطیاں کس سے نہیں ہوتیں۔ جس کی موت اس کی زندگی سے بہتر ہو وہ اندر سے کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔

؎ دشمن مرے تے خوشی نہ کریئے سجناں وی مر جانا

حضرت علیؓ کو ماننے والے تو معافی دینے میں بہت آسان ہوتے ہیں۔ حضرت علیؓ دشمن کو گرا کر اس کے سینے سے اتر آئے اور خنجر پھینک دیا کہ اس نے حضرت علیؓ کے منہ پر تھوک دیا تھا۔ ایرانیوں اور ایرانی لیڈروں کو اللہ نے بہادر بنایا ہے اور بہادر معاف کر دینے والے ہوتے ہیں۔ بہادر حضرت علیؓ کے قبیلے سے ہو تو وہ اور بھی بہادر ہوتا ہے۔ صدام جس طرح مرا ہے تو میرے جیسے چھوٹے اور معمولی آدمی کو بھی اس سے تعلق ہو گیا ہے۔ نجانے ایرانیوں کی نفرت اس سے کیوں کم نہیں ہوئی۔

صدام آمر تھا اس کو اس طرح ہٹایا جاتا جیسے ایرانیوں اور ان کے امام خمینی نے شاہ ایران کو شکست دی۔ امام سے بڑا لیڈر کوئی نہیں ہوا۔ اب بھی ایرانی لیڈر امام کا سا کردار ادا کریں۔ امام خمینی نے کئی ایرانی جرنیلوں کو گولی مروائی جو شاہ ایران کے ساتھ تھے۔ کسی نے احتجاج نہ کیا تھا۔ صدام نے بھی خواہش کی تھی کہ مجھے گولی ماری جائے مگر صدر بش اور اس کے غلام عراقی حکمرانوں نے اس کی یہ آخری مجاہدانہ خواہش بھی قبول نہیں کی۔ امام خمینی کے حکم پر قتل ہونا ایک سعادت تھی۔ مگر صدام کو تو صدر بش نے مارا ہے۔ امریکہ کو امام خمینی نے شیطان بزرگ کہا تھا۔ کیا امام خمینی کے

پیروکاروں نے ان کی تعلیمات کو بھلا دیا ہے۔ آج وہ اپنی باتوں سے امریکی عزائم کی تائید کر رہے ہیں۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ صدام اسرائیل کا ان سے پہلے کا دشمن تھا۔ اسرائیل نے عراق کے ایٹمی ریکٹر تباہ کر دیئے اور وہ یہی ایران کے ساتھ کرنا چاہتا ہے۔ ایران نے مقابلے اور جرأت کی پالیسی ترک کی تو اسرائیل اور امریکہ اسے اسی طرح خاک وخون کی دلدل بنا دیں گے جیسے انہوں نے عراق کو بنایا۔ ایران عراق میں امریکہ کی امداد کر کے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارے گا۔ امریکہ کے ''مفتوحہ'' ملک عراق میں صدام پر الزام ایک دشنام کی طرح ہے۔ صدام نے موت کو قبول کیا جیسے اس نے کوئی انعام وصول کیا ہو۔ صدام کی موت پر اسلامیان عالم نے افسوس سے زیادہ احتجاج کیا ہے۔ صدام کی موت بھی ایک احتجاج ہے۔

حضرت قبلہ ہاشمی رفسنجانی نے فرمایا ہے ''یہ خدا کا انصاف ہے'' معاف کریں یہ امریکہ کا ''انصاف'' ہے اور امریکہ یہ ''انصاف'' مسلمان حکمرانوں کے ساتھ کرتا رہتا ہے۔ اس امریکی انصاف کا سامنا ایران کو بھی ہے۔ کیا یہ بھی انصاف ہوگا کہ عراق کے ٹکڑے ہونے کے بعد ایران شیعہ ریاست کی حمایت کرے گا۔ دل والے اور ایمان والے ایرانی لیڈروں کو یہ انداز کلام اچھا نہیں لگتا۔ صدام کی مخالفت میں امریکہ کی حمایت انصاف ہے تو اس سے بڑی بے انصافی اور کیا ہوگی۔ صدام کو گرفتار کر کے امریکہ نے کیا ''کامیابی'' حاصل کر لی تھی اب اس کی موت سے وہ ناکامی کے علاوہ کچھ حاصل نہیں کر سکے گا۔ ایران اس موقع پر امریکہ کے دھوکے میں نہ آئے۔ عراق میں اس کی امداد کو وہ الزام بنا دے گا کہ ایران ہی عراق میں گڑ بڑ کر وا رہا تھا۔ عراقی خود صدام کو پھانسی دیتے۔ دشمن کو موت دینے کیلئے دشمن کا سہارا لینا بے سہارا ہونے کی سب سے بڑی مثال ہے۔

تختہ دار پر ایک نقاب پوش جلاد کی تلخ کلامی پر کہا کہ تم اب جہنم میں جاؤ۔ حیرت انگیز طور پر بہادر شخص صدام حسین نے کہا ''میں جنت میں جاؤں گا''۔ امریکی مشن کے تحت عراق اور عالم اسلام میں شیعہ سنی جذبات کو ایک بار پھر بھڑکانے کیلئے عدالت سے لے کے تختہ دار تک سارے شیعہ لوگ مقرر کئے گئے تھے۔ شیعہ سنی بھائی بھائی ہیں اور اب دونوں طرف کے علماء کرام بھی اس پر متفق ہیں۔ منہ کی کھانے کے باوجود امریکہ اور یورپ شرمناک کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ صدام نے اپنے دور حکومت میں شیعوں پر ظلم کئے۔ سنیوں پر بھی ظلم کئے۔ حکمران اپنے طرز حکمرانی میں اس بات کی پروا نہیں کرتے۔ امریکہ' شیعہ محمود احمدی نژاد اور حسن نصر اللہ کا دشمن ہے تو وہ سنی جمال عبدالناصر اور یاسر عرفات کا بھی دشمن تھا۔ اس نے صدام کو پھانسی دلوائی تو کیا وہ سنی نہ تھا۔ اس سے پہلے شیعوں پر اس کے مظالم کی حمایت امریکہ نے کی۔ کئی شیعوں کو اس نے سنی حکمرانوں سے مروایا۔ یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں مگر انہیں استعمال کیا جاتا ہے اور اس طرح مسلم امہ کا استحصال ہوتا ہے۔ غداروں کی فہرست میں زیادہ نام مسلمانوں کے ہیں۔

جس آدمی کو چند لمحوں کے بعد مر جانا تھا وہ بڑے سکون اور بہادری کے ساتھ بات کر رہا تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں کسی شخص کو اس شان سے مرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کیا امریکہ اور یورپ میں ایسا ہو سکتا ہے۔ وہاں بھٹو' فیصل' ناصر اور صدام پیدا نہیں ہو سکتے یہ غریب دنیا' تیسری دنیا' مسلم دنیا کی زمینوں کا کمال ہے کہ زمانوں سے بھی بلند انسان پیدا کرتی ہے۔

یہ آپ ہم تو بوجھ ہیں زمین کا

زمیں کا بوجھ اُٹھانے والے کیا ہوئے

میں یہ بات جانتا اور مانتا ہوں کہ حکمرانوں نے انسانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے۔ صدام بھی ایک حکمران تھا۔ جمہوری حکمران صدر بش نے جتنے مظالم توڑے ہیں وہ کئی صداموں کے سامنے پہاڑ کی طرح لرز رہے ہیں۔ بش کئی بار پھانسی کا مستحق ہے۔ میں نے لکھا تھا کہ وہ جس طرح بھی مرے گا سزائے موت پائے گا۔ بہت بڑے مسلمان بادشاہ اورنگزیب عالمگیر نے اپنے تین بھائی ماردیئے جس پر نامور ادیب ابن انشاء نے لکھا ہے۔ ''اورنگ زیب نے اپنی زندگی میں نہ کبھی نماز چھوڑی اور نہ اپنا بھائی چھوڑا'' لیکن ایک بات اس کے حق میں جاتی ہے کہ وہ اگر اپنے بھائیوں کو نہ مارتا تو ان میں کوئی اسے ماردیتا۔ صدام نے تو دو داماد مارے تھے۔ حکمرانی رشتوں ناطوں اور اصولوں ضابطوں کو نہیں دیکھتی۔ ہم اسی کو تاریخ کہتے ہیں۔ مگر اصل تاریخ ان لوگوں کی ہے جنہوں نے انسانیت کے لئے فلاح اور تعمیر کے کام کئے' ایجادات کیں جن کے ثمرات سے پوری دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے۔ وہ نہ شیعہ تھے نہ سنی' نہ مسلم تھے نہ غیر مسلم۔ مگر جن لوگوں نے اسلحہ بنایا اور پھر جنہوں نے بے تحاشا بے محابا اسلحہ بے گناہ لوگوں پر استعمال کیا۔ ہم انہی کے برے کاموں کو کارناموں کی شکل دے کر تاریخ بناتے ہیں۔ یہ تاریخ اور انسانیت کی توہین ہے۔ امریکہ فلاح اور تعمیر کے ذریعے دنیا کا لیڈر بن سکتا تھا مگر وہ جنگ کے ذریعے اپنی مرضی کا امن قائم کرنا چاہتا ہے۔ مسلمان حکمران اس کے آلہ کار بھی بن جائیں گے مگر جب اسے جانیں گے تو پھر اسے نہیں مانیں گے۔ اس کی دی ہوئی موت کو اپنی موت بنا کر دنیا کو حیران اور امریکہ کو پریشان کردیں گے۔ بھٹو کے علاوہ میں اس لحاظ سے جنرل ضیاء کیلئے بھی نرم گوشہ رکھتا ہوں۔ امریکہ کا مقتول کسی نہ کسی طرح ہمارے لئے مقبول ہے۔......

کجھ شہر دے لوک وی ظالم سن

کجھ مینوں مرن دا شوق وی سی

صدام نے اسے شوق فراواں بنا دیا ہے۔ میں نے منیر نیازی کے اس زندہ شعر کا لطف ہمیشہ لیا مگر اس کی حقیقت مجھ پر تب کھلی جب میں نے وقار اور اعتبار کے ساتھ صدام حسین کو مرتے ہوئے دیکھا۔

تختہ دار پر زندہ تر آدمی صدام حسین نے نقاب پہننے سے انکار کردیا۔ مرد انکار نے کہا کہ میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مرنا چاہتا ہوں۔ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں کہ جن کے سامنے موت بھی شرمسار ہو جاتی ہے۔ اسے پھانسی دینے والوں نے نقاب پہنا ہوا تھا تو پھر بزدل کون ہے؟

میں صدام کی زندگی کے لئے کسی بحث میں نہیں پڑتا۔ میں دوستوں اور دوسروں کی ساری باتیں مان لیتا ہوں مگر وہ اس کی موت کے بارے میں اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کیا یہ کسی معمول کے آدمی کسی معمولی آدمی کی موت تھی۔ صدام جیسے زیادہ ظالمانہ جیون جینے والے کئی اور بھی ہو گزرے ہیں مگر ایسی جاودانہ موت مرنے والا کوئی اور حکمران ہے؟ اس طرح کی صورتحال پر لکھے جانے والے سارے اشعار اس پر صادق آتے ہیں۔

دنیا میں ٹھکانے دو ہی تو ہیں آزاد منش انسانوں کے

یا تخت جگہ آزادی کی یا تختہ مقام آزادی کا

میں نے دیکھا کہ وہ تختہ دار کی طرف آ رہا تھا جیسے تخت بغداد کی طرف آ رہا ہو۔ پھانسی گھاٹ کی دہلیز پر کھڑے شخص کی شان وشوکت ایسی تھی جیسے وہ ایوان صدر کے دروازے پر کھڑا ہو۔ اس میں کوئی نشانیاں ایوان صدر میں رہنے والوں کیلئے ہیں۔ جینے کی لذت سے بازیاب ہونے والے موت کی لذت سے بھی فیضیاب ہوں تو ان کے اندر کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔ نجانے کیا ہوتا ہے۔ سنا ہے صدام کا بیڈ روم جنت کے ماحول کی طرح تھا۔ وہ تختہ دار پر بھی نیند کرنے آیا تھا ابدی نیند سونے کیلئے...... گہری اور میٹھی۔

اس کے ہاتھ میں قرآن تھا۔ اس نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ بے شک اللہ بہت بڑا ہے۔ یہ بات فرعونوں کو بتانے والی ہے اور بش اس دور کا سب سے بڑا فرعون ہے۔ اس کیلئے بہت سے چھوٹے چھوٹے حضرت موسیٰ پیدا ہو چکے ہیں۔ صدام کی ولولہ انگیز موت بھی موسیٰ کے پیغام جیسی تھی اور یہ پیغام صدر بش کو مل گیا ہے۔ اس نے درود شریف پڑھا۔ یہ عشق رسول ﷺ کا چراغ ہے اور یہ ہر مسلمان کے دل میں جلتا ہے۔ اس کا مقابلہ فوجوں والے یعنی ہاتھیوں والے نہیں کر سکتے۔ یہ چراغ وقت مرگ تو صدام کے دل میں جل اٹھا تھا۔ وہ اسی روشنی میں زندگی کی بجھتی ہوئی شمع کو دیکھ رہا تھا اور اس کی کھلی انکھوں میں موت کا خوف نہ تھا۔ مگر اس نے یہ نہیں کہا کہ میں کسی سے نہیں ڈرتا۔

بشکریہ (ڈاکٹر محمد اجمل نیازی)

جس دھج سے کوئی مقتل کو گیا......

عید قربان پر سابق عراقی صدر صدام حسین امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کی انا کی سولی پر لٹک گئے اور اتحادیوں نے عید کے روز عراقی عوام اور امت مسلمہ کو صدام حسین کی لاش کا تحفہ دے کر ایک بار پھر دنیا کو بتا دیا کہ مسلم دنیا میں امریکہ کی "ون قطبی طاقت" کے سامنے جھکنے سے انکار کرنے والوں کو زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اور اتحادی جب چاہیں اپنے باغیوں کی گردن میں پھندا فٹ کر کے انہیں زندگی کے حق سے محروم کر سکتے ہیں۔

صدام حسین دنیا میں عرب نیشنلزم کے اس عنصر کے نمائندہ کے طور پر عراق کے حاکم بنے تھے، جس نے "مذہب بیزاری" کے جلو میں عرب قومیت کا پرچم بلند کیا تھا اور بائیں بازو کے افکار کی بنیاد پر عراقی نیشنلزم کی نیو اٹھائی تھی۔ وہ بعث پارٹی کے رہنما تھے جو سیاست میں مذہب کی ملاوٹ کے خلاف ہے بلکہ اجتماعی معاملات میں مذہب کے کردار کی نفی کو ضروری سمجھتی ہے لیکن ان کی زندگی کا اختتام اس کیفیت میں ہوا کہ قرآن کریم ان کے ہاتھ میں تھا، انہوں نے پھانسی گھاٹ کی طرف جانے سے قبل نماز پڑھی اور جب پھانسی کے تختے کی طرف بڑھے تو اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے تختے پر کھڑے ہو گئے۔ پھر بعض خبروں کے مطابق انہوں نے کلمہ طیبہ پڑھا اور جب جلاد نے ان کے گلے میں پھانسی کا پھندا فٹ کرتے ہوئے کہا کہ "جہنم میں جاؤ" تو صدام حسین نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا کہ "جنت میں جاؤں گا" اور پورے وقار کے ساتھ منہ پر ماسک پہننے سے انکار کرتے ہوئے تختہ دار پر جھول گئے۔ اس سے قبل انہوں نے دعائیہ جملے کے طور پر آخری الفاظ کہے کہ "عراق سلامت رہے اور فلسطین عربوں کا ہے۔"

جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "اعتبار خاتمہ کا ہوتا ہے"...... یعنی جو شخص جس حالت میں دنیا سے رخصت ہوتا ہے آخرت کے معاملات اسی حوالے سے طے پاتے ہیں، اس لئے صدام حسین کے آخری لمحات کی کیفیات کو دیکھ کر دل گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انہیں سرخروئی حاصل ہو گی اور ان کی زندگی کے یہ آخری لمحات ان کے متنازع ماضی کا کفارہ بن جائیں گے۔ مجھے صدام حسین کی زندگی کے آخری لمحات دیکھ کر حجاج بن یوسف یاد آ گیا وہ بھی عراق کا حاکم تھا اس نے بھی اہل دین کے خلاف ظلم و جبر کی انتہا کر دی تھی، اس سلطنت کے استحکام کو باقی ہر چیز پر مقدم قرار دیتے ہوئے ہزاروں صالحین کو تہہ تیغ کر دیا تھا اس نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کر کے بیت اللہ پر سنگباری کی تھی اور حضرت عبد اللہ بن

زبیرؓ اور حضرت سعید بن جبیرؓ جیسے اساطین امت کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے تھے لیکن اس کے کھاتے میں بڑی بڑی نیکیاں بھی ہیں۔ سندھ کے راجہ داہر کے ہاتھوں چند مسلمان خواتین کی گرفتاری پر اسی نے غیرت کھا کر اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کی قیادت میں لشکر تیار کیا تھا اور دمشق کی خلافت سے اس لشکر کی روانگی کی اجازت طلب کر کے اسے سندھ کی طرف روانہ کیا تھا۔

بعض روایات کے مطابق قرآن کریم پر زیر وزبر اور اعراب لگوانے کا کام بھی اسی کی نگرانی میں تکمیل تک پہنچا تھا۔ جس کی وجہ سے غیر عربوں کے لئے قرآن کریم کی براہ راست تلاوت آسان ہوگئی۔ اس کی زندگی متضاد کارناموں کا مجموعہ ہے لیکن بعض حضرات نے اس کی زندگی کے آخری لمحات کا نقشہ یوں کھینچا ہے کہ مرض الموت میں اس کی بوڑھی ماں نے اسے اس کے مظالم یاد دلاتے ہوئے جب کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کس منہ سے پیش ہوگا؟ تو اس نے جواب میں کہا کہ ماں مجھے ڈراؤ نہیں اللہ تعالیٰ تجھ سے کہیں زیادہ مہربان اور شفیق ہے۔ ایک بار میں نے ایک عوامی خطاب کے دوران حجاج بن یوسف کی وفات سے قبل کے لمحات اور اللہ تعالیٰ کی رحمت وشفقت پر اس کا یہ یقین قدرے تفصیل سے بیان کیا تو ایک صاحب نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ اگر حجاج بن یوسف کو بخش دیں گے تو ان ہزاروں مظلوموں کا کیا بنے گا، جن کے بے گناہ خون سے اس نے اپنے ہاتھ رنگے تھے، تو میں نے بعض بزرگان دین کے حوالے سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو بخشنا چاہتے ہیں تو اس کے مظالم کا بدلہ کئی گنا اپنی طرف سے مظلوموں کو ادا کر کے اس کی بخشش کا اہتمام کر دیتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ اس کی کوئی ادا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسندیدگی کا درجہ پالے تو باقی مراحل اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے طے فرما دیتے ہیں اور یہ نہ انصاف کے خلاف ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہے۔ صدام حسین کی زندگی بھی ایسے ہی تضادات سے عبارت رہی ہے وہ اصلاً اس ''عرب نیشنلزم'' کے علمبردار تھے، جس کی بنیاد بعث پارٹی نے مذہب کی نفی پر رکھی تھی اور وہ عالمی سیاست میں بائیں بازو کی نظریاتی سیاست کی نمائندگی کرتے تھے۔ ''عرب نیشنلزم'' کی اٹھان ترکی کی خلافت عثمانیہ کی صدیوں کی حکمرانی کے ردعمل کے طور پر عربوں کی آزادی کے تصور کے ساتھ ہوئی تھی۔ خلافت عثمانیہ کے خاتمے کی راہ ہموار کرنے والوں نے جہاں ترکوں کو یہ سبق پڑھایا تھا کہ وہ یورپین ہیں اور بالاتر قوم ہیں، اس لئے ان کا عربوں کے ساتھ منتھی رہنا ان کے روشن مستقبل کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ اسی طرح عربوں کو بھی اس دور میں یہ سبق پڑھایا گیا تھا کہ وہ عرب ہیں اور عجمیوں کا ان پر حکمران ہونا عربوں کی بالاتری کے منافی ہے۔ اس لئے انہیں ترکی کی خلافت عثمانیہ سے جلد از جلد نجات حاصل کر لینی چاہیے۔

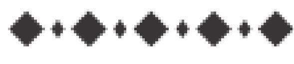
اس ''عرب نیشنلزم'' کے مختلف پہلو اور متعدد جہات تھیں۔ ایک جہت مذہبی تھی، جس کا اظہار خلافت عثمانیہ کی طرف سے مکہ مکرمہ کے گورنر شریف مکہ سید حسین ہاشمی کی اس بغاوت کی صورت میں ہوا جس کی وجہ یہ بیان کی گئی تھی کہ ترکی والے عجمی ہیں اور ظالم ہیں انہیں خلافت کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ خلیفہ اسلام کے لئے قریشی ہونا شرط ہے اور غیر قریشی خلیفہ اسلام نہیں ہوسکتا، اس لئے شریف مکہ حسین نے جو قریشی اور ہاشمی تھے برطانوی استعمار کے اس وعدے پر ترکوں کے خلاف بغاوت کر دی کہ انہیں عرب دنیا کا خلیفہ تسلیم کر لیا جائے گا لیکن جب بغاوت کامیاب ہوئی اور ترکوں کو سرزمین عرب سے نکال دیا گیا تو شریف مکہ کے بیٹوں کو عراق اور اردن کی حکمرانی دے کر سرزمین حجاز پر آل سعود کا خاندانی اقتدار تسلیم کر لیا

گیا۔ اسی شریف مکہ کے ایک بیٹے کو عراق کا حکمران بنایا گیا۔ جس نے ہاشمی ہونے کے ناتے سے عراق کی جداگانہ سلطنت کی بنیاد رکھی لیکن عرب نیشنلزم کا دوسرا پہلو جس کی بنیاد مذہب کی بجائے سیکولرازم پر تھی اس نے انقلاب کے ذریعے اس کا تختہ الٹ دیا۔ جنرل عبدالکریم قاسم اور بعث پارٹی عرب قومیت کے اسی ونگ کی قیادت کررہے تھے اور صدام حسین کے اقتدار کا آغاز بھی اسی حوالے سے ہوا تھا۔

عرب قومیت کا ایک تیسرا رخ تھا جو سعودی عرب کی ''مذہبی قومیت'' اور بعث پارٹی کی سیکولر عرب قومیت دونوں سے مختلف تھا اور اس کی قیادت مصر کے جمال عبدالناصر کے ہاتھ میں تھی جو نہ تو سعودی عرب کی طرح ملک میں شرعی قوانین کے نفاذ کے لئے تیار تھے اور نہ ہی بعث پارٹی کی طرح مذہب کی نفی کرتے تھے۔ خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد عرب قومیت ان تین رخوں پر آگے بڑھتی رہی، آپس میں ایک دوسرے سے الجھتے بھی رہے سرد جنگ کے دوران امریکہ اور روس کے کیمپوں میں تقسیم بھی رہے اور بہت سے عرب ملکوں میں اس بنیاد پر تقسیم اور انقلابات بھی رونما ہوئے لیکن ان تمام جھگڑوں کے باوجود ''عرب قومیت'' ان سب میں قدر مشترک چلی آرہی ہے اور عرب لیگ کے فورم پر آج بھی سب مل کر فیصلے کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایران میں مذہبی انقلاب کی کامیابی کے بعد عرب دنیا میں اس کے نفوذ اور رسوخ کے امکانات واضح ہونے لگے تو صدام حسین نے ایران کے ساتھ آٹھ سال تک مسلسل جنگ لڑ کر اس کا راستہ روک دیا۔ اس جنگ میں انہیں امریکہ کی پشت پناہی بھی حاصل تھی کہ امریکہ کے مستقبل کے ایجنڈے کے لئے یہ جنگ ضروری تھی لیکن پوری عرب دنیا اس جنگ میں صدام حسین کے ساتھ تھی اور اس کے پس منظر میں یہی ''عرب قومیت'' کارفرما تھی جو ایک عجمی قوت کے عرب دنیا میں رسوخ و نفوذ کو روکنے کے لئے اس جنگ کو ناگزیر تصور کرتی تھی۔

صدام حسین کو ایران عراق جنگ میں دو حیثیتیں حاصل تھیں۔ ایک یہ کہ وہ عرب دنیا کو عجمی اثر و رسوخ سے محفوظ رکھنے کی جنگ لڑ رہے ہیں اور دوسری یہ کہ وہ عرب دنیا میں اہل سنت اور اہل تشیع کی تقسیم کے پس منظر میں اہل سنت کے مفادات کا تحفظ کر رہے ہیں، اس لئے ان کی پھانسی کے ذریعے موت کو عرب دنیا میں سنی شیعہ کشمکش بلکہ خانہ جنگی کے آغاز کا الارم تصور کیا جارہا ہے اور بعض حلقوں کی طرف سے یہ کہا جارہا ہے کہ اس موقع پر انہیں پھانسی دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے سنی شیعہ کشمکش کو خانہ جنگی کے ہدف تک لے جانا مقصود ہے جس کا دائرہ صرف عراق تک محدود نہیں رہے گا بلکہ کویت، بحرین، لبنان اور سعودی عرب کے ساتھ ساتھ مرحلہ وار پوری عرب دنیا کے اس میں ملوث ہونے کا امکان موجود ہے اور عرب دنیا میں تیزی سے بڑھتے ہوئے مذہبی رجحانات سے اسرائیل کو محفوظ رکھنے اور امریکی مفادات کو بچانے کے لئے اس سے زیادہ کامیاب نسخہ کوئی نہیں ہے۔ بہرحال اس تناظر میں صدام حسین اپنے حصے کا کام سرانجام دے کر بارگاہ ایزدی میں پیش ہو چکے ہیں، ان کے بہت سے کاموں سے اختلاف بلکہ شدید اختلاف ہوسکتا ہے، لیکن ان کی زندگی کا آخری حصہ بہرحال استعمار کے خلاف جرات و استقامت اور حوصلہ و عزیمت سے عبارت ہے اور اسی حوالے سے ہم بارگاہ خداوندی سے امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں گے اور رحمت خداوندی انہیں اپنے سائے میں جگہ دے گی۔

بشکریہ (ابوعمار زاہد الراشدی)



کٹی ہے برسرِ میدان مگر جھکی تو نہیں

اور صدام حسین دنیا سے گزر گیا..... عروج و زوال کی ان گنت وادیاں طے کرنے والا صدام، نشیب و فراز کے بے شمار مراحل دیکھنے والا صدام جیل کی سلاخوں سے اقتدار تک سفر طے کرنے والا صدام عرب قومیت کے نام پر بننے والی بعث پارٹی کو عرب دنیا پر مسلط کردینے کا خواہاں صدام فارس و عرب کی قدیم لڑائیوں کی تاریخ دہرا دینے والا صدام، 24 سالہ اقتدار اور 3 سالہ دورِ اسارت میں دنیا بھر کے میڈیا کا محور بنا رہنے والا صدام خلیج کی ہولناک جنگ چھیڑ کر ہزاروں افراد کی ہلاکت کا مجرم صدام..... امریکا پر سب سے زیادہ بھروسہ کرنے والا اور پھر اس سے سب سے زیادہ دھوکا کھانے والا صدام......

جسے ایران جنگ نے دنیائے عرب کا ہیرو بنایا مگر جنگ خلیج 1990ء نے اس سے عربوں کی قیادت کا سہرا چھین لیا..... جس نے عراق کو اسلامی دنیا کی پہلی ایٹمی طاقت بنانے کی کوشش کی مگر اس کے اپنے سرپرست امریکا نے اسرائیل کے ہاتھوں میں اس کے ایٹمی پروگرام کو تہ و بالا کر دیا۔ جسے ایک بار سی آئی اے نے عراق کی جیل توڑ کر رہا کرایا اور مصر میں پناہ دی اور برسوں بعد اسے اشتہاری مجرم بنا کر اس کے لئے کوئی جائے پناہ نہ چھوڑی..... جسے امریکا نے کبھی سر پر تاج پہنایا اور کبھی اس کے سر کی قیمت مقرر کی..... جس نے لڑکپن میں اپنا زخم خود چیر کر گولی نکالی، جسے بڑھاپے میں اپنے بیٹوں کے کٹے ہوئے سر دیکھ کر جھری جھری تک نہ آئی..... جو موت کا پھندا گلے کے سامنے لٹکتا دیکھ کر بھی نہ گھبرایا..... وہ جس کے نام کا مطلب ہی ''زور کی ٹکر رسید کرنے والا'' اور ''ہمیشہ ٹکراؤ پر آمادہ رہنے والا'' ہے..... وہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت سے ٹکرا کر اپنا نام تاریخ میں زندہ کر گیا..... صدام واقعی عمر بھر ٹکراتا ہی رہا..... کبھی اپنوں سے کبھی غیروں سے..... اس نے کسی کو نہیں بخشا..... بچپن میں والدین سے ٹکرا گیا اور گھر چھوڑ کر بھاگ نکلا..... پھر اپنے ملک کی حالت زار دیکھ کر جذبہ بغاوت مزید ابھرا تو حکومت سے ٹکرا گیا..... نتیجے میں جیل کی ہوا تو کھائی مگر اس کے اندر ٹکرانے کی قوت بڑھتی گئی، بڑھتی ہی گئی..... پھر وہ وقت آیا جب اس نے 1979ء میں عراق کے اقتدار پر قبضہ کر لیا..... وہ اس بعث پارٹی کا سربراہ تھا جس کے نزدیک عرب قومیت ہی سب کچھ تھی..... صدام حسین بلاشبہ امریکا کی حمایت سے برسرِ اقتدار آیا تھا مگر عربوں کے لئے خصوصاً اپنے وطن کے لئے وہ نرم گوشہ رکھتا تھا۔ اس نے عراق کو اس طرح نہیں بھنبھوڑا جیسے ہمارے ہاں حکمران عوام کی ہڈیوں کا گودا چوستے چلے جا رہے ہیں..... اس نے عراق کو دنیا کی عظیم طاقت بنانے کا جو خواب دیکھا تھا، حکومت سنبھالتے ہی اس کی تیاری شروع کر دی۔ کیا یہ بات باعث

حیرت نہیں کہ صدام 1979ء میں برسراقتدار آتا ہے اور صرف دو برس بعد 1981ء میں عراق کا ایٹمی پلانٹ دنیا بھر کے لئے ہوا بن جاتا ہے۔ اسکی متوقع ایٹمی صلاحیت سے اسرائیل کی حکومت کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں......اور وہ امریکا کی مدد سے عراق کے ایٹمی ری ایکٹر پلانٹ کی تمام تر خفیہ معلومات حاصل کر کے طیاروں کے اچانک حملے کے ذریعے انتہائی پوشیدہ مقامات پر نصب کیے گئے ایٹمی پلانٹ کو تباہ کر دیتا ہے......

یہی وہ وقت تھا جب دنیا کو صحیح معنوں میں صدام حسین کے تیوروں کا اندازہ ہوا...... یہ درست ہے کہ وہ عرب پہلے تھا اور مسلمان بعد میں۔ اس کا نظریہ عرب قومیت کی بابت انتہائی متعصبانہ تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ عرب دنیا میں ایران کی مداخلت برداشت نہ کر سکا جس نے شیعہ انقلاب کے بعد عالم اسلام کے دیگر ملکوں میں یہی انقلاب برپا کرنے کی تیاریاں تیزی سے شروع کر دی تھیں...... پھر شط العرب کا قضیہ عراق ایران جھڑپ کا فوری سبب بن گیا۔ روس اور امریکا جیسی بڑی طاقتوں نے اس صورتحال کو اسلحہ کی فروخت کا بہترین موقع سمجھ کر اس جنگ کی آگ کو بھڑکایا ایک نے ایران کو شاباش دی دوسرے نے عراق کو......اور یوں ایران و عراق 8 سال تک جنگ کی ہولناکیوں کی نذر ہوتے رہے......تاہم جب جنگ ختم ہوئی تو تجزیہ نگار عراق کا پلہ بھاری بتا رہے تھے......

صدام حسین سرزمین عرب کے دل میں گڑے ہوئے زہریلے خنجر اسرائیل کا سب سے بڑا مخالف تھا، آزادی فلسطین کی تحریکوں خصوصاً پی ایل او سے اس کے ہمیشہ اچھے روابط رہے......وہ دنیا بھر کے بہت سے اسلامی اداروں اور تنظیموں کو بھاری امداد بھی دیتا رہا......اس نے اپنے ملک کو اتنا خوشحال بنا دیا کہ جنگوں کے تسلسل کے باوجود آج بھی وہاں کا غریب طبقہ ہمارے متوسط طبقے سے زیادہ آسودہ ہے۔

صدام حسین کو امریکا کی بدخصلتی کا اندازہ تب ہوا جب امریکا نے عرب ممالک کو اپنا اسلحہ بیچنے اور خلیج میں اپنے اڈے بنانے کے لئے صدام حسین کے ذریعے کویت پر حملہ کرایا......صدام حسین کو یقین دلایا گیا تھا کہ کوئی مزاحمت نہ ہوگی مگر جب طے شدہ منصوبے کے مطابق خود امریکا پوری عرب دنیا کے ساتھ اس کے مقابلے پر اتر آیا تو صدام حسین نے امریکا کا اصل چہرہ دیکھ لیا......وہ امریکا سے نہیں لڑ سکتا تھا مگر پھر بھی وہ میدان میں ڈٹ گیا......کل وہ عرب کا ہیرو تھا اب وہ عجم و ہند کے مسلمانوں کا ہیرو بن گیا......صرف اس لیے کہ اس نے امریکا سے ٹکر لینے کی ہمت کی تھی۔

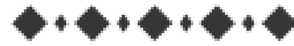
جنگ خلیج کے بعد عراق کے خلاف اقتصادی پابندیوں نے عراق کے عوام کا جینا دوبھر کر دیا تھا......مگر اس کے باوجود ایران کے زیر اثر شیعہ گروہوں کے سوا کسی نے اس کے خلاف بغاوت نہ کی......امریکا کے پالیسی ساز سمجھ گئے تھے کہ صدام حسین اب ان کا نہیں، اپنے ملک کا مفاد دیکھ کر چلنے کا عادی ہو چکا ہے......چنانچہ ایک انتہائی خونریز ڈرامے کے ذریعے دنیا کی کئی چھوٹی بڑی طاقتوں کو عراق کے تیل کا لالچ دے کر عراق میں فوج کشی پر آمادہ کیا گیا......صدام حسین کی حکومت گرائی گئی......اسے اشتہاری مجرم بنا کر گرفتار کیا گیا اور پھر تین سال تک قید و بند کی صعوبتوں میں رکھنے کے بعد بوگس عدالتی کارروائی کے ذریعے 29 دسمبر 2006ء کی صبح پھانسی پر لٹکا دیا گیا......آج اس کی موت پر عالم اسلام کے اتنے بڑے حکمران کے امریکا کے ہاتھوں اس طرح کھلے عام قتل سے اب تک دل افسردہ ہے......نہ معلوم یہ اداسی کب تک چھائی رہے گی......مگر اس کے ساتھ جب میں یہ سوچتا ہوں کہ اس نے کس شان سے موت کو گلے لگایا تو ایک فخر سا ہونے لگتا ہے......صدام حسین امریکا سے گہرے زخم کھا کر یقیناً بڑی حد تک بدل گیا تھا......وہ عرب قومیت کی بجائے اسلامی دنیا کے حوالے سے بات کرنے لگا تھا......آخر میں قرآن مجید کا مقدس نسخہ ہر وقت اس

کے پاس دکھائی دیتا تھا......عدالت میں اس کے بیانات مومنانہ جرات کا نمونہ ہوتے تھے......پھر شہادت کے وقت باآواز بلند کلمہ طیبہ کا پڑھنا اور اللہ اکبر نعرہ لگانا ایک نہایت ایمان افروز منظر کا عکاس تھا......یہی وجہ ہے کہ اکثریت کے دلوں سے صدام کے خلاف کدورتیں ڈھل چکی ہیں، وہ امریکا کے ہاتھوں اس کے قتل کو ایک انتہائی مظلومانہ موت قرار دیتے ہیں۔ کچھ لوگوں کے نزدیک یہ عالمی طاقتوں کے ایک ایجنٹ کا منطقی عبرتناک انجام ہے کچھ لوگ اس کے ''انجام بخیر'' کو دیکھ کر اسے ''شہید'' کہہ رہے ہیں مگر کچھ ایسے بھی ہیں جن کے مطابق وہ سیدھا جہنم میں گیا ہے......

بہر کیف صدام حسین اب اللہ تعالیٰ کے پاس پیش ہو چکا ہے اس کے اخروی معاملے کا فیصلہ اس کے ہاتھوں میں ہے ہم اس بارے میں کوئی حکم لگانے والے کون ہوتے ہیں، تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ اس نے جس انداز سے موت کا استقبال کیا، اسے دیکھ کر بے ساختہ لبوں پر آ جاتا ہے۔

ے ہری ہے شاخ تمنا، ابھی جلی تو نہیں
دبی ہے آگ جگر کی، ابھی بجھی تو نہیں
جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی
کٹی ہے برسر میدان مگر جھکی تو نہیں

بشکریہ (محمد اسماعیل ریحان)



صدام کی پھانسی، عالم اسلام کیلئے ایک چیلنج

عراقی دارلحکومت بغداد کے انتہائی محفوظ قرار دیئے جانے والے علاقے ''گرین زون'' کے نواح میں واقع خدیمیہ کے قائم جیل کے اندر عراق کے معزول صدر صدام حسین کو پھانسی دے دی گئی۔ امریکی اس احاطے کو ''جسٹس کیمپ'' یعنی ''انصاف کا مقام'' کہتے ہیں۔ ہفتہ 30 دسمبر 2006ء کی صبح مقامی وقت کے مطابق پونے چھ بجے اور چھ بجے کے درمیان پھانسی کا عمل مکمل کیا گیا اور ایک ایسے شخص کو جسمانی طور پر ختم کر دیا گیا جس کی موت دنیا میں تذبذب کا شکار ہے کہ وہ ایک ہیرو کی طرح اس کی موت پر ماتم کرے یا ایک ولن کی طرح اس کی موت پر خوشی منائے۔

امریکہ نے صدام حسین کو جس انجام سے دوچار کیا' اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ ویسے تو امریکی حکام کا کہنا ہے کہ صدام حسین کو پھانسی کی سزا دینے کا فیصلہ عراق کی عدالتوں کا اپنا فیصلہ ہے اور اس سزا پر عملدرآمد بھی عراقی حکومت نے خود کیا ہے' امریکہ کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے لیکن اس امریکی دعوے کو ساری دنیا مضحکہ خیز قرار دے رہی ہے۔ یہ امریکہ کی روایت رہی ہے کہ اس نے اپنے انتہائی بااعتماد دوستوں کو ہمیشہ عبرتناک انجام کا شکار بنایا ہے۔ اس کے باوجود تیسری دنیا کے امریکہ نواز خصوصاً آمر اور غیر جمہوری حکمران یہ بات سمجھنے کو تیار نہیں ہیں۔ کیونکہ اقتدار ایک نشہ ہے' جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو مفقود کر دیتا ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا' جب شط العرب کے تنازع پر صدام حسین نے ایران پر حملہ کر دیا تھا اور یہ جنگ چھ سال سے زیادہ عرصے تک جاری رہی۔ جس میں صرف عراق کے دو لاکھ افراد مارے گئے۔ اس وقت صدام حسین امریکہ اور اس کے حواریوں کے لیے ایک سیکولر اور روشن خیال آمر تھا' جس نے ''ملاؤں کے بنیاد پرستانہ انقلاب'' کے خلاف بند باندھنے کی کوشش کی تھی۔ وہ امریکہ اور مغربی دنیا کی آنکھوں کا تارا تھا۔ پھر وہ وقت بھی' جب اپنے خلاف مقدمے کی سماعت کے دوران صدام حسین قرآن پاک ہاتھوں میں لے کر عدالت میں آیا کرتے تھے اور اپنے دفاع میں جب ان سے کوئی بات نہیں بن پائی تھی' تو وہ بہت اونچی آواز میں قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دیتے تھے۔ پھانسی کے وقت بھی ان کے ہاتھ میں قرآن پاک تھا' جو انہوں نے جلاد کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ یہ قرآن مجید ان کے ایک دوست کو دے دیا جائے۔ انہوں نے تختہ دار پر اللہ اکبر کا نعرہ بھی لگایا اور کلمہ بھی پڑھا۔ ایک سیکولر اور روشن خیال آمر نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں بالآخر وہ راستہ اختیار کیا' جس کا مقصد بظاہر یہی تھا کہ وہ ان قوتوں کی ہمدردی حاصل کر سکیں' جنہیں امریکہ اور اس کے حواری بنیاد پرست کہتے ہیں۔ جب صدام حسین ایران کی ''بنیاد پرستی'' کے خلاف امریکہ کی ایماء پر تباہ کن جنگ میں مصروف تھے' اسی دور میں پاکستان کے فوجی آمر جنرل ضیاء الحق روس کے

ترقی پسند اور سیکولر نظریات کے خلاف افغانستان کی ایک اور تباہ کن جنگ میں ''بنیاد پرستوں'' کو امریکی ایماء پر ہر طرح کی مدد اور معاونت فراہم کر رہے تھے۔ جنرل ضیاء الحق تو پہلے انجام کو پہنچ گئے۔ انہیں تو یہ موقع نہیں ملا کہ وہ امریکہ کے روشن خیالی اور سیکولرازم کے نظریات کے پرچارک بنتے۔ البتہ ان کے صاحبزادہ اس حکومت میں شامل ہیں جو جنرل ضیاء الحق کے بنیاد پرستی کے فلسفہ کی مخالف ہے۔ یہ تاریخ کا سبق ہے۔ ہر ایک کی اپنی مرضی کہ وہ یہ سبق حاصل کرے یا نہ کرے۔

صدام حسین کے خلاف دو مقدمات تھے۔ یہ مقدمات دجیل میں شیعہ مسلمانوں کے قتل عام اور انفیل میں کردوں کے قتل عام سے متعلق تھے۔ یہ قتل عام اس وقت ہوا جب امریکہ کے اتحادی صدام حسین کو عراق کا عظیم کا لیڈر قرار دے رہے تھے۔ صرف شیعوں اور کردوں کا قتل عام نہیں ہوا' بلکہ ہر اس شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا جس پر ذرہ بھی صدام حسین کے مخالف ہونے کا شبہ تھا۔ بغیر مقدمہ چلائے لوگوں کو عراق میں گولیوں سے بھون دیا جاتا تھا یا عقوبت خانوں میں تشدد کر کے مار دیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ورثاء کی نعشیں بھی نہیں ملتی تھیں۔ امریکہ کو اس وقت یہ مظالم نظر نہیں آئے' سیاسی مخالفین اچانک غائب کر دیئے جاتے تھے کسی کو کچھ پتہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ کہاں ہیں' امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو اس وقت صدام حسین کے مظالم نظر آنے لگے جب عراق نے کویت پر حملہ کیا۔ امریکہ اور کویت کی جنگ ایک ایسا موقع تھا جب امریکہ اور اس کی اتحادی افواج کو خلیج میں قدم جمانے کے لئے حالات سازگار ہوئے۔ وہ امریکی اور اتحادی افواج جو بظاہر کویت کی آزادی کے لئے خطے میں داخل ہوئی تھیں' اب وہ نہ صرف پورے خلیج میں قدم جما چکی ہیں بلکہ انہوں نے صدام حسین کا تختہ الٹ کر عراق پر بھی قبضہ کر لیا ہے۔ عراق میں امن اور جمہوریت کے قیام کے نام پر امریکی قبضے کے گزشتہ تین سالوں کے دوران چھ لاکھ افراد لقمہ اجل بن چکے ہیں یہ انسانی ہلاکتیں ان ہلاکتوں سے دگنا ہیں جو صدام حسین کے 24 سالہ دور میں ہوئی تھیں۔ ان میں ایران اور کویت کے ساتھ جنگوں میں ہونے والی ہلاکتیں بھی شامل تھیں۔ شیعوں اور کردوں کے قتل عام میں صدام حسین کو پھانسی دینے کے باوجود عراق میں صدام حسین کے اقتدار کے دوران پیدا ہونے والی تقسیم ختم نہیں ہوگی' بلکہ وہ مزید گہری ہوگی۔ اس پھانسی کے بعد بھی عراق کی یکجہتی کا خطرہ ٹلنے کے بجائے زیادہ ہو گیا ہے۔ آج عراق کی ریاست واضح طور پر تین حصوں میں تقسیم نظر آتی ہے' صدام حسین کو تو پھانسی ہو گئی۔ امریکی قبضے کے بعد عراق میں مارے جانے والے چھ لاکھ بے گناہ شہریوں کے قتل عام کا ذمہ دار کون ہوگا؟

ذرائع ابلاغ کی رپورٹس کے مطابق پھانسی کے وقت صدام حسین نے یہ نعرے بھی لگائے کہ ''عراق تا ابد قائم رہے'' اور ''فلسطین عربوں کا ہے'' لیکن یہ نعرے لگانے میں بہت دیر ہو چکی تھی۔ آج ہم جس عہد میں رہتے ہیں اس میں جمہوریت کے بغیر کسی بھی ملک کی یکجہتی اور سلامتی کا دفاع کرنا ممکن نہیں رہا۔ آمر اور غیر جمہوری حکمران آج کے دور میں صرف ایک صورت میں اپنے اقتدار کو طول دے سکتے ہیں کہ وہ کسی نسلی' لسانی' فرقہ وارانہ مذہبی یا طبقاتی گروہ کی سیاست کریں۔ انہیں چونکہ وسیع تر عوامی حمایت حاصل نہیں ہوتی ہے' اس لئے گروہی سیاست کرنا آمروں کی مجبوری ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے جس ملک میں بھی آمریت رہی ہے وہاں گروہی تضادات نہ صرف شدت اختیار کر جاتے ہیں بلکہ ریاست اپنا قومی تشخص کھو دیتی ہے۔ آمرانہ حکومتوں میں نسلی' لسانی' فرقہ وارانہ مذہبی اور طبقاتی کشیدگی ہر لمحے بڑھتی رہتی ہے اور ایک مرحلہ ایسا آتا ہے جب قومی ہم آہنگی بے معنی ہو جاتی ہے اور قومی اور ریاست کی جغرافیائی سلامتی اس طرح شدید خطرات سے دوچار ہو جاتی ہے جس طرح اس

وقت عراق میں ہے۔غیر جمہوری حکمران یا آمر ہمیشہ اپنی خصوصیت میں نسل پرست یا مراعات یافتہ طبقات کا حامی ہوتا ہے۔اس سوچ کے بغیر وہ حکومت کر ہی نہیں سکتا۔صدام حسین نے جس طرح شیعوں' کردوں اور جمہوریت پسند سنیوں کو ناراض کیا۔اس کے منفی اثرات عراق کی سلامتی پر ہمیشہ رہیں گے۔صرف عراق ہی نہیں جن جن ملکوں میں آمریت رہی' وہاں نسلی' لسانی' فرقہ وارانہ' مذہبی اور طبقاتی تضادات بہت گہرے ہیں اور وہ ممالک افراتفری اور انتشار کا شکار ہیں یا تقسیم ہو گئے ہیں۔

سب سے زیادہ تشویشناک پہلو یہ ہے کہ امریکہ اور اس کے حواری صدام حسین کی پھانسی سے نہ صرف عراق میں بلکہ پورے عالم اسلام میں فرقہ وارانہ تقسیم کو مزید گہرا کرنا چاہتے ہیں۔صدام حسین کی پھانسی سے نہ صرف عراق میں بلکہ پورے عالم اسلام میں فرقہ وارانہ تقسیم کو مزید گہرا کرنا چاہتے ہیں۔صدام حسین کی پھانسی پر مغربی ذرائع ابلاغ نے صحافت کے بنیادی اصولوں کی نفی کرتے ہوئے شیعہ سنی تصادم کو بڑھانے کی ہر ممکن کوشش کی۔یہ مغرب کا انتہائی خطرناک مشن ہے۔اس سے صرف عراق میں جاری خونریزی اور بدامنی میں مزید اضافہ نہیں ہوگا بلکہ دیگر اسلامی ممالک پر بھی اس کے اثرات پڑیں گے' یہ کوئی اتفاق کی بات نہیں ہے کہ عیدالاضحیٰ کا دن صدام حسین کی پھانسی کے لئے منتخب کیا۔اس کا مقصد یہ ہوسکتا ہے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی خوشی کے موقع پر مایوسی اور خوف وہراس کے اندھیروں میں دھکیل دیا جائے۔اس دن کا انتخاب اس لئے بھی کیا گیا کہ مسلمانوں کو تقسیم کرنے کا ان کے مذہبی تہوار سے زیادہ کوئی بہتر موقع میسر نہیں آئے گا۔دنیا کے کسی بھی ملک میں عید یا خوشی کے موقع پر کسی کو پھانسی نہیں دی جاتی بعض حلقے اس خدشے کا اظہار بھی کر رہے ہیں کہ مسلم دنیا کے فروعی اختلاف میں شدت پیدا کر کے امریکہ ایران شام اور دیگر مسلم ممالک کے خلاف کاروائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔تا کہ اس کارروائی پر سنی ممالک ایران کے حق میں آگے نہ آسکیں یا شیعوں کا امریکہ مخالف عناصر شام یا دیگر سنی ممالک کے حق میں مزاحمتی تحریک نہ چلا سکیں۔صدام حسین کی پھانسی عالم اسلام کے اتحاد کے لئے ایک چیلنج ہے۔اگر اس چیلنج سے عالم اسلام نبرد آزما نہ ہوا تو صرف مشرق وسطیٰ اور جنوبی ایشیاء کے دیگر مسلم ممالک کی قومی خودمختاری اور یکجہتی کے لئے خطرات پیدا ہو سکتے ہیں بلکہ بعض امریکہ نواز غیر جمہوری حکمرانوں کو بھی خطرناک نتائج کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔جمہوری مسلم ممالک تو شاید اس چیلنج کا سامنا کر سکیں گے لیکن غیر جمہوری مسلم ممالک شدید مشکلات کا شکار ہو سکتے ہیں جمہوری ممالک میں قومی یکجہتی کے باعث امریکہ اور اس کے حواریوں کے عزائم کے خلاف مزاحمت بھی ہو سکتی ہے لیکن غیر جمہوری ممالک میں نسلی' لسانی' فرقہ وارانہ' مذہبی اور طبقاتی تضادات کی وجہ سے یہ مزاحمت بھی نہیں ہو گی اور وہاں عراق' افغانستان اور صومالیہ جیسی صورت حال پیدا ہو سکتی ہے۔عراق میں اگر حقیقی جمہوریت ہوتی اور اس میں صدام حسین کی پھانسی ہوتی تو شاید اس کے اثرات اس طرح نہ ہوتے جس طرح امریکہ کی طرف سے صدام حسین کو پھانسی دینے سے عراق اور عالم اسلام پر مرتب ہوں گے۔

بشکریہ (شرمیلا فاروقی)

صدام ہمیشہ کے لئے امر ہو گیا

برطانیہ کے نائب وزیراعظم جان پریسکاٹ نے سابق عراقی صدر صدام حسین کو پھانسی کی سزا دینے کے طریقہ کار کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے۔ ''پھانسی دیئے جانے کی ویڈیو فلم کا منظر عام پر آنا اور اسے دکھانا انتہائی شرمناک بات ہے'' وزیراعظم ٹونی بلیئر کے 2 جنوری 2007ء تک چھٹی پر ہونے کی وجہ سے نائب وزیراعظم کے پاس وزیراعظم کے دفتر کا چارج بھی ہے۔ بی بی سی کے ساتھ ایک انٹرویو میں پریسکاٹ نے کہا ''صدام کو تختہ دار پر لٹکائے جانے کی ویڈیو فلم انٹرنیٹ پر آنا ناقابل قبول ہے'' انہوں نے مزید کہا ''جس کسی نے بھی یہ کام کیا ہے، یہ نہایت ہی شرم کی بات ہے'' عراقی حکومت کی طرف سے جاری ہونے والی تصویر میں صدام حسین کو تختہ دار پر انتہائی انا اور وقار کے ساتھ کھڑا دکھایا گیا۔ اس موقع پر ان کی زندگی کے آخری لمحات وہاں موجود لوگوں میں سے کسی ایک نے اپنے موبائل فون کے ویڈیو سسٹم پر بھی ریکارڈ کر لئے۔ یہ مناظر انتہائی دلدوز اور رونگٹے کھڑے کر دینے والے ہیں۔ صدام حسین جب تختہ دار پر کھڑے تھے تو مجمع میں سے ایک کی آواز سنائی دی: ''تم جہنم رسید ہو رہے ہو'' اس موقع پر صدام حسین نے آوازہ کسنے والے شخص کو مشورہ دیا وہ مردانگی کا مظاہرہ کرے اس ویڈیو کا یہ منظر بھی عالم اسلام کے شہریوں کے لئے انتہائی تکلیف دہ اور اذیت ناک ہے کہ آخری لمحات میں انہیں پورا کلمہ بھی پڑھنے کی اجازت نہ دی گئی جبکہ یہ ان کی آخری خواہش تھی۔ ویڈیو کے ناظرین جانتے ہیں کہ تختہ دار پر آخری لمحات میں جب ان کے ہونٹوں پر یہ الفاظ آئے: ''اشہدان لا الہ الا اللہ...... '' تو لیور دبا دیا گیا، تختے ان کے پاؤں کے نیچے سے کھسک گئے، گلے میں پڑے ہوئے پھندے کے کساؤ نے چند ہی لمحوں میں ان کی گردن کا منکا توڑ دیا، جس کے ٹوٹنے کی آواز بھی باقاعدہ سنائی دی۔ صدام حسین اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ ان کی زندگی کے آخری لمحات کی ویڈیو نے انہیں ''مجرم'' سے یکدم شہید کا رتبہ عطا کر دیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ سابق عراقی صدر نے اپنی زندگی کے آخری لمحات کو بے باقی کی تاریخ کا ایک درخشاں باب بنا دیا ہے۔ انہوں نے ثابت کیا کہ وہ حقیقی مرد آہن تھے۔ انہوں نے چہرے پر ماسک اور ہڈ یہ کہہ کر چڑھانے سے انکار کر دیا تھا کہ وہ موت کا سامنا کھلی آنکھوں سے کرنا چاہتے ہیں۔ یہ دنیا میں پھانسی دینے اور پانے کا پہلا عجیب وغریب اور منفرد واقعہ تھا جس میں پھانسی پانے والے کا چہرہ بے حجاب تھا جبکہ اس بار پھانسی دینے والے جلادوں نے اپنے چہروں پر ماسک چڑھا رکھے تھے۔ اس موقع پر وہاں موجود پلاحظ افراد نے ایسے نعرے لگائے اور اس کی ویڈیو تیار کی، جس کے نتیجہ میں عراق میں فرقہ وارانہ فسادات پھیل سکتے ہیں۔ ایرانی صدر احمدی نژاد نے درست کہا ہے کہ امریکہ صدام حسین کی پھانسی

کے واقعہ کو فرقہ وارانہ فسادات پھیلانے کے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے۔ یہ انتہائی افسوسناک بات ہے کہ عیدالاضحیٰ کے ایام میں صدام حسین کو المناک انجام سے دوچار کر کے عالم اسلام ہے ایک ارب تیس کروڑ سے زائد شہریوں کو جسمانی، مذہبی، اعصابی، نفسیاتی اور روحانی سطح پر شدید قسم کا دھچکا پہنچایا گیا۔ یوں ان ایام میں عالم اسلام کے اکثر ممالک میں حضرت اسمٰعیلؑ کی عظیم قربانی کیساتھ ساتھ صدام حسین کی قربانی کے ذکر کی بازگشت بھی گونجتی رہی۔ ٹی وی پر صدام حسین کے پھانسی کا منظر دیکھنے کے جہاں دیگر ان گنت اثرات مرتب ہوئے ہیں وہاں پاکستان کے سب سے بڑے صوبہ پنجاب کے شہر رحیم یار خان میں ایک المناک واقعہ نے بھی جنم لیا۔ رحیم یار خاں محلہ قاضیاں کے 9 سالہ مبشر علی نے ٹی وی پر صدام حسین کی کی پھانسی کا منظر دیکھا جس میں بار باران کے گلے میں پھانسی کا پھندا پہناتے ہوئے دکھایا جاتا رہا۔ بچے نے نائلون کی رسی کا پھندا اپنے گلے میں ڈالنے کے بعد اپنی ماں سے پوچھا کہ کیا صدام حسین کو اس طرح پھانسی دی گئی تھی۔ اس نے نائلون ڈوری کا ایک سرا سیڑھیوں کی گرل سے باندھ رکھا تھا اس سے قبل کے ماں لپک کر بچے تک پہنچی سیڑھی پر کھڑے بچے کا توازن بگڑ گیا اور وہ جھولنے لگا۔ ایک عالمی خبر رساں ادارے نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ صحافتی اخلاقیات اور ذمہ داریوں کے لحاظ سے کسی کو پھانسی دیئے جانے کے مناظر ٹی وی پر دکھانا کیا درست اقدام تھا۔

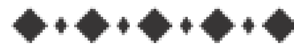
یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ بحیثیت ملزم قیدی صدر صدام حسین کی تذلیل کا یہ سلسلہ ان کی گرفتاری کے فوری بعد شروع کر دیا گیا تھا۔ دسمبر 2004ء میں ان کی گرفتاری کے بعد بعض ذرائع نے ان کی غیر سرکاری تصاویر کا اجراء کیا جو دنیا بھر کے الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا میں شائع ہوئیں۔ ان تصاویر میں ان کے ساتھ بدسلوکی کے انتہائی ناخوشگوار مناظر بھی دکھائے گئے تھے۔ بعدازاں 2005ء کے چوتھے مہینے میں ان کی انڈرویئر والی تصاویر منظر عام پر آئیں۔ مئی 2005ء میں صدام حسین کے وکیل نے اردن میں اخبار نویسوں سے بات چیت میں بتایا تھا صدام حسین برطانوی روزنامہ ”سن“ اور ان تمام افراد کے خلاف مقدمہ کریں گے، جس میں ان کی یہ تضحیک آمیز تصاویر شائع ہوئیں۔ صحافتی اخلاقیات کے پرچارک مغربی پرنٹ میڈیا نے اس پر اظہار ندامت و تاسف کرنے کی بجائے الٹا انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ یہ کہا کہ وہ مقدمے کا سامنے کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس موقع پر بھی امریکی فوجی حکام کی جانب سے یہ یقین دلایا گیا تھا کہ وہ اس بات کی تفتیش کر رہے ہیں کہ عراق کے سابق صدر کی انڈرویئر میں تصاویر برطانوی اخبارات میں کیسے اور کیونکر شائع ہوئیں۔ صدام حسین کی بحیثیت ملزم انتہائی تذلیل آمیز تصاویر کی اشاعت قانونی ماہرین کے نزدیک قیدیوں کے بین الاقوامی حقوق کی کھلم کھلا خلاف ورزی تھی۔ مقام حیرت ہے کہ یہ خلاف ورزی انتہائی بے خوفی کے ساتھ کی جاتی رہی اور بین الاقوامی انسانی حقوق کے علمبردار کسی بھی ادارے کی جان سے اس کے خلاف کوئی عملی قانونی چارہ جوئی نہ کی گئی۔ ان اداروں کی یہ لاپروائی اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ مغرب میں قائم انسانی حقوق کے تحفظ کے دعوےدار ادارے دوہرے معیارات کو روا رکھنے میں کسی قسم کا کوئی تامل محسوس نہیں کرتے۔ چند دن لفظی حد تک کسی ایک مذموم اقدام پر تنقید کی جاتی ہے اور پھر ایک طویل چپ اختیار کر لی جاتی ہے۔

صدام حسین کے پورے مقدمہ کے دوران ان گنت مواقع پر بنیادی انسانی حقوق کی بری طرح سے دھجیاں اڑائی جاتی رہی اور اس پر عالمی اداروں نے توانا قسم کا کوئی احتجاج تک بھی نہ کیا۔ اسی پر بس نہیں مقدمہ کی سماعت کے دوران ان کے ایک وکیل کو گولی مار کر ہلاک بھی کر دیا گیا، وکیل کے یوں ہلاک کیے جانے پر سابق عراقی رہنما بھوک ہڑتال کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس بھوک ہڑتال کے صدام حسین کی صحت پر انتہائی

منفی اثرات مرتب ہوئے اور ان کی طبیعت اس حد تک ناساز ہوئی کہ انہیں ہسپتال میں داخل کروانا پڑا۔ ہسپتال میں بھی انہیں علاج معالجہ کی مطلوبہ سہولیات فراہم نہ کی گئیں، جو کہ ان کا بنیادی انسانی حق تھا۔ اس دوران بنیادی انسانی حقوق کے بزعم خویش اکلوتے عالمی چیمپئن امریکی کے فوجی انہیں مقدمہ کی سماعت کے لئے ان کی مرضی کے بغیر عدالت میں گھسیٹ لائے۔ 26 جون 2006ء کو صدام حسین نے عدالت کے جج کی توجہ اس سفاکیت کی جانب مبذول کرواتے ہوئے بتایا تھا: ''یور آنر! یہاں مجھے زبردستی لایا گیا ہے، امریکیوں نے میری مرضی کے بغیر اپنی مرضی مجھ پر مسلط کی، یہ غیر منصفانہ ہے'' صدام حسین نے 7 جولائی سے بھوک ہڑتال کر رکھی تھی اور 23 جولائی کو انہیں ہسپتال منتقل کیا گیا تھا۔ 24 جولائی تک ان کی طبیعت اس حد تک خراب تھی کہ اس روز کی عدالتی کاروائی صدام حسین کی عدم موجودگی میں ''حسب معمول'' ہوئی۔ ان زیادتیوں کی وجہ سے صدام کے وکلائے دفاع کی ٹیم نے کارروائی کا بائیکاٹ کر رکھا تھا، قواعد کے مطابق ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وکلائے دفاع کے تحفظات کا جائزہ لیا جاتا لیکن اس کے برعکس کیا یہ گیا کہ عدالت نے بائیکاٹ کرنے والے وکلاء کی جگہ دوسرے وکلاء کو ملزم کی مرضی اور منشاء کے بغیر نامزد کر دیا۔ واضح عدالتی ناانصافیوں کے تسلسل کو دیکھتے ہوئے صدام حسین کو عدالت کے روبرو یہ کہنا پڑا تھا کہ وہ اپنے دفاع کیلئے عدالت کی جانب سے مقرر کردہ وکلا کو مسترد کرتے ہیں۔ 21 دسمبر 2004ء کو صدام حسین نے عدالت کو بتایا تھا کہ حراست میں لئے جانے کے بعد امریکی فوجیوں نے ان پر تشدد کیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ان کے سارے جسم پر تشدد کے نشانات ہیں مگر عدالت نے ان کے اس دعوے کو مضحکہ خیز قرار دیا۔ 24 جنوری 2006ء کو بھی ملزمان کی جانب سے عدالتی کارروائی کے بائیکاٹ اور غیر حاضری کے باعث سماعت ملتوی کرنا پڑی تھی۔ 29 جنوری کی عدالتی کارروائی شروع ہونے کے چند ہی منٹ بعد صدام حسین عدالت سے اُٹھ کر چلے گئے۔ ان کا یہ بائیکاٹ 13 فروری 2006ء تک جاری رہا اور آخر انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے علمبردار امریکی مذکورہ تاریخ کو انہیں زبردستی کھینچ کر عدالت میں لائے صدام نے امریکہ اور عدالت کے نئے جج کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے کہا ''یہ عدالت نہیں یہ محض ایک کھیل ہے'' جب کہ جج کی ''رولنگ'' یہ تھی کہ ''اگر ملزم عدالت میں نہ آئے تو اسے زبردستی لایا جاسکتا ہے'' صدام حسین کے خلاف مقدمے کی سماعت کا آغاز 19 اکتوبر کو ہوا اس موقع پر کڑے اور سخت ترین حفاظتی انتظامات کئے گئے تھے۔ انہیں سیکورٹی گارڈز کے ہجوم میں بھی جب ٹربیونل کے سامنے پیش کیا جاتا تو ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور کمر کے گرد ایک زنجیر دکھائی دیتی۔ عالمی دباؤ پر انہیں ایک موقع پر اردن میں مقیم اپنی بڑی بیٹی کے نام خط لکھنے کی اجازت دی گئی۔ یہ خط انٹرنیشنل کمیٹی آف ریڈ کراس کی ٹیم کے حوالے کیا گیا تھا۔ واضح رہے کہ امریکی فوجی حکام نے اس خط کو انتہائی وحشیانہ اور ظالمانہ طریقے سے سنسر کیا۔ یہ خط صرف چودہ سطروں پر مشتمل تھا جس میں سے نو سطریں سنسر کر دی گئیں تھیں خط کی دو تہائی عبارت پر امریکی فوجیوں نے کالی سیاہی مل دی اور یوں سترہ سطروں پر مشتمل خط میں سے صرف سترہ الفاظ ایسے تھے جو پڑھے جاسکتے تھے۔ واضح رہے کہ قیدیوں کے بین الاقوامی قانون کے مطابق خطرناک ترین مقدمات میں ماخوذ قیدیوں کو بھی اپنے عزیز واقارب کو خط لکھنے اور ان سے ملاقات کی اجازت دی جاتی ہے جب کہ صدام حسین شہید کو ان کے اس حق سے سرے سے محروم رکھا گیا۔ ریڈ کراس تنظیم کے عہدیداران عراق میں حکام سے رابطہ کر کے صدام حسین سے ملاقات پر اصرار کرتے رہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ امریکہ نے صدام حسین کو جنگی قیدی قرار دیا تھا۔ ریڈ کراس کا اصرار تھا کہ بحیثیت جنگی قیدی صدام حسین پر جنیوا کنونشن کا اطلاق ہوتا ہے۔ بعد ازاں عراق

کے فوجی اور سول حکام کو ایک درخواست دی گئی اور ملاقات کا وقت اور تاریخ خفیہ مذاکرات کے ذریعے طے کیے گئے۔ ریڈ کراس کے عہدیداران کا یہ بھی مطالبہ تھا کہ عراقی رہنما کو ان کے خاندان کے افراد سے رابطے کی اجازت دی جائے۔ گرفتاری کے دو ماہ بعد پہلی مرتبہ انسانی ہمدردی کی بین الاقوامی تنظیم ریڈ کراس کے دو افسران پر مشتمل ایک وفد نے جن میں ایک ڈاکٹر بھی شامل تھا علیحدگی میں صدام حسین کا جسمانی اور ذہنی معائنہ کیا۔ تاہم ملاقات کے بعد انہوں نے ان کی حالت زار کی تفصیلات بتانے سے انکار کر دیا۔ یہ وفد اس حد تک محتاط تھا کہ اس نے عراق میں ان کے اسارت کدے کے محل وقوع اور حالت کے بارے میں میڈیا کے نمائندوں کو کچھ بتانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ وہ تفصیلات بتانے کے مجاز نہیں۔

صدام حسین کی المناک موت کا ردعمل عراق میں یکدم پھوٹ پڑنے والے واقعات کی صورت رونما ہوا۔ عالمی برادری بھی اس پر مختلف سوالات اٹھا رہی ہے۔ سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ کیا حج اور عیدالاضحیٰ کے ایام میں عالم اسلام کے ایک بڑے رہنما کو پھانسی دینا بنیادی انسانی اخلاقیات کے مطابق ہے۔ یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوا ہے کہ کیا صدام حسین ٹرائل فیئر ہوا تھا۔ پورے مقدمہ کی اصابت مجروح اور مسخ ہو کر رہ گئی ہے۔ اب تو برملا یہ کہا جانے لگا ہے کہ صدام کو پھانسی کی سزا دینے کا فیصلہ سنانے والے "قیدی ججوں" نے سروں پر لٹکتی تلوار کی موجودگی میں پہلے ہی یہ طے کر لیا تھا کہ صدام حسین انسانیت کا مجرم ہے اور اسے بہر طور فنا کے گھاٹ اتارنا ہے یہ تو واضح ہے کہ جس عدالت نے صدام حسین کو سزائے موت کا فیصلہ سنایا وہ خود مختار نہ تھی۔ ہیومن رائٹس واچ نامی حقوق انسانی کی امریکی تنظیم بھی اس مقدمے کی بہت سی خامیوں کی نشاندہی کر چکی ہے اور اس نے سزائے موت کے فیصلہ کو بے بنیاد قرار دیا تھا۔ صدام بظاہر مر گیا لیکن وہ جس دھج سے مقتل کی جانب گیا اس نے اسے تاریخ میں امر بنا دیا ہے۔



بغداد میں سولی کا ساتواں منظر

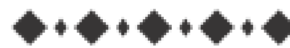
میں لندن کے مضافات میں واقع چیمسفرڈ کے علاقے میں ٹی وی اسکرین کے سامنے بیٹھا ہوں، باہر کنگز روڈ پر رات ہو چکی ہے، درجہ حرارت صفر درجے سینٹی گریڈ تک گر چکا ہے یخ بستہ ہوا اور درختوں کی بے پیرہن شاخوں، سردی کی شدتوں سے نبرد آزما چھوٹے پودوں کے زرد پتوں، محفوظ مکانوں کے دروازوں، کھڑکیوں اور دیواروں سے سر ٹکرا کر شور مچا رہی ہے۔ کبھی کبھی ہوا کے اس شور میں سسکیوں کی سرسراہٹ ابھرتی ہے مگر پھر سسکیاں بھی دم توڑ دیتی ہیں، ہم ماحول کی دہشت میں ہیں، اگر مگر کی بحث جاری نہیں رہی۔ اور اب یہ طے ہو چکا ہے کہ پھانسی پانے والے قیدی سے آخری خواہش پوچھی جائے گی۔''

لندن سے ہزاروں میل دور بغداد میں رات ڈھل چکی ہے۔ مسجدوں سے خدائے رحمان کی بزرگی کا اعلان ہو چکا ہے، رات کے پہلے پہر قیدی سے کھانے کیلئے پوچھا گیا تو اس نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا بلکہ اس نے کہا کہ مجھے قرآن لا دو، وہ آدھی رات تک آخری ایام کی آخری نشانیاں دیکھتا رہا، وہ ورق ورق معنی در معنی کھلتی آیتوں کے اعجاز دیکھتا رہا، وہ لطف سے ساعت تک آئی اولوالامر الفاظ کی شہنشاہت کا اعلان سنتا رہا اسے جھٹلائی گئی نعمتوں کا پورا سچ صاف نظر آتا رہا، وہ قریش کے سردیوں اور گرمیوں سے مانوس ہونے کا حسن محسوس کرتا رہا، وہ منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان وادی مہیسر میں ابرہہ کے لشکر پر ابابیل کی سنگ باری کو کسی نے ہوئے سے زیادہ دیکھے ہوئے واقعہ کے طور پر یاد کرتا رہا، وقت اس کے ہاتھوں جا رہا تھا اور اس نے اس اعلان پر نظریں جما رکھی تھیں جس میں کہا گیا تھا کہ زمانے کی قسم انسان خسارے میں ہے۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں، مگر اس کے پہرے داروں نے اسے سونے نہ دیا وہ اس کے اردگرد رقص کرنے لگے، وہ پھانسی کا پھندا ہاتھ میں لے کے اسے دکھانے لگے اور کہنے لگے کہ ابھی کچھ ہی دیر میں یہ پھندا تمہارے گلے میں ڈال دیا جائے گا، پھانسی دینے والا شخص جلاد ہوتا ہے اور اس کا کوئی دوسرا نام نہیں ہوتا، ہمیں آج معلوم ہوا کہ تارا مسیح کا بھی کوئی نام نہیں تھا۔ جلاد ایک علامت ہوتا ہے، ہر تارا مسیح کو صبح کے تارے کے ساتھ اُبھارا جاتا ہے تاکہ اس آخری رات کے بعد وہ پھر کبھی نہ پھر ابھر سکے۔ اس قیدی کیلئے جلاد کا نام علی بتایا گیا تاکہ تاریخ کا یہ مقدس، محترم اور معتبر نام بغداد کے نئے تنازع کی بنیاد بن جائے۔ اس کے ہاتھ اس کی پشت پر باندھ دیئے گئے۔ اس کے پیروں کو قریب کر کے کس دیا گیا اس سے پوچھا گیا کہ اس خاص مرحلے پر تمہیں کچھ کہنا ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں مجھے کچھ نہیں کہنا تم آگے بڑھو اور اپنا کام کرو، جب اسے تختہ دار پر چڑھایا جا رہا تھا تو اس نے کہا کہ عراق میرے بغیر

کچھ بھی نہیں، یہ خیال تھا یا وہم تھا یا گمان تھا یا یقین تھا مگر ایک بات طے ہے اسے پھانسی دینے والوں نے اپنے طور پر یہی طے کیا تھا کہ اس کے بغیر عراق باقی نہ رہنے دیا جائے۔

کاش اس نے تاریخ سے سبق لیا ہوتا، کاش اس نے انقلاب ایران کے ثمرات کو تباہ کرنے کی غرض سے اس کے دشمنوں کو لاجسٹک سپورٹ فراہم نہ کی ہوتی، کاش اس نے عرب دنیا میں مغرب کے مخبر کا کردار ادا نہ کیا ہوتا۔ کاش اس نے مطلق العنان حکمرانوں کے انجم نہ بھلایا ہوتا۔ کاش اس نے شہنشاہ ایران، جنرل سوہارتو، جنرل مارکوس، جنرل پول پاٹ، اور تاریخ کے دیگر آمروں کے انجام کو یاد رکھا ہوتا، کاش اس نے طالع آزمائی اور مہم جوئی کے شوق میں کویت پر قبضہ نہ کیا ہوتا، کاش اس نے عراق کی عرب شناخت کو داغدار نہ کیا ہوتا۔ کاش اس نے فہد اور حسنی مبارک کے کہنے پر کویت پر قبضہ خالی کرلیا ہوتا۔ مگر تاریخ کی خود کاریت؟ کی مشین کی طرح آگے بڑھتی ہے وہ کسی کے کف افسوس ملنے کو خاطر میں نہیں لاتی۔ وہ اپنے اوپر کاش اور اگر مگر جیسے لفظوں کا بوجھ برداشت نہیں کرتی۔ وہ اسے ملٹری انٹیلی جنس کے ہیڈ کوارٹر کے ساتھ عمارت میں اس خاص کمرے میں لے آئے جہاں پر اسے پھانسی دی جانی تھی۔ اگر چہ اس کے ہاتھ باندھے جا چکے تھے اور پیر جکڑے جا چکے تھے۔ اس کے گلے میں پھندا ڈالا جا رہا تھا۔ اس منظر کو صرف مغربی میڈیا نے نہیں بلکہ ایک ارب سے زائد انسانوں نے ٹی وی اسکرین پر دیکھا، اس کے چہرے پر خوف کے سائے نہیں لہرا رہے تھے۔ وہ دہشت زدہ نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے آنکھوں کھولی ہوئی تھیں۔ اس نے نقاب پہننے سے انکار کر رہا تھا، موت اس کی نظروں کے سامنے کھڑی اور وہ موت سے نظریں نہیں چرا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اجل کی آنکھوں میں گڑی ہوئی تھیں۔ اسے ولن سمجھ کر مارا جا رہا تھا، وہ ہیرو بن کرتا کھڑا تھا اور جو لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ شیعہ اقتدار میں ایک سنی لیڈر کو پھانسی دے کر وہ عراق کے سینے پر لکیر کھینچ رہے ہیں بہت جلد جان لیں گے کہ عراق کے عوام نے علی نامی جلاد کے ہاتھوں کے پیچھے اس ہاتھ کو بھی دیکھ رہے تھے جو تیسری دنیا میں کسی ہیرو کا وجود برداشت نہیں کرتا۔ وہ پھانسی کے پھندے پر جھول جانے سے پہلے محض ایک شخص تھا اور شاید اس کا کوئی مسلک بھی ہو مگر تاریخ اس کی پھانسی کو ایک عرب کی پھانسی کے طور پر یاد رکھے گی۔ جسے بے بس کر کے تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ بغداد کی سرزمین پر ہلاکو سے صدام تک ان گنت لوگوں نے سولی کے ساتوں منظروں کو دیکھا ہے۔ وقت ان لوگوں کو تاریخ کے کچرے دان میں نہیں پھینک سکا ہے۔ ہزاروں برس بعد 10 ذی الحجہ کو سنت اسمٰعیل دہراتے ہوئے ایک اور شخص اللہ اکبر کہہ رہا ہے اور اب ہوا بھی سرد ہوگئی ہے، ہوا کا شور کچھ اور بڑھ چکا ہے اور ہوا کی سسکیاں تیز سیٹیاں بن چکی ہیں۔ ہم سب اس کی طرف سے آئے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

بشکریہ (نذیر لغاری)



صدام عیدالاضحیٰ کا سورج نہیں دیکھ سکے

آخرکار امریکی حکام کا یہ دعویٰ سچ ثابت ہوا کہ سابق عراقی صدر صدام حسین اتوار کا سورج نہیں دیکھ پائیں گے۔ صدام حسین اپنی گرفتاری سے لے کر ٹرائل اور پھانسی کے آخری دن تک امریکی حکام کی قید میں رہے۔ العربیہ نامی ویب سائٹ کے مطابق پھانسی سے قبل صدام حسین سے ان کے دو سوتیلے بھائیوں نے ملاقات کی۔ ان کی ملاقات بغداد کے گرین زون سے منسلک کیمپ کروپر میں کرائی گئی جہاں حد درجہ سیکورٹی موجود تھی۔ اپنی آخری ملاقات میں صدام حسین نے اپنی بیٹیوں اور دیگر اہل خانہ کے لئے لکھے گئے الگ الگ خطوط بھائیوں وطبا قوحسن اور سباوی حسن کے حوالے گئے۔ اب وہ وقت بھی آگیا کہ عراق کے سابق صدر صدام حسین دنیاوی عدالت کی جانب سے قاتل اور انسانیت کے مجرم قرار دیئے گئے لیکن خدا کی عدالت ان کے بارے میں کیا فیصلہ دے گی یہ ابھی دور ہے۔

1936ء بغداد کے شمال میں تکریت کے نواحی قصبے میں پیدا ہونے والے صدام حسین لڑکپن میں حکومت مخالف مظاہروں میں کافی سرگرم رہے۔ عراق کے نامی گرامی آئینی ماہر محمد التخیلی اور الموساوی کے مطابق صدام حسین ابھی تک کیوبا کے سگار لیتے رہے اور وہ پیزا اور برگر بھی شوق سے کھاتے تھے اور اخبارات کا مطالعہ شوق سے کرتے تھے۔ کالج کے دور میں ہی انہوں نے بعث پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی۔ 1958ء میں وزیر اعظم عبدالکریم قاسم کے قتل کی سازش میں صدام حسین کو ملوث قرار دیا گیا۔ جس کی وجہ سے وہ ملک سے فرار ہوگئے بعد میں وہ وطن واپس پہنچ گئے پھر صدام حسین کو جیل ہوگئی۔ 1968ء میں بعث پارٹی کی حکومت بحال ہوگئی تو صدام حسین جیل سے باہر آگئے۔

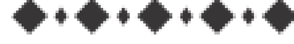
1979ء میں صدام حسین صدارت کے عہدے پر فائز ہوئے۔ یہیں سے صدام حسین پر ظلم اور بربریت کے الزام لگائے گئے۔ اپنے دور صدارت میں اپنے مخالفین کو طاقت کے زور پر کچلنے کے الزامات کا سامنا رہا۔ اقتدار پر مضبوط گرفت نے ان کے جارحانہ عزائم میں اضافہ کیا اور 1980ء میں انہوں نے امریکی شہ پر ایران پر حملہ کر دیا لیکن صدام حسین کو یہ جنگ مہنگی پڑی۔ آٹھ سال جاری رہنے والی جنگ میں لاکھوں افراد موت کا شکار ہوئے اور عراقی خزانے پر بھی اس کا بڑا اثر پڑا۔

اگست 1990ء میں کویت پر تیل چوری کا الزام عائد کر کے اس پر حملہ کیا گیا یہی جنگ صدام کے اقتدار میں دراڑ ڈال گئی۔

1998ء میں برطانیہ اور امریکہ نے عراق پر حملہ کر دیا اور یہ الزام عائد کیا کہ عراق کے پاس وسیع تباہی پھیلانے والے ہتھیار ہیں۔ بحث نے طول

پکڑا اور مارچ 2003ء میں امریکی افوج نے عراق پر حملہ کر دیا۔ 9 اپریل کو بغداد پر امریکی قبضے کے بعد صدام حسین روپوش ہو گئے بعد مین انہیں ان کے آبائی قصبے تکریت سے گرفتار کر لیا گیا۔ صدام حسین امریکہ کو مطلوب 55 افراد کی فہرست میں پہلے نمبر پر تھے اور ان کی ہلاکت یا گرفتاری پر 25 ملین ڈالر انعام رکھا گیا تھا اور یوں وہ 25 سال قبل دجیل میں عراقی شہریوں کے قتل کے الزام میں عیدالاضحیٰ کے روز نماز فجر کے بعد تختہ دار پر لٹکا دیئے گئے اور آخر کار صدام حسین 2006ء کی عیدالاضحیٰ کا سورج نہیں دیکھ سکے۔

بشکریہ (منیر احمد گلگتی)



صدام حسین کے بارے میں انٹیلی جنس کی پیشن گوئیاں

صدام کی حکومت ختم ہوئے تقریباً 3 سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اس دوران عراق میں بہت سی تبدیلیاں آئیں جنہوں نے عراق کے ثقافتی‘ تہذیبی‘ معاشرتی‘ اخلاقی‘ فلاحی اور اندرونی حالات کو بدل کر رکھ دیا ہے لیکن انٹیلی جنس کا محکمہ آج بھی صدام اور اس کے ساتھیوں کے خوف سے باہر نہیں نکلا اور ہنوز اپنے کام میں کھویا ہوا ہے۔

صدام حسین کی حکومت ختم ہونے کے کچھ ہی دنوں بعد پانچ آدمی ایک پارک میں اکٹھے ہوئے۔ یہ اپریل 2003ء کا واقعہ ہے۔ یہ معلومات امریکہ کی انٹیلی جنس نے فراہم کی تھیں۔ ان پانچ آدمیوں میں سے ایک صدام حسین تھا‘ جبکہ دوسرے چار اس کے مشیر تھے۔ میٹنگ کا ایجنڈا یہ تھا کہ ہمیں پیچھے رہ کر کیسے امریکہ کی حکومت کا سامنا کرنا ہے اور لڑائی جاری رکھنی ہے۔ صدر صدام حسین کا خصوصی نمائندہ عزت ابراہیم الدرئی بھی وہاں پر موجود تھا‘ جبکہ کار میں بیٹھا ہوا دوسرا آدمی‘ جس کا نام محمد یونس ال احمد تھا‘ ایک مشہور ریٹائرڈ جنرل کے عہدے پر فائز تھا‘ جو ایک سینئر ملٹری بیورو کا ممبر رہ چکا تھا‘ جو بعث پارٹی کی خفیہ خدمات بھی سرانجام دے چکا تھا۔ اس ادارے کی سروس عراقی افواج کی آنکھ ہوا کرتی تھی۔ یہ ایک ایسی سروس تھی جو مزاحمت کا رول ادا کرتی تھی اور عسکری طاقت کو منظم کرتی تھی۔ اب امریکی حکومت نے عراق کے محفوظ مقامات سنبھال رکھے تھے۔

تب سابق عراقی صدر صدام حسین ال احمد کے ساتھ اپنے دوسرے قریبی ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ ”اپنے نیٹ ورک کی دوبارہ تعمیر شروع کر دو!“ اس دور میں مذہبی انتہا پسندی اور عراق کی قومی تنظیمیں اپنے عروج پر تھیں اور پرانے عراقی منصوبہ بندی کر رہے تھے کہ امریکہ کے قبضے کو کیسے ختم کروایا جائے‘ مگر صدام حسین ایک ہی پیغام دے رہے تھے کہ ”اپنا نیٹ ورک دوبارہ ترتیب دو!“

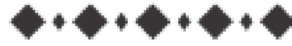
ایک محتاط اندازے کے مطابق موجودہ ہفتوں میں تقریباً 80 حملے امریکی فوج پر کیے گئے۔ 200 سے زیادہ افراد خودکش حملوں میں شہید ہوئے۔ یہ ساری کارروائیاں بغداد میں ہوئیں۔

کچھ امریکن انٹیلی جنس کے افسروں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ وہ ڈپریشن اور فرسٹریشن کا شکار ہو چکے ہیں اور امریکی صدر کی عراق پالیسی سے ناخوش بھی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم غیر تسلی بخش حالات اور گھٹن کی فضا میں رہ رہے ہیں۔ ہم ایک ایسی جنگ لڑ رہے ہیں‘ جس میں مکمل طور پر کامیابی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی: ”ہم ایک بہتر لڑنے والی فوج ہیں‘ مگر ہمیں سمجھ نہیں آ رہی کہ ہم کیا کریں۔“

امریکن انٹیلی جنس افسران نے ان پوائنٹس پر زور دیا

- وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ صدام حسین کا مرکزی نقطہ نظر ملٹری بیورو کے یہ افراد ہیں' ان کو بنیادی طور پر مخصوص ڈھانچے میں منظم کیا گیا ہے۔ ابھی تک صدام حسین اور ان کے قریبی ساتھیوں کا نیٹ ورک پھیلا ہوا ہے اور وہ عراقی عوام کو دولت اور لاجسٹک امداد دے رہے ہیں۔
- بش انتظامیہ ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے تیار ہو چکی ہے اور امریکی فوج کی نقل مکانی میں مشکلات پیدا ہو رہی ہیں اور انتظامی لحاظ سے بغداد شہر کے اندر امریکی افواج کو اپنی حکمت عملی میں رکاوٹ نظر آ رہی ہے۔ جبکہ پینٹاگون سے امریکی افواج کے حق میں پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔ جنگی ماہرین نے نتیجہ نکالا ہے کہ ''امریکہ ہر وہ غلطی دُہرا رہا ہے جو اس نے ویت نام کے اندر کی تھی۔''

بشکریہ (شاہد اقبال جدون)



عراق سے عراق تک

برطانوی معاشرہ بلاشبہ امریکی معاشرے سے بدرجہا مہذب اور متمدن سمجھا جاتا ہے چنانچہ حیرت نہیں ہوتی جب برطانیہ کے نائب وزیراعظم جان پریسکارٹ اور مستقبل کے متوقع وزیراعظم گارڈن براؤن عراق کے سابق صدر صدام حسین کو پھانسی دینے کے عمل کو افسوسناک اور شرمناک قرار دیتے ہیں مگر انہیں اس عمل میں امریکہ کے ساتھ برطانیہ کی برابر کی شرکت کا اعتراف اور اقبال بھی کرنا چاہئے کیونکہ عراق پر لشکر کشی میں برطانیہ امریکہ کے ساتھ شامل ہے۔ دونوں نے مل کر عراق کو فتح کیا ہے اور عراق پر ان دونوں کا قبضہ ہے چنانچہ برطانوی حکومت عراق میں محض امریکہ کے پیچھے اپنی دم ہی نہیں ہلا رہی عراق میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس کی برابر کی ذمہ داری قبول کرنے پر بھی مجبور ہوگی اور کل اگر عراق پر حملہ کے سلسلے میں جنگی جرائم کی کوئی عدالت لگائی جائے گی تو اس میں برطانیہ امریکہ کے ساتھ برابر کا ملزم ہوگا۔

جس طرح امریکی اور مغربی ذرائع ابلاغ نے آسانی سے متاثر ہو جانے والوں کو یہ تاثر دیا تھا کہ امریکہ بہادر وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے عراقی ہتھیاروں سے انسانیت کو بچانے کے لئے، عراق کے عوام کو صدام حسین کی آمریت کے مظالم سے نجات دلانے کے لئے، مشرق وسطیٰ کے مسلمانوں میں جمہوریت پھیلانے کے لئے برطانیہ کے ساتھ مل کر عراق پر لشکر کشی کر رہا ہے ویسے ہی یہ تاثر دینے کی کوشش بھی کی گئی ہے کہ ''عراقی حکومت'' نے امریکہ کی مرضی، اجازت اور خواہش کے بغیر یا برعکس سابق صدر صدام حسین کو پھانسی پر لٹکا دیا ہے اور اس واردات سے امریکہ کی لاتعلقی اور بے خبری یہ ثبوت ہے کہ جب صدام حسین کو پھانسی پر لٹکایا گیا تو امریکی صدر جارج ڈبلیو بش خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے۔

کون نہیں جانتا کہ عدل و انصاف کا یہ ڈھونگ کیسے رچایا گیا تھا۔ روس کے جوزف سٹالن کے دور جیسی عدالت کیسے لگائی گئی تھی؟ اس عدالت میں انصاف کی کرسیوں پر بیٹھنے والوں کو کب اور کیسے اور کیوں تبدیل کیا گیا؟ کس جرم کی کون سی سزا سنانے کے لئے کون سا دن مقرر کیا گیا؟ اس عدالت کے سب سے بڑے مجرم کون سی قید میں تھے؟ ان کے قید کی کوٹھڑی عراق پر قابض فوجوں کے کون سے محفوظ ترین علاقے میں تھی؟ یہ ماننے کے لئے کون تیار ہوگا کہ امریکی اور برطانوی فوجوں کے افسروں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ سابق صدر صدام حسین کو اس کال کوٹھڑی سے نکال کر کہاں لے جایا جا رہا ہے اور کیوں لے جایا جا رہا ہے؟ عید قربان پر کس کی قربانی دینے کے انتظامات ہو رہے ہیں؟

یہ سمجھنے میں کس کو مشکل پیش آسکتی ہے ڈیموکریٹس کے دباؤ کے باوجود امریکی صدر مشرق وسطیٰ اور ایران کے پڑوس میں زیادہ سے زیادہ عرصہ تک اپنی جنگی طاقت کی موجودگی کو طوالت دینے کے لئے مسلمانوں کے شیعہ اور سنی فرقوں کے درمیان خانہ جنگی کی سی صورتحال پیدا کرنے کے تمام حربے بروئے کار لاسکتے ہیں اور زیر سماعت مقدمات کی سماعت مکمل ہونے سے پہلے مقدموں کے سب سے بڑے مجرم کو پھانسی پر لٹکانے کی عجلت کے پیچھے بھی کچھ ایسے ہی مقاصد تھے۔ صدام حسین کو پھانسی پر لٹکانے کی جلدی کے پیچھے یہ اندیشہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ عدالت میں امریکہ اور برطانیہ کی حکومتوں کے بعض ایسے راز بیان کردیں گے جو ان دونوں حکومتوں کے بہترین مفاد میں نہیں ہوں گے۔ صدام حسین کے خلاف جن مظالم کا ارتکاب کے مقدمات قائم کئے گئے تھے ان میں ان کیمیاوی ہتھیاروں کے استعمال کا کوئی ذکر نہیں ہے جس کے ذریعے لاکھوں ایرانیوں کا خون کیا گیا کیونکہ یہ کیمیاوی ہتھیار اسی استعمال کے لئے ہی صدام حسین کو سپلائی کئے گئے تھے۔ بلاشبہ صدام حسین ایک فوجی ڈکٹیٹر تھے مگر بے شمار خون اس ڈکٹیٹر نے امریکی اور برطانوی حکمرانوں کی ''ڈکٹیشن'' پر کئے تھے۔

عراقی ناول نگار حائیفہ ژنگانہ (Haifa Zangana) اپنے ملک اور معاشرے کے حالات کو ہمارے ''ہرڑ پوپو'' قسم کے کالم نگاروں سے بہتر سمجھ سکتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ صدام حسین کے مظالم کا نشانہ بن چکی ہیں۔ صدام حسین کے حکم سے قید و بند کی سختیاں بھی برداشت کرچکی ہیں مگر صدام حسین کو دی جانے والی پھانسی کو ایک مجرمانہ عمل اور قتل کے مترادف سمجھتی ہیں اور یہ بھی سمجھتی ہیں کہ صدر بش اور وزیراعظم ٹونی بلیئر کے قبضے سے گزرنے والا عراق صدر صدام حسین کی آمریت سے گزرنے والے عراق سے زیادہ اذیت ناک اور تکلیف دہ ہے۔

بشکریہ (منو بھائی)

ایک مرد جری

اللہ رے! وہ مرد جری صدام حسین کا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر موت کو قبول کرنا۔ پھانسی کے تختے پر کھڑے ہو کر بے پناہ اطمینان، موت سے چند لمحوں پہلے ہاتھوں میں کلام پاک اور لبوں پر موت کے وقت کلمہ طیبہ! صدام حسین کی بے پناہ جرأت اب محض تاریخ کی کتابوں کی زینت ہی نہیں رہے گی بلکہ اب تو صدام حسین اپنے خون سے عالم عرب میں ایک نئی تاریخ لکھیں گے۔ صدام حسین، مرنے کے بعد زندہ صدام سے زیادہ خطرناک ثابت ہوں گے کیونکہ صدام کے لہو کی ہر بوند اب آزادی کے وہ چراغ روشن کرے گی، جس کی روشنی میں عرب کے ریگزار جگمگا اٹھیں گے۔ صدام کی قربانی ہرگز رائیگاں نہیں جائے گی۔

صدام حسین جیسے مرد جری کو آخر امریکہ نے اس طرح کیوں ختم کیا؟ کیا آج سے پندرہ برس قبل امریکہ کیلئے یہ ممکن تھا کہ وہ صدام حسین جیسے لیڈر کو تختہ دار پر لٹکا سکے اور امریکہ کا بال بھی بیکا نہ ہو؟ امریکہ تو کیا امریکہ سے بھی زیادہ طاقتور کسی ملک کیلئے پندرہ برس قبل صدام حسین کو ختم کرنا ممکن نہیں تھا لیکن امریکہ نے صدام حسین کے خلاف ایک گہری سازش تیار کی اور اس سازش میں مسلم امہ کے میر جعفروں کو برابر کا شریک بنایا تا کہ آہستہ آہستہ صدام حسین کو کمزور کر کے ایک دم صدام کا خاتمہ کر دیا جائے۔ صدام کے خلاف امریکہ کی اس سازش کے کئی مرحلے تھے جنکو امریکہ نے آہستہ آہستہ انہی ''میر جعفروں'' کی مدد سے طے کیا۔ یہ سازش کیا تھی اور امریکہ اس سازش میں کیسے کامیاب ہوا؟

صدام حسین کے خلاف امریکی سازش کا پہلا باب 1979ء میں ایران میں اسلامی انقلاب کے بعد شروع ہوا۔ یہ وہ دور تھا جب امام خمینی پورے عالم اسلام کے ہیرو کی شکل میں ابھر کر سامنے آئے تھے۔ الجیریا سے ملائیشیا تک سارے عالم اسلام میں مسلم نوجوانوں کے ہاتھوں میں خمینی کی تصویریں تھیں اور زبان پر امریکہ مخالفت کے نعرے۔ ظاہر ہے اس بات نے امریکہ کو بے چین کر دیا تھا۔ اب امریکہ کا پہلا نشانہ ایران تھا۔ امریکہ کے لئے ممکن نہیں تھا کہ وہ ایران پر براہ راست حملہ کر سکے۔ چنانچہ عراق میں موجود اس وقت کے امریکی سفیر نے صدام حسین کے کان بھرنے شروع کئے۔ امریکہ نے پورے خطہ عرب میں یہ شور مچایا کہ ایران کا اسلامی انقلاب عجمی انقلاب ہے، جو اگر روکا نہ گیا تو پوری عرب تہذیب کو ڈس لے گا۔ اس طرح امریکہ نے پورے عالم عرب میں عرب اور عجم کی نفرت کے بیج بونے شروع کر دیئے۔ صدام کو بغداد میں موجود امریکی سفیر نے ایران کے خلاف جنگ پر اکسانا شروع کیا۔ آخر صدام حسین نے ایران پر حملہ کر دیا۔

یہ وہ دور تھا جب اس وقت کے امریکی صدر اور صدر کے ایلچی رمزفیلڈ نے بغداد کے درجنوں سفر کیئے اور صدام حسین سے بذات خود ملاقات کی۔ یہ وہی رمزفیلڈ ہیں جنہوں نے بعد میں 2003ء میں عراق پر امریکی حملے کی قیادت کی تھی۔ الغرض 1980ء کی دہائی میں امریکہ نے عراق اور صدام حسین کو ایرانی انقلاب کے خلاف استعمال کیا۔ ایران پر عراقی حملے کے بعد امریکی پراپیگنڈے کے باعث امام خمینی ایک مسلم لیڈر کے بجائے محض ایرانی اور شیعہ لیڈر رہ گئے۔ عرب اور عجم کی کھائی نے ایک بار پھر سے عالم اسلام کو بانٹ دیا۔ اس طرح اس خطے میں امریکی سازش کی پہلی کوشش کامیاب ہوئی۔ جس کا مقصد ایران کو کمزور کرنا اور صدام حسین کو امریکی دام میں پھنسانا تھا۔

صدام حسین ایک انتہائی جذباتی لیڈر تھے۔ جب امریکہ نے صدام حسین کے کان بھرنے شروع کیئے کہ وہ ناصر کی طرح پوری عرب دنیا کے لیڈر بن سکتے ہیں اور یہاں سے صدام کے خلاف امریکی سازش کا دوسرا باب شروع ہوا۔ اس بات سے کم لوگ واقف ہیں کہ صدام حسین کو کویت پر حملے کیلئے امریکہ نے ہی اکسایا تھا۔ 1990ء میں بغداد میں موجود امریکی سفیر کو بلا کر صدام حسین نے کویت پر حملے کا پورا پلان بنایا تھا، اور ان سے یہ دریافت کیا تھا کہ آیا امریکہ ان کی مخالفت کرے گا یا نہیں۔ اسی امریکی سفیر نے بعد میں امریکی پریس میں اس بات کا اقرار کیا کہ اس وقت اس نے صدام حسین کو کویت پر حملہ کرنے سے روکا نہیں تھا۔

یہ تھی وہ منزل جب صدام حسین کے خلاف امریکی سازش کھل کر سامنے آئی تھی اور صدام حسین باقاعدہ امریکہ کے نشانے پر آ گئے۔ ادھر صدام کی فوجوں نے امریکی سفیر کے اشارے پر کویت میں قدم رکھا نہیں کہ بس امریکہ نے صدام حسین کے خلاف شور مچانا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے امریکہ کے دباؤ میں اقوام متحدہ نے عراق کی معاشی ناکہ بندی کر دی۔ ادھر امریکہ نے عرب ممالک کے شاہوں کے کان بھرنے شروع کر دیئے کہ اگر صدام حسین کو کویت سے باہر نہیں کیا گیا تو وہ تمام عربوں کیلئے خطرہ بن جائیں گے۔ وجہ یہ تھی کہ امریکہ عراق پر حملے کی تیاری کر چکا تھا لیکن امریکہ کیلئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اپنی تمام فوجی قوت کے ساتھ براہ راست عراق پر حملے کرے۔ عراق پر حملے کیلئے امریکہ کو عراق کے پڑوسی ملکوں کی سرزمین درکار تھی کہ جہاں سے امریکی فوجیں صدام کی فوجوں کو نشانہ بنا سکیں۔

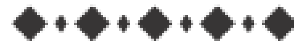
کہا جاتا ہے کہ 1992ء میں امریکہ کی اس شاطرانہ چال کو سب سے پہلے اگر کوئی شخص سمجھا تھا تو اس کا نام تھا اسامہ۔ جیسے ہی عرب کے شیوخ اور شاہوں نے امریکہ کو عراق کے خلاف ان کی زمین استعمال کرنے کی اجازت دی تو اسامہ نے اس کے خلاف شور مچایا۔ وہ وہاں کے لیڈروں سے بھی ملے اور اس بات کی مخالفت کی، مگر اس نقطۂ نظر کے باعث الٹا اسامہ کی مخالفت عروج پر پہنچ گئی۔ الغرض عراق کے عرب ہمسائیوں نے صدام حسین کے خلاف امریکی فوجوں کیلئے اپنے ملکوں کی سرزمین کھول دی۔ کویت میں صدام حسین کو امریکی فوجوں نے عرب شیوخ اور شاہوں کی مدد سے مات دی اور جس طرح صدام کی کمر امریکہ نے 1991ء میں توڑ دی تھی، اسی طرح خطے میں صدام حسین کا خوف پیدا کر کے امریکہ نے صدام کے خلاف اپنی سازش کو انجام تک پہنچایا۔

صدام حسین کے خاتمے کا تیسرا باب امریکہ پر نائن الیون کے واقعہ کے بعد شروع ہوا۔ یہ تو آج تک طے نہیں ہوا کہ آخر نائن الیون کے حملے کے پیچھے کون تھا کیونکہ اسامہ نے امریکہ پر حملے کی ذمہ داری لینے سے قطعی انکار کیا تھا لیکن دنیا واقف ہے کہ نائن الیون واقعہ کے بعد امریکی صدر

نے صدام حسین کے خلاف اپنی سازش تیز کردی۔ پہلے تو امریکہ نے افغانستان پر قبضہ کیا اور پھر فوراً ہی شور مچانا شروع کردیا کہ صدام حسین کا اسامہ سے تعلق ہے۔ ساری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹا گیا کہ صدام حسین نے عراق میں نیوکلئیر اور کیمیکل ہتھیاروں کا ذخیرہ جمع کرلیا ہے۔ ساری دنیا اس بات سے واقف تھی کہ عراق میں کوئی نیوکلئیر اور کیمیکل ہتھیار نہیں ہیں۔ اقوام متحدہ نے بھی صدر بش کا صدام کیخلاف الزام ماننے سے انکار کردیا، مگر پھر بھی صدام حسین کو ''سبق'' سکھانے کیلیئے بش سرگرم رہے۔ عراق کے پڑوسی ممالک کو بھی انہوں نے اسی طرح ڈرایا دھمکایا کہ انہوں نے بش کو جنگ کیلیئے اپنی سرزمین استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔ اگر ان ممالک کی سرزمین امریکی فوج استعمال نہ کرپاتی تو اپنی تمام تر قوت کے باوجود بش کی فوج صدام حسین کو 2003ء میں بھی شکست نہیں دے سکتی تھی۔

الغرض 2003ء میں عراق پر اتحادی فوجوں کے ساتھ حملہ کرکے بش نے صدام کو شکست دی اور آخر صدام گرفتار کرلئے گئے۔ صدام حسین کے اقتدار سے ہٹنے کے فوراً بعد عراق میں شیعہ سنی تفرقہ کھڑا کردیا گیا۔ صدام حسین کو پھانسی دے کر امریکہ نے پورے عالم عرب میں شیعہ سنی پھوٹ پیدا کردی ہے۔ امریکہ اپنے حریف صدام حسین کو موت کی نیند سلا چکا ہے اور عراق پر اس کا قبضہ ہے۔ اب لگتا ہے کہ امریکہ کے نشانے پر ایران ہے۔ ایران کو امریکی پراپیگنڈہ ایک اسلامی ملک نہیں بلکہ ایک شیعہ ملک کے طور پر پیش کررہا ہے۔ اس طرح اب عرب اور عجم کے تفرقے کے بعد شیعہ سنی اختلاف پیدا کرکے امریکہ ایران پر اسی طرح سے جارحیت کا منصوبہ بنائے گا، جس طرح اس نے عراق اور صدام حسین کے خلاف بنایا تھا اور ساری دنیا کے مسلمان امریکی سازش سے بے خبر جذباتی جلسے جلوس نکالتے رہیں گے، البتہ ان شیعہ سنی جھگڑوں میں ایک اور اسلامی ملک پر خطرات کے بادل امڈتے چلے آرہے ہیں۔

بشکریہ (ظفر آغا)



صدام حسین کو پھانسی نہیں دی جانی چاہیے تھی

مجھے یہ اندازہ تو تھا کہ ہمارے بہت سے لوگ سابق صدر عراق صدام حسین مرحوم سے ہمدردی رکھتے ہیں، لیکن یہ توقع نہیں تھی کہ اتنی زیادہ ہمدردی رکھتے ہیں۔1990ء کے اوائل میں جب صدام حسین نے کویت پر قبضہ کیا تھا تو سچی بات ہے مجھے بہت تکلیف پہنچی تھی اور غصہ آیا تھا، تب بھی ایک محفل میں جب میں صدام حسین کے اس ناروا اقدام کی مذمت کرتے ہوئے تقریر کر رہا تھا تو مجھے کئی نوجوانوں کی طرف سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

میں سوچ رہا تھا کہ ایسے تمام تر ناپسندیدہ اقدامات کے باوجود ہمارے لوگ صدام حسین کو پسند کیوں کرتے ہیں؟ ہمیشہ جذباتی لوگوں کو اپنا ہیرو کیوں بنالیتے ہیں؟ کبھی قذافی ان کا ہیرو بنتا ہے تو کبھی عیدی امین، کبھی بھٹو صاحب ان کی آنکھوں کا تارا بنتے ہیں تو کبھی وہ یاسر عرفات پر جان چھڑکتے ہیں۔ یہی یاسر عرفات جب طوفانی نعروں سے ہٹ کر عقل کی بات کرتے ہیں تو ان کی مقبولیت کا گراف گر جاتا ہے۔ یہی بھٹو جب جذباتی جادوگری سے حقائق کی جانب آتا ہے، اپنی غلطی تسلیم کرتا ہے تو پھانسی لگ جاتا ہے۔ یہی قذافی جب پاگل پن کا نشہ اتار کر زندگی کے تلخ حقائق کو تسلیم کرتا ہے، تو ہیرو سے ولن بن جاتا ہے۔ یہی صدام حسین اگر گرفتاری پیش کرتا ہے تو عقیدت مند اظہار ناراضگی کرتے ہیں، لیکن اگر بلند وبانگ نعرے لگاتا ہوا پھانسی پر جھولتا ہے تو دوبارہ زیرو سے ہیرو بن جاتا ہے۔

آخر ایسا کیوں ہے؟ اس لئے میں امریکیوں کو کہتا تھا کہ اسے پھانسی نہ دو، بلکہ اس کی سزائے موت کو عمر قید میں بدلوا دو، مرے ہوئے کو براہ کرم دوبارہ زندہ نہ کرو۔ اب تو یہ بیچارا ویسے ہی بے ضرر تھا اور اگر زندہ رہتا تو اس نے کل کو تمہارے ہی کام آنا تھا۔ اس کی زندگی تمہارے کل کی طرح آئندہ کل کو بھی بڑے فائدے دلا سکتی ہے۔ اگر اسے اسرائیل سے نفرت تھی تو وہ فارس (ایران) سے بھی اتنی ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ نفرت کرتا تھا، جس کے ساتھ کل کو تم نیا محاذ کھولنے جا رہے ہو۔ اس مشکل گھڑی میں صدام حسین نے مشکل میں تمہارا ساتھی بننا تھا، بلکہ ارد گرد کے دوسرے، تیسرے عرب ممالک بھی صدام حسین کے خوف سے دبکے رہیں گے اور تمہاری بلائیں لیتے ہوئے نگہبانی و پاسبانی کے متمنی رہیں گے۔ یہ بڑے کام کی چیز ہے، تمہیں اس کی ضرورت کسی بھی وقت پڑ سکتی ہے۔ اسے جسمانی طور پر ختم نہ کرو۔ آیت اللہ سیستانی یا نوری المالکی کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آؤ، کل کو مقتدیٰ الصدر جیسے فارس

نوازوں کی ٹھکائی کے لیے بھی تمہیں اس ''شیر'' کی یاد آئے گی'......لیکن ان چند احمق امریکیوں نے جناب حسنی مبارک اور شاہ عبداللہ دوم جیسے دوستوں کی نہیں سنی، میری کیا سنتے۔ان چند افراد نے عراق کی اس قدآور شخصیت کو پھانسی گھاٹ تک پہنچا کر مستقبل کی ایسی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے۔

میں جانتا ہوں کہ صدر بش نے نوری المالکی کے ہاتھوں یہ سب کچھ کیوں ہونے دیا ہے۔صرف ایک احمقانہ مفاد کی خاطر، یہ کہ اپنی قوم کو اپنے تین ہزار نوجوانوں کی موت کا کچھ جواز فراہم کر سکوں، یہ کہہ سکوں کہ اگر ہمارے تین ہزار نوجوان وطن کی خاطر قربان ہوئے ہیں تو دوسری طرف اس صدام حسین کا بھی خاتمہ کر دیا گیا ہے، جس کا اقتدار الٹنے وہ گئے تھے۔اس طرح اب وہ اپنی قوم کو یقین دلانا چاہیں گے کہ بدترین مزاحمت کا سرغنہ مارا گیا ہے تو شاید مزاحمتی تحریک بھی بتدریج دم توڑتی چلی جائے گی، حالانکہ یہ ان کی پہلے جیسی مبہم امید ہے، جس کے وہ سوتے جاگتے خواب دیکھتے رہتے ہیں اور ہر مزاحمت کی واردات کو وہ آخری خیال کرتے ہیں۔

اس کا سادہ حل یہ ہے کہ وہ عراق کو عراقیوں کے حوالے کریں اور خود اپنے ملک کی راہ لیں......اگر اتنی قربانیوں کے باوجود ان کا قائم کردہ جمہوری سیٹ اپ ہنوز قائم رہنے کے قابل نہیں ہو پایا ہے تو اب وہ ایک نیا تجربہ کر دیکھیں۔عین ممکن ہے کہ غیر ملکی افواج کے نکلنے سے مزاحمتی تحریک کے لیے کوئی وجہ جواز نہ رہے، یوں اس کے لیڈروں کی آپسی سر پھٹول بھی شروع ہو سکتی ہے۔جن فورسز کو یہ ٹرینڈ کر کے جا رہے ہیں، اب ان میں اتنا دم خم ضرور ہونا چاہیے کہ وہ مستقبل کے چیلنجوں کا سامنا کر سکیں......کر سکیں یا نہ کر سکیں، عراق بہر حال عراقیوں کے حوالے ہونا چاہیے۔غیر ملکی مداخلت کی حیثیت ایک فوری آپریشن جیسی تو ہو سکتی ہے، اس سے آگے کچھ نہیں۔ہم نے تو اس بے جا آپریشن کی بھی کھلی مخالفت کی تھی اور اول روز سے مخالفت کی تھی۔

بشکریہ (افضال ریحان)

صدام تیرا شکریہ، دلاوری نہیں ہوئی شرمندہ

عراق حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن ہے۔ وہاں صبح کے چھ بجے ہیں آج عید قربان کا دن ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا دن منایا جانے والا ہے۔ سعودیہ میں حج ہو رہا ہے۔ حاجی حضرات منیٰ میں قربانیوں کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ عراق میں نمازِ عید کی تیاری ہو رہی ہے اور اس کے بعد قربانیاں قربان ہونے کی منتظر ہیں...... عین ایسے وقت میں امریکا نے اس شخص کو قربان کرنے کا پروگرام بنالیا ہے جو نسلی طور پر حضرت حسینؓ کی اولاد ہوتے ہوئے اپنے سلسلہ نسب کو حضرت اسماعیل علیہ السلام تک لے جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے اس بیٹے کا نام صدام حسین ہے جو عراق میں قربان ہو چکا ہے۔

بش عراق پر حملہ کر چکا تھا۔ دنیا کے چند سربراہان نے صدام کو پیش کش کی کہ وہ ان کے ہاں آجائے اور محفوظ ہو جائے۔ روس نے بھی پیش کش کی مگر صدام نے انکار کر دیا۔ صدام اب بدل چکا تھا۔ اس نے عراق کے پرچم پر اللہ اکبر لکھوا دیا تھا۔ وہ شہادت اور جہاد کے نعرے لگاتا رہا ہے۔ اس کے چند جرنیلوں نے سرنڈر کیا۔ وہ بک چکے تھے فضائی حملے بھی تابڑ توڑ تھے۔ یوں بغداد امریکا کے ہاتھوں زیر ہو گیا مگر صدام نے اب بھی زیر ہونا گوارا نہ کیا وہ ایک سرنگ میں روپوش ہو گیا، اس کے بیٹے عدی اور قصی اپنے اموال و دولت کو گوریلا جنگ کی نذر کرتے رہے اور جب ان کا گھیراؤ ہوا تو دونوں لڑتے لڑتے شہید ہو گئے صدام کا پوتا مصطفیٰ بھی لڑتا لڑتا شہید ہو گیا۔

مقدمہ چلا تو تب بھی صدام ڈٹا رہا۔ اس نے عدالت کو یہ کہہ کر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ عدالت میرے ملک پر قبضہ کرنے والی غاصب طاقت کی عدالت ہے تاہم مجبور صدام عدالت میں پیش ہو کر دلیری سے گفتگو کرتا رہا اور کہتا رہا کہ قانونی طور پر صدر میں ہی ہوں۔ وہ جب کرسی پر بیٹھتا تو قرآن کی تلاوت کرتا رہتا۔

پھانسی کا فیصلہ ہوا تو صدام نے خواہش ظاہر کی کہ اسے فائرنگ سکواڈ کے سامنے کھڑا کر کے گولیاں ماردی جائیں مگر امریکیوں نے صدام کی اس دلیرانہ خواہش کو پورا نہ کیا...... ایران کے بادشاہ کو ہم نے دیکھا وہ حکومت چھن جانے کے غم میں کینسر کے مرض سے فوت ہو گیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کو جب پھانسی گھاٹ کی طرف لے جایا جانے لگا تو انہیں سٹریچر پر لے جایا گیا۔ صدام کا معاملہ مختلف نظر آتا ہے۔ اس نے دو رکعت نماز ادا کی، قرآن ہاتھ میں پکڑا، اپنے روایتی لباس میں وہ چل دیا اللہ اکبر کے نعرے لگاتا چلا گیا...... ایک ہی دن پہلے تو وہ کہہ چکا تھا کہ اللہ نے میری دعا قبول کر لی۔

میں نے کہا کہ اے اللہ! جیل میں سڑنے کی بجائے شہادت کی موت عطا فرمادے چنانچہ میں بہت خوش ہوں کہ دشمن کے ہاتھوں مجھے شہادت کی موت مل رہی ہے...... صدام حسین نے یہ بھی کہا۔ انشاء اللہ اللہ مجھے صدیقوں اور شہیدوں میں شامل کر کے جنت میں پہنچائے گا۔

صدام...... اب اللہ اکبر اور شہادت و جہاد کے نعرے لگاتا پھانسی گھاٹ کی طرف گیا۔ تختہ دار پہ کھڑا ہوا تو کوئی سہارا دینے والا نہ تھا۔ وہ اپنے سہارے پر کھڑا تھا۔ مطمئن اور باوقار تھا۔ ہاتھ بندھے ہوئے تھے چہرہ کھلا ہوا تھا۔ گلے میں پھندا ڈالا گیا تو وہ اطمینان سے کھڑا دائیں بائیں گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا...... اور پھر وہ اپنے اللہ کے پاس جا پہنچا...... اس کردار پر یہی کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی غیرت شرمندہ نہیں ہوگی۔ صدام کی دلیری پر بہادری کو سر اٹھا کر چلنا چاہئے۔ مسلمانوں کا سر فخر سے وہ اونچا کر گیا ہے کہ موت کو سینے سے یوں لگایا جاتا ہے اس لئے کہ شہید کی موت تو جنت کی ابدی اور پر بہار زندگی ہے۔

امریکا نے عید قربان کے موقع پر صدام کو جو قربان کیا ہے یہ قربانی امریکا کو کتنی مہنگی پڑے گی آنے والے دنوں میں ساری دنیا دیکھ لے گی۔ امریکا نے پوری مسلم دنیا کے منہ پر طمانچہ مارنے کی کوشش کی ہے کہ تم جانوروں کی قربانیاں کرتے ہو اور ہم تمہاری قربانیاں ہر روز کرتے ہیں اور آج عید کے موقع پر ہم نے تمہارے ایسے حکمران کی قربانی کی ہے جو جہاد اور شہادت کے نعرے لگاتا ہے۔

صدام کے ماضی کے بارے میں کوئی شک نہیں کہ اس میں لادینیت بھی ہے۔ عرب قوم پرستی بھی ہے ہمسائیوں پر حملے بھی ہیں...... مگر آج اس کی جو جنگ ہے وہ عالم اسلام کے دشمن کے خلاف تھی اب ایک نیا صدام تھا جو جہاد، اسلام اور شہادت کی باتیں کرنے والا تھا اللہ اکبر کے نعرے لگانے والا اور ڈٹ جانے والا تھا صدام کے معنی ہیں ڈٹ جانے والا...... اس نے نام کا حق ادا کر دیا۔ صدام کے ماضی اور حال کو دیکھتا ہوں تو اسلامی روح سے اس کا حال بھی معتبر ہوگا...... اللہ کے رسول ﷺ نے پہلی قوموں کے ایک شخص کا ذکر کیا تھا جو سو بندے قتل کر چکا تھا مگر سچے دل سے تائب ہو چکا تھا۔ لوگ کہتے تھے ماضی بڑا خوفناک ہے بخشش نہ ہوگی...... جی ہاں! وہ معافی کی طلب میں فوت ہو گیا...... جنت کے فرشتے کہتے تھے ہم اسے جنت میں لے کر جائیں گے، جہنم کے فرشتے کہنے لگے ہم اسے جہنم میں لے کر جائیں گے...... دونوں گروہ اللہ کے پاس گئے تو مولا کریم نے فرمایا یہ میرا بندہ توبہ کے لئے جس مولوی کے پاس جا رہا تھا اس کے اس سفر کی پیمائش کرلو...... اگر مولوی کے پاس جانے کا فاصلہ تھوڑا ہے تو اسے جنت کے فرشتے لے جائیں وگرنہ جہنم میں...... اب وہ فاصلہ تو زیادہ تھا...... اللہ نے یہ کیا کہ اس فاصلے کی زمین کو سکڑنے کا حکم دیا۔ فاصلہ کم رہ گیا اور سو بندوں کا قاتل جنت میں جا پہنچا...... اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا۔ ایک شخص ساری زندگی جنت میں لے جانے والے اعمال کرتا رہتا ہے جب جنت اور اس کے مابین ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو تقدیر غالب آتی ہے وہ بندہ اچانک ایسے گندے عمل کرتا ہے کہ جہنم میں چلا جاتا ہے۔ اس کے برعکس ایک شخص ساری زندگی برے اعمال کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جہنم کے مابین ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر تقدیر غالب آتی ہے وہ اچھے اعمال شروع کر دیتا ہے اور ادھر موت آجاتی ہے اور ساتھ ہی وہ جنت میں چلا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے یعنی زندگی کا خاتمہ کس حالت پر ہوا...... صدام کی زندگی کا خاتمہ اسلام دشمن امریکا کے خلاف جدوجہد پر ہوا اس لئے گناہ اللہ معاف کرنے والا ہے اور شہادت کے درجات دینے والا ہے۔

عراق کا قانون یہ ہے کہ عیدین کے موقع پر کسی کو پھانسی نہ دی جائے مگر کٹھ پتلی صدر یا وزیر اعظم کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی...... یوں ایسا کر کے امریکا نے خود ہی ثابت کر دیا کہ نوری مالکی نے صدام کی موت پر دستخط تو کئے مگر اس دستخط کی حیثیت کچھ بھی نہیں۔ اصل حکم تو ہمارا ہی چلتا ہے...... یہ جو صورتحال ہے بتلا رہی ہے کہ وہ عراق جہاں امریکا مجاہدین کے ہاتھوں شکست کا اعتراف کر چکا ہے خود بش نے اعتراف کر لیا ہے...... صدام کی موت اس شکست کو مزید ذلت میں تبدیل کرے گی۔ جہاد تیز ہو گا۔ حملے بڑھیں گے۔ عید قربان پر صدام کی قربانی مستقبل میں امریکا کی سپر میسی کو قربان کرنے چل پڑی ہے اس کے رنگ کیا ہوں گے...... ہم اور آپ دیکھتے رہیں گے۔

بشکریہ (ایم حمزہ)

آخری فیصلے کا وقت

اکبر الہ آبادی نے کہا تھا۔

شیخ پر گو کہ رشک آتا ہے

اونٹ کے سولغات جانتے ہیں

ہیں مگر اونٹ پر ہمیں قابض

کام کی ہم یہ بات جانتے ہیں

اگر یہ کہا جائے کہ بش عربی شیخ اسامہ کہ یہ اشعار سنا رہا ہے تو یہ کوئی شاعرانہ بات نہیں ہوگی۔ چلئے اسامہ بن لادن غائب کردار ہے تو کوئی حاضر کردار اس کی جگہ رکھ لیجئے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ ہمارے جتنے کام کے کردار تھے وہ سب غائب ہیں۔ ایمن الظواہری غائب، ملا عمر......سب غائب۔ خیر غائب تو صدام بھی ہوا تھا لیکن اسے حاضر کر لیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ صدام کو بہت پہلے قابو کر لیا گیا تھا لیکن اسے خود ہی امریکیوں نے غائب کیا اور پھر اچانک ایسی ڈرامائی ''برآمدگی'' ڈالی گئی کہ دنیا کو چونکا دیا مگر یہ بات صدام نے کبھی نہیں کہی کہ میں خود غائب نہیں ہوا تھا، میں چھپا نہیں تھا، مجھے چھپایا گیا تھا۔

بہر قصہ امریکیوں نے تکریت کی زمین کھودی، بیچ میں سے صدام کو نکالا۔ عدالتوں، جیلوں کے عمل (پروسیس) میں سے اس کو گزار کر تین سال اس کا ''مردہ'' خراب کیا گیا اور پھر دوبارہ اسے تکریت کے گڑھے میں دبا دیا گیا جہاں تک ہماری یادداشت کام کر رہی ہے صدام کی بل یا بنکر سے برآمدگی 14 دسمبر 2003ء کو ہوئی تھی۔ یہ تاریخ ہمیں یوں یاد رہ گئی کہ اسی دن اپنے جنرل پرویز مشرف صاحب پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ جنرل صاحب کی تین ٹن وزنی مرسڈیز فضا میں اچھلی لیکن ''قسمت'' نے ان کا ساتھ دیا۔ پلہ تباہ ہو گیا اور وہ بچ گئے۔ دسمبر 2006ء کی 30 تاریخ کو یعنی تین برس اور سولہ دن بعد صدام کو پھانسی دیکر مار ڈالا گیا۔ ہمارے وہ اصحاب جو ہر حال میں جذباتی ہوتے ہیں ان کیلئے عرض ہے کہ تب ہمارے ہاں 8 ذوالحجہ تھی جبکہ عراق میں 10 ذوالحجہ تھی کیونکہ اصل احتجاج اسی نکتے پر ہو رہا ہے کہ صدام کی پھانسی کی سزا پر عملدرآمد عید والے دن کیوں ہوا ہے؟ یہ خبر بھی آئی کہ عراقی قانون کے تحت حج اور عید کے موقع پر کسی بھی شہری کو پھانسی نہیں دی جا سکتی۔

بش بے حد خوش ہے کہ وہ کانٹا جو اسے کھٹکتا تھا اسے نکال باہر پھینکا گیا ہے۔ بش کی ہمنوائی میں ایران، برطانیہ، فرانس، جاپان، جرمنی اور آسٹریلیا نے اس اقدام کا خیر مقدم کیا ہے جب کہ بھارت، روس، ویٹی کن، اٹلی، چین اور لیبیا، سعودی عرب وغیرہ نے افسوس کا اظہار کیا ہے۔ امریکا کے فوجی ترجمان میجر جنرل ولیم کالڈویل کا کہنا ہے کہ صدام حسین کی پھانسی میں امریکی فوج کا کوئی کردار نہیں، ہم نے اس امریکی عسکری ترجمان کے بیان پر ''ایمان'' لانا اس لئے ضروری سمجھا ہے کہ بھٹو کی پھانسی کے وقت ہمارے تب کے جنرل (آنجہانی ضیاء) نے بھی اسی سے ملتی جلتی بات کہی تھی کہ یہ عدالت کا فیصلہ تھا، فوج کا اس مسئلے سے کیا تعلق؟ اگر اس وقت ایک جنرل کا کہنا حق تھا تو آج دوسرے جنرل کا فرمان ناحق کیسے ہوسکتا ہے۔

صدام کے ساتھ کسی کو ہمدردی نہیں تھی کہ 23 برس وہ ایک آمر مطلق کے طور پر عراق پر مسلط رہا مگر آج خاص طور پر مسلمان اس کی موت پر سراپا احتجاج اس وجہ سے بنے ہوئے ہیں کہ وہ امریکیوں کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ خلیجی جنگوں کے اس ہیرو + ولن کو سبق سکھانے کیلئے امریکا کو پھر مداخلت کرنی پڑی۔ یوں اس نے ایک خاص مدت تک صدام کو زندہ رکھا۔

تنہائی وہ زہر بجھی تلوار ہے جس کے ڈر سے
بعض اوقات تو دشمن کو بھی زندہ رکھنا پڑتا ہے

یوں اس خیال کی تائید تو کی جاسکتی ہے کہ امریکا نے صدام کو چھپنے کا موقع دیا، یعنی وہ چھپ کر بھی امریکیوں کی نظر سے چھپا ہوا نہیں تھا۔ پہلے اس کا image بنایا گیا پھر اس کو گرایا گیا۔ کس قدر حیرانی کی بات ہے کہ دنیا میں جتنے محکوم ہیں وہ امریکا کے عدو ہیں اور ان پر جتنے حاکم ہیں وہ امریکا کے دست راست ہیں۔ فیصلہ تو گھر کے سربراہ کا چلتا ہے، باقیوں کی چوں چوں کون سنتا ہے؟ اب اگر ہم ٹائر جلا رہے ہیں، بش کے پتلے نذر آتش کر رہے ہیں تو بش اور اس کے حاکم حامیوں کی صحت پر اس کا کیا اثر؟

رہا عید والے دن صدام کو پھانسی دینا تو عین ممکن ہے بش اس طرح اپنا کینہ نکال کر مسلمانوں کو اپنی برتری اور تکبر کا پیغام پہنچانا چاہتا ہو۔ تو بھئی وہ طاقتور ہے، وہ کچھ بھی کرسکتا ہے اس نے جو پیغام دینا تھا، دے دیا، ہمیں پہنچ گیا۔ پھر ہم نے اس پر کیا کیا؟ رولا ڈالا، واویلا کیا۔

ظلم سے اکبر بتوں کے چپ نہ رہنا چاہئے
اور کچھ نہ بن پڑے تو شعر کہنا چاہئے

اور ہم شعر و شاعری کر رہے ہیں۔ بش رقص ابلیس کرتے ہوئے قہقہے لگا رہا ہے۔ میاں! لکھتے رہو کالم، پڑھتے رہو شعر، مجھے اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ بھلے صدام نے ہٹلر کی طرح مرتے ہوئے اپنا مورال بلند رکھا ہے اور ایک ڈکٹیٹر اتنا بھی نہ کرسکے تو اس کی ڈکٹیٹر شپ سے معمور زندگی پر افسوس ہی کیا جاسکتا ہے۔ امریکا نے صدام کو پھانسی دیکر پوری امت مسلمہ کو دوراہے پر کھڑا کر دیا ہے کہ تم صدام کو OWN کرتے ہو یا DISOWN کرتے ہو؟

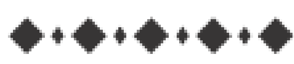
امریکا دشمنی کا تقاضا یہ ہے کہ اس واقعہ کی مذمت کی جائے لیکن صدام کے اپنے ''کارناموں'' پر نظر ڈالی جائے تو وہ اس انجام کا حقدار دکھائی

دیتا ہے لیکن غور طلب سوال یہ ہے کہ کیا امریکا کے ہاتھوں مرنے والا یہ واحد مسلمان ہے؟ چھ لاکھ سے زائد مسلمان جو عراق میں موت کے گھاٹ اترے ہیں، ان کا قاتل کون ہے؟ امریکا کی طرف سے عراق پر عائد کردہ پابندیوں کے نتیجے میں کم وبیش دس لاکھ عراقیوں کو موت کے منہ میں جانا پڑا۔ افغانستان میں ہونے والی ہلاکتوں کا ذکر پھر کبھی کریں گے۔

صدام کے جرائم اپنی جگہ لیکن امریکا خود صدام کے ساتھ ان جرائم میں شریک تھا یا نہیں؟ اب یہ بات بھی سامنے آگئی ہے کہ دجیل سازش کیس کے چناؤ کی وجہ یہ ہے کہ صدام کا یہی وہ واحد جرم ہے جس میں امریکا شریک نہیں تھا، باقی تمام جرموں میں صدام نے امریکا کے آلہ کار کے طور پر اپنا ''فرض'' ادا کیا تھا۔ اس لئے اس پر دیگر مقدمات نہ چلائے گئے اور موت کے گھاٹ اتارنے کیلئے کردوں کی ہلاکت والا مقدمہ دائر کیا گیا۔

صدام کے ہاتھ بھلے لاکھوں افراد کی موت کے ذمہ دار ہوں لیکن اسے امریکا نے مار کر پوری دنیا کو یہ پیغام دے دیا ہے کہ اس زمین پر اگر کوئی ''خدا'' ہے تو وہ میں ہوں۔ میں جسے چاہتا ہوں مار سکتا ہوں، جسے چاہوں زندہ رکھ سکتا ہوں۔ چڑیا کی بھی مجال نہیں ہے جو میرے سامنے پر مار سکے۔ اب اس فرعونی دعوے پر ردعمل کی دو ہی صورتیں کہ بش کی (امریکا کی) اطاعت قبول کر لی جائے۔ جی ہاں غیر مشروط اطاعت۔ اور ''عشق فرمودہ قاصد سے سبک گام عمل'' والی اطاعت یعنی اس کی زبان سے حکم ادا ہونے سے پہلے سر تسلیم کو اتنا خم کیا جائے کہ وہ جو چاہے ہمارے ساتھ کر گزرے اور اگر بالفرض یہ صورت قبول نہیں ہے تو پھر سینہ تان کر اس کا مقابلہ کیا جائے لیکن کیا ہے کہ ہم اونٹ کے سولغات تو جانتے ہیں پر اونٹ امریکا کے قبضے میں ہے۔

بشکریہ (جمیل احمد عدیل)



صدام۔ مقتل گاہ میں

یہی جنوں کا یہی طوق و دار کا موسم
یہی ہے جبر، یہی اختیار کا موسم
قفس ہے بس میں تمہارے، تمہارے بس میں نہیں
چمن میں آتش گل کے نکھار کا موسم

لوگ کہتے ہیں اور لوگ یقیناً جھوٹ نہیں کہتے۔ اس نے گریہ نہیں کیا۔ اس کے قدم نہیں لڑکھڑائے۔ اس نے دار تک جانے کیلئے سٹریچر نہیں مانگا۔ اس نے رحم کی منت نہیں کی۔ اس نے جس شان سے زندگی گزاری تھی، اسی شان سے مقتل تک گیا۔ غسل کیا، نماز و نوافل ادا کئے۔ قرآن پاک کو ہاتھ میں رکھا اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ سیاہ غلاف جو پھانسی پر چڑھاتے وقت مجرموں کو پہنایا جاتا ہے اس نے نہیں، اس کے جلادوں نے پہنا۔ وہ پھانسی گھاٹ پر کھڑا دار کی رسومات میں ایسے مصروف تھا جیسے دولہا بارات پر جانے کیلئے سج رہا ہو۔ کیمپ جسٹس کا وہ حصہ جہاں اسے دار پر چڑھانے کی رسم ادا کی جا رہی تھی، اس کے اردگرد سلگتا ہوا بغداد فجر کی اذانوں سے گونج رہا تھا اور صبح کاذب کے دھندلکے میں، جب ستارے سونے لگتے ہیں، اس وقت اسے ہمیشہ کیلئے سلانے اور مٹانے والے درحقیقت اسے قائم رکھنے کی وہ تاریخ رقم کر رہے تھے جسے بش بلیئر نہیں، غیر جانبدار مؤرخ لکھے گا۔ کل تک جو مرد آہن کو ایک کلیشے سے زیادہ نہ سمجھتے تھے، صدام حسین نے دار کی رسی پر شان بان سے جھول کر انہیں ان الفاظ کے حقیقی معنی سمجھا دیئے ہیں۔

وہ جو ڈکٹیٹر تھا اور جس نے 24 برس کا مطلق العنان حکمرانی میں اس ڈکٹیٹر شپ کا پورا استعمال کیا، جس نے ایران کے ساتھ ایک ایسی جنگ لڑی، جس میں اڑھائی لاکھ عراقی ضائع ہوئے، انہیں شہید اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ مسلمان، مسلمان کے ساتھ لڑ رہا تھا اور وہ لڑائی کسی مقصد سے خالی تھی۔ سوائے امریکی مفاد کے اس میں دور دور تک کچھ نظر نہیں آتا۔ امریکہ کا سابق چہیتا اور سی آئی اے کا ایجنٹ اس وقت مغربی دنیا بالخصوص امریکہ کی آنکھ کا تارا تھا، بعد میں جب وہ امریکہ سے منحرف ہوا اور اس نے اپنی طاقت کے زعم میں کویت کو ہضم کرنے کیلئے اس پر چڑھائی کی تو حالات یکسر بدل گئے۔ اب وہ باغی تھا اور باغیوں کا انجام جو ہوا کرتا ہے، امریکہ نے اس کا وہی کیا ہے۔ اس سے پہلے وہ ایسا ہی انجام ہمارے ہاں ضیاء الحق اور صدر ایوب کا کر چکا ہے۔ گو وہ پھانسیاں نہیں (کہ پھانسی صرف بھٹو مرحوم کے حصے میں آئی) مگر زوال کی ایسی کہانیاں ہیں جن سے بخوبی عبرت پکڑی جا سکتی ہے۔

دنیا بھر کے مسلمانوں کے جذبات کا خیال کئے بغیر جسے عید قربان کے مقدس دن اور ذوالحج کے حرمت والے مہینے میں صبح کاذب کے ملگجے سرمئی اجالے میں دار پر وارا گیا، اس کے ستر محلات تھے۔ اس کا جاہ و حشم دیدنی تھا۔ وہ کردوں، شیعوں اور مخالف سنیوں کیلئے سراپا قہر تھا۔ کویت کی

جنگ سے پہلے عرب دنیا اسے دوسری جنگ قادسیہ لڑنے والا عرب کا بطل جلیل کہتی تھی۔ بعث پارٹی جس کا وہ لیڈر تھا، اس نے عراقیوں پر مظالم کے پہاڑ توڑنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ کردوں کی نسل کشی کیلئے ایک لاکھ سے زائد کرد مروا دیئے۔ اس کا ایسا خوف تھا کہ اہل عراق گھروں کے اندر بھی اسکے خلاف کچھ کہنے سے ڈرتے تھے۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں کا محاورہ اس وقت کے عراق پر صحیح ثابت ہوتا ہے۔ وہ ایک ایسا آمر تھا جس کا خوف اپنے مخالفوں کو راتوں کو سونے نہیں دیتا تھا۔ وہ صلاح الدین ایوبی کو آئیڈیلائز کرتا تھا اور خود کو ایوبی ثانی ثابت کرنے کیلئے گریٹر عراق کے خواب دیکھتا تھا۔ جغرافیائی لحاظ سے بابل ونینوا کے زمانے کا عراق' کویت کی جنگ بھی اسی خواب کا ہی حصہ تھی۔

وہ جو خود کو اسلام کا مجاہد کہتا تھا، اس کے بدترین مخالف بھی اس کے دور میں عراق کی تعلیم، ترقی اور فوجی طاقت کا اعتراف کرتے ہیں۔ وہ عراق کو اسلامی سپر پاور بنانا چاہتا تھا اور اگر امریکہ کی نظروں سے نہ گرتا تو شاید یہ بھی کر گزرتا کیونکہ فوجی طاقت اور اسلحے کے علاوہ اس کے دور میں جتنے پی ایچ ڈی عراق میں تھے، اتنے ساری مسلم دنیا میں نہیں تھے۔ عراق ایک مسلم ویلفیئر اسٹیٹ تھا، جس میں تعلیم وصحت مفت تھی۔ پچاسی فیصد سے زائد آبادی کو تعلیم کی سہولتیں میسر تھیں۔ ہزاروں طلبہ سرکاری سکالرشپس پر مغربی یونیورسٹیوں میں سائنسی تعلیم حاصل کرنے جا رہے تھے۔ پورے ملک میں ہائی ویز کا جال بچھا دیا گیا تھا۔ ملازمتوں میں خواتین کا تناسب چالیس فیصد کے لگ بھگ تھا۔ کسانوں کو آدھی قیمت پر ٹریکٹر، تقریباً مفت تیل اور پچاس فیصد سستی بجلی فراہم کی جاتی تھی۔ وہ عراق کو جدید، روشن خیال اور خوشحال ملک بنانا چاہتا تھا، مگر صدام حسین کے معاشی، اقتصادی اور دفاعی لحاظ سے مضبوط عراق کو سپر پاور کی نظر لگ گئی اور زوال آہستہ آہستہ عراق کے رگ و پے میں اترنے لگا (دیگر وجوہ کے علاوہ ایک بنیادی وجہ تیل کے بے پناہ ذخائر بھی تھے)۔

عراق پر لگائی جانے والی اقوام متحدہ کی پابندیوں نے عراقی معیشت، اقتصادیات اور ترقی کی کمر توڑ دی۔ لاکھوں لوگ دوائیوں کی عدم دستیابی سے مرے، مگر صدام کے عراق میں فاقے سے اس وقت بھی کوئی موت نہ ہوئی اور وہ ''مجرم'' جس کو پھانسی پر چڑھا کر صدر بش نے عراق میں جمہوریت کی راہ ہموار کرنے کی خوشخبری دنیا کو سنائی ہے، اس خوشخبری کے بینر تلے پچھلے ساڑھے تین برس سے چھ لاکھ کے قریب عراقی شہری مر چکے ہیں۔ ایک لاکھ شہری ہر مہینے ملک چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ روزانہ سو کے قریب عراقی دہشت گردی کے واقعات میں مر رہے ہیں اور امریکہ کے نزدیک وہاں امن بحال ہو رہا ہے اور جمہوریت کے راستے کھل رہے ہیں۔ مگر درحقیقت صدام کا عراق جل رہا ہے۔ جلی ہوئی لاشیں، بکھرے ہوئے انسانی اعضاء، چن چن کر قتل کئے جانے والے انٹیلیکچوئل ماہرین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان عراق کو پچھلی صدیوں میں دھکیل رہے ہیں۔ ایسے میں آگ اور دھوئیں میں راکھ ہوتا عراق جو صدام حسین المجاد التکریتی کا خود سے بندھا ہوا وہ مقدس عہد تھا جس کی خاطر وہ دار پر ایک ایسی بے اختیاری میں جھول گیا جو صرف اس جیسے گہری کمٹمنٹ والے انسان سے ہی متوقع تھی۔

آج سے تقریباً تین سال پہلے فارم ہاؤس کے تہہ خانے سے برآمد ہونے والا بڑھی ہوئی داڑھی، الجھے ہوئے بالوں اور بظاہر مخبوط الحواس نظر آنے والا صدام حسین بعد میں دوران حراست امریکہ کے لئے لوہے کا چنا ثابت ہوا کہ جسے نہ وہ نگل سکتا تھا اور نہ ہی اگل سکتا تھا۔ مقدمے کی سماعت کے دوران یکے بعد دیگرے تین وکلاء کا قتل، ایک وکیل کا ملک سے فرار، مشکوک عدالتیں، مشکوک منصف اور ذہنی ٹارچر کے نت نئے انداز،

اسے توڑنے کے مختلف حربے بھی اس آہنی اعصاب کے مالک کو شکست نہ دے سکے۔ کسی نے اسے خاموش، پژمردہ، کمزور اور گھبرایا ہوا نہ دیکھا۔ اس نے خود کو اپنا وکیل کر لیا یہ سوچ کر کہ "کسے وکیل کریں کس سے منصفی چاہیں" وہ شخص جو اپنے دامن پر ہزار تہمتیں رکھتا تھا۔ وہ جس نے آمریت اور سفاکی میں نام کمایا تھا۔ وہ جو جھکنا نہیں جانتا تھا۔ اسے توڑنے کی ہزار کوششوں کے باوجود توڑا نہ جا سکا اور سچی لیڈر شپ کا جو تصوراتی خیال تھا، ہیروازم کا جو رومانٹک امیج تھا، وہ اس پر ہر لحاظ سے پورا اترا۔ میں سچ کہتی ہوں امریکہ نے اسے پھانسی دے کر عرب تاریخ پر ایک طرح سے احسان کیا ہے کہ وہ ایک عرصے سے بکے ہوئے لیڈروں اور عیش پسند حکمرانوں کی وجہ سے اس ہیرو سے محروم تھی جس کے دم سے تاریخ کے ابواب مکمل ہوتے ہیں اور وہ زندہ ہو جاتے ہیں۔

اس پھانسی نے جہاں عرب دنیا پر کھوئی ہوئی لیڈر شپ کا امیج واضح کیا ہے، وہاں ڈکٹیٹر اور سفاک صدام حسین کو بھی ایک نئی زندگی دی ہے۔ ایسی زندگی کہ اگر وہ دو سو برس بھی جی لیتا تو اسے کبھی نہ ملتی۔ وہ مضبوط قدموں اور لہراتے جذبوں کے ساتھ پورے اعتماد، یقین اور ناقابل شکست ارادوں کے ہمراہ پھانسی کے پھندے کو چوم کر گلے میں ڈالتا۔ اپنی پھانسی کی رسم کو شادی کی تقریب کی طرح مطمئن نظروں سے دیکھتا۔ اللہ اکبر کے نعرے لگاتا۔ عراق پائندہ باد کے گیت گاتا۔ جب رسی پر جھولا تو شاید موت کو بھی پسینہ آ گیا۔ اجل خوفزدہ ہوگئی۔ بہادروں کی یہی شان ہے۔ وہ جب موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے ہیں تو موت ان سے دور بھاگنے لگتی ہے۔ اسی لئے وہ مر کر بھی نہیں مرتے بلکہ کچھ اور زندہ ہو جاتے ہیں، جبکہ وہ بزدل جو موت سے بچنے کے لئے گندے سمجھوتوں اور مصلحتوں کا سہارا لیتے ہیں، وہ زندہ ہو کر بھی زندہ نہیں رہتے کہ سانسوں کا آنا جانا زندگی نہیں، زندگی کیلئے مضبوط کردار اور عمل کی ضرورت ہے، جس سے آج مسلم دنیا محروم ہے۔

عراقی ڈکٹیٹر پر انسانیت کے خلاف جرائم اور جیل میں 148 شہریوں کے قتل کا الزام تھا اور دلچسپ بات یہ کہ اس پر یہ الزام دنیا کے سب سے بڑے انسانیت کے مجرم نے لگایا۔ وہ انسانیت کا مجرم، جس نے افغانستان، عراق، فلسطین اور لبنان میں لاکھوں جانیں امریکن سنڈیوں کی طرح "تلف" کروا دیں اور ان ملکوں کی تہذیب وتمدن اور زندگی کو تہہ وبالا کر کے رکھ دیا۔ صدام حسین کو ڈکٹیٹر کہنے والا امریکہ عراق میں خدا جانے کس قانون کے تحت دندناتا پھر رہا ہے۔ کس اختیار کے تحت وہاں کے قانون کو پامال کر رہا ہے اور کس ٹھیکیداری کے تحت اس نے عراق کا انتظام سنبھالنے، وہاں جمہوریت کا ڈھونگ رچانے اور عراقی صدر کو معزول کر کے اس پر مشکوک، مقدمے اور موت کی سزا ٹھونسی ہے۔

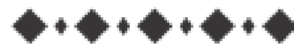
عراق پیغمبروں، رسولوں، اماموں، اولیاء اللہ اور بزرگوں کی سرزمین ہے۔ کربلا معلیٰ، نجف اشرف اور فرات سے آراستہ اس زمین پر جو قیامتیں گزر رہی ہیں، عراقی صدر کی پھانسی نے ان میں ایک ایسی قیامت کا رنگ شامل کر دیا ہے جو اپنے اندر حشر اٹھانے کا پورا سامان رکھتی ہے اور یہ حشر اب اٹھ کر رہے گا۔ صدام حسین جو کل تک زیرو تھا، آج ہیرو کا وہ رتبہ پا چکا ہے جس کی زندگی سے زیادہ اس کی موت قیمتی اور رومانٹک ہے۔ اس نے دار سے رومانس کیا ہے۔ زندگی کی قیمت پر کہ حقیقی رومانس کی قیمت ہمیشہ زندگی ہی ہوا کرتی ہے اور محبت کے لئے جان دینے والے اس قیمت کو بہت معمولی درجہ دیتے ہیں۔ جان سے کچھ اور بڑھ کر، مگر کیا؟ وہ شان جو مقتل گاہ کی عزت بڑھا دیتی ہے، جو بیڑیوں کی جھنکار اور وعدوں کی پکار سے شروع ہوتی ہے تو پھر اسے دار کی ٹہنی پر وارے جانے کی گھڑی تک کوئی روک نہیں سکتا۔ صدام حسین کے آخری لمحات کی ویڈیو فلم بنانے والوں کے

گمان میں بھی اگر ہوتا کہ اپنے آخری لمحات میں وہ اس قدر باوقار طریقے سے موت کو گلے لگائے گا تو وہ ہرگز اس کی فلم نہ بناتے۔ وہ تو آخری لمحوں میں دنیا کو شکست خوردہ، کمزور اور ٹوٹا ہوا صدام حسین دکھانا چاہتے تھے۔ اس کا ان بریک ایبل امیج توڑنا چاہتے تھے۔ مگر..........؟

یہ سطور اسی شان کے صدقے میں لکھی گئی ہیں ورنہ کل تک میں بھی ڈکٹیٹر کا مطلب ڈکٹیٹر ہی سمجھتی تھی، مگر اب میں اس کی موت کو Romanticize کر رہی ہوں۔ پھانسی کے پھندے پر جھولتا وہ شخص میرا اعتبار بحال کر گیا ہے جو ایک بہادر کی شان ہے زندہ رہا اور ایک بہادر کی شان سے ہی اس نے موت کو گلے لگایا۔ یقیناً ایک ہیرو کی موت ایسی ہی ہوتی ہے، اتنی ہی شاندار اور پرشکوہ۔ یوں جیسے کوئی اپنے جسم سے باہر بیٹھا اور اپنے فنا ہونے کا منظر دیکھ رہا ہو۔ مجھے یقین ہے اس کی پھانسی بش کیلئے ڈراؤنا خواب اور خود اس کیلئے حیات نو کی نوید ہوگی۔ صدام حسین کو مارنے والوں کو اندازہ نہیں کہ اسے مار کر انہوں نے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔ امریکی حراست میں سزائیں کاٹ کر ایڑیاں رگڑتا اگر وہ مرجاتا تو آج مسلم دنیا میں اس قدر کہرام نہ مچا ہوتا۔ حرمت کے مہینے اور عید قربان پر اس کی جان کی قربانی سے صبح عید کی ابتداء کرنے والا دن ان لمحات کو شاید کبھی فراموش نہ کرسکے۔ جب طلوع فجر سے پہلے اذانوں کی بازگشت میں وہ شخص دنیا سے اٹھا تھا، جسے اپنی مٹی سے پیار تھا اور وہ مٹی پر نثار ہونے کا ہنر بھی جانتا تھا۔ اے تاریخ! گواہ رہنا کہ ابھی عرب کی زمین مکمل بنجر نہیں ہوئی۔ ابھی اس میں نمو باقی ہے۔ ایک ڈکٹیٹر کی موت کو شہادت میں بدلنے والے شاید اس بات کا علم نہیں رکھتے تھے ورنہ وہ کیمپ جسٹس کی قتل گاہ میں ایسے عاشق کو کبھی داخل ہونے کی اجازت نہ دیتے جس نے عشاق کی آبرو کا مان رکھا تھا۔

مرنے چلے تو سطوتِ قاتل کا خوف کیا
اتنا تو ہو کہ باندھنے پائے نہ دست و پا
مقتل میں کچھ تو رنگ جمے جشن رقص کا
رنگیں لہو سے پنجۂ صیاد کچھ تو ہو
خوں پر گواہ دامن جلاد کچھ تو ہو
جب خون بہا طلب کریں بنیاد کچھ تو ہو
بولو کہ شور حشر کی ایجاد کچھ تو ہو
بولو کہ روزِ عمل کی بنیاد کچھ تو ہو !!

بشکریہ (بشریٰ اعجاز)



تخت سے تختہ دار تک

امریکہ نے عراق میں انصاف کا بول بالا کرنے اور امن قائم کرنے کے لئے اپنے سب سے بڑے دشمن صدام حسین کو پھانسی دے دی۔مگر اس سے عراقی مسلمانوں میں شدید ردعمل پیدا ہوا۔اس اقدام کے دوررس اثرات سے تو انکار ممکن ہی نہیں۔صدام بحیثیت حکمران جیسے بھی تھے اب ان کا وہ کردار پس منظر میں چلا گیا ہے اور منظر میں صرف امریکیوں کے ہاتھوں ان کی شہادت باقی رہ گئی ہے۔اب مزاحمتی تحریکوں کی قوت میں اضافہ ہوگا اور ان کی کارروائیاں امریکیوں کے لئے ڈراؤنا خواب بن جائیں گی۔صدام کی پھانسی نے انہیں افسانوی شخصیت بنا دیا ہے جس کا بھوت وائٹ ہاؤس کے مکینوں کو ڈراتا رہے گا۔

25 فروری 1960ء کو صدام حسین کو پہلی بار سزائے موت سنائی گئی۔اس وقت عراق پر جنرل عبدالکریم قاسم کی حکومت تھی جنہوں نے بادشاہت کے خلاف آرمی ایکشن کرتے ہوئے اقتدار سنبھالا تھا۔عراق میں بادشاہت ختم کرنے کیلئے سوشلسٹوں نے کئی کوششیں کی تھیں جو ناکام رہیں۔ان میں سے ایک ناکام کوشش میں صدام حسین بھی شریک تھے مگر جب جنرل عبدالکریم قاسم نے اقتدار سنبھال لیا تو سوشلسٹ نظریات رکھنے والی بعث پارٹی کو ان سے بھی اختلاف پیدا ہو گیا اور اس کے رہنماؤں نے جنرل قاسم کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کی جو ناکام رہی۔حملہ آوروں کے سکواڈ میں صدام حسین بھی شامل تھے۔اس ناکام حملے کے دوران وہ خود زخمی ہو گئے مگر کمال ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہوں نے زخمی حالت میں دریائے دجلہ تیر کر عبور کیا اور شام پہنچ گئے۔وہاں سے انہوں نے مصر کی راہ لی۔

جنرل عبدالکریم قاسم پر قاتلانہ حملہ کے سارے ملزموں کو عراقی عدالت نے سزائے موت سنائی۔ان میں صدام حسین بھی شامل تھے مگر چونکہ وہ اس وقت ملک سے باہر تھے۔اس لئے سزا پر عملدرآمد نہ ہو سکا۔مگر جب انہیں دوسری بار سزائے موت سنائی گئی تو وہ فرار نہ ہو سکے۔یہ ایک عجیب و غریب اتفاق ہے کہ دونوں بار سزائے موت سنائے جانے کے وقت وہ غیر ملکی طاقتوں کے ہاتھوں میں تھے۔1960ء میں مصری حکومت ان کی ڈوریاں کنٹرول کر رہی تھی جس کی عراقی صدر عبدالکریم قاسم سے سخت مخالفت تھی۔دوسری مرتبہ سزائے موت سنائے جانے کے وقت وہ امریکی فوجوں کے ہاتھوں بے بس تھے۔انہیں 5 نومبر 2006ء کو ایک خصوصی عدالت نے 1982ء میں قصبہ دجیل کے 148 شیعہ افراد کو قتل کرنے کے الزام میں سزائے موت سنائی جس پر 30 دسمبر 2006ء کو عمل ہو گیا۔

صدام حسین کی زندگی ہر اعتبار سے ایک غیر معمولی فرد کی زندگی تھی جس سے جنون،غصہ،غیر منطقیت پسندی،بلندی کی بے پناہ خواہش،طاقت کا

حصول، انا، عزت نفس، خود پسندی اور ایسی بہت سی دوسری خصوصیات تھیں جن کی زیادہ مقدار کسی بھی فرد کو اعتدال کی راہ سے ہٹا دیتی ہیں۔ دراصل ہر فرد کی زندگی اس کے ابتدائی حالات کے ہاتھوں تراشی جاتی ہے اور وہ اپنے ابتدائی دنوں سے بھاگ نہیں سکتا۔ یہی کچھ صدام حسین کے ساتھ بھی ہوا۔ 28 اپریل 1937ء کو بغداد سے 100 میل دور تکریت کے قصبے کے نزدیکی گاؤں الغوجہ میں جنم لینے والے صدام حسین کی ابتدائی زندگی انتہائی مشکل اور نامساعد حالات میں گزری۔ ان کے والد انتہائی غریب تھے۔ اس لئے انہیں سہولتوں سے محرومی دیکھنا پڑی۔ چار برس کی عمر میں والد کے انتقال کے بعد ان کی والدہ نے ایک چرواہے سے شادی کر لی۔ ایک اور روایت کے مطابق صدام کے والد حسین عبدالماجد صدام کی پیدائش سے پہلے ہی ان کی والدہ طلفہ المصلات کو چھوڑ کر غائب ہو گئے تھے اور اس کے بعد وہ نظر نہیں آئے۔ صدام کی پیدائش کے فوراً بعد ان کا بڑا بھائی 13 برس کی عمر میں کینسر کے مرض میں مبتلا ہو کر انتقال کر گیا تو ان کی والدہ نے نومولود بیٹے کو اپنے بھائی خیر اللہ طلفہ کے پاس بھیج دیا۔ 3 برس کی عمر میں واپس اپنے گھر آئے تو صدام کو سوتیلے باپ کا سامنا تھا۔ ان کا سوتیلا باپ ابراہیم الحسن ننھے صدام سے بہت برا سلوک کرتا اور بات بات پر ان کو دھنک کر رکھ دیتا۔ اس نے کئی برس تک صدام کو سکول نہیں بھیجا۔ 10 برس کی عمر میں پہلی بار انہیں اس وقت سکول داخل کرایا گیا جب وہ سوتیلے باپ کے ظلم سے تنگ آ کر بغداد میں اپنے ماموں خیر اللہ طلفہ کے پاس چلے گئے۔ خیر اللہ طلفہ کا تعلق انقلابی بعث پارٹی سے تھا۔ یہیں سے صدام کی اس نظریاتی تربیت کا آغاز ہوا جس نے ان کی زندگی کی راہ متعین کی۔ خود صدام حسین نے کئی بار تسلیم کیا کہ انہوں نے اپنے ماموں سے بہت کچھ سیکھا۔ تاہم یتیمی کے احساس نے ان کے اندر انتقامی رویوں کو بھی جنم دیا اور وہ بچپن سے ہی خود کو ایک مضبوط اور بااثر انسان کے روپ میں دیکھنے لگے تھے۔

18 برس کی عمر میں صدام نے ملٹری اکیڈمی میں داخلے کی کوشش کی لیکن مطلوبہ تعلیمی قابلیت نہ ہونے کے باعث وہ داخلے سے محروم رہ گئے۔ 1957ء میں انہوں نے انقلابی بعث پارٹی میں شمولیت اختیار کی۔ ان دنوں مراعات یافتہ طبقات کے خلاف رائے عامہ بہت شدید ہو گئی تھی۔ اسی وجہ سے بعث پارٹی کی مقبولیت میں اضافہ ہو گیا۔ 1958ء میں جنرل عبدالکریم قاسم نے شاہ فیصل دوم کی حکومت ختم کی تو بعث پارٹی نے اس کی سخت مخالفت شروع کر دی۔ 1959ء میں اس پارٹی کے بعض ارکان نے امریکی شہہ پر جنرل قاسم پر قاتلانہ حملہ کیا۔ اسی دوران ان کی ٹانگ میں گولی لگ گئی مگر کچھ اپنی بے پناہ قوت ارادی اور کچھ سی آئی اے کے ایجنٹوں کی مدد سے مصر پہنچ گئے جہاں انہوں نے لاء کالج میں ایڈمیشن لے لیا۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مصر جانے سے قبل بیروت میں سی آئی اے کے ایک تربیتی کورس میں بھی شرکت کی تھی۔

1963ء میں صدام حسین نے اپنی ماموں زاد ساجدہ طلفہ سے شادی کی۔ اس شادی کا فیصلہ اس وقت ہو گیا تھا جب صدام کی عمر 5 سال اور ساجدہ کی 7 برس تھی مگر شادی سے قبل ان کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ یہ شادی مصر میں ہی جلاوطنی کے دوران ہوئی تھی۔ ان کے پانچ بچے تھے۔ دو بیٹے اودے اور قصے اور تین بیٹیاں رغد، رعنا اور حالہ ہیں۔

صدام حسین نے ساجدہ کے علاوہ دو شادیاں اور بھی کیں۔ انہوں نے 1986ء میں سمیرا شاہ بندر سے شادی کی جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ صدام حسین کی چہیتی بیوی تھیں۔ انہوں نے ندال الہمدانی سے بھی شادی کی۔ سمیرا سے صدام کا ایک بیٹا بھی پیدا ہوا جس کا نام علی حسین رکھا گیا۔

صدام حسین اپنی قوت اور اقتدار کے حوالے سے اتنے الرٹ تھے کہ وہ اپنے کسی قریبی رشتہ دار تک کو معاف نہ کرتے۔1995ء میں ان کی دو بیٹیاں رغد اور رعنا اردن چلی گئیں اور اس وقت واپس آئیں جب ان کو جان بخشی کی یقین دہانی کرائی گئی۔چھوٹی بیٹی ہالہ اور اس کا شوہر دونوں عراق میں ہی مقیم ہیں اور سیاسی سرگرمیوں سے بالکل دور ہیں۔ بڑی دونوں بیٹیاں اپنے 9 بچوں کے ساتھ اردن میں پناہ گزین ہیں۔ بحیثیت باپ صدام بہت نرم مزاج تھے۔2003ء میں عمان سے ان کی بیٹیوں نے سی این این کو بتایا کہ وہ اپنے باپ سے بہت پیار کرتی ہیں کیونکہ وہ انتہائی شفیق باپ تھے۔

1963ء میں جب عبدالکریم قاسم کو ہٹا دیا گیا تو1964ء میں صدام حسین عراق آگئے جہاں انہیں جیل میں بند کر دیا گیا۔1967ء میں وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے اور بعث پارٹی کے نمایاں ترین رہنماء کے طور پر سامنے آئے۔1968ء میں احمد حسن البکر کی قیادت میں حکومت کا تختہ الٹا گیا تو صدام حسین ان کے نائب بن گئے۔نائب صدر بننے کے بعد انہیں فور سٹار جنرل کا رینک دیا گیا۔

جب صدام حسین حکومت کا حصہ بنے تو عراقی قوم ہر اعتبار سے ایک منقسم اور پریشان قوم تھی۔صدام نے قوم کو متحد کرنے کی خاطر مختلف اقدامات کیئے۔کرپٹ لوگوں کے خلاف کارروائی کی، امن وامان کی صورت حال کو بہتر بنایا اور تیل کی دولت کا درست استعمال کرنے کی منصوبہ بندی کی۔حالات نے ان کا ساتھ دیا اور1973ء میں تیل کے بحران نے ان کی آمدنی میں اضافہ کر دیا یوں وہ اپنے ایجنڈے کو عملی جامہ پہنانے کے قابل ہوگئے۔

11 سال نائب صدر رہنے کے بعد 16 جولائی 1979ء کو انہوں نے احمد حسن البکر کو ہٹا کر خود صدارت سنبھال لی۔ان کی انتظامی صلاحیتیں پہلے ہی کھل کر سامنے آچکی تھیں۔کسانوں اور عام طبقے کی مالی حالت میں خاصی بہتری آئی تھی اس لئے ان کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔

اقتدار سنبھالنے کے ساتھ ہی انہوں نے عراقی فوج کی تنظیم نو کی اور ملک میں تعلیم عام کرنے کی طرف خاص توجہ دی۔اسی سال انہوں نے ایران پر حملہ کر دیا۔یہ جنگ 8 سال جاری رہی جس میں 10 لاکھ سے زائد مسلمان کام آئے۔1980ء سے1990ء تک عراق روسی اسلحہ کا دوسرا بڑا خریدار رہا۔دیگر مغربی طاقتوں نے بھی آیت اللہ خمینی کی مخالفت میں ان کی بھرپور مدد کی۔ یہ جنگ ختم ہوئی تو صدام حسین امریکہ کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گئے۔انہوں نے 2 اگست 1990ء کو کویت پر قبضہ کر لیا جس کے بعد امریکہ نے خلیج میں اپنی افواج اتار دیں۔جنوری 1991ء میں انہیں کویت چھوڑنا پڑا کیونکہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے عراق کو شدید حملوں کا نشانہ بنایا تھا۔

خلیجی جنگ کے بعد عراق شدید پابندیوں کی زد میں آگیا اور آئندہ 12 برس تک لاکھوں بچے، بوڑھے اور خواتین خوراک اور دواؤں کی عدم دستیابی کے باعث موت کے منہ میں چلے گئے۔اس دوران صدام حسین انتہائی سخت بیانات دیتے اور امریکہ کی مذمت کرتے رہے۔1992ء میں جارج بش سینئر کی صدارتی انتخابات میں شکست پر انہوں نے خوشی سے ہوائی فائرنگ کی جو ساری دنیا میں براہ راست دکھائی گئی۔

پابندیوں کے عرصے میں عراقی عوام شدید مشکلات کا شکار رہے مگر صدام حسین کا رویہ بے لچک رہا۔انہوں نے مزاحمتی اسلامی تنظیموں کی

حمایت اور مالی معاونت کا سلسلہ جاری وساری رکھا۔9/11 کے بعد امریکی پالیسی میں جارحیت کا عنصر ظاہر ہوگیا اور صدر بش نے صدام حسین پر بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی تباہی کا الزام لگا کر عراق پر قبضہ کرلیا۔صدام حسین کے جرنیل امریکہ کے ہاتھوں بک گئے تھے اس لئے عراقی فوج مزاحمت ہی نہ کرسکیں۔جن ری پبلیکن گارڈ سے جانثاری کی توقع تھی وہ کہیں نظر ہی نہ آئے۔20 مارچ 2003ء کو بغداد پر قبضے کے بعد صدام حسین روپوش ہوگئے اور اسی سال 13 دسمبر کو خبر آئی کہ انہیں تکریت کے قریب ایک زیرزمین پناہ گاہ سے پکڑ لیا گیا ہے۔

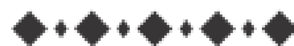
اگست 2004ء میں انہیں پہلی بار عدالت میں پیش کیا گیا اور دسمبر 2005ء تک ان پر بارہ سنگین مقدمات بنائے گئے تھے۔جولائی 1982ء میں 148 افراد کو قتل کرنے کے الزام میں ان پر 19 اکتوبر 2005ء کو جو مقدمہ بنا اس پر انہیں سزائے موت سنادی گئی۔ایران سے جنگ کے دوران وہ قصبہ دجیل کے دورے پر گئے جہاں پر ان پر قاتلانہ حملہ ہوا۔اس پر انہوں نے دجیل میں آپریشن کیا جس میں 148 افراد مارے گئے۔یہی وہ جرم تھا جس کی سزا میں انہیں پھانسی دی گئی۔یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ 148 لوگوں کے قتل کا ذمہ دار صدام کو قرار دے کر پھانسی دی گئی تو بش لاکھوں افراد کی ہلاکت کا ذمہ دار ہے اس کے خلاف کیوں کارروائی نہیں کی جارہی۔

سزائے موت سنانے کے بعد انسانی حقوق کی تنظیموں نے صدام کی جاں بخشی کی اپیل کی مگر امریکی حکومت اس بات کا تہیہ کرچکی تھی کہ انہیں سزائے موت دی جائے۔صدام کی موت ایک عہد کی موت ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ عراق میں حالات بدتر ہوں گے۔جب تک صدام عراق کے حکمران رہے عراق کی اندرونی صورتحال خراب نہ تھی لیکن امریکیوں کے زیرانتظام آنے کے بعد عراق میں خانہ جنگی شروع ہوچکی ہے۔اس اعتبار سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ عراقی عوام کیلئے صدام کا دور امریکہ کے قبضہ سے بہر حال بہت بہتر تھا۔

امریکہ کے ہاتھوں پھانسی پانے کے بعد صدام حسین ایک افسانوی کردار بن جائیں گے کیونکہ لوگ ان کے دورحکومت کو فراموش کرکے استعمار کے ہاتھوں ان کی شہادت کو یاد رکھیں گے۔عراق کی مزاحمتی تحریک میں شدت آئے گی اور امریکہ کیلئے وہاں اپنا قبضہ برقرار رکھنا مشکل ہوجائے گا۔عراق کے قبائلی صدام کے نام سے گیت لکھیں گے اور آنے والی تاریخ انہیں ایسے مزاحمت کار کے طور پر یاد رکھے گی جس نے تادم آخر امریکہ کے سامنے سر نہ جھکایا اور اللہ کی کبریائی کا نعرہ لگا کر تختہ دار کو چوم لیا۔شہادت سے ایک روز قبل انہوں نے کہا کہ شہادت کی موت ان کی آرزو تھی جو پوری ہورہی ہے۔اپنی غلطیوں کے باوجود تاریخ صدام حسین کو معاف کردے گی اور انہیں استعمار دشمن شہید کے طور پر یاد رکھے گی۔ان کی پھانسی کی وڈیو فلم ریلیز کردی گئی۔آخری لمحات میں ان کے چہرے پر گہرے سمندروں کا سا سکون تھا اور یہ مطمئن تاثرات امریکہ کے وائٹ ہاؤس میں بیٹھے مکینوں کیلئے حیرت کا باعث تھے کیونکہ انہیں موت کے اس فلسفے سے آگاہی نہیں جو اسلام نے ہر مسلمان کے خون میں اتار دیا ہے۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے ، اس جان کی تو کوئی بات نہیں

بشکریہ (مخدوم اطہر)



معزولی سے پھانسی تک مقدمے کے مراحل

13 دسمبر 2003ء کو صدام حسین کو گرفتار کرلیا گیا۔ انہیں تکریت کے ایک فارم ہاؤس کے تہہ خانے سے آپریشن ریڈ ڈان کے نتیجے میں گرفتار کیا گیا۔ امریکی سول ایڈمنسٹریٹر پال بریمر نے گرفتاری کا اعلان کیا۔ حراست کے دوران کی ویڈیو دکھائی گئی جس میں ان کی داڑھی کے بال بڑھے ہوئے تھے اور معمول سے زیادہ لمبے اور گھنگریالے دکھائے گئے تھے۔

30 جون 2004ء صدام حسین (جب وہ امریکی حراست میں تھے) اور بعث پارٹی کے دیگر 11 عہدیداران کو عبوری حکومت کے حوالے کیا گیا ان پر جنگی جرائم، انسانیت کے خلاف جرائم اور قتل عام کے جرم میں مقدمہ چلایا جائے۔

یکم جولائی 2004ء کو پہلے عراقی اسپیشل ٹریبونل نے صدام حسین کے مقدمے کی سماعت کی۔

18 جولائی 2005ء کو خصوصی ٹریبونل نے صدام حسین پر جیل کے دیہاتیوں کے قتل عام کا الزام لگایا، جنہیں 1982ء میں ان (صدام) پر ناکام قاتلانہ حملے کے بعد ہلاک کردیا گیا تھا۔

8 اگست 2005ء: خلیل الولیمی کو صدام حسین کا واحد قانونی مشیر مقرر کیا گیا۔

6,5 دسمبر 2005ء کو صدام حسین اور ان کے وکلاء نے عدالت کے اختیار تسلیم کرنے سے انکار کیا اور واک آؤٹ کردیا۔

23 جنوری 2006ء کو چیف جج رؤف راشد عبدالرحمٰن کا تقرر کیا گیا۔ رزگار امین نے، جو کرد جج تھے، حکومت کی مداخلت کی وجہ سے مقدمے کی سماعت سے انکار کردیا۔

15 مارچ 2006: صدام حسین نے دوران سماعت عدالت میں سیاسی بیانات دیے۔ انہوں نے کہا کہ میں عراق کا صدر ہوں، عراق کے عوام کو آپس میں لڑنے کی بجائے امریکی افواج سے لڑنا چاہیے۔ جج نے صدام کا مائیکروفون بند کردیا اور عوام کے لیے بھی کارروائی بند کردی۔

21 جان 2006ء: صدام حسین اور ان کے بھائیوں کے وکیل خامس العبیدی کو اغوا کرکے قتل کردیا گیا اور اس قتل اور مقدمے کی غیر منصفانہ کارروائی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے صدام حسین نے بھوک ہڑتال شروع کی جو 23 جون کو اسپتال میں ٹیوب کے ذریعے زبردستی غذا دے کر ختم کرائی گئی۔

15 ستمبر 2006ء: شیعہ عرب جج الامیری کو، جو صدام کی حمایت کر رہا تھا، ہٹا دیا گیا اور محمد العریبی کو چیف جج بنا دیا گیا۔

5 نومبر 2006ء: صدام حسین پر جیل میں 148 شیعہ دیہاتیوں کے قتل کا حکم دینے کا جرم ثابت ہونا قرار دیا گیا اور انہیں پھانسی کی سزا سنا دی گئی۔ اس فیصلے پر صدام حسین نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور غداروں کو مردہ باد کہا۔

نیویارک ٹائمز کے مطابق صدام حسین کی سزا کے خلاف 9 ججوں پر مشتمل ٹرائیل عدالت نظر ثانی کرے گی۔ اپیل کی کوئی میعاد مقرر نہیں ہے لیکن عراقی اور امریکی افسران نے کہا تھا کہ پھانسی اگلے موسم بہار تک ہو سکتی ہے۔ اپیل کی کارروائی مکمل ہونے کے بعد عراقی قانون کے مطابق 30 یوم کے اندر پھانسی کے فیصلے پر عمل درآمد کرنا تھا کیوں کہ عراقی قوانین کے تحت 70 سال سے زیادہ عمر کے قیدی کو پھانسی کی سزا نہیں دی جا سکتی تھی۔ صدام حسین 28 اپریل 2007ء کو 70 سال کے ہو جاتے۔

26 دسمبر 2006ء: عراق کی اپیل کی اعلیٰ ترین عدالت نے صدام حسین کی سزا کو برقرار رکھا اور عدالت نے کہا کہ انہیں 30 دن کے اندر پھانسی دے دی جائے۔

28 دسمبر 2006ء: عراقیوں نے درخواست کی تھی کہ صدام حسین کو امریکی فوجی کیمپ سے پھانسی کے لیے عراق میں منتقل کر دیا جائے۔ پھانسی دینے والوں نے کہا تھا کہ صدام حسین کو عیدالاضحیٰ سے یعنی 30 دسمبر 2006ء سے پہلے پھانسی دی جائے گی لیکن انہیں عید کے دن 30 تاریخ کی صبح کو پھانسی دے دی گئی۔

دامادوں کا قتل

اگست 1995 میں رعنا اور اس کے شوہر حسین کامل اور رغد اور اس کے شوہر صدام کامل اپنے بچوں کے ساتھ اردن فرار ہو گئے اور اس یقین دہانی پر فروری 1996 میں واپس آئے کہ انہیں معاف کر دیا جائے گا لیکن یہ دونوں بھائی قبیلے کے دوسرے اراکین کے حملے میں گولیوں کے تبادلے میں مارے گئے کیوں کہ انہیں غدار سمجھا جاتا تھا۔

حالا کے شوہر جمال مصطفیٰ سلطان التکریتی نے سیاست میں حصہ نہیں لیا اور اپریل 2003ء میں اس نے خود کو امریکیوں کے حوالے کر دیا۔ اس کے کزن علی حسن المجید کو امریکہ میں کیمیکل علی کہا جاتا ہے، وہ امریکی حراست میں ہے۔

صدام حسین کی دو بیٹیوں رغد اور رعنا کو اردن میں پناہ دے دی گئی وہ اپنے 9 بچوں کے ساتھ وہاں مقیم ہیں۔ وہ اپنے والد کو بہت اچھا اور مہربان کہتی تھیں۔

1937 سے 30 دسمبر 2006

1937ء۔ پیدائش (تکریت) عراق

1951ء۔ بعث پارٹی میں شمولیت

1959ء۔ صدر پر قاتلانہ حملے کے جرم میں سزائے موت سنائی گئی

1959ء۔فرار کے بعد شام اور پھر مصر پہنچے

1959ء۔خالہ زاد سے شادی

1959ء۔انقلابی کمانڈر کونسل کے تحت انتخابات کے نتیجے میں نائب صدر منتخب ہو گئے

1980ء۔ایران پر حملہ کیا یہ جنگ 8 سال جاری رہی

1990ء۔کویت پر حملہ کر کے قبضہ کیا اور اتحادی فوجوں کے ہاتھوں شکست کھا کر قبضہ ختم کیا

1990ء۔کویت پر قبضے کے باعث بین الاقوامی معاشی پابندیوں کا سامنا کرنا پڑا

1979ء۔عہدۂ صدارت پر فائز ہوئے

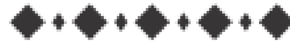
2003ء۔امریکی فوج نے عراق پر قبضہ کر کے انھیں معزول کر دیا

بیویاں اور اولادیں

صدام حسین نے 1963 میں اپنی خالہ زاد ساجدہ سے شادی کی۔ یہ اس وقت طے ہو گئی تھی جب ساجدہ کی عمر 5 اور صدام کی 7 برس تھی۔ ان کے دو بیٹے اودے اور قصے اور تین بیٹیاں رعنا، رغد اور ہالا تھیں۔ ساجدہ، رغدہ اور رعنا کو گھر میں قید کر دیا گیا تھا کیوں کہ ان پر شک تھا کہ وہ اودے کے اقدام قتل کی سازش میں شامل تھیں۔

صدام نے مزید دو خواتین سے شادیاں کیں۔ سامرہ سے 1986 میں شادی کی اور ندا الھمدانی سے بھی شادی کی جن سے ان کا تیسرا بیٹا علی تولد ہوا۔

بشکریہ (این ایچ تمکین)



روشنی کا رقص اور صدام کی پھانسی

مینہ برس رہا تھا۔ پانی کے خوب صورت شفاف قطرے سطح زمین پر گر کر اچھل رہے تھے۔ گویا موتیوں کی بارش ہو رہی تھی۔ خوشبو سے لدی ہوئی معطر ہوا حس شامعہ کو سیراب کر رہی تھی۔ سامنے بے کنار پیڑوں کی لامتناہی تاریکی میں جگنو روشنیوں کا رقص پیش کر رہے تھے۔ عراق کے شہر بصرہ کی ساری فضا معطر اور دلربا تھی۔ خوبصورت سے بھی زیادہ حسین منظر دکھائی دیتا تھا۔ چاروں طرف لال، گلابی، پیلے اور نیلے پھولوں کا سمندر موجیں مار رہا تھا۔ پھر کیا ہوا..........؟ ایسے میں 19 مارچ 2003ء کی صبح نمودار ہوئی۔ ایک آگ برسانے والی اور اندھیرے کا پیغام دینے والی صبح۔ جب آسمان پر شعلوں کا راج تھا اور خوف کی حکمرانی اور زمین پر موت اور تباہی کا تسلط۔ مجھے اس نفرت اور حقارت کے طوفان سے وحشت ہونے لگی جو ایک بڑی اور ترقی یافتہ قوم کے خلاف چھوٹی اور غیر ترقی یافتہ قوم کے دل میں موجزن ہوا۔

عراق جہاں ننگی، بھوکی، پیاسی اور خونخوار جارحیت منہ پھاڑے اپنے شکار کی تلاش میں سرگرداں تھی۔ جہاں حاملہ عورتوں نے چاہا تھا کہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے انکے بچے کی پیدائش ہو جائے۔ کیونکہ وہ زمانہ جنگ میں نہیں زمانہ امن میں اپنے بچے کو ڈیلیور کرنا چاہتی تھیں۔ کیا وہ افغانستان کی تاریخ بھول گئی تھیں جہاں بے شمار بچے میدان جنگ کی پیداوار ہیں۔ اگر یہ حقیقت ہے کہ عورت ایک صبر ایک ہمت اور ایک مامتا کا نام ہے تو یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جنگ زدہ عراق میں یہ صبر یہ ہمت اور یہ مامتا تار تار ہو گئی تھی۔ پانچ لاکھ افراد لقمۂ اجل ہوئے۔ موت کے منہ سے بچ جانے والے بھوکے پیاسے مفلس بیمار اور آفت زدہ لوگ موت سے لڑ رہے تھے یا شاید زندگی سے۔

ترقی یافتہ قوم نے غیر ترقی یافتہ قوم سے کہا کہ ہم تمہیں آزادی دینے کیلئے آ رہے ہیں۔ تم ایک ظالم وحشی آمر سے نجات حاصل کر لو گے۔ ہم تمہارے نجات دہندہ ہیں۔ ہمارا استقبال کرو۔ ہمیں تم سے محبت ہے۔

جی ہاں..........محبت

اور پھر وسوسے، اندیشے، بے اعتباری اور نفرت کے ملغوبے سے ایک عجیب و غریب محبت کا خمیر اٹھا۔ ایک ایسا خمیر جس میں بے بسی اور سڑاند تھی اور بے چارگی کی کراہت۔ جہاں محبت بھی تھی اور گالیاں بھی۔ زمین پر محبت بھری گالیاں تھیں یا شاید گالیوں بھری محبت۔

اور..........اور آسمان پر روشنیوں کا رقص۔

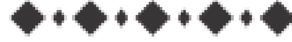
امریکہ اور عراق کا مقابلہ ایک جنگ آفریں اور جنگ رسیدہ کا مقابلہ ہے۔ ویسے جب تک انسان زندہ رہتا ہے وہ معاشرے کی سرزمین پر ایک خاموش ذہنی جنگ کرتا رہتا ہے۔ اس جنگ میں کھوپڑی اس کا اسلحہ خانہ اور دماغ اس کا اسلحہ ہے۔ جذبات، احساسات، حوصلہ اور عقل اس کے ہتھیار اور غصہ، وہم اور خوف اس کے دشمن ہیں۔ کاش دنیا میں کوئی ایسا عالمی لیڈر پیدا ہو جو اعلان کرے کہ میں ایک آخری جنگ لڑ رہا ہوں۔ آخری جنگ .... آئندہ کی تمام جنگوں کو ختم کرنے کے لئے۔ اور روشنیوں کا رقص ہوگا ضرور ہوگا۔ لیکن یہ وہ رقص نہیں جو آسمان پر بموں اور میزائلوں کی گھن گرج سے پیدا ہوتا ہے بلکہ وہ رقص جو بنی نوع انسان کے لئے خوشیوں کا پیغام لاتا ہے اور مسرتوں کی نوید۔ مگر آخری جنگ کی خواہش ایک خیام خیالی کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ جنگ حکمرانوں کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ حکمران جو انصاف کی حس سے بے بہرہ ہیں اور ان کے دماغ میں وہ سوچ ہی نہیں جو ترازو کا کام کرتی ہے۔ اگر دنیا کے لیڈروں کو بیچ سے نکال دو تو عالمی حالات خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے۔ جس طرح سورج کبھی ٹھنڈا نہیں ہوتا اسی طرح حکمران کبھی سچا نہیں ہوتا۔ انسان کے نظام حکمرانی کی منجمد یکسانیت انتہائی بور ہو چکی ہے اور اب تو یہ بوریت بھی شکستہ پا ہو گئی ہے۔ ہر صبح اخبارات میں امن و آشتی کا ایک پیغام داغ دینا اور شام کی تاریکی میں جارحیت اور استحصال کے منصوبے بنانا۔ کیا اس دنیا میں کرنے کے لئے کوئی اور کام نہیں؟ انسان کہاں تک سوچے اور کیا افکار کرے؟ سوچوں کے نتیجے میں تو اب ذہنی جھٹکے لگنے لگے ہیں۔ ہمارے احساسات کا طول و عرض بہت بڑھ گیا ہے۔ ہماری خواہشات و توقعات کا قبرستان اب بھر چکا ہے۔ خیالات کے طومار اور خدشات کی یلغار نے ہمارے جذبوں کو بے زبان، ہمارے احساسات کو اندھا اور ہماری روح کو مفلوج کر دیا ہے۔

پھر کیا ہوا؟......... ترقی یافتہ قوم نے غیر ترقی یافتہ قوم کے آمر کو قید کر لیا۔ صدام حسین کے بھیانک اور عبرت ناک فوٹو اخبارات کو جاری کئے تا کہ دنیا صبح جاگے تو تعجب اور اشتیاق کی فراوانی سے لذت یاب ہو سکے۔ ان کو یقین نہ آئے کہ اپنے دشمنوں کو پابند سلاسل کرنے والا آمر بھی کبھی مقید ہو سکتا ہے۔ جو لوگ عراق کے سابق صدر کو زنجیر پہنانے آئے ان سے اس کی خاموشی نے کہا ”کیا تم وہی ہو جو التجاؤں اور فریادوں کا کشکول لے کر میرے پاس آتے تھے۔ اگر تم میں تھوڑی سی بھی حیا ہے تو ڈوب مرو چلو بھر پانی میں یا چائے کی ایک پیالی میں“ وہ جیل میں پڑا اپنے دور حکومت کے 23 سنہری سالوں کو یاد کرتا۔ ماضی کی چمکیلی یادیں اس کے ذہن کے آسمان پر تاروں کی طرح بکھر جاتیں۔ مگر جب پیچھے مڑ کر اس نے ماضی کو کھنگالنا چاہا تو وقت کے اس صحرائے اعظم میں آنسوؤں کی ایک لمبی قطار تھی اور خوشیوں کے چند مرجھائے ہوئے پھول۔

اس شخص کو پھانسی کی سزا سنا دی گئی جو 23 سال تک عراق کے سیاہ و سفید کا مالک رہا تھا اور جس کے منہ سے نکلنے والا ہر لفظ اس کے ملک کا حکم بن جاتا تھا، آج وہ بے بس و مجبور کھڑا تھا۔ جو لوگ اس کے پیروں کی خاک کے برابر تھے وہ اس کی موت کے پروانے پر دستخط کر رہے تھے۔ ایک پراسرار فضا قائم تھی۔ سرگوشیوں اور توہمات کا ایک طوفان کھڑا تھا۔ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کیا حقیقت ہے کیا افواہ۔ ایسی عجلت پسند، یک لخت اور عبرت مقام پھانسی کم دیکھنے میں آتی ہے۔ ہم نہیں کہتے کہ صدام ایک تعمیری یا مثبت شخصیت تھی مگر ہاں مرتے وقت بھی اس نے غرور، یگانگت اور عزم کے ساتھ موت سے آنکھیں ملا کر دشمن کو ایک نفسیاتی شکست دی۔ اس کا کردار خواہ کیسا بھی ہو مگر اعصاب ضرور آہنی تھے۔ مرتے وقت اس نے اللہ اکبر کہا اور جان کنی کے وقت اس کے دل نے کہا '2006ء کے آخر شب کے لمحو، خدا حافظ' اور پاس کھڑا ایک سرکاری اہلکار سوچنے لگا کہ......... نہ

جانے کیا سوچنے لگا؟ اور میں نے سوچا اکثر امریکی و برطانوی باشندے نہیں چاہتے تھے کہ صدام کو پھانسی دے کر اس کے سیاسی قد میں اضافہ کیا جائے اور مرنے کے بعد مرنے والے کی یاد زندہ ہو جائے۔ صدر بش نے امریکی عوام کی خواہش کے خلاف صدام کی پھانسی کو خوش آمدید کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ انتہائی ترقی یافتہ ہونے کے باوجود امریکی و برطانوی جمہوریتیں غیر مؤثر ہو چکی ہیں۔

بشکریہ اخلاق احمد خان



فاتح کا انتقام

صدام حسین کی داستان حیات اختتام کو پہنچ گئی۔اس کی گرفتاری، مقدمہ اور سزائے موت، عراق پر امریکی تسلط کا ایک افسوسناک استعارہ بن گیا۔ جو کام بہت ہی اچھے طریقے سے کیا جاسکتا تھا اسے نہایت بری طرح انجام دیا گیا۔ یہ بات بھلائی نہیں جاسکتی کہ صدام کوئی عام ڈکٹیٹر نہیں تھا۔اس نے جدید تاریخ میں ایک ظالم ترین، کرپٹ اور جابر حکومت قائم کی جس کا تقابل سوویت یونین کے سٹالن، چین کے ماؤ یا شمالی کوریا کے کم جانگ دوئم سے کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ امریکہ نے اس کا تختہ الٹنے کے لئے جو بھی تدبیر اختیار کی اسے ابتداء میں عراق کے لئے اچھا ہی قرار دیا گیا۔

لیکن بش انتظامیہ نے جلد ہی صدام پر بین الاقوامی قانون یا کسی وسیع اختیار کی حامل عدالت میں مقدمہ چلانے کا خیال ترک کر دیا۔وہ ایسا کیوں نہ کرتی؟ آخر اس نے عراق پر حملہ کرنے اور اس پر قبضہ جمانے کیلئے بھی تو اقوام متحدہ سے منڈیٹ حاصل کرنے کو ایک بے کار مشق سمجھا تھا۔ اس نے صدام کی تقدیر کا فیصلہ کرنے کا اختیار اس نئی عراقی حکومت کے ہاتھ میں دے دیا جس میں شیعوں اور کردوں کو بالادستی حاصل ہے اور یہ دونوں گروہ وہ ہیں جو صدام حکومت کے مظالم کا نشانہ بنتے رہے۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صدام کے خلاف مقدمہ، جسے ایک ظالم حکمران کے خلاف مہذب معاشرے کے مثالی فیصلے پر منتج ہونا چاہیے تھا، اسے عراق کے سنی اور عرب دنیا کے اکثر لوگ ایک جعلی قانونی کارروائی قرار دے کر محض فاتحین کے انتقام کا نام دے رہے ہیں۔

یہ سب کچھ ناگزیر نہیں تھا۔ اکثر عراقیوں کی خواہش تھی کہ صدام کو اقتدار سے ہٹایا جائے۔ امریکی حملے کے چند ماہ بعد مخلوط عبوری اتھارٹی کو 70 فیصد عوام کی حمایت حاصل تھی۔ عراق کے سنی عرب بھی اسی تعداد میں اس کے حق میں تھے۔ ابتدائی مہینوں میں جب امریکی افواج کے خلاف حملے شروع ہوئے تو صرف 14 فیصد عراقی عوام نے ان کی حمایت کی لیکن آج 70 فیصد ان کا ساتھ دے رہے ہیں۔ان دنوں امریکیوں کے خلاف مسلح جدوجہد کا آغاز سنیوں کے گڑھ فلوجہ سے نہیں بلکہ شیعوں کے مقدس شہر نجف سے ہوا تھا۔

شروع کے ان قیامت خیز مہینوں کے دوران امریکہ نے عراقی فوج کو غیر قانونی قرار دے دیا، پچاس ہزار سرکاری ملازمین برخاست کر دیئے اور حکومت کے زیر انتظام چلنے والے وہ ادارے بند کر دیئے جن میں ہزاروں عراقی کام کرتے تھے۔ ان اقدامات کے نتیجے میں عراقی ریاست کا ڈھانچہ درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ سکیورٹی کا ایک گہرا خلا پیدا ہو گیا، انتظامی مشینری بحران کا شکار ہو گئی اور لاکھوں عراقی عوام بے روزگار ہو گئے۔ صدام

کے زمانے میں عراق کے امور مملکت سنی اشرافیہ کے ہاتھ میں تھے۔انہوں نے امریکی قابضین کی ان کارروائیوں کو صرف حکومت کی تبدیلی ہی نہیں بلکہ ایک ایسا انقلاب سمجھا جس میں وہ ایک نیا زیردست طبقہ بنا دیئے گئے تھے۔ان کیلئے نیا عراق ایک نئی ڈکٹیٹر شپ کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔

امریکہ نے اپنے بڑے بڑے کام اس قدر سطحی سوچ کے ساتھ کیوں کئے؟ یہ آج تک بش انتظامیہ کی خارجہ پالیسی کا ایک معمہ ہے جسے ہنوز حل نہیں کیا جاسکا۔البتہ بعض فیصلے تو نظریاتی بنیادوں پر کئے گئے...... امریکیوں نے بعثی نظریات کو فاشزم کا متبادل قرار دیتے ہوئے ہراس سکول ٹیچر پر نازی کارکن ہونے کا لیبل چسپاں کر کے نکال باہر کیا جس نے فقط ملازمت حاصل کرنے کے لئے بعث پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔ سرکاری ملکیت میں چلنے والے اداروں کو بھی اسی نظر سے دیکھا گیا اور نئے عراق کی ضروریات پوری کرنے کیلئے ان پر فلیٹ ٹیکس عائد کر دیا گیا۔ بعض فیصلے اس جلاوطن شیعہ قیادت کے کہنے پر بھی کئے گئے جو نئے عراق پر اپنا مکمل کنٹرول قائم کرنا چاہتی تھی۔بعض اقدامات بش کے سخت گیر حکام نے خود کئے جو ان کی جہالت اور حماقت کا شاہکار تھے۔

بش انتظامیہ نے اپنی پالیسیوں کی فرقہ وارانہ نوعیت کا تو کبھی پوری طرح ادراک ہی نہیں کیا۔لہٰذا وہ ایک قوم کی تعمیر کرنے کے بجائے اسے منتشر کرنے کا باعث بنیں۔اس کا ہمیشہ اصرار رہا کہ وہ ایک قومی فوج اور پولیس فورس تیار کر رہی ہے حالانکہ ان فورسز کی ہیئت سے بالکل عیاں تھا کہ ان پر شیعوں اور کردوں کا غلبہ ہے اور پھر ان میں بھرتی کئے جانے والے افراد کا تعلق ان ملیشیاز سے ہے جو ریاست سے زیادہ اپنی سیاسی پارٹیوں کے زیادہ وفادار ہیں۔جب اس صورت حال پر سیاسی اعتراضات وارد کئے گئے تو ان کا صرف ایک تکنیکی جواب دیا گیا کہ ہم ان کی تربیت کرنا چاہتے ہیں۔اس پورے عمل میں یہ نقطہ نظر انداز کر دیا گیا کہ شیعی غلبے کی حامل فوج جس قدر مضبوط ہوگی سنی آبادی اسی نسبت سے غیر محفوظ ہوتی چلی جائے گی اور وہ جنگجوئیت کی زیادہ حمایت کرے گی۔

اس پوری داستان میں عراقی سنیوں کا کردار بھی قابل رشک نہیں رہا۔ان میں سے اکثر نے اپنے دفاع کے نام پر قتل و غارت کا بازار گرم کئے رکھا۔اس پہلو میں بھی اصل نقطہ ان کی بداعمالیاں نہیں بلکہ ہماری حماقتیں ہیں۔مختصراً ہم نے صرف صدام حسین کا تختہ نہیں الٹا بلکہ صدیوں سے برسر اقتدار سنی اشرافیہ کو اقتدار سے محروم کر دیا اور پھر اس سے زیادہ حیران کن بات یہ تھی کہ اس کا ردعمل نہایت ہی ناقص تھا۔ عراق کی اس صورت حال کا تقابل اگر جنوبی افریقہ سے کیا جائے تو جب نیلسن منڈیلا کی قیادت میں سیاہ فام اکثریت برسر اقتدار آئی تو اس نے کسی ایک سفید فام بیوروکریٹ یا فوجی کو بھی برطرف نہ کیا۔انہوں نے یہ طرز عمل اس لئے نہ اپنایا کہ وہ لوگ سیاہ فاموں کے ساتھ اچھا سلوک روا رکھتے رہے بلکہ انہوں نے صحیح طور پر اس حقیقت کا ادراک کر لیا تھا کہ یہ حکمت عملی اپنا کر ہی سیاہ فام اکثریت کے غیض و غضب کا راستہ روکا جا سکتا ہے۔

اب واشنگٹن کے نوقدامت پسندوں کی طرف سے عراقیوں کو تمام خرابیوں کا ذمہ دار قرار دینا ایک فیشن بن چکا ہے۔مثلاً چارلس کراتھمر کا کہنا ہے کہ ہم نے عراقیوں کو جمہوریت دی لیکن وہ اسے سنبھالنے کی اہلیت کا مظاہرہ نہیں کر رہے۔کچھ دوسرے لوگ ماہرین آثار قدیمہ سے یہ سننے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں کہ عراقی کلچر ہمیشہ سے جمہوریت کیلئے سازگار نہیں رہا۔ان تمام دعووں میں کسی حد تک صداقت کا عنصر بھی ہو سکتا ہے اور یہ تسلیم کرنے میں کسی کو دقت محسوس نہیں کرنی چاہیے کہ عراق ایک سخت جگہ ہے لیکن ان تمام ترجیحات میں بش انتظامیہ کو بھی یکسر بے قصور نہیں ٹھہرایا جا

سکتا۔اس نے کسی گہری سوچ بچار کے بغیر عراق میں فرانسیسی اور ایرانی طرز کا سیاسی و معاشرتی انقلاب بپا کیا اور اس کے بعد اپنی اس حیرت کو نہ چھپا سکا کہ عراق اس تبدیلی کو خوش ہو کر، تیزی سے اور پر امن طور پر ہضم نہیں کر سکا۔درا صل ہم نے عراقیوں کو ایک جمہوری ملک نہیں بلکہ خانہ جنگی کا تحفہ دیا ہے۔

بشکریہ (فرید زکریا)



ملت اسلامیہ کا ایک اور رُخ

تین سو پچاس صفحوں پر مشتمل اس کتاب کے درمیان میں چند صفحات پر تصاویر یوں تو صدام کی زندگی کا احاطہ کرتی ہیں لیکن بیچ کے دو صفحات پر پھانسی کے پھندوں پر جھولتی ہوئی یہودیوں کی لاشیں دکھائی گئی ہیں جنہیں عرب اسرائیل جنگ کے بعد سزائے موت دی گئی تھی۔لاشوں کے چہروں پر کوئی ٹوپی نہیں اور ان کے چہرے بھی صاف نظر آ رہے ہیں بالکل ویسے ہی جیسے صدام حسین کا چہرہ اس وڈیو فلم میں واضح ہے جو اس کی پھانسی کے بعد سرکاری طور پر بھی جاری ہوئی اور موبائل فون سے بھی بنائی گئی۔ یہ کتاب ''صدام ...... دہشت کا بادشاہ'' ایک یہودی مصنف کی ذاتی ملکیت ہے۔اس وقت بھی ایسی تصاویر کھینچنے پر مکمل طور پر پابندی لگائی گئی اور سکیورٹی کے تمام لوازم بروئے کار لائے گئے۔ نہ اس زمانے میں موبائل کیمرے تھے اور نہ ہی خفیہ طور پر چھپا کر لے جانے والے چھوٹے چھوٹے کیمرے موجود تھے۔لیکن اس کے باوجود یہ تصاویر لندن کے علاقے گولڈن برگ کے رہنے والے سنڈے ٹیلیگراف کے ایڈیٹر یہودی صحافی کون کوخلن تک جا پہنچیں اور پھر پوری مغربی دنیا میں یہودیوں پر ظلم و جبر اور عراق کے خلاف نفرت کا پراپیگنڈہ ہونے لگا۔

عراق یا صدام کا جرم امریکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا نہیں ہے بلکہ اس کی تاریخ 1948ء کے اس لمحے سے شروع ہوتی ہے جب اسرائیل کی ناجائز حکومت کا اعلان ہوا تھا تو عراق نے اپنی افواج اس حکومت کے خلاف جنگ کرنے کے لئے بھیجی تھیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عرب دنیا مسلم امہ تقسیم کر کے امریکہ اور مغربی طاقتوں کے بل بوتے پر چھوٹی چھوٹی بادشاہتوں میں تقسیم ہو گئی تھی اور ہر کوئی اپنی مخصوص حکومت کے تحفظ کو اپنے مقدس وطن کے تحفظ کے برابر سمجھتا تھا۔ایسے میں عراق کا یہ جرم کیسے قابل معافی سمجھا جا سکتا تھا اور پھر جرم پہ جرم...... 1967ء میں اسرائیل کی لڑائی تو اردن کے ساتھ تھی لیکن اردن میں عراقی فوجیں اسرائیل سے لڑنے پہنچ گئیں۔اس شکست کے معاملات پر جب تحقیق کی گئی تو عراقی عوام نے بصرہ میں بسنے والے یہودیوں کے گروہ کو پکڑ لیا جن کے پاس خطوط اور ڈائریوں کی صورت میں اسرائیل کو عراقی فوج کے ٹھکانے بتانے تک کے ثبوت موجود تھے۔ کتاب میں دی گئی تصاویر انہی یہودی جاسوسوں کی پھانسی کی ہیں جنہیں صدام کے حکم پر پھانسی دی گئی۔ ایسا جرم تو یہودیوں کے لئے اور پھر یہودیوں کی کٹھ پتلی امریکی حکومت کے لئے کیسے قابل برداشت ہو سکتا تھا۔

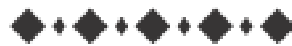
اس کا اگلا جرم ایٹمی قوت کے حصول کے لئے ری ایکٹر بنانا اور اس پر کام شروع کرنا تھا جس پر اسرائیلی طیاروں نے 1981ء میں بمباری کی

تھی اور نیست ونابود کر دیا تھا۔صدام کا ایک اور مستقل جرم جو اسے موت تک گھسیٹ کرلے گیا وہ اسرائیلی اخبارات میں وقفوں کے ساتھ شائع ہونے والے الزامات تھے۔وہ الزام لگاتے تھے کہ جو بھی فلسطینی خودکش حملہ آور اسرائیلی تنصیبات پر حملہ کر کے شہید ہو جاتا ہے،صدام اس کے خاندان کا مکمل خرچہ اٹھاتا ہے،ان کے بچوں کی تعلیم،گھریلو اخراجات یہاں تک کہ ان کی کسی بھی ملک میں آبادکاری اس کے ذمہ ہوتی ہے اور یوں وہ اسرائیل پر خودکش حملہ آور تیار کرنے کی ترغیب بھی دیتا ہے اور مددگار بھی ہے۔

میں اکثر سوچتا ہوں کہ ڈکٹیٹر تو امریکہ کی من پسند قوم ہے۔دنیا میں کسی بھی ڈکٹیٹر نے اپنے عوام کو تہہ تیغ کرنا ہو،ان کی نسل کشی کرنا ہو،اپنے سیاسی مخالفین کو غائب کرنا ہو،بس امریکہ کی آشیرباد حاصل ہونی چاہیے پھر وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔چاہے انڈونیشیا کا سوہارتو ہو جو دس لاکھ لوگوں کو قتل کردے۔ایل سلواڈور کا جنرل کارلوس ہو جس کی ظلم کی داستانیں دل ہلا کر رکھ دیں۔ایران کا شاہ رضا شاہ ہو جس کی ساواک سے کوئی گھر محفوظ وماموں نہ رہا ہو۔ویت نام کا پال پوٹ ہو،چلی کا پنوشے یا فلپائن کا مارکوس یہ سب تو صدام کی طرح اس بدترین اور عبرتناک انجام تک نہ پہنچے۔ان ظالموں اور ڈکٹیٹر کے ساتھی آج بھی امریکی ریاستوں میں آرام کی زندگی گزار رہے ہیں تو پھر صدام کے ظلم بھی تو ایک زمانہ تک امریکی آشیرباد پر ہوتے تھے۔وہ ان سب سے مختلف کیسے ہوگا۔اسے ٹھیک ان یہودیوں کی طرح پھانسی پر لٹکایا گیا اور پھر جیسے ہی اس کی سرکاری ویڈیو منظرعام پر آئی اسرائیلی وزیر کا بیان آیا،صدام کا انجام اسرائیل کی مخالفت کی وجہ سے ہوا۔

یہ انجام تو اپنی جگہ۔یہودیوں کے دشمن کی حیثیت سے موت کا تمغہ شجاعت تو ایک طرف لیکن اس موت کے بعد یہودی ایک اور آغاز کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ایک اور انتقام عراقی قوم سے لینا باقی ہے اور وہ انتقام اسی طرح ممکن ہے جب وہ خود ہی ایک دوسرے کا گلہ کاٹتے ہوئے مارے جائیں۔موبائل فون سے صدام کی پھانسی کی ویڈیو اور اس کی اشاعت ایک آغاز ہے۔حیرت ہے کہ امریکہ اور یہودیوں کے حکم پر دی گئی پھانسی کے دوران میرے پیارے رسولؐ اور ان کی پیاری آل پر درود شریف پڑھا جا رہا تھا۔صدام کا ظلم اور بربریت اپنی جگہ لیکن کاش کوئی اس ویڈیو کے بعد جنم لینے والے اس طوفان کو دیکھ سکتا اور اس کے نتیجے میں امت مسلمہ کے آپس میں گلے کاٹنے کی ہولناکی کا اندازہ کر لیتا۔وہ خوفزدہ اور بزدل لوگ جو صدام کو پھانسی دیتے ہوئے بھی اپنے چہروں پر نقاب پہنے ہوئے تھے۔اپنے اس عمل سے امت میں کتنی بڑی نفرت کا آغاز کر رہے تھے۔صدام امریکہ جیسے یزید کا ساتھی تھا لیکن اب تو وہ حر کی طرح اسے چھوڑ کر مقابل پر آ گیا تھا۔کاش سیدنا حسینؓ کو ماننے والے سیدنا حسینؓ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اسے معاف کر دیتے۔آج شاید یہ ممکن نہ ہو سکے لیکن کل کو مورخ اسے ملت اسلامیہ کا ایک اور حر ضرور لکھے گا جو اکیسویں صدی کے سب سے بڑے یزید کا ساتھ چھوڑ کر موت کے لئے تیار ہو گیا تھا۔

بشکریہ (اوریا مقبول جان)



عراقی تاریخ کا لافانی کردار

عراق کے صدر صدام حسین اپنی موت کو سقراط کی موت کی طرح ایک ناقابل فراموش داستان بنا کر رخصت ہوئے۔ سقراط نے بھی اپنے مؤقف پر کوئی سمجھوتہ کیے بغیر زہر کا پیالہ منہ سے لگا کر حلق سے نیچے اتار لیا تھا اور اس دنیا سے رخصت ہو کر اپنی موت کو رہتی دنیا تک کے لئے ناقابل فراموش بنا ڈالا تھا۔ صدام حسین بھی آخری دم تک اپنے مؤقف کی صداقت پر جمے رہے اور پھانسی کا پھندا اپنے گلے میں پہن کر اپنا بے نقاب چہرہ پوری دنیا کو دکھاتے ہوئے رخصت ہوئے اور عزیمت، استقامت، شجاعت، بے خوفی اور ہمت واستقلال کا نشان بن کر امر ہو گئے اور عراقی تاریخ کا لافانی کردار بن گئے۔

صدام حسین اپنی پوری زندگی میں متنازع رہے اور موت کے بعد بھی ان کی متنازع حیثیت برقرار رہے گی۔ انہوں نے ظالم وجابر حکمران کی شہرت بھی کمائی اور مردِ حُر کی عزت بھی پائی۔ انہوں نے امریکی ایجنٹ کا کردار اختیار کر کے ایک مسلمان ملک کی آزادی کو تاراج کیا، اس کی خود مختاری کو چیلنج کیا اور امریکا ہی کے ہاتھوں سزائے موت پا کر امریکا کے کاسہ لیسوں اور اتحادیوں کے لیے نشان عبرت بن گئے۔ انہوں نے اقتدار کے لیے بعث پارٹی کا سنگھاسن استعمال کر کے اپنے مذہب سے گریز اور کمیونسٹ ہونے کا تاثر بھی پیدا کیا اور بڑی مومنانہ شان کے ساتھ قرآن کریم کو علم کی طرح بلند کر کے اللہ کی کبریائی کا نعرہ لگایا، دم واپسی کلمہ پڑھا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر کے عرب کاز سے وابستگی کے دوٹوک اظہار کے ساتھ سفرِ آخرت پر روانہ ہوئے اور عین عیدالاضحیٰ کے روز اللھم لبیک کہتے ہوئے حضورِ حق میں حاضر ہو گئے۔

ان کا عہدِ حکومت محض اور محض ظلم ہی سے عبارت نہیں تھا بلکہ ان کا عرصۂ اقتدار خدمتِ خلق کے کارہائے نمایاں سے بھی فروزاں رہا۔ ان کی شخصیت ہمیشہ نفرت اور محبت کرنے والوں میں منقسم رہی۔ انہوں نے اپنے بے شمار دشمن بھی پیدا کیے اور بے حساب جانثار بھی چھوڑے۔ ان کی موت پر شادیانے بھی بج رہے ہیں اور صف ہائے ماتم بھی آراستہ نظر آ رہی ہیں۔ ان کے عہد اقتدار کا خطرناک ترین پہلو یہ تھا کہ وہ نو برس تک ایران سے برسرپیکار رہے اور اس طویل جنگ میں مجموعی طور پر دس لاکھ افراد ہلاک ہوئے جن میں تین لاکھ ہلاکتیں عراقیوں کی اور سات لاکھ ہلاکتیں ایرانیوں کی ہوئیں۔ 20 لاکھ افراد زخمی ہوئے۔ 1990ء میں انہوں نے فوج کشی کر کے کویت پر قبضہ کر لیا جواباً اس امریکہ نے جس کی شہ اور مدد سے انہوں نے ایران کے خلاف 9 برس تک جنگ لڑی تھی، عراق پر جوابی حملہ کیا اور اس جنگ میں دونوں طرف وسیع پیمانے پر صرف اور

صرف مسلمانوں ہی کا جانی نقصان ہوا۔ کویت کو امریکی فوج کشی کے ذریعے عراق کے قبضے سے چھڑایا گیا۔

صدام حسین نے اہل عراق کو لڑنے اور خصوصاً خودکش حملوں کی ترغیب اور تربیت کے لیے ایک خصوصی فنڈ قائم کیا تھا جس سے اسرائیل پر خود کش حملہ کرنے والوں کے اہل خانہ کو فوری طور پر 25 ہزار ڈالر کی رقم بطور امداد دی جاتی تھی اسی فنڈ سے فدائیوں کے لواحقین کو مسلسل وظیفہ بھی دیا جاتا تھا۔ عین ممکن ہے کہ ان کا قائم کردہ کوئی وقف ادارہ اب بھی کام کر رہا ہو اور عراق میں آج کل جاری خودکش حملے اس ادارے کے تحت ہو رہے ہوں۔

صدام حسین نے اپنی زندگی میں عراق کی تیل سے ہونے والی آمدنی کو ضائع نہیں ہونے دیا بلکہ رفاہی کاموں میں اس دولت کا بے دریغ استعمال کیا، پورے ملک میں ابتدائی ثانوی تعلیم کو مفت کر دیا۔ اسکولوں اور اسپتالوں کی تعمیر پر بے دریغ روپیہ صرف کیا گیا۔ انہوں نے مختصر ترین عرصے میں تعلیمی انقلاب برپا کر کے پوری قوم کو تعلیم یافتہ بنا دیا۔ اس طرح صدر صدام نے پروگرام کے تحت سینکڑوں مساجد کی تعمیر کا پروگرام پورا کیا۔ انہوں نے اپنے بدن سے خون دے کر اس سے قرآن کریم کا ایک نسخہ تحریر کرایا جو کئی برسوں بعد مکمل ہوا۔ یہ ان کی زندگی کے وہ مخفی پہلو ہیں جنھوں نے انہیں ڈکٹیٹر ہونے کے باوجود اپنے ملک کا مقبول حکمران بنایا۔

اس سے انکار نہیں کہ صدام حسین بڑے مستبد اور سخت حکمران تھے اور ان کے 24 سالہ عرصہ اقتدار میں بہت سی انسانی جانیں تلف بھی ہوئیں مگر صدام حسین کا موقف یہ رہا کہ وہ کسی جانے بوجھے اور محض برائے شغل کسی قتل عام کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ بدامنی اور سرکشی کو روکنے کے عمل میں کچھ قتل وغارت گری ہوئی ہے جسے دانستہ قتل عام سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ان کا یہ موقف تسلیم نہیں کیا گیا اور انہیں 148 شیعوں کے قتل کے الزام کے تحت مقدمہ چلا کر سزا دی گئی۔ عدالتی کارروائی کا اسلوب یہ تھا کہ صدر صدام حسین کے امریکی وکیل رمزے کلارک کے بقول وکیلوں کو صدام حسین سے ملنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی اور ملاقات کی اجازت دی بھی جاتی تو بھی پرائیویسی نہیں دی جاتی تھی۔ سزا کے فیصلے کے خلاف اپیلوں کی اجازت بھی نہ دی گئی۔

صدام حسین نے انسانیت کے خلاف جو جرائم کیے ان پر تو مقدمہ چلایا گیا لیکن 24 سال میں صدام حسین نے جتنے جنگی جرائم کیے ان سے کئی سو گنا زیادہ سنگین جرائم محض تین سو تین سال کے عرصے میں عراق میں امریکی فوج کر چکی ہے۔ کیا اسی نوعیت کا مقدمہ امریکی صدر پر نہیں چلایا جانا چاہیے؟ امریکی جیلوں سے جو ہزاروں لوگ غائب کر کے لاپتہ کر دیئے گئے وہ کہاں گئے؟ انہیں خاموشی سے قبروں میں اتار دیا گیا۔ کیا عراق میں ہلاک کر دیئے جانے والے عراقیوں کی تعداد لاکھوں تک نہیں پہنچ چکی؟ اتنے ہولناک قتل عام کا ذمہ دار کون ہے؟ کیا اس قتل عام کے ذمہ دار کا تعین نہیں ہونا چاہیے؟ کیا اتنا ہولناک قتل عام انسانیت کے خلاف جرائم کے زمرے میں نہیں آتا؟ صدام حسین کے جرائم سے کہیں زیادہ ہولناک جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کے جرائم سے اغماض برت کر محض صدام حسین کو سزا دینے سے انصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں گے؟ حالات کے اس پس منظر کے ساتھ پوری دنیا میں صدام حسین کی موت امریکا اور خصوصاً امریکی صدر بش کے لیے مشکلات کے دروازے کھول دے گی۔

بشکریہ (پروفیسر متین الرحمٰن مرتضیٰ)

صدام: مین آف دا سیکنڈ میلینیم

اکتوبر 2001ء اور مارچ 2003ء میں ''بین الاقوامی دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کی آڑ میں عالمی دہشت گرد امریکا نے دو مسلم ممالک کو دہشت گردوں کا مامن و مسکن قرار دے کر غیر قانونی اور غیر اخلاقی جنگ کے دوزخ کا ایندھن بنا دیا۔ افغانستان اور عراق کو بتدریج کنگ سائز ہیروشیما اور ناگا ساکی بنانے کی ریہرسل جاری ہے۔ ان دونوں ممالک کو عالمی دہشت گرد امریکا نے بدترین قسم کی اندھا دھند میزائل باری اور موسلا دھار بمباری کا نشانہ بنایا۔ جدید جنگی اصطلاح میں اس قسم کی میزائل باری اور بمباری کو کارپٹ بمبنگ اور کارپٹ میزائلنگ کہا جاتا ہے۔

ان جنگوں پر اب تک امریکا کھربوں ڈالر کا خطیر سرمایہ صرف کر چکا ہے۔ امریکی اقتصادی ماہرین کا کہنا ہے کہ ''عراق جنگ کے امریکی معیشت پر دور س اثرات مرتب ہونگے۔ حالیہ عراق جنگ پر امریکا کے اخراجات 1991ء کی خلیجی جنگ کے مقابلے میں دو سے اڑھائی گنا ہیں۔ اب تک اس جنگ پر 250 ارب ڈالر سے زائد کا خطیر سرمایہ ضائع کیا جاچکا ہے۔ امریکیوں کا تخمینہ تھا کہ یہ جنگ دسمبر 2005ء تک ختم ہو جائے گی اور عراق کے طول و عرض پر امریکہ کا اکاون ستاروں والا پرچم لہرا رہا ہوگا۔ دسمبر 2005ء سے 29 دسمبر 2006ء تک عراق میں تحریک مزاحمت کئی گنا بڑھ گئی اور عراق میں موجود ایک لاکھ چالیس ہزار امریکی فوجی بھی ایڑی چوٹی کا زور لگانے اور وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے اندھا دھند استعمال کے باوجود صدام حسین کے حامیوں کی جانب سے جاری اس تحریک مزاحمت کے بڑھتے ہوئے قدموں کو ایک سینٹی میٹر پیچھے دھکیلنے میں بھی ناکام رہے۔ دسمبر 2006ء کا مہینہ عراق کے لئے سب سے زیادہ خونی مہینہ ثابت ہوا۔ اس تحریک کو دبانے کے لئے امریکی نازیوں نے سفاکیت کی ہر سرحد پھلانگ دی۔ بارہ ہزار نہتے اور معصوم شہریوں کو گزشتہ 4 ماہ میں صدام حسین کے حق میں آواز بلند کرنے کے جرم میں فنا کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ دسمبر 2004ء میں جب امریکیوں نے تکریت سے صدام کو گرفتار کیا تب سے امریکیوں کے لئے پورا عراق ڈینجر زون بن چکا ہے۔ عراق کے گلی کوچوں میں صدام حسین کی عظیم شہادت کے بعد حریت پسند' آزادی پسند اور مزاحمت پسند عراقیوں نے اس عزم کا حلف اٹھایا ہے کہ آنے والے سال میں پورا عراق امریکیوں کے لئے ڈیتھ زون کا روپ دھار جائے گا۔

وائٹ ہاؤس کے ایک سابق اقتصادی مشیر لارنس لینزے نے عراقی جنگ کے اخراجات کا سالانہ تخمینہ 100 سے 200 ارب ڈالر کے درمیان لگایا تھا۔ تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ عراق اور افغانستان میں امریکا ماہانہ پانچ ارب ڈالر کے جنگی اخراجات کر رہا ہے۔ امریکی عوام ''جنگی جنونی'' بش اور اس کے ''صلیبی انتہا پسند'' ساتھیوں سے یہ سوال کر رہے ہیں کہ 5 ارب ڈالر کے ماہانہ جنگی اخراجات کے عوض ہمیں کیا ملا؟

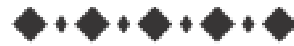
وہ جانتے ہیں کہ دسمبر 2005ء تک امریکا کی مختلف ریاستوں کے ہوائی اڈوں پر 4 ہزار 8 سو 3 امریکی فوجیوں کے تابوت "لینڈ" کر چکے تھے۔ تابوتوں کی یہ قطار ختم نہیں ہوئی۔ ہر روز اوسطاً ایک درجن سے زائد امریکی فوجیوں کی سانس کی ڈوری تحریک مزاحمت کی آری سے کٹ رہی ہے۔ عراق کے محاذ پر نہتے عوام سے سرگرم جنگ بیسیوں امریکی ہر روز کشادہ و روشن زمین پر سے تنگ و تاریک تابوتوں میں منتقل ہو رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ پینٹا گون عراق میں زندگی سے ہاتھ دھونے والے بدقسمت امریکی فوجیوں کی تعداد صرف 3 ہزار بتا رہا ہے۔ غیر جانبدار امریکی بھی پینٹا گون کے پیش کردہ ان اعداد و شمار کو مضحکہ خیز اور ناقابل تسلیم قرار دے رہے ہیں۔ امریکیوں کو خدشہ ہے کہ سال رواں میں امریکہ کی مختلف ریاستوں کے ہوائی اڈوں پر لینڈ کرنے والے زندگی سے محروم فوجیوں کے تابوتوں کی تعداد 10 گنا بڑھ جائے گی۔ صدام حسین شہید کے جسم کے ہر بال اور مسام کے عوض غیر ملکی افواج اور امریکہ نواز عراقی حکام اور افواج کے اہلکاروں کی لاشیں عراق کے گلی کوچوں میں دیوانے کے منتشر خواب کی طرح بکھری پڑی ہوں گی۔ 6×8 کے ڈیتھ سل میں پڑا صدام حسین امریکی فوجیوں، امریکہ پرست عراقیوں اور وائٹ ہاؤس کے حکام کے لئے اتنا خطرناک نہیں تھا جتنا کہ عوجہ کی ایک قبر میں آرام فرما شہید صدام اُن کے لئے خطرناک ثابت ہوگا۔ پانچ دن گزر چکنے کے باوجود ہر روز ہزاروں عراقی کرفیو کی پابندیوں کی دھجیاں اڑاتے ہوئے صدام کی تصویریں ہاتھ میں تھامے اُس کی تربت حیات خیز کی زیارت کے لئے سیل بے پناہ کی طرح بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ وہ اُداس ہیں کہ انہیں اپنا قائد دکھائی نہیں دے رہا لیکن وہ خوش ہیں کہ ان کے قائد نے حسینیت کی شاہراہ پر چلتے ہوئے جس بے خوفی اور بے باکی کے ساتھ تختہ دار پر موت سے معانقہ کیا، پانچ ہزار سالہ انسانی تاریخ میں اس بے خوفی اور بے باکی کی شاید پچاس مثالیں بھی نہ مل سکیں۔ تختہ دار پر سینہ تانے، سر اُٹھائے اور گردن اکڑائے کھلی آنکھوں سے موت کا مشاہدہ کرنے والے صدام نے ایک ارب پینتیس کروڑ مسلمانوں کی لاج رکھ لی۔ خدانخواستہ صدام حوصلہ ہار دیتا، حواس کھو دیتا، اوسان زائل کر دیتا اور اپنے قدموں پر انتہائی وقار افتخار کے ساتھ چلتے ہوئے پھانسی کے تختے کی طرف جانے کی بجائے ذوالفقار علی بھٹو کی طرح اسٹریچر پر لد کر جاتا تو 30 دسمبر 2006ء کے دن اکیلا صدام بزدلی کی موت نہ مرتا بلکہ ایک ارب پینتیس کروڑ مسلمان زندہ درگور ہو جاتے۔

فی الحال صرف اس امر کا جائزہ لینا ہے کہ کیا صدام کی شہادت کے بعد عراق میں تحریک مزاحمت دم توڑ جائے گی یا اُس کی زندہ قبر جو زیارت گاہ اہل عزم و ہمت بن چکی ہے، اُس کا ایک ایک ذرہ کھرب گنا طاقتور صدام بن کر عراق کے حقیقی حریت پسندوں کی اس تحریک مزاحمت کو نئی آب و تاب اور جوش و جنوں عطا کرے گا۔ ایک صدام ہے جو زیر زمیں چلا گیا لیکن جام شہادت نوش کرنے کے بعد بزبان حال یہ پیغام دے گیا "فزت برب الکعبۃ" رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا اور عراق کے عوام کی امریکہ مخالف تحریک مزاحمت بھی کامیاب ہوگی۔ صدام مین آف دا ٹوئنٹی فسٹ سنچری ہے، سچ تو یہ ہے کہ وہ مین آف دا سیکنڈ میلینیم ہے۔ اس صدی میں آزادی، حق، حریت، سچائی، بے باکی، استعمار دشمنی اور سامراج مخالفت کو آگے بڑھانے کا جذبہ جب بھی ماند پڑے گا، عالم اسلام کے شہری صدام کی پھانسی کے موقع پر تیار کی گئی اُس کی ویڈیو درس حریت و بے باکی لینے کے لئے اپنے بچوں کو دکھائیں گے۔ 30 دسمبر 2006ء کے بعد عالم اسلام کے ہر مومن و مسلم کے گھر میں پیدا ہونے والے بچے کا نام بظاہر کچھ ہو، بباطن وہ صدام ہوگا۔ صدام حریت کا ایک لازوال استعارہ بن چکا ہے۔

دنیا جان چکی ہے کہ افغان جنگ ہو یا عراق جنگ۔۔۔ دونوں جنگیں درحقیقت امریکن آئل ٹائیکونز کی جنگیں ہیں۔ آئل لارڈز کی اس جنگِ زرگری میں امریکی فوجی تاریک راستوں میں مارا جارہا ہے۔ صاف نظر آرہا ہے کہ اس جنگ کا انجام کیا ہوگا۔ بس یہی کہ چند امریکی تیلی خاندانوں کی دولت میں عبوری دور کے لئے بے پناہ اضافہ ہوگا اور آخرکار امریکی عظمت وہیبت کا ٹون ٹاور (Twin Tower) دشتِ عراق میں رزقِ ہوا بن جائے گا۔ کوئی مانے یا نہ مانے امریکن آئل لارڈز تیسری جنگ عظیم کا آغاز کر چکے ہیں۔ اب تو بش نے بھی عراق جنگ کو دوسری جنگ عظیم کی طرح کی جنگ قرار دیا ہے۔ دوسری جنگ عظیم نے دنیا کی سپر پاور جرمنی کا کباڑا کر کے رکھ دیا تھا تو اب صدام حسین کی جوانمردانہ شہادت کے بعد اس امر کے سو فیصد امکانات پیدا ہو چکے ہیں کہ آنے والے چند برسوں میں عراق افغان جنگ امریکی استعمار کا قلع قمع کرنے کا یقینی موجب بنے گی۔

کون نہیں جانتا کہ ہنستے بستے، مسکراتے جگمگاتے، جیتے جاگتے رنگوں، روشنیوں، خوشبوں، گیتوں، قہقہوں اور چہچہوں سے معمور عراقی شہروں پر یورینیم، کلسٹر، بنکر بسٹر، ڈیزی کٹر، بیالوجیکل، کیمیکل، بیکٹیریل موبز اور سیمی نیوکلیئر بموں کی بارش، فضائی ٹیکنالوجیکل بالادستی رکھنے والی کن قوتوں نے کی؟ کیا جمہوریت کا پودا کروز میزائلوں اور نیم جوہری بموں کی بارش میں نمو پاتا ہے؟ 46 ماہ گزر چکنے کے باوجود عراق کی شہری آبادیوں پر تہذیب کا علم بردار امریکہ آج بھی اس قسم کے فضائی حملے کر رہا ہے، جو جنگی قوانین کے تحت نہ صرف یہ کہ سنگین جرم ہیں بلکہ بدترین دہشت گردی بھی ہیں۔ 21 ویں صدی کا آغاز ہوتے ہی عالمی طاقت نے ''سٹون ایج'' اور ''جنگل ایج'' کے احیاء کا نیو ورلڈ آرڈر تیار کیا تھا۔ نیو ورلڈ آرڈر درحقیقت جیوز ورلڈ آرڈر ہے۔ اس کے تحت مشرقِ وسطیٰ میں وائٹ ہاؤس اسرائیل کو منی امریکا اور امریکا کو گریٹر اسرائیل بنانا چاہتا ہے۔ صدام کی شہادت کے بعد اب تحریک مزاحمت کے علم بردار مشرق وسطیٰ کے لئے تیار کردہ امریکی روڈ میپ کا تیا پانچا کر کے رکھ دیں گے۔ اب ہر عراقی اُٹھے گا اور تختہ دار پر مسکراتے صدام کے چہرے کو اپنا رہبر و رہنما بنا کر اپنے وجود کو عراق پر قابض امریکیوں کیلئے فنا کا ناقابلِ تسخیر ہتھیار بنا دے گا۔

بشکریہ (حافظ شفیق الرحمٰن)



ہیرو کی موت

امریکیوں نے پھانسی کے تختے پر بھی صدام حسین کو ہیرو کے درجے پر فائز کیا۔ تمام جزئیات کی منصوبہ بندی انتہائی عیاری' احتیاط اور سفاکی سے کی گئی تھی۔ عید کا روز' تعطیل کا دن' پھانسی گھاٹ پر مخالف ہجوم جو اس کو گالیوں سے نواز رہا تھا اور جواب میں صدام ان کو بے نقط سنا رہا تھا۔ ہاتھوں میں قرآن مجید' ہونٹوں پر نعرہ تکبیر' منہ پر سیاہ غلاف چڑھانے سے انکار' کھلی آنکھوں سے دنیا کو خدا حافظ کہتا ہوا' صدام پھانسی کے تختے پر جھول گیا۔ شاعروں نے اسی منظر کے لئے کہا تھا۔ ''جس دھج سے کوئی مقتل کو گیا' وہ شان سلامت رہتی ہے''۔ دوسرے شاہنامے میں کسی نے اس کو یوں بیان کیا تھا۔ ''دنیا میں ٹھکانے دو ہی تو ہیں آزاد منش انسانوں کے' یا تختہ جگہ آزادی کی یا تخت مقام آزادی کا''۔ پھانسی گھاٹ میں عام طور پر چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی تاہم صدام حسین کی پھانسی کا تماشہ دیکھنے کے لئے ایک فلمی ہجوم موجود تھا جس میں سے کم از کم دو افراد نے اپنے موبائل فون کے کیمروں سے اس منظر کو پوری دنیا کے لئے محفوظ کر لیا اور چند گھنٹوں کے اندر ایک فلم اور پھر دوسری فلم انٹرنیٹ پر جاری کر دی گئی۔ دنیا کا ہر ٹی وی چینل اس فلم کو انٹرنیٹ سے ڈاؤن لوڈ کر کے بار بار دکھا رہا تھا۔ یہ ''مسلم دنیا کے لیے صدر بش کی طرف سے عید الاضحیٰ کا تحفہ'' تھا۔

ایک ذبح عظیم کا منظر یہ تھا جس میں ایک باپ نے لخت جگر کے گلے پر چھری پھیرتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کون ہے جو ایسے منظر کی تاب لا سکے۔ لیکن صدام حسین کی پھانسی کا منظر ہر ایک کو دکھانا ضروری تھا۔ کیونکہ اس کے بغیر اس کو ہیرو کا درجہ نہیں دیا جا سکتا تھا۔ صدام کو یونہی موت کے گھاٹ اتارنا ہوتا تو 1991ء سے لیکر 2003ء تک سی آئی اے کے لیے اپنے کسی ایجنٹ کے ذریعے اس کو گولی مروانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ زیادہ تردد کی ضرورت ہوتی تو عراق میں متعین امریکی سفیر کو بھی صدام حسین کے ساتھ کسی ہوائی حادثے میں ہلاک کیا جا سکتا تھا۔ اس ڈرامے کی ریہرسل ضیاالحق کی موت کی صورت میں کی جا چکی تھی۔ صدام حسین کو 1991ء میں پہلی خلیجی جنگ میں (جسے صدام نے ام الحرب قرار دیا تھا۔) کسی گولے' کسی میزائل کسی راکٹ سے نشانہ بنایا جا سکتا تھا۔ عراق پر امریکہ نے دو حملے کیے جن میں لاکھوں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا لیکن امریکہ نے پوری کوشش کی کہ ان جنگوں میں صدام حسین کا بال تک بیکا نہ ہو۔ کسی بھی ڈرامے میں ولن تو دم توڑ سکتا ہے لیکن ہیرو آخر دم تک تماش بینوں کے جذبات سے کھیلنے کے لئے آزاد ہوتا ہے۔ اتحادی افواج نے عراق کے ہر شہر کو سرمہ بنا کر رکھ دیا۔ عمارتوں کو بھسم کر کے راکھ کر دیا۔ جسموں کے پرخچے اڑ گئے لیکن ڈرامے کے سکرپٹ کے مطابق صدام حسین کے صرف بت کو گرایا گیا جبکہ صدام حسین کو مارنے یا پکڑنے کی کوشش

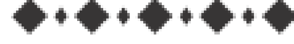
نہ کی گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے امریکہ کو صرف عراق پر استعماری قبضہ ہی مقصود تھا' اسے صدام حسین یا اس کے گناہوں سے کوئی غرض نہ تھی۔ صدام حسین کو تکریت کی طرف فرار ہونے' ایک سرنگ کھودنے اور پھر بہروپ بدلنے کے لیے داڑھی بڑھانے کی اجازت دی گئی۔ چند ماہ بعد اسے سرنگ سے یوں نکالا جاتا ہے کہ صدام حسین کو قید کرتے ہوئے بھی فلم بنائی گئی۔ ایک ڈاکٹر کے سامنے اس نے معصوم بچے کی طرح منہ کھول رکھا تھا۔

قید کے منظر نے صدام حسین کے ہیرو کے درجے کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے امریکہ اس کی تذلیل کر رہا ہو۔ ہوسکتا ہے امریکیوں سے کوئی غلطی ہوگئی ہو۔ بعض اوقات سیریل طول پکڑ جائے یا درمیان میں پروڈیوسر کے بدل جانے سے بھی ڈرامہ پھیکا ہو جاتا ہے۔ امریکیوں نے بہر حال صدام حسین کے امیج کو بحال کرنے کے لئے عدالت کا سیٹ لگایا۔ صدام حسین اس کے وکلاء اور ججوں نے اداکاری کے جوہر دکھائے۔ دنیا کی ہمدردی ایک بار پھر صدام حسین کے ساتھ ہوگئی اور عالمی رائے عامہ امریکہ کی کنگرو کورٹ کو برا بھلا کہہ رہی تھی جو ہر قیمت پر صدام حسین کو سزا دینے پر تلی نظر آتی تھی۔

صدام حسین ہیرو کب نہیں تھا۔ ایران پر کئی برس جنگ مسلط کرنے والا بھی ہیرو تھا' جس روز اس نے کویت پر جارحانہ یلغار کی اور اپنے اس مسلم ہمسایہ کو تاراج کر دیا تھا تو صدام اس روز بھی مسلم دنیا کا ہیرو تھا۔ اس لیے کہ امریکہ نے صدام حسین کی جارحیت کی مذمت کی تھی۔ عالم اسلام ہر اس شخص کے ساتھ کھڑا ہوتا جس کے خلاف امریکہ آواز بلند کر رہا ہو۔ پاکستان' بھارت' بنگلا دیش' انڈونیشیا میں کروڑوں لوگ سڑکوں پر تھے اور ان کے ہاتھ میں صدام حسین کی تصویریں تھیں۔ ہم پاکستانی خاص طور پر بھول گئے تھے کہ اگر ہمسایہ ملک پر جارحیت کے ذریعے قبضہ جائز ہو جائے تو پھر ہم کشمیر پر بھارتی جارحانہ قبضے کی مذمت کیسے کر سکتے تھے۔ لیکن ہم نے دوغلی پالیسی اختیار کی اور آفرین ہے اس وقت کے آرمی چیف اسلم بیگ پر' جنہوں نے یہ بیان دیا کہ عراق میں ایک نئے کربلا کی تاریخ رقم کی جا رہی ہے۔ میں ذاتی طور پر گواہ ہوں کہ جس روز امریکہ نے کویت کو آزاد کرانے کے لئے جوابی یلغار کی تو جنرل اسلم بیگ اس صبح سویرے گوجرانوالہ کینٹ میں تھے اور وہ پاکستان کے نصف درجن کے قریب ایڈیٹروں کو ضرب مومن دوم پر بریفنگ دے رہے تھے۔ بریفنگ سے پہلے گفتگو کے دوران جنرل اسلم بیگ نے صدام حسین کو بے وقوف تک قرار دیا لیکن پنڈی واپس پہنچ کر انہوں نے اپنے اس موقف میں ایک سو اسی ڈگری کی تبدیلی کر لی تھی۔ چند روز بعد لاہور کی مال روڈ لوگوں کے ہجوم اور صدام حسین کی تصویروں سے اٹ گئی تو میں اس روز بھی صدام حسین کے موقف کیخلاف ڈٹا ہوا تھا۔ آج امریکہ سے لیکر آسٹریلیا تک صدام کے بھوت کو ہیرو کا درجہ دیا جا رہا ہے تو میں ایک بار پھر بلند آواز میں کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ صدام نے عمر بھر عالم اسلام کو امریکی شکنجے میں دینے کے لئے ہی کردار ادا کیا ہے۔ میرا یہ بھی اصرار ہے جو لوگ اسامہ بن لادن اور ایمن الظواہری کے پرچم تلے جہاد میں مصروف ہیں، ان کے جذب صادق پر مجھے کوئی شک نہیں ہے لیکن مجھے ان رہنماؤں کی نیت پر شک ضرور ہے جنھوں نے اب تک مسلم دنیا کو ہی امریکہ کی غلامی میں دھکیلنے کی کوشش کی ہے ۔ امریکہ کو جب کبھی آڈیو یا ویڈیو ٹیپ کی ضرورت پڑتی ہے تو دونوں لیڈر انتہائی برخوداری سے اس کی فرمائش کی تعمیل کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ صدر بش کی مقبولیت میں کمی واقع ہو جائے یا اس کی دوبارہ جیت کے امکانات محدود ہو جائیں تو اسامہ اور الظواہری ان کی مدد کرنا فرض اولین تصور کرتے ہیں۔

صدام حسین مرنے کو مر گیا لیکن مرتے ہوئے بھی اس نے ہیرو کا کردار ادا کیا اور یوں امریکہ مسلم دنیا کو بے وقوف بنانے میں کامیاب ٹھہرا۔ صدام کی ''شہادت'' کا بدلہ لینے والے لڑتے مرتے رہیں گے۔ سنی دنیا کو ایک مزار کی ضرورت تھی، امریکہ نے یہ ضرورت پوری کر دی۔ اب عراق ہی نہیں پوری مسلم دنیا کی تقسیم یقینی ہو گئی ہے۔ ''وطن کی فکر کر، ناداں قیامت آنے والی ہے۔ تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں''۔ آسمانوں کی جگہ واشنگٹن اور لندن پڑھا جائے تو مطلب سمجھنے میں آسانی ہو گی۔

بشکریہ (اسداللہ غالب)



بڑی عید، بڑا تحفہ: یہودی سازش

یہودی سازش عالمی سطح پر ایک بار پھر کامیاب ہوگئی۔ مسلمانوں کے لئے اس بار بڑی عید کے موقع پر بڑے ''تحفے'' کا اہتمام کیا گیا۔صدام حسین کی پھانسی، بڑی بھینٹ! بڑی خبر! مخالفوں اور مداحوں دونوں کے لئے! مخالفین خوش ہوں اور مداح سراپا غم بن جائیں۔عراقی معاشرے کو لپیٹ میں لینے والی نفرت کی آگ مزید بڑھ جائے! سنی اور شیعہ آپس میں لڑ لڑ کر نیست و نابود ہوجائیں، خانہ جنگی کے ذریعے یہ خطہ ملیامیٹ ہو جائے! شاید امریکہ نے کوچ کا فوری ارادہ کرلیا ہے، تبھی تو الاؤ کو تیز کرنے کے لئے تیل کا چشمہ جھونک دیا ہے۔ جنات کوچ سے پہلے نشانی دیتے ہیں!

یوں لگتا ہے امریکہ پوری طرح یہودی سازش کا لقمہ بن چکا ہے۔عیسائی دنیا کو اسلام دشمنی کے بخار میں مبتلا کرنے کے لئے یہودیوں نے گزشتہ صدی کے دوران کیا کیا پاپڑ نہیں بیلے۔اس میں سب سے بڑا جتن تو ہالوکاسٹ ہوا۔اس کے نتیجے میں یہودی ریاست کا مشرق وسطی ڈرامائی قیام ہے۔ بظاہر یہودی استعمار عیسائی دنیا کا ہمدرد و ہمنوا ہے، لیکن درحقیقت یہ عالمی سامراج کا گائیڈ اور سپر پاور کا متبادل تھنک ٹھینک ہے۔امریکہ اور یورپ اسرائیل کے تیار شدہ پالیسی خاکوں میں رنگ بھرتے ہیں۔ یہ استعمار بڑے عالمی نشریاتی اور مالیاتی اداروں کا کھلا مالک اور امریکہ کے کلیدی اور نظریاتی سرچشموں کا غیر محسوس شریک کنٹرولر ہے۔ یہودیوں کی ظاہر اور خفیہ تنظیمیں ساری دنیا میں حکومتوں کے متوازی نظام قائم کئے ہوئے ہیں۔ بڑے کاروباری اداروں کے مالکان، سرمایہ دار، فوجی اور سول بیوروکریسی کے چاند تارے، بڑے بڑے سیاسی رہنما اور سرکردہ مذہبی سکالر اور دانشوران کی پے لسٹ پر ہیں۔

عیسائی لابی کو اپنی جیب میں ڈال لینے کے بعد یہودی استعمار کا ٹارگٹ مسلمان ہیں، اسلام ہمیشہ یہودیت کے لئے لوہے کا چنا ثابت ہوا ہے۔ بطور مذہب یہودیت کی سرایت پذیری اور تبلیغ، اسلام اور عیسائیت کے مقابلے میں صفر ہے، کیونکہ ہندومت کی طرح یہودیت میں بھی مساوات کا فقدان ہے اور ذات پات کی اونچ نیچ کے ذریعے معاشرتی ناانصافی اس کی سرشت میں موجود ہے۔ یہودیت میں یہ نہیں کہ ادھر کلمہ پڑھا اور ادھر برابر حقوق کے مسلمان بن گئے۔ یہودیت میں داخلہ تو برہمن بننے سے بھی کٹھن ہے۔ یہودی بننے کے لئے تین پشتوں کے امتحان سے گزرنا پڑتا ہے۔ دنیا کی غالب آبادی یعنی عیسائیوں کو پیچھے لگا لینے کے بعد معاملہ مسلمانوں سے آپڑا ہے۔ یہ چنا نہ گلتا ہے، نہ سڑتا ہے، نہ چلن چھوڑتا ہے، نہ

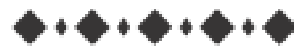
غلامی قبول کرتا ہے۔ مسلمانوں کو مرکزی سوچ سے دور کرنے، کسی بڑے رہنما کے گرد جمع ہونے یا یکجہتی سے محروم کرنے، منتشر ہو کے بے قوت بنے رہنے اور مسلسل عذاب میں مبتلا رکھنے کے لئے وقفے وقفے سے ایسے جھٹکے، تکلیفیں اور غم دیئے جاتے ہیں، جن کے سبب اسلامی معاشرے نیم جاں ہو کر تڑپتے ہیں، جن کا دورانیہ برسوں اور دہائیوں پر محیط ہوتا ہے۔ انہوں کے ذریعے اپنے مروائے اور جو کام دراز قامت بھی نہ کر سکیں، وہ کام بھی بونوں سے کروائے جاتے ہیں۔ تاکہ الزام بھی نہ آئے اور نفرت، عصبیت اور دشمنی بھی خوب رنگ جمائے۔ یہ غم اور گھاؤ بعض اوقات اتنے گہرے ہوتے ہیں کہ پوری کی پوری قوم ان کی زد میں آ کر انتشار اور ہلاکت کی نذر ہو جاتی ہے۔

صدام حسین عراق کا ہیرو تھا۔ استعمار نے پہلے اسے متنازعہ بنایا، پھر اسے غلطیاں کرنے پر اکسایا، یہودیوں نے امریکہ کا ہاتھ استعمال کیا، کویت پر چڑھ دوڑنے کی ترغیب دی۔ جب کویت غارت ہو چکا تو پھر صدام سے کہا الٹی کرو۔ اس نے قے بھی کر دی لیکن تیل کے زخموں پر اکڑ گیا۔ ہماری بلی ہمیں سے میاؤں! اب اس اکڑ کو ختم کرنے کے لئے یہودی تیل کمپنیوں کے ایماء پر WMD کا جھوٹا ڈرامہ رچایا گیا۔ یہودیوں کی سازش بش کو بھی نگل گئی۔ کنزرویٹو سیاست بھی ڈوبی اور صدام کی قسمت بھی! عدالت بھی اپنی جلاد بھی اپنے دوش ہو تو کس پر اسے کہتے ہیں یہودی سازش!

غم یہ نہیں کہ صدام شہید ہوا ''کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا'' غم تو یہ ہے کہ عراقی قوم ٹوٹ گئی، عراق ٹوٹ گیا۔ آدھی سے زیادہ عراقی قوم خون کے آنسو رو رہی ہے باقیوں پر غلامی کا آسیب گہرا ہو گیا ہے۔ جب کسی قوم کا اتحاد ٹوٹ جائے تو پھر وہ ریت کا ٹیلہ بن جاتی ہے جسے اڑا لے جانے کے لئے ہوا کے جھونکے ہی کافی ہوتے ہیں۔

صدام حسین کی شہادت نے بھٹو شہید کی یاد تازہ کر دی ہے جسے ہنری کسنجر (یہودی) نے نوید شہادت دیتے ہوئے کہا تھا ''ہم تمہارا حلیہ بگاڑ دیں گے'' جسے استعمار نے اپنی سازش کی بھینٹ چڑھانے کے لئے پہلے متنازعہ بنایا اور پھر اپنوں ہی کے ذریعے تختہ دار پر چڑھا دیا۔ صدام شہید نے موت سے پہلے عراقیوں سے اتحاد کی جو اپیل کی ہے۔ یہ نہ صرف مارنے والے ہاتھوں کی نشاندہی کرتی ہے بلکہ مرنے والے کو بہت بڑا انسان ثابت کرتی ہے۔ خالق و مالک دنیائے اسلام کو یہودیوں کی سازشوں سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق دے اور شہید صدام کو جنت میں داخل فرمائے، آمین۔

بشکریہ (محمود فریدی)



نئے سال کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے

کہتے ہیں اور سنا ہے

ایک اور نیا سال چڑھا ہے

لیکن کہاں ہے؟

نئے میں، نیا تو کچھ بھی نہیں

وہی سب پرانا یا پرانے جیسا لگتا ہے

نظر کا دھوکا فریب خیال

وقت جیسے تھم گیا ہو

وہیں کا وہیں جم گیا ہو

وقت چلتا نہیں یہاں لیکن

یہ صرف ہمارے لئے۔

اب کے برس بھی تم دیکھ لینا

وہی ہوگا جو گزرے برسوں میں ہوتا رہا

تم چاہو تو آزماؤ، شرط لگا لو

خوش فہمی کا ناپ تول بھی کر لو

نئے پرانے کو ساتھ بٹھا کر

سامنے آئینہ رکھ دو

اب دیکھو............

وہی سب کچھ ایک جیسا اور
کتنا بے رنگ بھی
کچھ نہیں بدلتا یہاں بس
ایک ہندسہ جگہ سے سرک جاتا ہے
جیسے اب کے برس ہوگا
چھ نہیں سال کی تاریخ کا آخری ہندسہ اب سات ہوگا
یہ ہندسہ بھی تکرار کرتے کرتے
مٹ جائے گا آخر
اور سات کی جگہ آٹھ کو مل جائے گی
مگر آخری مہینہ وہی دسمبر رہے گا
آخری تاریخ وہی 31 دسمبر ہوگی
تب رات کے بارہ بجے
کچھ نیا دیکھنے کے لئے باہر دیکھنا تم
وہی اندھیرا وہی اندھیرے کا ڈر ہوگا
نیا کچھ نہ ہوگا، مگر نیا کیلنڈر
اور سال پھر بدل جائے گا۔
یہی سچ ہے مگر یہ
ایک کڑوا سچ ہے
اب تم جتنا بھی میٹھا ڈالو
جس قدر چاہو گاؤ، ناچو
نیا لباس پہنو کیک بھی کاٹو مگر
آدھی رات کے ٹھنڈے اندھیرے میں
جو تاریخ بدلے گی وہ
پرانی تاریخ کا حصہ ہوگی

ہماری پرانی تاریخ بھی کیا ہے

ورق الٹ کے دیکھو تو

وہی سب کچھ وہی سب کچھ

بھوک غریبی تنگی اور اداسی

زندگی کس قدر باسی باسی!

اب ذرا آگے دیکھو

پرانی اور پرانی غلامی کی زنجیر تنی ہے دیکھو

صدی کے پیچھے صدی کھڑی ہے

زندگی کے پیچھے موت کھڑی ہے

جبر و صبر کی فصل تو دیکھو

دیکھ سکو تو فصل کے پار بھی دیکھو

سورج وہی پرانا ہے

اور اسی طرح...... دھرتی کا ہاتھ خالی ہے

اصول کی بات تو یہ ہے اور خواہش بھی یہی کہ نیا سال آئے تو کچھ نیا اپنے ساتھ لائے۔ کوئی نیا سویرا، کوئی دور نیا نکور، کوئی مسکراہٹ اجلی اجلی۔ کوئی چہرا ہنستا ہنستا۔ آخر وہ صبح کب آئے گی؟ وہی جس کے طلوع کے ساتھ دنیا کے دستور بدلیں گے، برے قوانین بدلیں۔ انسان کی روح آزاد ہو۔ دھرتی سے شیطان کا قبضہ ٹوٹے۔ غلامی کا دستور ٹوٹے۔ وہ سب کچھ نہ ہو جو ہو رہا ہے۔ خوشی کو اور خوبصورتی کو پامال کرنے والا۔ ظلم، جبر اور قتل۔

کیا ہو گا نئے سال پہ، وہی نا جو پچھلے برس ہوا تھا اور اس سے پچھلے برس بھی۔ غریبی بڑھ جائے گی۔ بھوک پیاس بڑھ جائے گی۔ بدامنی اور زمین کی تباہی بڑھ جائے گی۔ اناج پانی کم ہو جائے گا۔ بچوں پر ظلم، مزدوروں پر ظلم عورت کی بے عزتی بڑھ جائے گی۔

اور بڑھ جائے گی سامراج کی چیرہ دستی، ملٹی نیشن لوٹ مار، بیماریاں زلزلے کسان بھوکا ہو گا...... اور امیر طبقہ کثرت خوراک اور آرام سے موٹاپے کے مرض کا شکار۔ ذہین لوگ فرسٹریشن کا شکار رہیں گے اور بے حس بندے جشن کریں گے۔

دنیائے مشرق میں تو یہ کچھ ہو گا۔ لیکن دنیائے مغرب میں بھی کچھ اچھا نہیں ہو گا۔ ہاں مگر خوف و خطرہ بڑھ جائے گا۔ طالبان کا بھوت القاعدہ کی آفت نیندیں حرام کرے گا۔ گوری آبادی گھٹ جائے گی۔ کالی دنیا پھیل جائے گی جھوٹی مبارک بادیاں کھوکھلی خوشیاں مگر مشرقی یورپ فکر مند رہے گا۔

سب کچھ تو فیل ہو گیا۔ اب آگے؟ اب آگے۔ سوچو! سنا ہے وہ پرانی کتابیں پھر سے پڑھ رہے ہیں اور سوچ بھی رہے ہیں۔ شاید نئے سال

میں کوئی نئی کتاب لکھی جائے اور پھر کسی اور نئے سال میں کچھ نیا احوال نکلے۔

لیجئے، آج تو پرانے سال آخری واقعہ بھی ہو گیا۔ آخری دن سے ایک دن پہلے آخری مہینے کی آخری تاریخ سے ایک دن پہلے پرانے سال نے موت اور ظلم کا بگل بجا دیا۔ واقعہ نیا نہیں۔ صدیوں سے یہ ہوتا آ رہا ہے۔ حق دار کی شکست خون ناحق......

صدام حسین کی پھانسی۔ کس نے دی یہ پھانسی؟ وہی امریکی سامراج جس نے پہلے بغداد کو جلایا تھا۔ اب حاکم بغداد کو پھانسی پہ چڑھا کر اگلے اور نئے سال کے لئے استقبال کا ایک راستہ بنا دیا۔ مگر یہ کوئی نئی بات بھی تو نہیں۔ بہت دنوں سے یہ ہو رہا ہے کہ مغرب اور شمال سے آنے والے دنیائے مشرق کو فتح کرتے ہیں، لوٹ مار مچاتے ہیں اور یہاں کے حکمرانوں اور بادشاہوں کو پھانسی پر چڑھایا کرتے ہیں...... آئندہ کی بات کیوں کرتے ہیں۔ اپنی دھرتی اور اپنے لوگوں پہ ناز کیوں کرتے ہیں؟

بڑی لمبی داستان ہے۔ سارے ایشیاء، افریقہ اور جنوبی امریکہ کے براعظموں میں پھیلتی ہے......

یہاں، قریب سے دیکھیں وہ دن جب انہوں نے بگٹی کو مارا جب بھٹو کو پھانسی دی، اس سے قبل بھگت سنگھ کو پھانسی پہ لٹکایا اس سے پہلے ٹیپو کو مارا۔ ایسا ہی ایک قتل چلی میں الاندلے کا ہوا تھا۔ کچھ اور قدرے آسان طریقے بھی ہیں قتل کے جیسے شاہ فیصل کا قتل، سوئیکارنو اور ناصر کا قتل یہ سب لوگ اپنے اپنے دیس کی آزادی کے حصول اور دفاع کے لئے کھڑے تھے۔ سامراجوں سے ان کی مزاحمت تھی......اور سامراج اپنی ساری طاقت اپنی بھاری بندوق اور بم کی طاقت اپنی سازش اور ایجنسیوں کی طاقت کے باوجود ان خاص انسانوں سے ڈرتا تھا۔ وہ ان کو قید میں ڈال کر بھی ان سے ڈرتا تھا۔ اس نے انہیں قید خانوں کے اندر اور رات کے اندھیرے میں پھانسیاں دے دیں اور پھر لاشیں چھپائیں۔ وہ لاشوں سے بھی ڈرتے تھے اور بعد میں ان کی قبروں سے بھی ڈرتے رہے...... کیونکہ شہید کبھی مرتے نہیں۔ ان کی طاقت زندہ رہتی ہے۔ سو آج سال کے آخری دن اسی امید کے ساتھ کہ شہیدوں کا لہو رنگ لاتا ہے۔ میں صدام حسین کو شہید لکھتی ہوں اور امید لگاتی ہوں کہ اگلے کئی سال میں اس کے خون کا رنگ بہت سرخ ہو جائے گا۔

عید قربان اسی طرح منائی جانی چاہیے۔ آئندہ سال بھی اسی طرح شروع کرنا چاہیے۔ شہیدوں کو یاد کرو، اور قربانی کی رسم ادا کرو۔ اب کے تو عجب ہوا ہے۔ مسلم دنیا کو سامراج نے نئے سال کا تحفہ دیا ہے......اور سامراج کے دشمن نے جو چاہا وہی کیا۔ ''عید قربان کے دن اپنی جان کی قربانی'' صدام حسین کے لئے ایک نظم برسوں پہلے لکھی تھی:

صدام اور بش کے درمیان جنگ کالے اور گورے کی پرانی جنگ ہے

شمال اور جنوب کی جنگ

لوٹنے اور بچانے والے کی جنگ

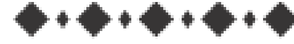
سامراج اور عوام کے درمیاں

ایک جنگ جاری ہے۔

یہ ایک دفاعی جنگ ہے، تیل اور زمین کی
یہ جارحیت کا حملہ ہے تیل اور زمین کو
لوٹنے والے لشکروں کا۔

صدام اور بش کے درمیان
پرانی جنگ ابھی جاری ہے
آج میں اس نظم میں ایک لائن اور جوڑتی ہوں
اور یہ جنگ جاری رہے گی۔

بشکریہ (افضل توصیف)



ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں!

عراق میں عید کے مقدس دن، فجر کی اذانوں کے دوران عراق کے سابق صدر صدام حسین کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے، اس کے باوجود ان ہاتھوں میں صدام حسین نے قرآن مجید اٹھا رکھا تھا اور وہ قرآن پڑھتے ہوئے، نہایت پرسکون اور پر اعتماد اور باوقار انداز میں پھانسی کے پھندے کی جانب بڑھ رہے تھے...... یہ آمر جابر عراق کا حکمران نہیں تھا......صدام حسین کے چہرے پر اطمینان، عزم وحوصلہ اور اعصاب پر کنٹرول قابل دید تھا۔ دنیا بھر میں ٹی وی کے ناظرین نے دیکھا اور عینی شاہدین نے کہا کہ صدام کے چہرے پر کوئی خوف یا ندامت نہیں تھی۔

صدام حسین تختہ دار پر پہنچے تو قرآن پاک کا نسخہ انہوں نے اپنے ایک دوست کو پہنچانے کے لیے کہا......اس موقع پر صدام حسین کو پھانسی دینے کا سرکاری حکم پڑھ کر سنایا گیا......صدام نے یہ حکم نہایت سکون سے سنا۔ صدام کو جلاد نے کہا کہ وہ اپنا چہرہ نقاب سے ڈھانپ لیں تو صدام حسین نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا کہ ''وہ موت سے آنکھ ملانا چاہتے ہیں''۔

تختۂ دار پر صدام حسین نے پُرعزم انداز میں نعرۂ تکبیر بلند کیا، کلمہ پڑھا اور مختصر الفاظ کہے جو یہ تھے ''عراق ہمیشہ قائم رہے گا اور فلسطین عربوں کا ہے۔'' یہ محض الفاظ تھے یا دنیا کے نام صدام حسین کا آخری پیغام......! ایک کسان کے بیٹے نے ربع صدی عراق پر حکمرانی کی......ساری دنیا میں شہرت حاصل کی، جس وڈیو کو مخالفین نے اس لیے تیار کیا تھا کہ دنیا کو خاص طور پر عراق کے لوگوں کو صدام کی موت کے بارے میں باور کرادیں۔ وہ صدام حسین کی عزت وقار اور شان وشوکت کو دوبالا کرگئی۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

روزنامہ ''جرأت'' شاید پاکستان کا واحد اخبار ہے جس میں ٹھیک پھانسی کے روز صدام حسین کے حوالے سے Article شائع ہوا......ہمیں خوشی ہے یہ ہمارا کالم تھا، صدام حسین جانِ عزیز مالکِ حقیقی کو سپرد کر رہے تھے......

صدام حسین کی بیٹی نے بجا طور پر بیان دیا کہ اسے اپنے باپ کی بے مثال جرأت پر فخر ہے......تختۂ دار پر صدام حسین سے پوچھا گیا کیا وہ خوف زدہ ہیں؟ تو صدام نے جواب دیا وہ مجاہد ہیں اور موت سے کبھی نہیں ڈرتے......اس موقع پر موجود ایک عینی شاہد خاتون نے کہا ''یہ بہتے

ہولناک منظر تھا، صدام کو اپنے اعصاب پر مکمل قابو تھا، ہمیں ایسی امید نہیں تھی۔'' صدام حسین کے وکیل بھی اس موقع پر موجود تھے، انہوں نے کہا کہ صدام مسکراتے ہوئے تختۂ دار کی جانب گئے، شاید اس لیے کہ :

جان دی ، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہو

عیدالاضحیٰ کے دن صدام کی پھانسی تاریخ کا اہم واقعہ ہے، جس سے صدام کے مخالفین کی سوچ اور فکر کا واضح اظہار ہو گیا ہے۔ مگر مسلم دنیا میں اس صورت حال کا صدام کے حق میں مثبت اثر ہوا ہے۔ عراق میں امریکی حمایت سے برسر اقتدار طبقے اور ان کے حامیوں نے صدام کی موت پر جشن منایا ہے۔ دوسری جانب پھانسی کی خبر پھیلنے کے بعد عراق سراپا احتجاج ہو گیا، بغداد بم دھماکوں سے گونج اٹھا، کوفے میں کار بم دھماکہ ہوا، پر تشدد کارروائیوں میں بچوں اور خواتین سمیت صرف ایک روز میں تقریباً سو افراد ہلاک ہو گئے۔ پانچ امریکیوں کو بھی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ تکریت جو صدام حسین کا جائے پیدائش اور آبائی علاقہ ہے، ہنگاموں کا مرکز بن گیا جہاں چار روز کے لیے کرفیو نافذ کر دیا گیا۔

حکمرانی کار آساں نہیں ہے۔ اس کے دوران سخت مقامات اور مرحلے بھی آتے ہیں، صدام حسین پر آمریت اور جبر کے الزامات ہیں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ عراقی عوام کے لیے ایک فلاحی معاشرے کے قیام میں بھی صدام کا بڑا حصہ تھا۔ صدام کے دور حکمرانی میں اس ملک میں تعلیم اور صحت جیسی سہولتیں مفت فراہم کی جاتی تھیں، کیا تیسری دنیا کے ملکوں میں ایسی مثال موجود ہے؟

امریکہ ضرور عالمی طور پر طاقت ور ملک ہے مگر اس کی حمایت اور مخالفت کے پیمانے تبدیل ہوتے رہتے ہیں...... طالبان اور افغان جہاد کی مکمل سرپرستی کا شرف امریکا کو حاصل ہے مگر آج امریکی انتظامیہ جہاد کا لفظ سننے پر آمادہ نہیں ہے۔ عراق، ایران جنگ میں عراق اور صدر صدام حسین کو امریکا کی حمایت اور پشت پناہی حاصل، مگر یہی امریکا صدام کے خون کا پیاسا ہو گیا...... اور آخر صدام کو پھانسی پر لٹکا کر دم لیا......!

صدام کے دور کے عراق میں لٹریسی کی شرح 85 فیصد تھی۔ سائنس کی تعلیم کا شعور عوام میں نمایاں تھا اور ہزاروں افراد بیرون ملک اعلیٰ سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم اور ہنر سے مستفید ہو رہے تھے۔ اس دور کا عراق خوب صورت، ترقی یافتہ اور جدید ملک کا منظر پیش کر رہا تھا۔ پورے ملک میں سڑکوں کا جال بچھا دیا گیا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ یورپ کا کوئی ملک ہے۔ زراعت کے میدان میں نصف قیمت پر ٹریکٹر، زرعی آلات اور کھاد کی فراہمی، مفت تیل اور سستی بجلی کے ذریعے صدام نے عراق میں زرعی انقلاب برپا کر دیا تھا۔ صدام کے دور میں عراق میں بھوک اور غربت کا تصور محال تھا...... مگر جب سے مغرب نے عراق میں قیام جمہوریت کی ذمہ داری سنبھالی ہے، بغداد روز بہ روز کھنڈرات میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے، امن و امان مفقود ہے، بھوک ہزاروں لاکھوں لوگوں کا مقدر بن چکی ہے۔ فرقہ وارانہ تعصب کی آگ میں عراق کی خوش حالی، بربادی میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے۔ کیا پتہ پھانسی صدام حسین کو ہوئی ہے کہ پورے ملک عراق کی تقدیر کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا ہے۔

پاکستان سمیت دنیا کے بیشتر ممالک نے اس سانحے پر دکھ کا اظہار کیا ہے۔ وزیر اعظم پاکستان شوکت عزیز نے ایک بیان میں صدام حسین کی پھانسی کو افسوس ناک واقعہ قرار دیا ہے۔ روس اور چین نے اس اقدام کی مخالفت کی ہے۔ لیبیا نے جرات مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تین روزہ

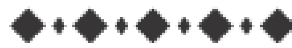
سوگ کا اعلان کیا ہے...... افغانستان اور ایران نے پھانسی کی حمایت کی۔

ہماری اطلاعات کے مطابق پھانسی کے روز پاکستان کے معروف سیاست دانوں نواز شریف اور بے نظیر نے خاموشی کو ترجیح دے کر ایک رجحان کی نشان دہی کی ہے۔ بھارت سمیت دنیا کے کئی ملکوں میں مظاہرے ہوئے ہیں مگر پاکستان میں مذہبی سیاسی جماعتوں نے اپنی پرانی روش اور روایت کو برقرار رکھا ہے وہ صرف ان امور اور معاملات پر پھرتی دکھاتے ہیں جو خود ان کی گروہی سیاست کے مفاد میں ہو...... پاکستان میں اس حوالے سے مذہبی سیاست دانوں کی بے رخی اور بے نیازی کے ساتھ بے عملی قابل دید ہے۔

پاکستان کے نوجوانوں کے جرات مند قائد اور رہنما الطاف حسین نے ایک بیان کے ذریعے واقعے پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ صدام کو پھانسی دینے میں غیر ضروری عجلت کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ الطاف حسین نے کہا کہ صدام حسین کا مقدمہ انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس میں چلایا جانا چاہئے تھا۔ قائد تحریک نے کہا کہ دنیا کے انسانی حقوق کے ادارے ایمنسٹی انٹرنیشنل اور امریکا کی ہیومن رائٹس واچ نے پھانسی کے عمل کی مذمت کی ہے حتیٰ کہ ویٹی کن سٹی سے بھی اس واقعے کی مذمت کی ہے۔ الطاف حسین نے کہا کہ عید الاضحیٰ کے دن پھانسی دینے کے عمل سے مسلمانوں کی اکثریت کے جذبات مجروح ہوئے ہیں۔

صدام کی پھانسی کے عمل سے امریکا اور مغرب کے خلاف مسلم اور عرب دنیا میں جذبات میں نئی حدت پیدا ہوئی...... سامراج مخالف جدوجہد کو ایک شہید فراہم کر کے امریکا نے بہ ظاہر کوتاہ اندیشی کا مظاہرہ کیا ہے...... پھر صدام حسین کی ثابت قدمی، نہ جھکنے کے عمل نے پھانسی کے موقع پر جرات، عزم اور استقامت کے مظاہرے نے پہلے سے برپا اس تحریک کو نیا حوصلہ عطا کر دیا ہے۔ یہ مغرب کی خوش گمانی ہے کہ صدام کی موت کے بعد عراق میں سکون ہو جائے گا۔

بشکریہ (محمد ذکی ایڈووکیٹ)



END OF SADDAM

غیر ملکی ذرائع ابلاغ کی شائع شدہ رپورٹوں اور عربی ٹی وی چینل الجزیرہ کی نشر کردہ ویڈیو کے مطابق جب عراقی صدر صدام حسین کو پھانسی دینے کے لئے عراقی گارڈ لائے تو حیرت انگیز طور پر انہوں نے چہروں پہ نقاب پہن رکھے تھے اور صدام حسین کی گردن پر کپڑا لپیٹنے اور پھانسی کا پھندا ڈالنے تک چہرہ پہ کوئی نقاب نہیں تھا اور پھر نیٹ پر جاری کردہ ویڈیو سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ انہوں نے نقاب پہننے ہی سے انکار کر دیا تھا البتہ پھانسی کا پھندا ڈالنے تک ان سے عراقی گارڈز کی جو تکرار ہوئی اس میں انہوں نے دعویٰ کیا کہ انہوں نے عراقیوں کا بہت تحفظ کیا اور انہیں ان کے دشمنوں سے بچایا لیکن جب گارڈز نے نفی کی اور الزام لگایا کہ انہوں نے ان کی زندگی جہنم بنائی اور ہمیں تباہ کیا اور قتل کیا لہٰذا تم جہنم میں جاؤ گے تو انہوں نے کہا کہ نہیں! جہنم میں تم جاؤ گے اور میں سیدھا جنت میں جاؤں گا! اس موقع پر انہوں نے کہا کہ فلسطین فلسطینیوں کا ہے۔ عراق تا ابد قائم رہے گا۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے اللہ اکبر کہا اور پھر قریبی کھڑے عراقی گارڈز کو مسکراتے ہوئے دیکھا اور با آواز بلند کلمہ شہادت پڑھنے لگے اور پھر جب دوسری مرتبہ کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے انہوں نے محمد ﷺ کہا تو اچانک تختہ دار کا لیور کھینچ دیا گیا اور 69 سالہ صدام حسین کا جسم جھول گیا۔ اس پر قریب موجود ایک شخص نے کہا کہ ''ظالم! اپنے انجام کو پہنچا'' اور پھر کسی نے کہا کہ ''3 منٹ تک لٹکا رہنے دو!'' اس سے قبل ایک گارڈ نے جب ان سے پوچھا کہ تمہیں پھانسی سے ڈر نہیں لگتا اور موت سے نہیں ڈرتے؟ تو انہوں نے کہا کہ ''ساری زندگی انہوں نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دشمنوں کا مقابلہ کیا ہے اور وہ موت سے نہیں ڈرتے ہیں۔'' قطع نظر اس بات کے کہ صدام حسین اب اس دنیا میں نہیں رہے ہیں اور خالق کائنات کی بارگاہ میں پہنچ چکے ہیں جو ان کے ابدی مقام کا تعین کرے گا اور بلاشبہ ہم سب نے بھی ایک نہ ایک روز رب ذوالجلال کی بارگاہ میں پہنچنا اور حاضری دینا ہے جہاں ہمارے دنیاوی اعمال کی روشنی میں ابدی مقام کا تعین ہو گا لیکن یہ بات طے ہے کہ دنیا جسے برنارڈ شاہ نے اسٹیج قرار دیا ہے پر صدام حسین جس طرح بناء کسی گھبراہٹ کے سوئے مقتل گئے' اپنی نظریں جھکائے بغیر انتہائی اطمینان اور سکون سے گلے پہ سیاہ کپڑا لپٹوا کر رسی کا پھندا ڈلوایا۔ لرزتی اور کانپتی ٹانگوں کے بجائے پوری قوت سے کھڑے ہو کر سیاہ نقاب اوڑھنے سے انکار کیا اور جس طرح ان کی پیشانی پر پسینے کے قطروں کے بجائے صرف غور و فکر کی لکیریں نمودار ہوئیں تو اس نے ان کی بیٹی رغد صدام حسین کے اس دعوے کو سچ ثابت کر دکھایا ''میرا باپ شیر تھا' شیر ہی رہے گا'' انہوں نے جس طرح پھانسی کا پھندا گردن میں ڈلوایا بلاشبہ اسی عمل کو تختہ دار کو چومنا کہتے ہیں اور جہاں تک ''جان'' کی بات ہے تو

فیض نے بہت پہلے کہا تھا۔

؎ جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا
وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے
اس جان کی کوئی بات نہیں

یہاں یہ ذکر بھی بے جانہ ہوگا کہ ماہرین نفسیات اس بات پر متفق ہیں کہ عام زندگی سے لے کر میدان جنگ تک میں اصلی لڑائی ''اعصاب'' کی ہوتی ہے اور فاتح وہی ٹھہرتا ہے جس کے اعصاب مضبوط و توانا ہوتے ہیں اور یہ کوئی نئی بات نہیں کہ اکثر و بیشتر میدان جنگ میں شکست پانے والے ہی فاتح قرار پاتے ہیں اور تاریخ میں ہمت' مردانگی' شجاعت اور جرات کی علامت قرار دیئے جاتے ہیں' شاید یہی وجہ ہے کہ آج بھی دانشوران قوم اس بات کا برملا اظہار کر رہے ہیں کہ مردہ صدام حسین زندہ صدام حسین سے زیادہ خطرناک ثابت ہوگا اور ایک صدام حسین کو جس انداز سے دنیائے فانی سے رخصت کیا گیا ہے اس کے نتیجے میں کئی صدام حسین جنم لیں گے جو زیادہ خطرناک ہوں گے۔'' عراق جنگ کے حوالے سے بین الاقوامی شہرت پانے والے رابرٹ فسک نے موقر برطانوی اخبار انڈی پینڈنٹ میں لکھا ہے کہ ''جب صدام حسین کو گرفتار کیا گیا تھا تو اس وقت مزاحمت دگنی ہوگئی تھی اور اب جبکہ صدام حسین کو پھانسی دی جا چکی ہے۔ عین ممکن ہے کہ مزاحمت ایک مرتبہ پھر دگنی ہو جائے۔

؎ گیا تھا شان سے مقتل کی سمت جو تنہا
وہ اپنا عکس ہر آئینے میں چھوڑ گیا

صدام حسین کا دنیاوی مقام و مرتبہ یقیناً مؤرخ متعین کریں گے البتہ ابھی تک علم سیاسیات کے اساتذہ و طلباء اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ان کی شخصیت تضادات کا مجموعہ تھی۔ امریکی افواج کے ہاتھوں جب ایک غار سے ان کی گرفتاری عمل میں آئی تھی اور جس طرح عرصے تک چینلز پہ ان کے دانتوں کا معائنہ ہوتے دکھایا گیا تھا تو وہ ایک ہارے ہوئے اور بزدل حکمران کا روپ لئے ہوئے تھے لیکن جس انداز میں انہوں نے زندگی کے آخری لمحات اور پل گزارے اس کے نتیجے میں وہ ایک بہادر اور مضبوط اعصاب کے انسان نظر آئے اور پھانسی کا پھندا ڈالنے کے بعد ان کا نعرہ تکبیر بلند کرنا بلاشبہ ان کی ثابت قدمی کا ثبوت ہے۔ ان کی پھانسی پر ایران نے اظہار مسرت کرتے ہوئے اسے عراقی عوام کی فتح قرار دیا تو لیبیا نے تین روز تک سوگ منانے کا اعلان کیا۔ ان دو مختلف ردعمل سے ثابت ہوتا ہے کہ صدام حسین کی پھانسی پر لوگوں کی سوچ و فکر تقسیم ہے۔ حجاج کرام کی جانب سے بھی پھانسی پر ملا جلا ردعمل سامنے آیا ہے جبکہ روس اور یورپی یونین نے بھی اظہار مسرت نہیں کیا ہے حالانکہ اپنے دور حکومت میں صدام حسین صرف روس کے دوست نہیں تھے کیونکہ جب سوویت یونین نے افغانستان میں مداخلت کی تو جہاں انہوں نے بڑھ چڑھ کر اس کا ساتھ دیا تھا تو کہا جاتا ہے کہ اسی وقت انہوں نے ایران سے جنگ چھیڑ کر اپنا نام واشنگٹن کی ''گڈ بک'' میں بھی لکھا لیا تھا۔ سیاسی ناقدین تو یہاں تک کہتے ہیں کہ 1990ء میں عراق نے کویت پر جو حملہ کیا تھا وہ بھی امریکی آشیرباد کا نتیجہ تھا کیونکہ اس طرح جہاں امریکہ کو مشرق وسطیٰ میں فوجی اڈے قائم

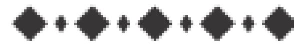
کرنے کا موقع ملا تو وہیں سعودی عرب نے بھی امریکی فوج بلانے کا فیصلہ کیا اور ان فیصلوں کے برآمد ہونے والے کچھ نتائج ہم دیکھ چکے ہیں اور دوررس اثرات ظاہر کرنے والے نتائج بھی جلد سامنے آ جائیں گے۔ صدام حسین جنہیں 148 شیعہ عراقیوں کے قتل کے الزام میں پھانسی دی گئی ہے، وہ جب عراق میں اہل تشیع پر مظالم ڈھا رہے تھے اور کلیتًا سیاہ وسفید کے مالک تھے تو اس وقت امریکہ کے عراق سے سفارتی تعلقات نہیں تھے اور دونوں ممالک کے درمیان اس وقت سفارتی تعلقات بحال ہوئے جب ڈونلڈ رمزفیلڈ نے ریگن انتظامیہ کے دور میں عراق کا دورہ کیا اور یہ 84-1983ء کی بات ہے (ڈونلڈ رمزفیلڈ کے اس دورے کا مقصد کیا تھا اور انہوں نے کیا کچھ حاصل کیا تھا) عراق ایران جنگ کے حوالے سے عالمی سیاسی مبصرین کا خیال ہے کہ اس میں امریکی سی آئی اے بھرپور طریقے سے ملوث تھی اور اس کا واحد مقصد دو اسلامی ممالک کی قوت کو اس حد تک تباہ کرنا تھا کہ وہ آئندہ مستقبل کے مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کے لئے کسی طرح کا بھی خطرہ نہ بن سکیں۔ عراق کے نیوکلیئر پروگرام پر تو پہلے ہی اسرائیلی فضائیہ حملہ کر چکی تھی۔ سابق امریکی سفارتکار کارپٹیر گالبرائتھ جن کی حال ہی میں منظر عام پر آنے والی کتاب "End of Iraq" ہے نے 1984ء کو وائٹ ہاؤس کو اپنے دورۂ عراق کے بعد پیش کردہ رپورٹ میں لکھا تھا کہ ''صدام حسین نے اپنے ہی ملک میں کیمیائی ہتھیار استعمال کیے ہیں'' تو اعلیٰ امریکی حکام نے شدید ناراضگی کا اظہار کیا تھا اور صدام حسین کے خلاف استعمال کردہ جملوں اور لفظوں پر شدید ردعمل ظاہر کیا تھا اور باقاعدہ بُرا منایا تھا۔ مگر اب اسی صدام حسین کو پھانسی کی سزا دے دی گئی ہے۔ رابرٹ فسک نے درست لکھا ہے کہ ''امریکہ ہی صدام کی تخلیق اور جرائم کا ذمہ دار ہے اور اب اسے ختم کرنے میں بھی امریکہ ہی کا کردار ہے۔'' کارپٹیر گالبرائتھ نے اپنی تازہ تصنیف میں دعویٰ کیا ہے کہ ''مارچ 2003ء میں جب امریکہ نے عراق پر حملہ کیا تو عراق عملی طور پر تین حصوں میں تقسیم ہو گیا اور ایک آزاد کرد ریاست وجود میں بھی آ چکی ہے البتہ اس کا صرف اعلان ہونا باقی رہ گیا ہے اور امریکہ 2007ء میں آزاد کرد ریاست کو تسلیم کرنے کا اعلان کر سکتا ہے اور نتیجتًا موجودہ عراق کا خاتمہ ہو جائے گا۔'' البتہ ترکی اور شام آزاد کرد ریاست کی مخالفت کریں گے اور پھر مشرق وسطیٰ میں عربوں کو نئی عرب ریاست کے خلاف صف بندی پر آمادہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ عالمی سیاسی صورت حال پہ گہری نگاہ رکھنے والے مبصرین یقین رکھتے ہیں کہ ایران کے خلاف اعلان کردہ پابندیاں دراصل امریکہ کی اس حکمت عملی کی پیش بندی ہے جس کے تحت وہ ایران کے خلاف کارروائی کرنے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ بعض عرب ممالک سمیت پاکستان بھی اس جنگ میں اس کا ساتھ دے۔ یہاں یہ واضح کرتے چلیں کہ ایران کے خلاف عرصے سے بھرپور پروپیگنڈہ مہم اسرائیل چلا رہا ہے اور وہ مسلسل امریکہ کو مشورہ دے رہا ہے کہ وہ بلا تامل ایران پر حملہ کر دے بلکہ بعض انتہا پسند یہودی دانشور اور فوجی حکام سمیت سفارتکار تو اسرائیلی اخبارات ہیرٹز، اسرائیل انسائیڈر اور جیروشلم پوسٹ کے ذریعے اسرائیلی حکومت کو یہ مشورہ بھی دیتے آئے ہیں کہ وہ امریکی کارروائی کرنے کا انتظار نہ کریں اور خود یہ قدم اٹھالیں۔ اس حوالے سے انہوں نے مختلف تھنک ٹینکس کی تیار کردہ رپورٹس بھی منظر عام پر پیش کی ہیں اور کہا ہے کہ ایٹمی طاقت کا حامل ایران پوری دنیا کے لئے شدید خطرہ ہے۔ اسرائیلی وزیر اعظم ایہود اولمرٹ نے بھی اپنے حالیہ دورۂ جرمنی میں یہی بات کہی تھی کہ ایٹمی ایران پوری دنیا کے لئے خطرہ ہے اور ساتھ ہی انہوں نے انتہائی معصومانہ انداز میں فرمایا تھا کہ ایٹمی قوت کا حامل اسرائیل کسی کے لئے خطرہ نہیں کیونکہ اسرائیل کسی ملک کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی دھمکی نہیں دیتا ہے جبکہ ایران تسلسل کے ساتھ اسرائیل کو نیست و

نابود کرنے کا کہہ رہا ہے اس موقع پر یہ سوال بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ صدام حسین کو پھانسی دینے کے لئے عیدالاضحیٰ کا روز کیوں منتخب کیا گیا؟
وطن عزیز پاکستان سمیت پورے عالم اسلام میں اس روز کے انتخاب پر شدید نکتہ چینی ہورہی ہے جبکہ بعض کے خیال میں چونکہ امریکیوں کے نزدیک
''تہواروں'' کی حیثیت نہیں ہے اس لئے ایسا ہوگیا لیکن سیاسی داؤپیچ سے واقف افراد یقین رکھتے ہیں کہ ''ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ۔ دیتے
ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا'' کے مصداق ایسا نہیں ہے اور سب کچھ سوچی سمجھی منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے۔ اس خیال کی تصدیق مشہور امریکی اخبار
''نیوز ڈے'' نے بھی کی ہے۔ ''نیوز ڈے'' نے اپنی تفصیلی رپورٹ میں لکھا ہے کہ ''صدام حسین کو پھانسی دینے کا وقت سوچ سمجھ کر متعین کیا گیا ہے۔''
اخبار کے مطابق ''صدام حسین کی موت کے حوالے سے رچایا گیا ڈرامہ اور وقت کا انتخاب اس لئے کیا گیا کہ عراق کے سنیوں کو ایک شہید دے دیا
جائے تا کہ عراق میں مزاحمت جاری رہے اور حالات درست نہ کیے جائیں۔'' اخبار کے مطابق ''صدام حسین کی مقبولیت ابومصعب زرقاوی سے
بھی زیادہ ہوگئی ہے جو مزاحمت کی علامت تھے اب عراق میں مزاحمت اور خصوصاً فرقہ وارانہ کشیدگی کو روکنا ناممکن ہے۔ پھانسی کے بعد سنی عراقیوں کا
گلہ ہوگا کہ شیعہ حکومت سنی اور ان کے جذبات کو کچل رہی ہے اور سنی عوام پھانسی کو شیعہ مظالم کی ایک مثال قرار دیں گے۔ صدام حسین کے حامیوں
نے انہیں شہید قرار دیتے ہوئے عراقی وزیر اعظم نوری المالکی سے انتقام لینے کا اعلان کیا ہے۔'' نیوز ڈے کی رپورٹ کو اگر سابق امریکی سفارتکار
کارپٹیر گالبرائتھ کی تحریر کردہ کتاب ''اینڈ آف عراق'' کی روشنی میں دیکھا جائے تو آئندہ کا منظر نامہ بہت زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ رابرٹ فسک
کا یہ کہنا کچھ غلط نہیں ہے کہ ''صدام حسین کی موت پر یقیناً کچھ عرب لیڈر بہت سے کرد اور کافی تعداد میں شیعہ ضرور خوش ہوئے ہوں گے مگر ایسے
کروڑوں مسلمان ہیں جو اس بات کو ہمیشہ یاد رکھیں گے کہ انہیں صدام حسین کی موت کی اطلاع اسلام کے مقدس روز یعنی عیدالاضحیٰ کو ملی اور یہ وہی
دن ہے جب صدام حسین ہر سال اپنی جیلوں سے قیدیوں کو رہا کیا کرتا تھا لیکن صدام حسین کو اس سے زیادہ اور کیا چاہئے کہ عرب مورخین کے لئے
وہ اب ظالم اور سفاک صدام حسین نہیں بلکہ جدید کروسیڈز کے ہاتھوں مرنے والا ایک شہید بن گیا ہے۔''

صدام حسین کی پھانسی عراق میں جاری مزاحمتی تحریک کے لئے مہمیز کا کام دے گی؟ شیعہ سنی منافرت میں اضافے کا سبب بنے گی؟ حقیقتاً
موجودہ عراق کا خاتمہ ہو جائے گا؟ تین ٹکڑوں میں عراق تقسیم ہو جائے گا؟ مشرق وسطیٰ میں نئی صورت حال کے سبب از سر نو صف بندی ہوگی؟ ان
سوالات کے جوابات تو یقیناً آنے والا وقت ہی دے گا البتہ ایک مرتبہ پھر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ امریکہ دنیا کے دیگر ممالک کے حکمرانوں کو
پہلے اپنے مقاصد کی لئے استعمال کرتا ہے اور پھر انہیں بدترین انجام سے دوچار کرنے کی اپنی روایت برقرار رکھتا ہے بلکہ بسا اوقات یہ بھی ہوا ہے کہ
اگر اس نے کسی حکمران کو اپنے مقاصد کے حصول میں رکاوٹ سمجھا ہے تو بلا تامل اس کا دھڑن تختہ کر دیا ہے یا پھر وہ دار فانی سے کوچ کر گیا ہے اور اس
ملک کے عوام کو کبھی یہ معلوم ہی نہیں ہو پاتا کہ ان کے حکمران یا محبوب لیڈر کا اصلی قاتل کون ہے؟ اور وہ اسے بلائنڈ مرڈر قرار دیتے رہتے ہیں تاہم
اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ عوام ''سینہ گزٹ'' کے ذریعے انتہائی خاموشی سے ایک دوسرے کو ضرور آگاہ کرتے ملتے ہیں کہ قتل کے پیچھے امریکہ
یا امریکی سی آئی اے کا خفیہ ہاتھ کارفرما ہے تاہم ایسا کرتے ہوئے وہ دائیں بائیں اس طرح سے دیکھتے ہیں کہ کوئی دوسرا اس ''قومی راز'' سے تو
واقف ہونے نہیں جا رہا ہے جو وہ اپنے کسی عزیز کو بتلانے والے ہیں۔ جولائی 2006ء میں بھارتی اخبار نے امریکی ذرائع کے حوالے سے

رپورٹ شائع کی تھی کہ پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان نے جب امریکی اور برطانوی پالیسیوں پر چلنے سے انکار کیا تو امریکہ نے انہیں راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کیا اور پھر ان کا قتل امریکی اشارے پر ہوا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد روس نے وزیراعظم لیاقت علی خان کو دورہ کرنے کی دعوت دی تھی اور امریکہ کی جانب سے دورے کی دعوت بعد میں ملی تھی لیکن لیاقت علی خان نے پہلے امریکہ کا دورہ کرنے کو ترجیح دی تھی۔ تاریخ پاکستان تاحال یہ بتانے سے قاصر ہے کہ پہلے وزیراعظم کے قتل کے محرکات کیا تھے؟ پس پردہ عوامل کیا تھے؟ قتل کی مکمل تحقیقات تاحال کیونکر منظر عام پر نہیں آسکی؟ اور قاتل کی بیوہ کو پنشن کس کھاتے میں ادا کی جاتی رہی؟ اسی طرح ذوالفقار علی بھٹو نے جب امریکہ کی جانب سے ملنے والی دھمکی پر مبنی خط راولپنڈی میں لہرایا اور قوم کو حقائق بتانے کی کوشش کی اور عالمی سیاست میں اپنی دانست کے مطابق رنگ بھرنے کی سعی کی تو انہیں تختہ دار چومنا پڑا جنرل ضیاء الحق کے حادثے کے متعلق تو متعدد زندہ افسران اور حکام کہتے ہیں کہ طیارہ حادثے کی نہیں بلکہ امریکی سازش کی بھینٹ چڑھ گیا تھا اور اس میں پاک فوج کی پوری اعلیٰ قیادت کو جام شہادت نوش کرنا پڑا تھا جبکہ اس کے بعد بھی آنے والی سیاسی حکومتی تبدیلیوں کی بظاہر وجہ کچھ بھی بیان کی جائے واقفان حال کا اصرار یہی ہے کہ سب کچھ امریکی مرضی و منشاء کے مطابق ہوتا آیا ہے۔'' ساری صورتحال کے تناظر میں یہ کہنا قطعی غلط نہ ہوگا کہ آنے والا وقت مزید کٹھن ہوگا جہاں ایک جانب امت مسلمہ کا امتحان ہوگا تو دوسری جانب مسلم حکمرانوں کے فہم و فراست اور تدبر کی بھی پیمائش ہوگی' مشرق وسطیٰ میں کی جانے والی نئی صف بندی کے اثرات براہ راست پاکستان پر مرتب ہوں گے تو ایران کے خلاف گھیرا تنگ کرنے کی حکمت عملی بالخصوص پاکستانی ارباب اقتدار کو انتہائی نازک موڑ پر لا کھڑا کرے گی جس سے سرخروئی سے نکلے تو یقیناً پاکستان اور پاکستانی قوم مستفیض ہوگی وگرنہ تصور بھی محال ہے اور اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں کسی امتحان میں نہ ڈالے کہ ہم بہت عاجز ہیں۔

بشکریہ (جاوید رشید صدیقی)



صدام کی ویڈیو

عراق کے معزول صدر صدام حسین اب اس دنیا میں موجود نہیں۔ وہ عالمی سامراج کے ہاتھوں اپنی جان دے چکے ہیں۔ جب امریکی افواج نے مختلف جواز تلاش کر کے عراق پر عملی طور پر قبضہ کیا تو صدام حسین بے بس ہو گئے۔ اس عالم میں انہوں نے روپوش ہو کر چھپ جانا ہی مناسب سمجھا۔ ادھر امریکی افواج نے انہیں جب تلاش کر کے اپنی گرفت میں لے لیا تو ان کا حلیہ ان کی بے بسی کی داستان بیان کر رہا تھا۔ مغربی میڈیا نے ان کی یہ تصویر بھرپور طریقے سے تمام چینلز پر دکھائی جو ان کی پھانسی کے دن تک دکھائی جاتی رہی۔ امریکی حکام نے اس ویڈیو کلپ کو بہت اہتمام کے ساتھ دنیا بھر کے میڈیا پر چلوایا۔

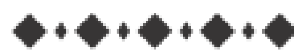
ادھر دنیا میں قیام نظام عدل کے علمبردار امریکہ نے اپنی کٹھ پتلی عراقی حکومت اور اس کے ماتحت عدلیہ سے صدام حسین کو سولی پر چڑھانے کا کام بھی لے لیا۔ اس موقع پر صدام حسین کی پھانسی کے مناظر کیمرہ میں بند کرنے کا اہتمام کروایا گیا اور پروگرام کے مطابق صدام کو پھانسی دیئے جانے کے ساتھ ہی یہ ویڈیو کلپ تمام معروف چینلز کو جاری کر دی گئی۔ اس ویڈیو کلپ نے صدام حسین کو ایک نئی زندگی عطا کر دی۔ یوں لگتا ہے کہ مغربی متعصب ذہن نے یہ سوچ رکھا تھا کہ صدام حسین مقتل کی طرف جاتے ہوئے شور واویلا کریں گے اور پھانسی کی سزا پانے والے عام افراد کی طرح وقت سے پہلے ہی بے ہوش اور نیم بے ہوش ہو جائینگے یا انہیں زبردستی پھندے کے نیچے کھڑا کیا جائے گا۔ سارے زمانے نے دیکھا ان میں سے کچھ بھی نہ ہوا اور صدام حسین جس سج دھج سے سوئے دار گئے تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ان کے چہرے پر خوف تھا نہ قدموں میں لغزش۔ وہ جس سکون کے ساتھ پھانسی کے پھندے پر پہنچے اس سے یقینی طور پر موت کے شرمندہ ہونے کی مثال سچ بن گئی ہے۔ مغربی ٹی وی چینلز کے ذریعے تمام دنیا کے چینلز نے اس منظر کی فلم کو اپنے اپنے ٹی وی چینلز پر چلایا۔ اس فلم کو جس نے بھی دیکھا اس کے دل سے صدام حسین کے لئے ''شاباش'' کے لفظ ضرور نکلے۔ تمام دنیا کے ٹی وی چینلز پر صدام کے آخری لمحات کی فلم سینکڑوں بار دکھائی گئی۔ اس منظر نے تمام دنیا کے مسلمانوں کو موت کی آنکھ میں آنکھیں ڈالنے کا حوصلہ دیا اور عالمی سامراج کے خلاف نفرت میں اضافہ کیا۔ اگر ٹی وی چینلز پر صدام کے آخری لمحات کی تصاویر نہ دکھائی جاتیں تو شاید یہ فضا بھی نہ بن پاتی...... پھر کیا ہوا عالمی سامراج میں ایک گھبراہٹ اتر آئی اور ویڈیو فلم بنانے والے کے خلاف ایکشن کے احکامات جاری ہو گئے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دنیا کے اس دن کے سب سے اہم ترین واقعہ اتنا عام تھا جہاں کوئی بھی کیمرہ اٹھائے پہنچ

جاتا۔نہیں ایسانہیں ہوا۔صدام حسین کے آخری لمحات کو مسلمانوں کے لئے نشان عبرت بنانے کیلئے یہ سب کارروائی کی گئی مگراس کے اثرات الٹ سامنے آئے اور عالمی سامراج نے کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق منظر فلم بند کرنے والے کے خلاف کارروائی کر ڈالی۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اللہ رب العزت نے ہر ظالم کے لئے اس سے بڑے ظالم کا بندوبست کیا ہوا ہے۔ ہر دور میں فرعون اور نمرود کا وجود موجود رہا ہے۔ ہمارا دور بھی اس سے قطعی طور پر خالی نہیں ہے۔صدام نے بھی ہر آمر کی طرح ناانصافیاں اور ظلم و جبر کئے ہونگے مگر اس کے ساتھ جو کچھ کیا گیا وہ صرف صدام کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ پوری امت مسلمہ کو اس دائرے میں لانے کی کوشش کی گئی۔ اسلام کے زریں اصولوں پر ایک نظر دوڑائی جائے تو یہ بات کہیں بھی نہیں ملتی کہ مسلمان کسی بھی کردار کے دوسرے مسلمان کو تیغ کرنے کے لئے یہود و نصاریٰ کا سہارا لے۔ اگر اس اصول کو دیکھا جائے تو امریکی اقدامات پوری امت مسلمہ کے لئے قابل مذمت اور باعث نفرت ہیں۔صدام حسین کو پھانسی دینی ہی تھی تو اس کیلئے مسلمانوں کے مقدس دن کو ہی کیوں استعمال کیا گیا۔ اگر پھانسی دینے کے لئے ایک دن عیدالاضحیٰ سے آگے پیچھے کر دیا جاتا تو کیا حرج تھا۔

دراصل یہ بات اب روز روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اسلام دشمن قوتوں کی سازشیں عروج پر ہیں۔ یہ سازشیں مختلف انداز سے ہر میدان میں اور ہر محاذ پر جاری ہیں۔ ان تمام سازشوں کا بنیادی مقصد مسلمانوں کے مورال کو تباہ کرنا' ان میں انتشار پھیلانا اور اسلامی تہذیب و ثقافت کو ختم کرنا ہے۔ عالمی سامراج صدام کی پھانسی کے زمان و مکاں کا یقین کر کے اس کے مناظر کو دنیا کے ہر خاص و عام مسلم شہری تک پہنچا کر اس کو مسلم امہ کی بے حسی کا یقین دلانا چاہتا تھا۔ حالانکہ عراقی قوانین کے مطابق کسی بھی مجرم کو حج اور عیدین کے ایام میں سزائے موت نہیں دی جاسکتی۔ ادھر امریکہ کے کٹھ پتلی ٹی وی چینل نے بھی وقت سے پہلے اسلام دشمن طاقتوں کی خواہشات کا اظہار کر دیا تھا۔صدام حسین کی پھانسی کی ویڈیو کلپ چلنے سے قبل ہی سی این این کے تبصرہ نگاروں نے پھانسی کے مناظر سے متعلق بتاتے ہوئے کہا تھا کہ صدام حسین پھانسی کے وقت نیم بے ہوشی کے عالم میں تھے جبکہ ان کی ٹانگیں خوف کے باعث کانپ رہی تھیں لیکن چند منٹوں کے بعد جب ویڈیو کلپ سامنے آئی تو معاملہ بالکل اس کے برعکس نکلا۔ ویڈیو کلپ چلاتے وقت بھی امریکی ''عظیم'' دماغوں کو اندازہ نہیں تھا کہ ان ہتھکنڈوں سے مسلمانوں کے حوصلے پست کئے جاسکتے ہیں نہ ان کی گردنیں جھکائی جاسکتی ہیں۔ تاہم یہ واقعہ ان مسلم حکمرانوں کے لئے ایک درس ضرور ہے جو ہمیشہ امریکی مفادات کے تحت کٹھ پتلی کے طور پر کام کر رہے ہیں۔

بشکریہ (طارق مسعود)



صدام کا ذکر صدیوں تک رہے گا

بالعموم یہی ہوتا آیا ہے اور اب بھی شاید ایسا ہی ہوگا کہ مردانہ وار پھانسی پر چڑھ جانے والے صدام حسین کا ذکر ایک عرصہ تک زبانوں پر رہے گا، پھر وہ رفتہ رفتہ سینوں میں اتر جائے گا اور سینوں کو دہکاتا ہوا تاریخ کا ایک حصہ بن کر رہ جائے گا۔ ہمارے ہاں ایسا ہی ہوتا ہے لیکن عراقی قوم بہت سخت جان قوم ہے۔ اس کی سخت جانی کا ایک نظارہ ہم امریکی قابض فوجوں کے خلاف اس کی مسلسل مزاحمت کی صورت میں دیکھ رہے ہیں۔ عراق کرب وبلا کی کئی منزلوں سے گزرا ہے۔ یہاں آباد قوم نے اتنا کچھ دیکھا ہے کہ شاید ہی دنیا کی کوئی دوسری قوم اس کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے۔ کئی بار تاریخی تباہیوں سے گزرنے والی یہ قوم زندہ رہنے کی ضد سے کبھی باز نہیں آئی۔ اس کی پشت پر اسکی سات ہزار برسوں کی تاریخ ہے۔ کامیابیوں اور ناکامیوں، آبادیوں اور بربادیوں کی تاریخ۔ اسی سرزمین پر حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا اور اسی سرزمین پر ہلاکو اور تیمور نے اس کی تاریخ کو بدل دینے کی کوشش کی لیکن تاریخ کی ان کٹھالیوں سے گزرنے والی یہ قوم اپنا وجود برقرار رکھنے میں کامیاب رہی اور آج ایک اور ہلاکو اور تیمور کے مقابلے میں سینہ تان کر کھڑی ہے۔ صدام کی پھانسی نے اسے ایک نئی زندگی عطا کر دی ہے۔ ہلاکو اور تیمور بھی عراق کے مقابلے میں اتنے ہی طاقت ور تھے جتنا آج امریکہ ہے، اس لئے اپنے سے بہت بڑی طاقت کے ساتھ نبرد آزما ہونا عراقیوں کے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے، اب تو اس کی فوج باقی نہیں رہی لیکن جب وہ موجود تھی تو اس نے اسرائیل کے خلاف عربوں کی شکست کے بعد بغداد میں واپس داخل ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ شکست کا داغ لے کر اپنے دارالحکومت میں نہیں آنا چاہتی تھی۔

دنیا نے یہ نظارہ بھی پہلی بار عراق میں دیکھا کہ پھانسی دینے والوں نے نقاب پہن رکھے تھے اور پھانسی پانے والا کھلے سر اور منہ سے تھا حالانکہ تارا مسیح کبھی اپنا سر منہ ڈھکا نہیں کرتے اور پھانسی پانے والے کا سر منہ ہمیشہ سر پوش میں چھپا دیا جاتا ہے یہاں سب کچھ الٹ ہوا اور صدام جو کبھی سیکولر بلکہ ایک ملحد سمجھا جاتا تھا، اپنے آخری وقت میں ایک مجاہد مسلمان بن کر سامنے آیا جس کے ہاتھ میں کلام پاک اور زبان پر اللہ اکبر اور کلمہ طیبہ کا ورد تھا۔ یہ نعرہ اور کلمہ اس کا بیان نزعی تھا جو ہمیشہ سچ تصور کیا جاتا ہے۔ عراق پر قابض امریکیوں نے ضیاء الحق کو مار دینے کے بعد ایک رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا، نہ معلوم کیا بات ہے کہ بھلے چنگے مسلمان جب پچاس برس سے اوپر عمر تک پہنچتے ہیں تو کچھ اور ہو جاتے ہیں اور کسی اور کی ماننے لگتے ہیں، ہماری نہیں سنتے۔ امریکیوں کو معلوم نہیں اور نہ ہی ان کو معلوم ہو سکتا ہے کہ مسلمان خواہ وہ جوانی میں امریکی صفت بھی دکھائی دے، اس کے دل سے دوسری زندگی اور قیامت کا تصور کبھی محو نہیں ہو سکتا چنانچہ جب وہ عمر کے دوسرے حصے میں داخل ہوتا ہے تو پھر اپنی عاقبت کا تصور اس پر حاوی ہو جاتا ہے۔ وہ دوسری اور ابدی زندگی کے اسباب فراہم کرنا شروع کر دیتا ہے جہاں سزا اور جزا دونوں اسے صاف صاف دکھائی دینے لگ جاتی ہیں۔ فریضہ حج ادا کرنے والوں کی عمریں دیکھیں جو اپنی عمر کے آخری اور کمزور حصے میں اس پر مشقت فریضہ پر خوشی خوشی روانہ ہو جاتے

ہیں۔ عاقبت کا یہ بھرپور تصور اس طرح کسی دوسرے مذہب میں موجود نہیں ہے۔ مسلمانوں کے حالات کا مطالعہ کرنے والے دانشوروں کا کہنا ہے کہ جو قوم ابدی زندگی مرنے کے بعد تصور کرتی ہو اور موجودہ زندگی کو عارضی اور ایک وقتی آزمائش تصور کرتی ہو وہ اس دنیا میں ترقی کیسے کرسکتی ہے۔ اس کی نگاہ تو کسی اور زندگی پر رہتی ہے۔ سنگاپور کو ترقی کی معراج پر پہنچا دینے والے وزیراعظم لی نے ایک بار پاکستان کے دورے پر یہی بات کہی تھی جب مسلمان ملکوں اور پاکستان کی ترقی کے بارے میں ان سے مشورہ طلب کیا گیا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ جو قوم اس دنیا کی زندگی کو عارضی سمجھتی ہو وہ اس دنیا میں ترقی کیسے کرسکتی ہے۔ یہ بات ایسی درست نہیں ہے، ہزار برس تک دنیا کی سپر پاور رہنے کا ریکارڈ رکھنے والی قوم کی پسماندگی اس کا مقدر نہیں ہے اور نہ ہی ترقی میں کوئی عقیدہ حائل ہے، اس کے اسباب دوسرے ہیں جو اس وقت موضوع بحث نہیں ہیں۔ بات یہ ہے کہ صدام حسین امریکیوں کے قبول عمر کے اس حصے میں داخل ہو کر بدل گیا اور ایسا بدلا کہ اس نے موت کی آنکھوں میں محاورتاً نہیں حقیقتاً آنکھیں ڈال کر اس کا سامنا کیا کیونکہ وہ مر نہیں رہا تھا کسی ابدی زندگی کے سفر پر روانہ ہو رہا تھا اور کلام پاک کا ایک نسخہ اور کلمہ طیبہ کا ورد اس کا زاد راہ تھا۔ ایسے صدام حسین کو کون پھانسی پر لٹکا سکتا ہے اور کون اس کی زندگی ختم کرسکتا ہے۔ یہ سب ظاہر کی باتیں ہیں کوئی بھی مسلمان مرتا نہیں، کسی دوسری زندگی میں داخل ہوتا ہے جو ابدی زندگی ہے۔ یہ جو خودکش حملہ آور ہیں یہ کون لوگ ہیں کیا وہ کسی زندگی کو ختم کر دینے والے ہیں یا کسی دوسری زندگی کی طرف روانہ ہونے والے ہیں۔ جہاد جو مسلمانوں کی طاقت کا اصل اسلحہ اور پیغام ہے، وہ کسی مسلمان کے غازی یا شہید ہونے کی نوید سناتا ہے۔ اس وقت امریکہ کی سرپرستی میں مغربی دنیا کی سر توڑ کوشش ہے کہ مسلمانوں کے دلوں سے جہاد کا جذبہ کسی طرح ختم کیا جائے۔ ہم پاکستانی مغرب کی یہی تجربہ گاہ بنے ہوئے ہیں اور ہمارے نصاب تعلیم سے جہاد ایسے اسباق اور تعلیمات کو ختم کیا جا رہا ہے تاکہ ہماری نئی نسل کلیتاً اسی دنیا کی ہو کر رہ جائے اور اس ناقابل تسخیر طاقت سے بیگانہ ہو جائے جس کا توڑ مغرب کی طاقتوں کے پاس نہیں ہے، وہ اسلحہ کی طاقت سے عمارتیں تباہ کرسکتی ہیں، ملکوں کی صورتیں بدل سکتی ہیں، انہیں تورا بورا بنا سکتی ہیں اور تورا بوروں کو شکست دے سکتی ہیں، ان کے دل و دماغ کو فتح کرسکتی ہیں، انہیں ہراساں اور خوفزدہ کرسکتی ہیں، انہیں ان کے محفوظ محلوں اور بے پناہ سیکورٹیوں میں دھکیل سکتی ہیں، ان کے دلوں کو خوف اور ڈر سے بھر سکتی ہیں مگر جہاد پر ایمان رکھنے والوں کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتیں بلکہ الٹا

بڑھتا ہے ذوق جرم یہاں ہر اک سزا کے بعد

اس لئے صدام حسین ہو یا اس قبیلے کا کوئی اور فرد وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اللہ اکبر کا نعرہ ہی لگا سکتا ہے۔ واشنگٹن نہیں بھاگ سکتا۔ آج صدام اس دنیا میں نہیں ہے اس کا وجود خاکی ختم ہو چکا ہے مگر اس کے وجود سے جو ایک نیا وجود سامنے آیا ہے اس کا جمال دنیا بھر کے مسلمانوں اور عراقی قوم کو جگمگاتا رہے گا۔ وہ ایک آمر گنہگار شخص خوش نصیب تھا کہ اسے پھانسی کی صورت میں ایک ایسی شاندار زندگی مل گئی جو کبھی ختم نہ ہوگی اور ایک مثال بن کر مسلمانوں کے دلوں میں زندہ رہے گی، انہیں حرارت بخشتی رہے گی، انہیں زندہ رکھے گی۔

بشکریہ (عبدالقادر حسن)

خوف کے سائے میں نئے سال کا آغاز

نئے سال کا پہلا دن بھی پرانے سال کے دنوں جیسا ہوتا ہے۔ مگر اس کے باوجود نہ جانے کیوں اس میں بہت کچھ نیا نیا لگتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ اب ہر تحریر کے ساتھ 2007ء لکھنا پڑے گا، بلکہ یہ بھی ہے کہ دنیا اپنے ماضی سے ہٹ کر ایک نئے زمانے میں داخل ہونا چاہے گی۔ مگر نئے سال سے صرف دو روز پہلے صدام حسین کو پھانسی دینے والوں نے دنیا کو ایک نئے خوف میں مبتلا کر دیا ہے جو شاید 2007ء کو اپنی گرفت میں لے کر اس کی خوب صورتیوں کو پروان نہیں چڑھنے دے گا۔

پچھلی دو دہائیوں پر غور کیا جائے، تو ہر آنے والا سال ایک سے بڑھ کر ایک ثابت ہوا ہے۔ کہنے کو سائنسی ترقی جاری ہے، دنیا مہذب ہو رہی ہے، انسان زندگی کی نئی رفعتوں سے ہمکنار ہو رہا ہے مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ دنیا کشادگی کے بجائے سکڑتی جا رہی ہے۔ خوف بڑھتے جا رہے ہیں۔ خطرات نے انسانیت کو گرفت میں لے رکھا ہے اور دنیا دہشت گردی اور سیکورٹی کے دائروں میں بند ہو چکی ہے۔ یہ کیسی دنیا ہے کہ جہاں قدم قدم پر نفرتوں، دشمنیوں اور رنگ و نسل، نیز جغرافیائی حد بندیوں نے انسانیت کو تنگنائے میں پھنسا دیا ہے۔ جہاں ''جس کی لاٹھی اسی کی بھینس'' کا نظریہ دستور العمل بن چکا ہے اور طاقتوروں کے آگے انسانیت کراہ رہی ہے، مگر انہیں ذرہ بھر رحم نہیں آتا۔

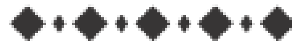
جب سے دنیا میں نائن الیون کا ڈرامہ رچایا گیا ہے، ہر آنے والا سال کچھ اور پابندیاں، کچھ اور مشکلات ساتھ لے کر آتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے 2007ء پر نئے خطرات منڈلا رہے ہیں۔ ایران کے ساتھ امریکہ اس سال کیا سلوک کرتا ہے؟ 2006ء جاتے جاتے یہ اہم سوال چھوڑ گیا ہے۔ سال کے آخری دنوں میں صدام حسین کو پھانسی دے کر امریکہ نے واضح کر دیا ہے کہ 2007ء کے لئے اس کے عزائم کچھ اچھے نہیں ہیں۔ مخالفین کو عبرت کا نشان بنانا شاید صدر بش کی حکمت عملی ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو وہ صدام حسین کو پھانسی دینے کا فیصلہ نہ کرتے۔ مگر ایسے فیصلوں کا نتیجہ وہ نہیں نکلتا، جس کی فیصلہ کرنے والے امید رکھتے ہیں۔ صدام حسین عراقی عوام کے لئے زیرو ہو چکے تھے لیکن امریکہ نے انہیں پھانسی دلوا کر ہیرو بنا دیا ہے۔ ایسا ہیرو جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندگی پا جاتا ہے۔ صدام حسین کو کردوں کے قتل عام پر پھانسی دی گئی ہے حالانکہ عراق پر قبضے کے بعد اتحادی فوجیں لاکھوں عراقیوں کا جو قتل عام کر چکی ہیں، اس کے مقابلے میں صدام حسین کا جرم بہت چھوٹا نظر آتا ہے۔

یہ مسئلہ بہت دیر تک حل طلب رہے گا کہ صدام حسین کو پھانسی دینے کے لئے 30 دسمبر کا دن ہی کیوں منتخب کیا گیا۔ پھانسی اس سے پہلے بھی ہو سکتی تھی اور اس کے بعد بھی۔ پھر کیا ضرورت تھی کہ دنیا کو نئے سال کے موقع پر ایک نئے خوف میں مبتلا کر دیا گیا۔ اس بارے میں ایک خیال تو یہ ہے کہ صدر بش امریکی عوام کو ہیپی نیو ایئر کا ایک انوکھا گفٹ دینا چاہتے تھے۔ 30 دسمبر کا اس لئے دن منتخب کیا گیا کہ امریکی عوام کو زیادہ جوش و خروش اور احساس تحفظ کے ساتھ نیو ایئر نائٹ منانے کا موقع فراہم کیا جائے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ امریکی تھنک ٹینک دنیا کو یہ پیغام دینا چاہتے

تھے کہ روئے زمین پر کسی امریکہ مخالف کی کوئی جگہ نہیں اور 2007ء میں اس حکمت عملی پر زیادہ شدت سے عمل کیا جائے گا۔ تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ عراقی عوام کو اس پھانسی کے ذریعے یہ پیغام دیا جائے کہ وہ ماضی کو دفن کر دیں، وہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔ نئے زمینی حقائق کو تسلیم کر لیں نئے سال میں اپنی زندگیوں کو امریکہ کے ڈیزائن کردہ منشور کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں اور اپنی آزادی واقتدار اعلیٰ کو بھول جائیں۔ صدام حسین کو عجلت میں پھانسی دینے کی وجہ چاہے کچھ بھی ہو، یہ کہنا مشکل ہے کہ مردہ صدام حسین زندہ صدام حسین سے کم خطرناک ثابت ہوگا؟ یہ تو 2007ء کے 365 دن رات بتائیں گے کہ صدام حسین قبر میں دفن ہو جاتا ہے یا اس کی روح بغداد کے تخت پر بیٹھ کر عراقی عوام کے دلوں پر راج کرتی ہے؟ صدام حسین کو پھانسی دے کر اس موہوم امید کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جو اتحادی فوجوں کے مقابلے میں صدام حسین کے دور کی واپسی کے حوالے سے عراقی عوام کے دلوں میں بے چینی کی آگ صدام کا دور واپس لانے کے لئے نہیں بلکہ عراق کی آزادی کے لئے ہے، جواب مزید بھڑک اٹھے گی۔

صدام حسین کی پھانسی اپنے پیچھے بہت سے سوال چھوڑ گئی ہے۔ سب سے اہم سوال تو یہی ہے کہ آیا کسی غاصب اور ناجائز قابض کو یہ حق دیا جا سکتا ہے کہ وہ کسی آزاد ملک کے صدر کو انصاف کے نام پر معزول کر کے پھانسی پر چڑھا دے۔ کیا ایسا جارح جو کہ اپنا تسلط قائم کرنے کے لئے لاکھوں انسانوں کو موت کی نیند سلا دے۔ اخلاقی جواز رکھتا ہے۔ انصاف کا ترازو پکڑ کر اپنے ظالمانہ فیصلوں کو عدل وانصاف کا نام دے۔ دنیا کا کوئی بھی مہذب معاشرہ صدام حسین کی پھانسی کو عدل وانصاف کی فتح قرار دیا جائے گا کہ جس سے اڑنے والی گرد نے نئے سال کو بری طرح آلودہ کر دیا ہے۔

بشکریہ (نسیم شاہد)



گریبان چاک

شیخ صاحب غمزدہ تھے، ان کی آواز میں تھرتھراہٹ اور آنکھوں میں آنسو تھے، وہ بار بار افسوس سے گردن ہلاتے تھے اور ان کے منہ سے سرد آہیں نکلتی تھیں، ان کا خیال تھا امریکہ نے عید کے دن صدام حسین کو پھانسی دے کر پورے عالم اسلام کی بے عزتی کی، ان کا کہنا تھا یہ پھانسی محض پھانسی نہیں، یہ مسلمانوں کی غیرت پر حملہ ہے اور ہمیں اس حملے کا بھرپور جواب دینا چاہیے، میں نے ان سے عرض کیا ''صدام حسین کوئی سلطان صلاح الدین ایوبی، محمد بن قاسم یا محمود غزنوی نہیں تھا، وہ ایک آمر تھا اور اس نے 25 برس تک عراق میں امریکی مفادات کی کاشتکاری کی تھی، اس نے اپنے ہاتھوں سے ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کے حقوق کا گلہ گھونٹا تھا اور اس نے ملک میں بیسیوں اجتماعی قبریں بنائیں تھیں'' شیخ صاحب کو مجھ سے اختلاف تھا، ان کا فرمانا تھا ''صدام حسین کتنا ہی ظالم اور جابر سہی مگر وہ عالم اسلام کا ہیرو تھا، صدام حسین سے 58 اسلامی ممالک کے کروڑوں لوگوں کی ہمدردیاں وابستہ تھیں لہٰذا امریکہ کو اس سے رعایت برتنی چاہیے تھی، اگر یہ ممکن نہیں تھا تو بھی صدام حسین کو کم از کم اس دن پھانسی نہ دی جاتی جس دن پچاس لاکھ مسلمان حج ادا کر رہے تھے اور ایک ارب 46 کروڑ مسلمان عیدالاضحیٰ منا رہے تھے''

میں نے ان سے پوچھا ''امریکہ ہماری توہین کر چکا ہے لہٰذا ہمیں اب کیا کرنا چاہیے'' شیخ صاحب نے میز پر مکہ مارا اور اونچی آواز میں بولے ''ہمیں اس اقدام کے خلاف پوری دنیا میں احتجاج کرنا چاہیے، ہمیں امریکہ مردہ باد کے نعرے لگانے چاہئیں اور ہمیں جلوس نکالنے چاہئیں'' میں نے ان کی اس معصومانہ خواہش پر قہقہہ لگایا، انہوں نے مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا، میں نے فائل میں سے اخبار کا ایک صفحہ نکالا اور وہ صفحہ ان کے سامنے پھیلا دیا، اخبار کے عین درمیان میں پانچ چھ تصاویر چھپی تھیں، ایک تصویر میں پولیس کانسٹیبل کے سامنے پانچ چھ سال کی ایک بچی ہاتھ جوڑ کر کھڑی تھی، بچی کی آنکھوں میں آنسو اور چہرے پر بے چارگی تھی، دوسری تصویر میں سات آٹھ پولیس کانسٹیبل پندرہ سولہ سال کے ایک بچے پر ڈنڈے برسا رہے تھے، بچے کی شلوار اتر کر اس کے جوتوں پر پڑی تھی، قمیض پھٹ چکی تھی اور وہ سرِ عام الف ننگا کھڑا تھا، تیسری تصویر میں لیڈی کانسٹیبل بے شمار خواتین کو ہانک کر لے جا رہی تھیں اور چوتھی تصویر میں پولیس بے شمار بچوں، خواتین اور مردوں کو سڑک پر گھسیٹ رہی تھی، میں نے ان تصویروں پر انگلی رکھی اور شیخ صاحب سے پوچھا ''آپ جانتے ہیں یہ کس ملک کے منظر ہیں'' انہوں نے انکار میں سر ہلا دیا، میں نے عرض کیا ''یہ پاکستان کی راولپنڈی کا مال روڈ ہے، یہ 28 دسمبر کا دن تھا اور یہ جج اکبر سے

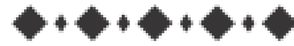
صرف ایک دن پہلے کے منظر ہیں'' شیخ صاحب حیرت سے میری طرف دیکھنے لگے، میں نے عرض کیا'' یہ پاکستان کے انتہائی مظلوم لوگ ہیں یہ وہ 106 خاندان ہیں جن کے مرد پچھلے تین چار برسوں سے غائب ہیں، یہ بچی جو ہاتھ باندھ کر پولیس کانسٹیبل کے سامنے کھڑی ہے اس کا والد تین برس سے غائب ہے ، یہ بچہ جس کی شلوار اس کے جوتوں پر پڑی ہے اس کا والد مسعود خواجہ دواڑھائی سال سے غائب ہے اور یہ خاتون جسے لیڈی کانسٹیبل ہانک کر لے جارہی ہیں اس کا خاوند پچھلے تین سال سے گھر نہیں آیا''

شیخ صاحب خاموشی سے سنتے رہے، میں نے عرض کیا'' سران 106 خاندانوں کا خیال ہے ان کے خاوند، بھائی اور والد ایجنسیوں کی حراست میں ہیں، انہیں خفیہ والوں نے اٹھایا اور کسی سیف ہاؤس میں پھینک دیا، یہ لوگ پچھلے تین چار برسوں سے اپنے پیاروں کی راہ دیکھ رہے ہیں، ان لوگوں نے پولیس سے لے کر عدالت تک ہر دروازے پر دستک دی لیکن انہیں کسی دروازے سے انصاف نہیں ملا، پاکستان کے کسی ادارے اور کسی شخصیت نے ان کے سر پر ہاتھ نہیں رکھا، کسی نے ان کے آنسو نہیں پونچھے لہٰذا ان لوگوں نے جمعرات 28 دسمبر کو جی ایچ کیو کے سامنے مظاہرہ کرنے کا فیصلہ کیا، یہ لوگ مری روڈ پر فلیش مین ہوٹل کے چوک پر پہنچے تو پولیس نے ان کا راستہ روک لیا، انہوں نے آگے بڑھنے کی کوشش کی اور پولیس نے ان پر لاٹھی چارج شروع کر دیا، اس لاٹھی چارج کے دوران محمد بن مسعود کی شلوار اتر گئی جبکہ لاٹھی چارج اور دھکم پیل میں ایک بچی اور ایک خاتون بے ہوش ہوگئی، خواتین کے سروں سے سرعام چادریں گریں اور ان کی بے پردگی ہوئی'' شیخ صاحب خاموش رہے، میں نے عرض کیا'' آپ جانتے ہیں گھروں سے غائب ہونے والے یہ لوگ کون ہیں اور انکا جرم کیا تھا'' وہ چپ چاپ سنتے رہے، میں نے عرض کیا'' یہ لوگ باریش اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے اور صدر بش کو ان کے ارادوں سے خطرے کی بو آتی تھی لہٰذا یہ لوگ گھروں سے غائب ہوئے اور اس کے بعد کسی کو ان کی خبر نہ ملی ،ان کے گھر والے ان کی یاد میں روز جیتے اور روز مرتے ہیں۔ یہ لوگ جب عدالتوں کے دروازے بجا بجا کر تھک گئے تو انہوں نے پرامن احتجاج کا راستہ چنا اور آپ اس راستے کا انجام ان تصویروں سے دیکھ لیجئے'' شیخ صاحب نے ہاں میں گردن ہلائی اور شرمندہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے'' لیکن ان کا صدام حسین کے پھانسی کے ساتھ کیا تعلق'' میں نے اخبار لپیٹ کر ایک طرف رکھا اور سیدھا ہو کر جواب دیا'' ان لوگوں کا صدام حسین کی پھانسی کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے، امریکہ عالم اسلام کا دشمن ہے، ہم صدام حسین کی غیر اخلاقی پھانسی پر امریکہ کے سامنے احتجاج کرنا چاہتے ہیں، ہم کہتے ہیں امریکہ کو عید کے دن صدام حسین کو پھانسی نہیں دینی چاہیے تھی۔ درست، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے ہم غیر مسلم امریکہ کے غیر اخلاقی اقدام کی مذمت کرنا چاہتے ہیں مگر ہمارے اپنے اسلامی ملک کی اخلاقی اقدار کی کیا حالت ہے؟ ہمارے اسلامی ملک سے 106 لوگ داڑھی رکھنے، نماز پڑھنے اور اسلامی نشاۃ ثانیہ کے خواب دیکھنے کے جرم میں اٹھا لیے گئے اور ہم تین چار برس بعد بھی ان کے اہل خانہ کو احتجاج کا حق نہیں دے رہے۔ ہم سڑک پر ان کے بچوں کی شلواریں اتار رہے ہیں، ان کی ٹانگوں ان کی پیٹھوں پر ڈنڈے برسا رہے ہیں اور پورے ملک میں خاموشی ہے۔

وہ خاموشی سے سنتے رہے۔ میں نے عرض کیا'' جس ملک میں 106 لوگ چپ چاپ اٹھا لیے گئے ہوں اور ان لوگوں کے لواحقین کو کسی عدالت، کسی ادارے سے انصاف نہ ملا ہو اس ملک کے لوگوں کو صدام حسین کی پھانسی پر احتجاج کا کوئی حق نہیں۔ جس ملک میں سرِ عام مظلوموں کی

شلواریں اترتی ہوں اور جس میں انصاف کے لیے سڑکوں پر نکلنے والے خاندانوں کو ڈنڈے اور گالیاں ملتی ہوں اس ملک کے لوگوں کو صدام حسین کی پھانسی پر احتجاج کا کوئی حق نہیں اور جس ملک میں آپ جیسے باضمیر لوگ 106 خاندانوں پر ہونے والے ظلم پر خاموش ہوں اس ملک کے لوگوں کو سمندر پار پھانسی پانے والے صدام حسین کا غم منانے کا کوئی حق نہیں'' شیخ صاحب خاموش رہے۔ میں نے عرض کیا'' جناب صرف انصاف دینے والوں کو انصاف طلب کرنا چاہیے، گھر میں احتجاج کرنے والوں کو گھر سے باہر احتجاج کرنا چاہیے اور گھر میں زیادتی کے خلاف ہاتھ اٹھانے والوں کو باہر کی زیادتی پر آواز بلند کرنی چاہیے، ہمیں یہ تو نظر آرہا ہے امریکہ نے عیدالاضحیٰ کے دن صدام حسین کو پھانسی دے کر شعائر اسلام کی توہین کی لیکن ہمیں اپنی سڑکوں پر مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمان عورتوں، بچوں اور بزرگوں کی توہین اور ذلت دکھائی نہیں دیتی، ہمیں صدام حسین تو نظر آتا ہے کہ لیکن ہمیں محمد بن مسعود، عائشہ مسعود اور آمنہ مسعود پر ہونے والا ظلم دکھائی نہیں دیتا، ہمیں عراق کے آنسو تو رات رات بھر سونے نہیں دیتے لیکن ہمیں وہ مسعود جنجوعہ نظر نہیں آتا جو دو اڑھائی برس پہلے گھر سے نکلا اور اس کے بعد واپس نہیں آیا'' میں جذباتی ہو گیا، شیخ صاحب خاموشی سے سنتے رہے، میں نے عرض کیا'' یقین کیجیے جب تک ہم آمنہ مسعود جیسی مظلوم عورتوں کو انصاف نہیں دیں گے ہم عالمی سطح پر انصاف نہیں پائیں گے۔ ہم جب تک خود حج اور عیدالاضحیٰ کا احترام نہیں کریں گے باہر کی دنیا ہماری عیدوں اور ہمارے حجوں کی عزت نہیں کرے گی اور جب تک ہم محمد بن مسعود کی عزت کو پھانسی سے نہیں اتاریں گے اس وقت تک ہمارے صدام حسین اسی طرح پھانسیوں پر لٹکتے رہیں گے، ہم اسی طرح پوری دنیا میں بے عزت ہوتے رہیں گے۔

بشکریہ (جاوید چودھری)



ایک خون آلود دلدل

صدام حسین کی پھانسی ایک بہت بڑا المیہ ہے اس حوالے سے نہیں کہ صدام کوئی بہت بڑا انسان تھا یا یہ کہ وہ عوام دوست تھا یا یہ کہ وہ کوئی سامراج دشمن رہنما تھا۔ جس نے اہلِ عرب کی آزادی اور خودمختاری کے لئے کوئی بہت بڑی جنگ لڑی تھی۔ صدام بنیادی طور پر ایک خوفزدہ آدمی تھا اس کا خوف لوگوں نے 1999ء میں بھی دیکھا جب بش سینئر نے عراق کا چپہ چپہ ادھیڑ دیا تھا اس کے بمبار عراق کے شہروں اور دیہات کے شہری علاقوں کو نشانہ بنا رہے تھے اور صدام کا کوئی جہاز ان کا راستہ روکنے والا نہ تھا۔ لوگوں نے اس کا خوف زدہ چہرہ اس وقت بھی دیکھا تھا جب اسرائیل نے عراق کے ایٹمی ری ایکٹر کو تباہ کیا اور صدام کوئی جوابی کارروائی نہ کر سکا اور صدام کو خوفزدہ اس وقت بھی دیکھا گیا جب امریکہ کے ایک صدر نے عراق پر نیٹو کے تعاون سے حملہ کر دیا جسے اس نے اتحادی فوج قرار دیا۔ صدام نے نہ صرف اس فوج کا مقابلہ نہ کیا بلکہ جنگ کے میدان سے ہی راہ فرار حاصل کر لی جب عراق کے شہر بابل اور نینوا کی تہذیب کے امین کھنڈر بن گئے تو وہ ایک تہہ خانے سے برآمد ہو گیا اس حالت میں کہ وہ ایک جنونی ذہنی مریض نظر آتا تھا اور پھر اس نے گرفتاری کے بعد ایک نیا جنم لے لیا۔ جس نے اپنے ملک کے عوام پر ظلم و ستم کے ہر انداز کو آزمایا تھا۔ اچانک بہادر بن گیا۔ آمروں کے بارے میں یہ تاریخی حقیقت ہے کہ وہ بزدل ہوتے ہیں وہ اپنے آپ کو بہادر ثابت کرنے کے لئے بہت افسانے تراشتے ہیں لیکن وہ دراصل اپنے ہی عوام سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ ایسے بھی کیا حکمران ہیں کہ جنہیں ہمیشہ اندر سے خطرہ رہتا ہے۔ صدام بھی انہی حکمرانوں میں سے تھا جنہیں ہمیشہ اندر سے خطرہ ہوتا ہے۔ اب اس کا کیا کیا جائے کہ وہ باہر سے پھیلائے ہوئے جال میں گرفتار ہوا اور اب باہر والے نئی کہانیاں تراش رہے ہیں نئے افسانے تحریر ہو رہے ہیں۔ ایک امریکی تجزیہ نگار کا کہنا ہے کہ امریکی حکومت نے طالبانی اور مالکی کو پھانسی موخر کرنے کا کہا امریکی حکمرانوں کا خیال تھا کہ عید کے روز صدام کی پھانسی منفی ردعمل پیدا کرے گی اور عید کے روز کسی کی جان لینا عرب روایت کے بھی خلاف ہے لیکن عراق کے دیدہ دلیر ''کٹھ پتلی'' حکمرانوں نے امریکیوں کی ایک نہیں سنی کیونکہ عراق کے شیعہ حکمران ایسا کرنے کے لئے بے چین تھے جب صدام کو تختہ دار کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو ایک گارڈ نے ''مقتدا مقتدا'' کے نعرے لگائے ''مقتدا الصدر عراق کے شیعہ رہنما جن پر سینکڑوں سنیوں کا قتل کرنے کا الزام عائد کیا جاتا ہے'' اور صدام سے کہا اب جہنم میں جا۔ جس پر صدام نے تھوک دیا اور کہا میں جنت میں جاؤنگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صدام کی موت پر ایران نے اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ ایران کے عوام پر صدام حسین نے جس طرح جنگ مسلط کی تھی اور

جس طرح ایران کے لاکھوں شہری اس چھ سالہ جنگ کا شکار ہوئے تھے وہ اپنی جگہ ایک حقیقت ہے لیکن شاید عراق پر امریکی حملے اور امریکی قبضہ کے دوران صدام حسین کی موت پر ایرانی رہنما اگر احتیاط کا مظاہرہ کر لیتے تو بہتر ہوتا بہر حال یہ معاملہ اہل ایران ہی بہتر جانتے ہیں اور جو لوگ ایران کی تہذیب اور ان کی روایات اور عوامی ردعمل سے واقف ہیں ان کے لئے ایران کا ردعمل حیرت کا باعث نہیں ہوگا۔ لیکن اصل مسئلہ کچھ اور ہے امریکی میڈیا نے صدام حسین کی پھانسی کی جو تصویر دکھانی شروع کی ہے وہ انتہائی خطرناک ہے اور امریکی میڈیا کو جاننے والے یہ جانتے ہیں کہ دنیا میں امریکہ اور بھارت کا میڈیا از خود اپنے ریاستی مفادات کے تحفظ کو اولیت دیتا ہے اس کے لئے جائز و ناجائز ہونا ایک ضمنی معاملہ ہوتا ہے امریکی میڈیا نے عراق میں سنی اور شیعہ تضاد کو ابھارنے کے کام کا آغاز کر دیا ہے۔ امریکیوں کا خیال ہے کہ اگر عراق میں شیعہ سنی تضاد خوفناک قتل و غارت کی شکل اختیار کر جائے تو عرب اور ایشیا کے سنی علماء کو ایران کے خلاف آسانی سے استعمال کیا جا سکتا ہے اور اگر امریکہ کا آئندہ شکار ایران ہے تو اس حوالے سے ایران کو عالمِ اسلام سے تنہا کیا جا سکتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ عراق کو تین حصوں میں تقسیم کر کے اور اس کی قومی وحدت کو پارہ پارہ کر کے عراق کے تیل کے وسائل پر طویل عرصے کے لئے قبضہ کے بنیادی مقصد کو بھی حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن امریکہ کو یہ معلوم نہیں کہ تاریخ کا دھارا اب اس کے خلاف بہہ رہا ہے۔ افغانستان میں اس کی کٹھ پتلی حکومت ناکام و نامراد ہو چکی ہے عراق میں وہ ایک خون آلود دلدل میں پھنس چکا ہے۔ یورپی اتحادی اس سے منہ موڑ رہے ہیں۔ چند عوام دشمن مسلمان آمروں کی ہوس اقتدار تاریخ کا دھارا امریکہ کے حق میں موڑنے پر قادر نہیں امریکی اندازے اب اسی نتیجہ پر پہنچیں گے جس نتیجہ پر ویت نام کی جنگ کے بعد پہنچے تھے۔

بشکریہ (صدیق اظہر)

اس کو خبر نہیں کہ لہو بولتا بھی ہے

موت طبعی زندگی کے ختم ہو جانے کا نام ہے' ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے' یوں سمجھ لیجئے کہ زندگی موت کی امانت ہے۔ انسان موت کے منہ میں بہرصورت جاتا ہے۔ کبھی وہ طبعی موت مرتا ہے' کبھی وباؤں مثلاً ہیضہ' طاعون' کینسر وغیرہ کے ذریعے وہ موت کی آغوش میں جاتا ہے' کبھی آفات سماوی مثلاً زلزلہ' سیلاب' طوفان وغیرہ انسان کی موت کا سبب بنتی ہیں۔ خودکشی کے ذریعے بھی انسان اپنی زندگی کا خاتمہ کرتا ہے۔ کبھی انسان ایسی راہوں کا مسافر بن جاتا ہے جہاں اسے نافرمانی' قانون کی خلاف ورزی اور سنگین جرائم کے ارتکاب کے باعث تختہ دار پر لٹکنا پڑتا ہے اس سنگین سزا کو سزائے موت کہا جاتا ہے یعنی ملکی قانون کے مطابق کسی شخص کو جان سے مار دینا۔

یہ بتانا مشکل ہے کہ دنیا میں سزائے موت کب سے رائج ہے مگر یہ ضرور ہے کہ انسان اور سزائے موت کا ساتھ چولی دامن کا ہے' انسان اپنی خواہشات اور مفادات کے لئے معمولی جرائم پر بھی موت کی سزا دیتا رہا ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں یہ سزا مختلف طریقوں سے نافذ رہی جن میں ہاتھ پاؤں باندھ کر زندہ دفن کرنا' صلیب کشی (سولی پر لٹکانا) پیٹ چیر کر اعضاء نکال لینا' زہریلے اور وحشی جانوروں کے آگے ڈالنا' ہاتھی کے نوکیلے دانتوں کے ذریعے مارنا' ہاتھی کی سونڈ سے مارنا' ہاتھی کے پاؤں تلے مجرم کے سر کو کچل دینا' عہد حاضر میں سزائے موت کا ایک روایتی طریقہ پھانسی ہے۔ یہ طریقہ غیر متمدن اینگلوسیکسن اقوام میں صدیوں سے رائج تھا' برطانیہ میں اسے ہنری دوم نے بارہویں صدی میں اپنایا' بعدازاں انگریزوں نے سزائے موت کا یہی طریقہ اپنے مقبوضات خصوصاً جنوبی ایشیا میں رائج کیا' امریکا کی اکثر ریاستوں میں سزائے موت کے مجرموں کے جسم و جان کا رشتہ اسی طرح منقطع کیا جاتا تھا' گیس چیمبرز' گولی مارنے اور گلا گھونٹ کر بھی موت کی سزا دی جاتی رہی۔

گیلوز (Gallows) پھانسی دینے کا چوکھٹا۔ لکڑی کے دو کھمبے کچھ فاصلے پر گاڑ دیے جاتے ہیں جن کے اوپر کے سرے ایک شہتیر سے پیوستہ ہوتے ہیں دونوں کھمبوں کے درمیان ایک پختہ خانہ ہوتا ہے جس پر دو تختے رکھے ہوتے ہیں' یہ تختے کواڑ کی طرح گڑھے کے کناروں سے جکڑے ہوتے ہیں اور کواڑ ہی کی طرح ان کے اندرونی سرے ایک کنڈے سے بند ہوتے ہیں اوپر کے شہتیر کے عین وسط میں ایک کنڈا ہوتا ہے جس میں رسا بندھا ہوتا ہے۔ جب کسی ملزم کو پھانسی دینی ہوتی ہے تو اسے تختوں کے مقام اتصال پر کھڑا کر دیا جاتا ہے اور اس کے گلے میں مرکزی رسا باندھ کر گرہ دے دی جاتی ہے ملزم کے ہاتھ پیچھے کی طرف باندھ دیے جاتے ہیں' سر اور آنکھوں پر ٹوپی چڑھا دی جاتی ہے' اس کے بعد نچلے کواڑ کا بیرم

(لیور) کھینچ لیا جاتا ہے جس سے چھت کے کواڑ کھل کر نیچے کی طرف ڈھلک جاتے ہیں اور ملزم لٹک جاتا ہے' گردن کا منکا ٹوٹنے سے اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ جب ملزم مر جاتا ہے تو اس کی لاش کو نیچے گڑھے میں اتار دیا جاتا ہے' جہاں ڈاکٹر اس کی موت کی تصدیق کرتا ہے۔ پھانسی دینے کے جو دوسرے طریقے مروج رہے ان میں ایک شارٹ ڈراپ ہے جس میں سزا یافتہ فرد کی گردن میں پھندا ڈال کر اسے کسی گھوڑے یا کسی دوسری گاڑی کی پشت پر ڈال دیا جاتا پھر گاڑی کو حرکت دی جاتی جس سے آدمی رسی پر لٹکا رہ جاتا۔1850ء سے قبل پھانسی کا یہ سب سے مقبول ترین طریقہ تھا۔ اسٹینڈرڈ ڈراپ اس طریقے میں 4 سے 6 فٹ کے درمیان گرائے جانے کا عمل شامل ہے۔ اس کا استعمال انیسویں صدی میں شروع ہوا' اسے ہم شارٹ ڈراپ کا ترقی یافتہ طریقہ کہہ سکتے ہیں' لانگ ڈراپ 1872ء میں ولیم مارورڈ نے بطور سائنٹیفک ایڈوانسمنٹ متعارف کرایا' اس طریقے میں ہر ایک کو کسی طے شدہ فاصلے سے گرانے کی بجائے اس فرد کے وزن کو یہ معلوم کرنے کے لئے استعمال میں لایا جاتا ہے کہ رسی میں کتنا ڈھیلا پن ہے تاکہ گرائے جانے کا فاصلہ اتنا کافی ہو کہ گردن ٹوٹنے کی یقین دہانی ہو جائے۔ دورِ حاضر میں سزائے موت کے پھانسی کے علاوہ یہ تین طریقے مروج ہیں ان میں برقی کرسی (Electric chair) ' فائرنگ اور سٹھل انجیکشن (کیمیاوی زہر کے ذریعے موت) شامل ہے۔

اس وقت سزائے موت کے حوالے سے دنیا کے ممالک 4 درجوں میں منقسم ہیں۔ 69 ممالک میں سزائے موت کا قانون پوری طرح نافذ ہے' 88 ممالک میں اسے ختم کر دیا گیا ہے' 11 ممالک میں عام حالات میں سزائے موت ممنوع مگر خاص حالات مثلاً جنگی جرائم میں اس کی اجازت ہے' 29 ممالک میں سزائے موت کا قانون نافذ ہے مگر اسے 10 سال تک موخر کیا جا سکتا ہے۔ دنیا میں قتل' غداری' جاسوسی' کرپشن' منشیات اور انسانی اسمگلنگ جیسے جرائم کی سزا موت ہے۔ دنیا کے زیادہ تر ممالک میں سزائے موت پھانسی کے ذریعے دیئے جانے کا طریقہ پسندیدہ ہے حیران کن امر یہ ہے کہ جہاں سزائے موت کا قانون لاگو ہے وہاں سزائے موت کی مخالفت ہو رہی ہے اور جن ملکوں میں سزائے موت نہیں وہاں کے عوام سزائے موت کے حق میں ہیں۔ اعداد و شمار سے اندازہ ہوتا ہے کہ جنوبی یورپ اور لاطینی امریکا کو چھوڑ کر باقی ساری دنیا میں سزائے موت کی حمایت کی جاتی ہے۔ امریکا کی 30 ریاستوں میں سزائے موت کو قانونی حیثیت حاصل ہے' سزائے موت کے وہاں صرف دو طریقے ہیں برقی کرسی اور زہریلا انجکشن۔ دو ریاستوں کنساس اور نیویارک میں 2004ء میں سزائے موت کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا' چین دنیا کا واحد ملک ہے جہاں سزائے موت پانے والے افراد کی تعداد دوسرے ممالک سے بہت زیادہ ہے۔ چین میں ہر سال 10 ہزار ایسے مقدمات درج ہوتے ہیں جن کی سزا موت ہوتی ہے۔ آسمانی مذاہب میں یہودیت اور عیسائیت میں یہ طریقہ مروج رہا۔ اسلام میں قتل عمد کی سزا قصاص ہے یعنی مقتول کے بدلے قاتل کو قتل کیا جانا' اسی طریقہ محاربہ (کسی منظم اور مسلح جتھے کا افراد اور گروہوں پر حملہ کرنا' قتل و غارت گری' سلب و نہب' اغوا اور آبروریزی کرنا وغیرہ) کی سزا قتل کرنا اور سولی پر چڑھانا بھی ہے' اسی طرح شادی شدہ مجرم کو اسلامی حکومت میں سنگساری (پتھر مار مار کر ہلاک کرنا) کی سزا دی جاتی ہے۔

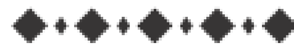
مغربی تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ سزائے موت کا انہوں نے بے دریغ استعمال کیا جس میں خصوصی نشانہ مسلمان تھے۔ برطانیہ اور دیگر ممالک میں 156 سے 220 تک جرائم ایسے تھے جن پر سزائے موت دی جاتی تھی' مہذب دنیا میں جدید ٹیکنالوجی کے باعث سزائے موت کے طریقوں

کی اشکال کو تبدیل کر لیا ہے مگر کسی کو تختہ دار پر لٹکانا مہذب دنیا کے قائد امریکا کا محبوب مشغلہ ہے جس کے لئے وہ اپنے غلام ملکوں کے قانون اور کینگرو روایتوں کا سہارا لیتا ہے جس کی بھینٹ اکثر وہی آمر چڑھتے ہیں جو اس کے پروردہ اور مفادات کے امین ہوتے ہیں۔ان کے دل میں جب قوم و ملک کی محبت جاگتی ہے تو امریکا کی ان سے دشمنی کا نقطہ آغاز ہوتا ہے' پھر وہی مجرم مجرم بن جاتے ہیں' ان پر کردہ و نا کردہ ہر قسم کے گناہ ڈال دیئے جاتے ہیں' ان پر جھوٹی سچی فرد جرم عائد کی جاتی ہے اور کٹہرے میں لا کھڑا کیا جاتا ہے۔ بین الاقوامی جرائم پر بھی انہیں بین الاقوامی عدالت تک رسائی سے محروم رکھا جاتا ہے کہ کہیں اصل حقیقت لوگوں کے سامنے نہ آ جائے اور پس پردہ ہاتھ جنہوں نے اپنے لے پالک کو جرائم کی دنیا میں دھکیلا بے نقاب نہ ہو جائیں۔ ملکی عدالتوں میں بھی قانون اور ضابطوں کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں' وکلائے صفائی کو موقف پیش کرنے کی کھلی اجازت نہیں ملتی' اگر وکیل صفائی کی کوشش کرے تو اسے قتل کر کے راستے سے ہٹا دیا جاتا ہے۔

حالیہ مثال صدام کی ہے جسے امریکا نے پالا پوسا' اس کی پیٹھ تھپکی' اسے 10 برس تک ایران کے خلاف اپنے مفادات کے لیے استعمال کیا۔ سی آئی اے' ریگن اور رمزفیلڈ اس کے جرائم میں برابر کے شریک تھے۔ اگر صدام نے کیمیاوی گیس اور کیمیاوی ہتھیار استعمال کیے تو انہیں فراہم کرنے والے کون تھے؟ استعمال کرنے والا تختہ دار پر جھول گیا' یہ ہتھیار فراہم کرنے والا اور اسے شاباش دینے والا منصف بن بیٹھا۔ جس مقدمہ میں اسے سزائے موت دی گئی ان افراد کی نشاندہی کرنے والا امریکی ادارہ سی آئی اے تھا۔ اس واقعہ پر ہالینڈ اور برطانیہ نے اقوام متحدہ میں قرارداد لانا چاہی تو امریکا نے اس کی مخالفت کر کے قرارداد واپس لینے پر مجبور کر دیا۔ صدام کی پھانسی پر فی الحال یہی کہا جا سکتا ہے۔

قاتل نے کس صفائی سے دھوئی ہے آستین
اس کو خبر نہیں کہ لہو بولتا بھی ہے

بشکریہ (حافظ سجاد ستی)



شیعہ سنی فساد کرانے کا پختہ امریکی عزم

عراق کے سابق صدر صدام حسین کو امریکی دباؤ کے زیر اثر عدالتوں نے سزائے موت دے دی۔ یہ سزا بلاشبہ امریکی صدر بش اور ان کی انتظامیہ کی سوچی سمجھی منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے۔ صدر بش اور ان کے حواریوں نے منصوبے کے مطابق اور یہودی ایجنسیوں کی نگرانی میں خفیہ ایجنسیوں کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف انسداد دہشت گردی کی آڑ میں جو عالمی مہم جوئی شروع کر رکھی ہے اس میں مسلمانوں میں باہمی اختلافات اور انتشار پھیلا کر انہیں آپس میں لڑانا اور ان کی مشترکہ اور اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کرنا بھی شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صدام حسین کو شیعوں کا بدترین مخالف باور کرا کر عراق میں شیعہ سنی فساد پیدا کر کے ہزاروں افراد کو موت کے گھاٹ اتارا جا چکا ہے۔ اقتدار کے ذریعہ ہزاروں بے گناہ عراقیوں کو موت کی نیند سلایا جا چکا ہے۔ امریکہ مسلمانوں کو آپس میں لڑوانے اور مروانے کے لئے اب ایک نئی سمت سے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی تیاری کر رہا ہے۔ ایک طرف عراق میں شیعہ اکثریت کا حق حکمرانی تسلیم کر کے سنی اور کرد مسلمانوں کو ان کے خلاف اکسا رہا ہے تو دوسری طرف ایران کے ایٹمی پروگرام کی آڑ میں عراق پر ایرانی مداخلت کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہا ہے تاکہ سعودی عرب اور خلیج کی سنی ریاستوں میں شیعہ مخالف کا تاثر پیدا کیا جا سکے۔ ایک تاثر یہ بھی دے رہا ہے کہ ایران اگر ایٹمی قوت حاصل کر لیتا ہے تو وہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے خطرہ بن سکتا ہے امریکا نے اپنی صلیبی جنگ کی حکمت عملی میں بڑی اہم تبدیلی کی ہے وہ اب براہ راست مسلمان ممالک پر شاید ہاتھ ڈالنے سے کترا رہا ہے کیونکہ عراق اور افغانستان میں اسے جس طرح کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس کی وجہ سے اسے ان دونوں ممالک میں بڑی ہزیمت کا سامنا ہے اور دونوں جگہ امریکا کا قبضہ برائے نام ہی رہ گیا ہے ورنہ امریکی انتظامیہ اپنی فوجی برتری کے باوجود شکست سے دوچار ہے جس کا اظہار بھی ہونے لگا ہے۔

سابق صدر صدام حسین چاہے جتنا بھی ظالم اور سفاک رہا ہو لیکن اگر اس کے دور حکومت کے عرصے کو دیکھا جائے تو عراق ایک پرامن اور خوشحال ملک کے طور پر سامنے آتا ہے اور ترقی اور خوش حالی کا ہی ثمر تھا جو عراق بقول امریکا جوہری توانائی کے حصول کی کوشش میں مصروف ہوا۔ پھر کل کے عراق اور آج کے عراق کا اگر سرسری نظر سے بھی موازنہ کیا جائے تو عراقیوں کو صدر صدام حسین کے مظالم سے نجات دلانے والی امریکی افواج نے تو اس سے بھی کہیں زیادہ مظالم کے پہاڑ بیگناہ عراقی عوام پر توڑ رکھے ہیں جس دہشت و درندگی کا مظاہرہ تمام تر عالمی اپیلوں کے باوجود

امریکی عراق میں کر رہے ہیں اس کی نہ کوئی حد ہے نہ حساب۔ بلاشبہ صدام حسین نے اپنے مخالفین کی سرکوبی کی ہوگی ان سے نجات حاصل کرنے کے احکامات بھی دیئے ہوں گے۔ لیکن ان کے مقابلے میں خود امریکا کیا کر رہا ہے کیا وہ اپنے مخالفین کو ہار پہنا رہا ہے ان کی تاج پوشی کر رہا ہے؟ امریکی افواج جس درندگی کا مظاہرہ کر رہی ہے اس کے مقابلے میں تو صدام حسین کے مظالم عشر عشیر بھی نہیں معلوم ہو رہے اور امریکیوں کے لئے یہ مظالم ڈھانا اور ڈھٹائی سے تمام تر عالمی اپیلوں کو رد کرتے ہوئے اپنے مذموم عزائم کو پورا کرنے میں تمام تر اخلاقی عالمی اقدار کو پامال کرنا کوئی نئی بات نہیں۔ ماضی میں بھی جنگ عظیم دوم کے موقع پر جاپان کے دو شہروں پر ایٹم بم گرا کر انہیں صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیا تھا۔ پہلے اس بدترین ظالمانہ عمل پر امریکا کو شرمندگی تک نہیں ہوئی تھی تو پھر اب عراق اور افغانستان میں ہونے والی خونریزی اس کے لئے کیسے نئی بات ہو سکتی ہے اور پھر یہ تو خالصتاً مسلمانوں کے خلاف جنگ ہے۔ جس طرح امریکا نے صدام حسین کو قاتل قرار دے کر پھانسی کی سزا دی ہے کیا وہی طریقہ کار، وہی اصول انصاف امریکا خود اپنے لئے بھی اپنا سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں وہ ایسا کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ ہر صاحب اقتدار جسے یہ گمان ہوتا ہے کہ وہی سب طاقت کا مرکز و محور ہے کوئی اس کی مخالفت کی طاقت نہیں رکھتا اور اگر کسی طرح مخالفت کی تو اس کی زبان گدی سے کھینچنے میں کتنی دیر لگتی ہے۔ صدام حسین اگر آمر تھا اور اس نے اپنے مخالفین کو اپنی مرضی کے خلاف عمل کرنے پر ٹھکانے لگایا تو خود امریکا نے کیا وہی روش اختیار نہیں کر رکھی۔ کیا امریکی صدر خود صدام حسین سے بڑا آمر ہونے کا ثبوت نہیں دے رہے۔ اگر صدر بش صدام حسین کو گرفتار کر کے عدالت کے ذریعہ پھانسی کی سزا دینے کی جگہ گرفتاری کے وقت ہی جعلی مقابلے کا ڈھونگ رچا کر گولی مار کر ہلاک کرا دیتے تو آج عالمی سطح پر انہیں یوں انگشت نمائی کا سامنا نہ کرنا پڑتا لیکن ہر آمر باہر سے جتنا مضبوط نظر آتا ہے اندر سے اتنا ہی کمزور اور کھوکھلا ہوتا ہے۔ صدر بش نے اپنی انصاف پسندی کا رعب عالمی سطح پر قائم کرنے اور دنیا کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنے کی نرالی خواہش کے پیش نظر صدام حسین کو اپنی من پسند اور اپنی مقرر کردہ عدالتوں سے سزا دلوانے کا ڈرامہ رچانے کی مذموم کوشش کی ہے جبکہ روز اول سے ہی دنیا کا بچہ بچہ یہ سمجھ رہا تھا کہ صدام حسین کو امریکا موت سے کم کوئی سزا دے ہی نہیں سکتا۔ حالانکہ خود امریکا میں بڑے بڑے جرائم میں ملوث مجرموں تک کو اب سزائے موت نہیں دی جاتی۔ پھر دیکھنا یہ بھی ہے کہ بوسنیا ہرزیگووینا میں ایک یہودی نژاد حکمران نے ہزاروں مسلمانوں کا قتل عام کیا اور ہزاروں افراد اس کے دور حکمرانی کے عرصے میں قتل ہونے والوں کی اجتماعی قبریں دریافت ہوئیں۔ کیا اس حکمران کو پھانسی دی گئی؟ اور اگر نہیں دی گئی تو کیوں؟ صرف اس لئے کہ وہ غیر مسلم اور یہودی تھا اور صدام حسین کو گھیر گھار کر اس لئے پھانسی دی جا رہی ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ یقیناً اس طرح وہ مسلم دنیا پر یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ان کی نظروں میں مسلمانوں کی کیا اہمیت و حیثیت ہے ان کے ساتھ جب چاہیں جیسا چاہیں برتاؤ کر سکتے ہیں۔ اس طرح تمام مسلم ممالک سربراہوں کے لئے ایک تنبیہ بھی ہے کہ وہ عبرت حاصل کریں اور امریکی احکامات کے آگے سر تسلیم خم ہی رکھیں سرتابی و مخالفت کی کسی طرح جرأت نہ کریں۔ امریکی تسلط کے زیر اثر عدالت نے دو ٹوک انداز میں صدام حسین کو پھانسی کی سزا دی اور یہ بات بھی اپنی جگہ ہے کہ صدام حسین کو سزا دینے والے عدالتی افراد عراقی ہیں اور مسلمان ہیں یعنی صدام حسین کو سزا سنانے والے صدام حسین کے اپنے ہی لوگ ہیں اور سزا پر عملدرآمد کرنے والے بھی اس کے اپنے ہی ملک کے لوگ ہیں تاکہ امریکا سینہ تان کر دنیا کے سامنے یہ کہہ سکے کہ ہم نے تو کچھ نہیں کیا۔ صرف انصاف کے تقاضے پورے کئے ہیں۔

صدام کے خلاف فیصلہ عین انصاف کے مطابق کیا گیا اور یہ فیصلہ خود صدام حسین کے ہم مذہب اور ہم وطنوں نے کیا ہے۔ اس میں ہمارا کوئی دوش نہیں۔ صدام حسین نے اس جبری سزا کو قبول کر لیا۔ انہیں بھی یہ احساس تھا کہ موت و زندگی اللہ کے ہاتھ میں ہے جب زندگی پوری ہو گئی تو کوئی طاقت بچا نہیں سکتی۔ اس لئے انہوں نے عراقی عوام کے نام اپنے آخری پیغام میں کہا ہے کہ وہ متحد رہیں اور وہ اپنے ملک اور عوام کے لئے قربانی دے رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ انہیں یقین ہے کہ انہیں سچے لوگوں اور شہیدوں کے درمیان جگہ ملے گی یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کے ساتھ کیسا معاملہ ہوتا ہے لیکن بظاہر تو یہی نظر آتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے بڑا عادل اور انصاف کرنے والا کون ہے امریکا اپنے تمام تر اختیارات جبر و ظلم اور خواہشات کے باوجود صدام حسین کو ان کی موت کے مقررہ وقت سے پہلے نہیں مار سکا۔ اللہ بہتر جاننے والا اور نگہداشت کرنے والا ہے اللہ تمام عالم اسلام کو اپنی پناہ میں رکھے۔ امریکا اور اس کے حواریوں کی سازشوں سے محفوظ فرمائے۔ اللہ مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

بشکریہ (مشتاق احمد قریشی)

اب مزاحمت شدت اختیار کر جائے گی

زندگی کا سب سے بڑا راز موت ہے، مگر موت کے لیے زندگی نہیں۔ دانا کہتے ہیں کہ جو زندگی کے اسرار سے آگاہ ہونے لگتے ہیں، گاہے ان میں موت کا شوق پیدا ہونے لگتا ہے۔ مگر صدام حسین کی موت اس کے شوق کی پیداوار نہیں، تاہم وہ زندگی کے کچھ بھیدوں سے آگاہ ضرور ہوا تھا، اسی لئے موت نے اسے بے آرام نہیں کیا۔ اس نے جیل کی تاریک کوٹھڑی سے روشنی پھوٹنے والی ساعتوں میں اپنی قوم کو مخاطب کیا میں آپ کو الوداع کہتا ہوں، کیونکہ میری روح اللہ کے پاس پہنچنے والی ہے۔'' راہِ موت کے اس عجیب وغریب مسافر نے اپنے خط کے اختتام پر یہ نعرے لکھے: ''عراق زندہ باد، فلسطین زندہ باد، جہاد زندہ باد، مجاہدین زندہ باد، اللہ اکبر''۔

انسان کا خاکی بیج غلامی کی بنجر زمین میں پیدا نہیں ہوتا۔ یہ حرکت کی کھاد میں نمو پاتا اور برگ وبار لاتا ہے۔ یہ انسانیت کے جلیل القدر مقاصد کا ترجمان ہوتا ہے اور حیات کے ازلی منصوبے کی تکمیل میں کوشاں رہتا ہے۔ اس پر موت حرام ہے۔ صدام حسین جو زندگی گزار نہیں سکا، اب اس کی آرزو میں موت سے ہمکنار ہوا۔ اس موت کی عظمت یہ ہے کہ یہ ایک ایسی زندگی کو خراج تحسین پیش کرتی ہے جو استعمار کے خلاف جدو جہد میں گزرتی ہے اور امریکی غلامی سے آزاد رہتی ہے کچھ دیر کے لئے اس ''زندگی'' کو نظر انداز کر دیجئے جو اس نے قابل اعتراض حالت میں برسوں گزاری اور جو تاریخ کے کٹہرے سے مخالف وموافق دلائل کے باوجود کبھی بری نہ کی جا سکے گی...... لیکن اس موت کو یاد کیجئے جس سے اس نے نظریں چار کیں، اس کی ہیبت کو دم بخود کر دیا اور پھر اسے ایک عجیب بانکپن سے گلے لگایا۔ صدام حسین کو پھانسی دینے کے موقع پر وہاں 20 افراد موجود تھے، جن میں سے ایک عراقی قومی سلامتی کا مشیر موافق الربیع تھا۔ موافق الربیع کو ایک انٹرویو میں تسلیم کرنا پڑا کہ ''صدام حسین کو صبح سویرے جگا کر جب پھانسی گھاٹ تک چلنے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی''۔ یہی وہ موقع تھا، جب ایک جج نے انہیں سزائے موت کا حکم نامہ سنایا۔ موافق الربیع کی سی این این سے ہونے والی گفتگو کے مطابق ''صدام حسین کو جب پھانسی کے لئے لایا جا رہا تھا تو انہوں نے قرآن مجید کو اپنے سینے سے لگایا ہوا تھا''۔

صدام حسین نے قیدیوں کا لباس بھی گوارا نہ کیا تھا۔ وہ ایک اوورکوٹ پہنے ہوئے تھے اور پھانسی گھاٹ تک آتے ہوئے ایک ہیٹ بھی، جو اتار لیا گیا تھا۔ صدام حسین تب تک خاموش تھے، یہاں تک کہ انہیں کچھ کہنے کے لئے کہا گیا، تب بھی انہوں نے حیات آشنا سکوت اختیار کئے رکھا

۔صدام حسین نے ایک امام کی اقتدا میں نماز فجر بھی ادا کی۔ بعد ازاں انہیں تختہء دار تک لے جایا گیا۔صدام حسین تختہء دار پر آتے ہوئے نہ جھجکے، نہ سہمے۔صدام حسین کو پھانسی دینے والے اپنا منہ چھپائے ہوئے تھے۔انہوں نے صدام کے منہ پر بھی کپڑا ڈالنا چاہا۔تب صدام حسین نے مستحکم لہجے میں انکار کرتے ہوئے کہا: ''میں موت سے آنکھیں چار کرنا چاہتا ہوں''۔البتہ صدام نے اپنی اس گردن کے گرد کپڑا لپیٹنے سے انکار نہ کیا جہاں ابھی کچھ لمحوں بعد پھانسی کی رسی ڈالی جانی تھی۔

تاریخ کا عجیب وغریب کردار اب تختہء دار پر تھا، ایک ایسی موت کے انتظار میں جو اس کے لئے ایک حیات بخش پیغام رکھتی تھی۔اس کی زیست کے تمام کالے داغ اس کے اپنے خون سے دُھلنے والے تھے، اس کی بدعمل تاریخ کی وجہ روسیاہی ختم ہونے والی تھی۔وہ جانتا تھا کہ کچھ لمحوں بعد تاریخ کا اُفق اس کے خون سے رنگین ہونے والا ہے، مگر اسے یقین رہا ہوگا کہ یہ آثار صبح گاہی ہیں۔وہ اپنی پوری زندگی امریکہ کے کام آتا رہا تھا، آج امریکا اس کے کام آرہا تھا۔اس کے خون کی برسات سے اس کی زندگی کے دھبوں کو دھو رہا تھا۔مگر فطرت کی حسن بُنت دیکھئے کہ تب پہلی بار امریکہ اور صدام حسین ساتھ ساتھ بھی نہیں تھے۔آج امریکہ وہ غلطی کر رہا تھا جو صدام زندگی بھر کرتا رہا تھا۔اگر سپر پاور ممالک ایسی غلطی نہ کریں تو انہیں کبھی زوال نہ ہو اور تاریخ کا سینہ بس ایک ہی قوم کی داستان محفوظ رکھتے رکھتے اوبھ سا جائے۔تاریخ کا یہ قیدی زندگی سے نہیں، تاریخ کی قید سے آزاد ہو رہا تھا اور اپنی نئی زندگی کے نقش ونگار اور رخ ورخسار سنوار رہا تھا۔اس منفرد واقعے کی دو فلمیں منظر عام پر آچکیں۔شاید پہلی فلم وہاں پر موجود ''علی المسدی'' نامی ایک شخص نے بنائی تھی، جو عراقی وزیر اعظم نوری المالکی کا سرکاری ویڈیو ریکارڈر اور فوٹو گرافر ہے اور جس میں صدام حسین کو تختہ دار پر جاتے ہوئے اور منہ پر کپڑا ڈالنے سے صرف انکار کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

وہ آخری منظر جو تاریخ کا سینہ ہمیشہ چھلنی رکھے گا اور آنے والے وقتوں میں امریکہ اور عراق کی طفیلی حکومت کا تعاقب کرتا رہے گا، اس ویڈیو فلم میں سے حذف کر دیا گیا تھا۔مگر تب سیلولر فون کی ویڈیو سہولت سے فائدہ اٹھانے والا کوئی اور فرد بھی وہاں موجود تھا جس نے اس منظر کو فلمبند کیا اور اب یہ منظر عام پر ہے۔اس فلم میں اسے پھانسی دینے والے اور اس کے گرد کھڑے محافظین صدام حسین کے حریف نظر آتے ہیں۔یوں لگتا ہے کہ صدام حسین کو ان کے مخالفین کے درمیان ملامت کے لئے تنہا چھوڑ دیا گیا تھا۔ایک ہجوم صدام کو کوسنے دے رہا تھا، اسے ملامت کر رہا تھا، تب صدام حسین مستحکم لہجے میں انہیں جواب دے رہا تھا جو خود کو شیعہ حریف کے طور پر پیش کر رہا تھا اور کٹہرے میں کھڑے شخص کو ایک سنی رہنما باور کرا رہا تھا۔ملت اسلامیہ کے وجود کو پہلے بھی نہایت گہرے گھاؤ لگتے رہے ہیں، مگر یہ ایسا گھاؤ ہے جو شاید مشرقِ وسطیٰ میں کبھی نہ بھرا جا سکے۔دوسری ویڈیو فلم کے آغاز میں پہلی آواز کلمہ شہادت کی ابھرتی ہے۔

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمدً اعبدہ ورسولہ .

پھر ایک اور آواز آتی ہے: یا اللہ......صدام

اب صدام درود کا پھول برساتا ہے: **اللھم صل علی محمدِ وعلی آلِ محمد......**

اس دوران شور اٹھتا ہے اور پھانسی دینے والا عملہ چیخنے لگتا ہے: تم نے ہمیں تباہ کیا......تب صدام مستحکم لہجے میں جواب دیتا ہے: ''میں نے تمہارا

تحفظ کیا، تمہیں تمہارے دشمنوں سے بچایا''۔ اب ہجوم مقتدیٰ الصدر کے نعرے بلند کرتا ہے۔ اس دوران ہجوم سے ایک اور آواز بلند ہوتی ہے: ''خدارا خاموش رہو''۔ تب صدام امریکہ اور فارس پر آخری ملامت بھیجتا ہے اور ہجوم سے بے پرواہ ہو کر اپنے خالق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس بحث و تکرار کے بعد پہلی مرتبہ کلمہء شہادت پڑھتا ہے: اشھد ان لا الہ الا اللہ ......

صدام اب دوسری مرتبہ بھی باآواز بلند کلمہ شہادت کا ورد شروع کرتا ہے اور جب پیغمبر صادق و آخر کے اسم مبارک ''محمدؐ'' تک پہنچتا ہے تو تختہ دار کا لیور کھینچ دیا جاتا ہے۔

تب ہجوم سے ایک آواز بلند ہوتی ہے: ''ظالم صدام مر گیا''۔ پھر ایک آواز آتی ہے: ''اسے تین منٹ تک جھولنے دو''۔

یہ مشرق وسطیٰ میں سنی مسلمانوں کی عید الاضحیٰ کا دن تھا، حجاج کرام بھی آج ہی عید منا رہے تھے اور عراق کے تمام سنی مسلمانوں کے لئے بھی یہ یوم عید سعید تھا۔ بغداد ابھی پوری طرح نہ جاگا تھا اور وہاں کے سنی مسلمان نہیں جانتے تھے کہ ان کی قربانی تو صبح سویرے ہو چکی۔ البتہ عراق کے اہل تشیع بھائی ایک روز بعد ایران کے ساتھ عید منانے والے تھے۔ خبر جب عام ہوئی تو اہل تشیع کی عظیم اکثریت خاموش رہی، مگر صدام کی موت کی طرح اس پر جشن منانے کا انتظام بھی پہلے سے ہی تھا۔ یہ بھی اس کھیل کی بُنت کا ہی حصہ تھا کہ صدام کی موت پر جشن منانے والے صرف اہل تشیع ہی نظر آسکیں۔ بات پھر دہرائی جاتی ہے کہ صدام کی موت پر اہل تشیع کی عظیم اکثریت خاموش رہی تھی۔ وہ اس جشن کا حصہ بننے کے لئے آمادہ نہیں ہوئی۔ تو پھر یہ سب کیا تھا؟ آخر کیوں عراق کے سنی مسلمانوں کو ایک شہید دیا گیا اور عراق کے اہل تشیع کو صدام کی موت عید کے تحفے کے طور پر دی گئی۔ آخر کیوں ایران نے ''لاشرقیہ ولا غربیہ، اسلامیہ اسلامیہ'' کے نعرے کی لاج نہ رکھی؟ اور صدام کی موت پر اپنے ردعمل میں وہ امریکہ اور اسرائیل کی صف میں جا کھڑا ہوا؟ صدام حسین کا عدالتی قتل عراق سٹڈی گروپ کے مقاصد کی کس طرح تکمیل کرے گا؟ اور مشرق وسطیٰ کی تشکیل نو میں عدالتی قتل کا یہ ڈرامہ کتنا سازگار ہوگا؟ اگر اب بھی تعصبات سے بلند ہو کر غور و فکر نہ کیا گیا تو رسوائیوں اور کھائیوں میں لڑھکنے کا یہ عمل اپنے منطقی انجام تک جا پہنچے گا۔ صدام حسین کا عدالتی قتل اور اس قتل کا ایک خاص بندوبست مشرق وسطیٰ کے بھید بھرے واقعات کا محض ایک منظر نامہ ہے، جس میں صدام حسین کی زندگی کو اس کی موت سے بڑا راز بنا دیا گیا اور صدام ایک ایسے زندہ کردار کے طور پر سامنے آیا، جہاں اس کی موت اس کی زندگی سے زیادہ افضل ثابت ہوئی۔

تاریخ بالآخر تسلیم کرے گی کہ صدام حسین کی موت اس کی زندگی سے زیادہ افضل تھی اور اس کی زندگی کی اپنی تاریخ بھی وہ ہرگز نہیں تھی جو مغرب کی ایک آنکھ سے دیکھی گئی، جس میں حقائق آدھے سچ کی مانند تھے جو پورے جھوٹ سے زیادہ خطرناک نتائج رکھتے ہیں۔ جس میں بیشتر واقعات دروغ کو فروغ دیتے ہیں، افسانوں میں لتھڑے رہتے ہیں اور من بھاتی تعبیروں کی گرد سے اَٹے رہتے ہیں۔ صدام کی موت نے ثابت کیا ہے کہ اس کی اگلی زندگی، پچھلی زندگی کی ساری سچائیوں کو بے نقاب کر دیتی، چنانچہ اسے ایک ایسی موت کے حوالے کیا گیا، جس کے بعد عراق باقی نہ رہ سکے۔ کسی کو اس پر حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ پیٹر گالبرائتھ نے تو ''اینڈ آف عراق'' نامی کتاب تحریر بھی کر ڈالی اور اگر کوئی عبرت پکڑنے کو تیار ہو تو صدام کی پھانسی کا منظر ہی نہیں، اس کی موت کے نفرت بڑھاتے انتظامات بھی بہت سی حقیقتوں کو عریاں کر دیتے ہیں۔

آشکار ہوا کہ مقدمے سے قبل ہی فیصلہ طے کر لیا گیا تھا، اگر کوئی نہیں جانتا تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ نیویارک بار ایسوسی ایشن کے رکن اسکاٹ ہورٹن نے 1982ء کے دوجیل کیس سے لے کر اس کا مقدمہ صدام حسین کے خلاف قائم کئے جانے تک کے معاملے پر ایک جامع رائے دیتے ہوئے کہا تھا: ''سانحہ دوجیل میں بھی امریکی ہاتھ موجود تھا اور اب اس کے مقدمے میں بھی امریکی کردار موجود ہے''۔

تحریر کیا گیا تھا کہ صدام کی موت کا آخری منظر امریکا اور عراق کی طفیلی حکومت کا تعاقب کرتا رہے گا۔ پورا ایک دن بھی نہیں گزرا کہ عراق کے صدر جلال طالبانی نے ذرائع ابلاغ کے نمائندوں سے کہا کہ وہ صدام کی سزائے موت کے مخالف تھے اور اس پورے واقعے سے بری الذمہ ہیں۔ عراقی وزیر اعظم نوری المالکی بھی کسی وقت مستعفی ہو سکتے ہیں، اگرچہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ وہ عراق میں تشدد ختم کرانے میں ناکام رہے اور شیعہ جماعتوں کے درمیان بڑھتے اختلافات بھی قابو نہیں کر سکے، مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ معاملہ ان کے بس میں بھی نہیں تھا۔ دراصل صدام حسین کے عدالتی قتل کی گونج اب ان کے مسلسل تعاقب میں رہے گی اور اس کا پورا ملبہ خود امریکا بھی ان ہی پر گرائے گا۔ رہا امریکہ تو وہ اپنے داغدار چہرے کو کب تک مصنوعی غازوں سے چھپاتا پھرے گا۔ نیوز ویک کے ایک ایڈیٹر فرید زکریا تک کو کہنا پڑا کہ ''ہم نے عراقیوں کو ایک جمہوری ملک کے بجائے خانہ جنگی کا تحفہ دیا ہے۔'' صدام حسین کا عدالتی قتل اور مقدمہ اسی خانہ جنگی کی آگ کو مزید بھڑکانے کے امریکی بندوبست کا محض ایک حصہ ثابت ہوا اور کچھ نہیں۔ ذرا یاد کیجئے صدام حسین کے خلاف مقدمے کے دوران کیا کیا کچھ ہوا تھا؟

امریکا نے صدام حسین کے خلاف ایک سپیشل ٹریبونل عراق کے عدالتی نظام سے نہیں، بلکہ امریکی وکلاء سے تیار کروایا تھا۔ پھر ''عدالت'' اور ٹریبونل کے معاملات چلانے کے لئے عراقی حکومت نے نہیں، خود امریکا نے سو ملین ڈالر مختص کئے تھے۔ اس کے باوجود اس عدالت کے سب سے پہلے جج نے استعفیٰ دے دیا تھا، بعدازاں دوسرے جج کو بھی عدالت کی سربراہی سے امریکا نے اچانک ہٹا دیا تھا۔ جج پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ ماضی میں بعث پارٹی کے ایک رہنما رہ چکے ہیں۔ جبکہ معاملہ صرف اتنا تھا کہ وہ صدام حسین کے خلاف مقدمے کی سماعت کے دوران انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے دکھائی دیئے تھے، امریکا نے یہ گوارا نہیں کیا۔ بالآخر امریکا نے تیسرا جج ایک ایسا کرد منتخب کیا، جس کے عزیز و اقارب کردوں کے خلاف زہریلی گیس کے استعمال میں لقمۂ اجل بن گئے تھے۔ اس طرح تیسرا جج جذباتی طور پر صدام حسین کا مخالف بن کر سامنے آیا، حالانکہ پیٹر گالبرائتھ نے اپنی تازہ کتاب میں واضح کر دیا کہ کردوں کے خلاف زہریلی گیس خود امریکا نے فراہم کی تھی اور اسے استعمال کے اہداف بھی سی آئی اے نے طے کئے تھے۔

صدام حسین کے خلاف دوجیل کیس کے اس مقدمے میں وکلاء کا معاملہ بھی ججوں سے مختلف ثابت نہیں ہوا تھا۔ صدام کے پہلے وکیل نے مقدمے کے آغاز میں ہی عدالت کے استحقاق اور دائرہ کار کے حوالے سے امریکی توقعات کے برعکس سوال اٹھا دیا۔ وکیل نے اپنے دلائل سے ثابت کر دیا تھا کہ یہ مقدمہ نہ تو اس عدالت کے دائرہ کار میں آتا ہے اور نہ ہی وہ اس کی سماعت کا استحقاق رکھتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اگلے ہی روز صدام حسین کے وکیل کو انتہائی سفاکی سے قتل کر دیا گیا۔ اس مقدمے کے دوران صدام حسین کے تین وکلاء یکے بعد دیگرے قتل کئے گئے۔ صدام حسین کے مقدمے کا فیصلہ بھی امریکی حکومت نے اپنے کاروبار سیاست کے لئے بطور ایک جنس استعمال کیا۔ صدام حسین کے خلاف مقدمے کا فیصلہ 16

اکتوبر کو سنایا جانا تھا، مگر امریکی وسط مدتی انتخابات کے لئے اسے مؤخر کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ انتخابات سے ٹھیک دو روز قبل ری پبلکن جماعت کی حمایت بڑھانے کے لئے یہ فیصلہ سنایا گیا۔ امریکا کے سابق اٹارنی جنرل رمزے کلارک تب عدالت میں موجود تھے۔ انہوں نے ایک پرچی جج کو بھیجی، جس پر لکھا تھا کہ "یہ عدالت نہیں، بلکہ ایک مذاق ہے"۔ امریکی وکلاء کی طرف سے طے کیا گیا کہ جج اس پر بپھر گیا اور اس نے رمزے کلارک کو "عدالت" سے باہر نکال دیا۔ اس معاملے کا ایک اور دلچسپ پہلو یہ ہے کہ صدام حسین کے وکیل کے طور پر رمزے کلارک اس مقدمے کو لڑنا چاہتا تھا، مگر عدالت نے اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔

صدام حسین کی پھانسی کا وقت اور اس کے انتظامات دونوں ہی بہت سوچ سمجھ کر طے کیے گئے تھے۔ عراقی وزیر اعظم نوری المالکی اسے عراق کی شیعہ برادری کے لئے عید کا تحفہ بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے پھانسی کے انتظامات اپنے ایک معتمد "باسم الحسینی" کے سپرد کر دیئے تھے، جنہوں نے صدام حسین کی سزائے موت کو ان کے لئے زیادہ سے زیادہ اذیت ناک بنانے کی کوشش کی۔ دوسری طرف امریکا پھانسی کے وقت اور اس کے مخصوص انتظامات کے ذریعے عراق کی سنی آبادی کو زیادہ سے زیادہ برانگیختہ کرنا چاہتا تھا۔ دونوں نے ہی اپنے مقاصد حاصل کئے، اگرچہ اب دونوں ہی اس سے بری الذمہ ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر حقیقتیں کب مخفی رہتی ہیں؟ 29 اور 30 دسمبر کی شب، بغداد کے گرین زون میں قائم ہیلی پیڈ پر دو ہیلی کاپٹروں سے 20 افراد اترے تھے۔ جو بعد ازاں ایک شیعہ اکثریتی علاقے "الکاظمیہ" کی جانب روانہ ہو گئے تھے۔ ان کی منزل الکاظمیہ کی وہ دو منزلہ عمارت تھی، جہاں پہلے کبھی صدام حسین کی انٹیلی جنس کا مرکز قائم تھا، مگر اب وہاں صدام حسین کو پھانسی دی جانی تھی۔ 20 افراد پر مشتمل یہ قافلہ مقتدیٰ الصدر کے حامیوں پر مشتمل تھا اور جنہیں صدام کی پھانسی کے انتظامات کا حصہ بنایا گیا تھا، یہی وہ لوگ تھے جن کے لئے تمام مغربی ذرائع ابلاغ نے "مخالفین" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

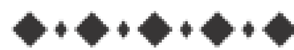
امریکی افواج نے رات کے درمیانی حصے میں صدام حسین کو بغداد ائیر پورٹ سے منسلک کیمپ کر دیہ سے نکال کر جب عراقی فوج کے حوالے کیا تھا تو عراقی حکومت کی طرف سے ان ہی بیس افراد نے صدام حسین کو وصول کیا تھا۔ یہ سب کچھ ایک مخصوص بندوبست کا نتیجہ تھا۔ مقتدیٰ الصدر ایک ایسے کھیل کا حصہ بن چکا تھا جو مشرق وسطیٰ اور خود عراق میں شیعہ مفادات کے لئے نہایت مضرت رساں ہے۔ مقتدیٰ الصدر عراق میں امریکی منصوبوں کا بہت پہلے ہی حصہ بن چکے تھے، اگرچہ وہ عراق میں امریکا کو اعلانیہ طور پر ایک قابض فوج ہی قرار دیتے ہیں۔ امریکا اور مقتدیٰ الصدر کے درمیان خاموش مفاہمت کے خدوخال سنوارنے میں احمد شبلی نے نہایت ہی فعال کردار ادا کیا تھا۔ جس کے نتیجے میں عراق کے اندر جنوری 2005ء کے انتخابات میں 23 نشستیں حاصل کر لی تھیں۔ ایک سال بعد ہی ہونے والے انتخابات میں یہ تعداد بڑھ کر 30 ہو گئی تھی اور تب مقتدیٰ الصدر کی جماعت نے خاموشی سے صحت اور ٹرانسپورٹ کی وزارتیں بھی حاصل کر لی تھیں۔ بعد ازاں مقتدیٰ الصدر نے جتنے بھی راستے اختیار کیے، وہ سب ایک بندوبست کا ہی نتیجہ تھے۔ اب کوئی بھی مقتدیٰ الصدر کو خوئی کے قتل میں گرفتار کرنے کی بات نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ امریکا بھی نہیں۔ ٹھیک اسی طرح جب وہ دوجیل کے 148 افراد کے قتل پر 1998ء سے ایک عشرے تک چپ سادھے رہا۔

22 جنوری 2006ء کی تاریخ اس اعتبار سے کافی اہم کہلائے گی کہ تب مقتدیٰ الصدر نے عراق میں جاری مزاحمت کا رخ امریکا سے موڑ کر

فرقہ وارانہ بنا دیا تھا۔ اگرچہ اس تاریخ کو اہل تشیع کے دسویں اور گیارہویں امام کے روضوں پر بم دھماکے ہوئے تھے، مگر مقتدیٰ الصدر نے اس کارروائی کے متعلق حقائق جاننے کا انتظار کرنے کے بجائے مہدی آرمی کے ذریعے امریکا کے خلاف جاری سنی مزاحمت سے مقابلہ آرائی شروع کر دی، تب پہلی بار عراق میں خانہ جنگی کے آثار صاف دکھائی دینے لگے تھے اور اب صدام حسین کے عدالتی قتل کے امریکی بندوبست میں حصہ لے کر مقتدیٰ الصدر نے اس خانہ جنگی کو عراق کے لئے ایک حقیقی خطرہ بنا دیا ہے، جس پر عراق میں سب سے زیادہ ناراض خود شیعہ برادری ہے۔ مقتدیٰ الصدر کے لئے اب اپنی ساکھ بچانے کے لئے ضروری ہوگیا ہے کہ وہ امریکا کے خلاف اپنے مزاحمانہ کردار کو ایک بار پھر زندہ کریں۔ شاید مقتدیٰ الصدر کی ساکھ کو سنبھالا دینے کے لئے آئندہ دنوں میں امریکا کی طرف سے کچھ کارروائیاں بھی ہوں۔ اس امر کے قوی امکانات ہیں کہ الصدر سٹی میں امریکی آپریشن کا آغاز کر دیا جائے، ایران کے لئے عراق کی یہ صورت حال انتہائی خطرناک ثابت ہوگی، کیونکہ عراق میں فرقہ وارانہ خانہ جنگی کے نتیجے میں مشرق وسطیٰ کے دیگر ممالک وہاں پر اپنی اپنی ہم مسلک آبادیوں کے تحفظ کے لئے متوجہ ہوں گے، جو ایران کے آئندہ منصوبوں کے لئے ہرگز سازگار نہیں۔

جہاں تک صدام حسین کی پھانسی کے بعد کے عراق کا منظر نامہ ہے تو وہ اندھے کو بھی نظر آ سکتا ہے کہ امریکا کے لئے اب عراق مزید دشوار سے دشوار تر ہوتا چلا جائے گا۔ معروف مصنف رابرٹ فسک نے اپنے تازہ مضمون میں واضح کیا کہ صدام حسین کی گرفتاری نے عراق میں جاری مزاحمت کو دوگنا بڑھا دیا تھا اور اب صدام کی پھانسی کے بعد اس رواں مزاحمت میں مزید دوگنا اضافہ ہو جائے گا، مگر ایک بات جو سب ہی نظر انداز کر رہے ہیں وہ یہ کہ شاید پہلی بار القاعدہ اور بعث پارٹی میں عراق کے اندر ایک زبردست مفاہمت کے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ امریکا نے عراق پر قبضے کے بعد عراقی فوج کو غیر قانونی قرار دے دیا تھا۔ سرکاری ملازمین کو اپنے گھروں میں بھیج دیا تھا اور حکومت کے زیر انتظام چلنے والے بیشتر اداروں کو بند کر دیا تھا، جس میں لاکھوں افراد منظم و متحرک رہتے تھے۔ پھر بعث پارٹی کے کارکنان اور صدام دور کی انٹیلی جنس سے وابستہ افراد تھے۔ اب اس کا غالب ترین حصہ مزاحمت کا حصہ بن چکا ہے۔ دوسری طرف عراق میں القاعدہ بھی متحرک ہے، جن کا غالب حصہ وہ ہے جو قریبی ممالک سے وہاں پہنچا تھا، اگرچہ ان دونوں کے اہداف میں دو باتیں مشترک تھیں اولاً قابض افواج کا عراق سے انخلاء اور ثانیاً عراق کی طفیلی حکومت کا خاتمہ، مگر ان دونوں اہداف میں اشتراک کے باوجود ان کی باہمی مفاہمت بہت زیادہ نہ تھی، مگر صدام حسین کے عدالتی قتل نے اس کے امکانات کو بہت زیادہ روشن کر دیا ہے۔ آئندہ دن عراق کے لئے مزید سخت ہوں گے اور امریکی مفادات کے لئے شاید سب سے زیادہ مشکل ترین ثابت ہوں گے۔

بشکریہ (محمد طاہر)



کیا ایسی قوم جاگ سکتی ہے؟

جمعہ کی رات ختم ہورہی تھی گھڑی کی سوئی دھیرے دھیرے 12 کی طرف بڑھ رہی تھی اور میں سوچ رہی تھی کاش کوئی معجزہ ہو جائے۔ سنیچر کی صبح ہوئی میں ہزار کوشش کے باوجود T.V نہیں آن کرسکی، ڈرتھا، خوف تھا کہ یہ منحوس خبر نہ ملے۔ گیارہ بجے ہمت کرکے CNN لگایا تو پتہ چلا جس خبر سے ڈر رہی تھی وہ خبر دکھائی جارہی تھی۔ خبر یہ تھی کہ جس وقت صدام کو پھانسی دی گئی اس وقت فجر کی اذان ہورہی تھی۔

خدا کبھی تکبر کو پسند نہیں کرتا۔ وہ بار بار بندوں کو موقع دیتا ہے اپنی غلطی سدھارنے کا، خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ عید کے دن صدام کو پھانسی دینا انتقام کی جنون کی اور خوف کی انتہا ہے ایسا لگتا ہے جیسے صدر بش کے ذہن پر صدام حسین مرحوم کے ڈر کا بھوت سوار تھا جو صدر بش کو اعصابی طور پر کمزور بنا رہا تھا۔

صدام حسین پر 148 لوگوں کو زہریلی گیس کے ذریعے ہلاک کرنے کا الزام تھا اور انہیں پھانسی دیدی گئی۔ صدر صدام حسین پر اور بھی بہت سے الزامات تھے۔ سب کا فیصلہ موت ہی ہونا تھا۔ مگر کردوں کا قتل عام اور کرپشن کے مقدمہ کا فیصلہ ہونے سے پہلے ایک ہی الزام میں سزا سنادی گئی یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ عراق میں امریکہ کی مسلط کردہ کٹھ پتلی حکومت اس رکاوٹ کو دور کردینا چاہتی تھی جو امریکہ کی راہ میں صدام حسین کی شکل میں حائل تھی۔ صدام حسین بھلے ہی بدترین آمر حکمران تھے مگر وہ عراق کے تھے۔ وہ ایک ایسے حکمران تھے جو آمریت کے باوجود عراق کے مستحق لوگوں کو فاقوں سے بچاتے تھے، انہوں نے اپنے آمرانہ دور میں بھی ملک کو ذہنی روشنی، پڑھا لکھا طبقہ اور سوچتا ہوا ذہن دیا تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ کسی بھی لیڈر یا حکمران کا اس طرح کا قتل سیاست کے صفحے سے اسے نہیں مٹاتا اور نہ اس کا نام نہیں ختم کرسکتا ہے۔

صدام کی پھانسی کی انسانی حقوق کے عالمی اداروں نے مذمت کی ہے۔ قانونی کمزوری کیا ہے۔ مشرق وسطیٰ کے ایمنسٹی انٹرنیشنل کے ڈائریکٹر میلکم اسمارٹ نے قانونی کارروائیوں کو ''خامیوں سے بھرا'' قرار دیا ہے۔ صدام حسین دوران جنگ گرفتار ہوئے تھے، اس لئے وہ خالصتاً جنگی قیدی تھے جن کو 148 لوگوں کے مارنے کے جرم میں پھانسی کی سزا سنادی گئی، پھانسی دیدی گئی۔ ان نہتے مظلوم عراقی عوام جن میں بچے' بوڑھے' جوان' عورتیں سبھی شامل ہیں اور جن کا قتل عام ہوا اور ہورہا ہے۔ ان کو مارنے والوں کی کیا سزا تجویز کریں گے صدر بش کے مقرر کردہ عراقی ڈمی جج اور وکیل حضرات وہی جنہوں نے صدر صدام حسین کو سزا دی۔ صدام حسین کا بس ایک جرم تھا وہ اسرائیل کے خلاف تھے اور وہ شخص جو امریکہ کی آنکھوں

کی روشنی تھا اسے اسرائیل کے خلاف ہونے کے جرم میں بجھا دیا گیا۔

یہ سب کچھ مسلم ممالک کے لئے، مسلم حکمرانوں کے لئے ایک مقام فکر ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ امریکہ اسلام کے خلاف اپنی تمام مکروہ اور گندی سازشوں کے منصوبے کی تکمیل میں سب کچھ کر سکتا ہے ہر حد سے گزر سکتا ہے اور کسی کو بھی کسی بھی جرم میں پھانس کر پھانسی پر چڑھا سکتا ہے۔

دریائے دجلہ کے کنارے تکریت کے علاقے میں پیدا ہونے والا ایک غریب کسان کا بیٹا صدام تھا جس نے 15 مارچ 2006ء کو اپنے مقدمے کے بیان کے دوران کہا تھا عراقی عوام کو آپس میں لڑنے کے بجائے امریکی افواج سے لڑنا چاہئے ...... اور جج نے صدام حسین کا مائیک بند کر دیا۔ صدام حسین کو اگر 28 دسمبر 2006ء کو پھانسی نہیں دی جاتی تو بھی انہیں 28 اپریل 2007ء سے پہلے مرنا ہی تھا کیوں کہ عراقی قانون کے تحت 70 سال سے زیادہ یا 70 سال کی عمر کے مجرم کو پھانسی نہیں دی جاتی اور 28 اپریل 2007ء کو صدام حسین 70 سال کے ہو جاتے۔

عراق کے قانون میں سنا ہے یہ بھی شامل ہے کہ پھانسی مذہبی تہوار پر نہیں دی جا سکتی مگر صدام حسین کو دیدی گئی کیونکہ یہ ایک وارننگ ہے کہ مسلمانوں کو کبھی بھی کہیں بھی کسی بھی جرم کا مجرم بنا کر کسی بھی وقت کسی بھی دن پھانسی دے سکتے ہیں۔ خدا اور مجازی خدا...... تو امریکہ خود کو مجازی خدا ہی سمجھتا ہے۔ مجازی کا مطلب ثانوی ہوتا ہے دوسرے درجے کا ہوتا ہے مگر امریکہ خود کو خدا سمجھتا ہے۔ جس کے ہاتھوں میں سب کی تقدیر سب کی زندگی سب کی موت لکھی ہے۔

اتوار کی صبح چار بجے (مقامی وقت) کے حساب سے صدام حسین کو خاموشی سے دفن کر دیا گیا۔ سینکڑوں، ہزاروں لوگوں نے صدام حسین کی پھانسی پر آنسو بہائے ماتم کیا۔ وہ عراق کا بیٹا تھا، عراقی اس کے لئے تمام عمر روئیں گے شیعہ سنی کا فرق بھول کر ہر عراقی ایک نہ ایک روز ضرور سوچے گا کہ ''وہ سنی تھا تو کیا ہوا، ہم شیعہ تھے تو کیا ہوا'' تھا تو وہ ہمارا ہی۔

صدام حسین کی پھانسی کیا عالمی امن کے لئے خطرہ بنے گی خاص کر اس حالت میں جب کالعدم بعث پارٹی نے صدام حسین کی پھانسی کا انتقام لینے کا اعلان کیا ہے؟؟ بعث پارٹی نے صدر بش کو وارننگ بھی دی ہے کہ وہ پھانسی دے کر خوش نہ ہوں'' 2003 11/9 کے بعد سے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی وجہ سے عراقی عوام کو مفلس، آزمائشوں اور مصیبتوں کا سامنا ہے۔ تیل کے کنوؤں اور معیشت پر امریکہ کی لائی تباہی ہے، اور اب پھانسی بچے کھچے عراق کا کیا حال کرے گی وقت بتائے گا؟؟ لوگ کہتے اور میں بھی کہتی ہوں کہ شاید عوام جاگ اٹھیں گے صدام حسین کے آخری پیغام کو سننے والے عراقی خاموش نہیں رہیں گے مگر...... کیا ایک پسی ہوئی اجڑی ہوئی قوم جاگ سکتی ہے؟؟ شیعہ اور سنی کے سوال میں الجھی ہوئی قوم جاگ سکتی ہے؟؟ ایک فرقہ ماتم کر رہا ہے دوسرا خوشیاں منا رہا ہے، کیا ایسی قوم جاگ سکتی ہے۔ کیا یہی جو کچھ میں نے ڈر کے مارے سوچا ہے وہی عراق کا مستقبل ہے؟؟ کیا عراق جیسا انجام کسی بھی ملک، کسی بھی قوم جو لفظ ''مسلمان'' کے نام سے موسوم ہے۔ مستقبل ہے؟؟

بشکریہ (عابدہ اقبال آزاد)

غاصبوں کے آلہ کار

صدام حسین نے اپنے آخری لمحات میں پوری دنیا کے مسلمانوں کا سر فخر سے بلند کر دیا۔ ہم تو کتابوں میں پڑھتے آئے تھے کہ کلمہ حق کہنے والے کس طرح مسکراتے ہوئے تختہ دار پر چڑھ جاتے ہیں مگر ہمیں یہ ہمیشہ ذرا افسانوی سا لگا کیونکہ موجودہ دور میں ایسی کوئی مثال نہیں تھی اور اگر کسی کو ناحق تختہ دار پر چڑھایا بھی گیا تو تمام تر بلند و بانگ دعووں کے باوجود وہ کانپتے ٹانگوں اور لڑکھڑاتے قدموں سے ہی تختہ دار پر گیا اور کہیں تو یہ بھی مشہور ہو گیا کہ پھانسی کے تختے کی دہشت نے جلاد سے اس کا شکار ہی چھین لیا اور جلاد بلاوجہ ہی بدنام ہوا۔ صدام حسین نے ہماری لاج رکھ لی جبکہ اس کے برعکس امریکہ کے جو پٹھو اپنے آقاؤں کے کہنے پر اسے پھانسی دے رہے تھے اس قدر خوفزدہ تھے کہ ایک لمحے کے لئے بھی اپنے چہروں سے نقاب نہ اٹھا سکے ان بزدلوں کے مقابلے میں اجل کے منہ میں کھڑا صدام ان سے کہہ رہا تھا کہ مجھے نقاب کی ضرورت نہیں میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا سامنا کرنا چاہتا ہوں۔ امریکہ کی سنگینوں کی چھاؤں میں حکمرانی کرنے والے اچھل اچھل کر اس آہنی اعصاب رکھنے والے رہنما کا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہے تھے مگر صدام ان سے نہایت اطمینان سے پوچھ رہا تھا کہ کیا بہادر عربوں کا یہی وطیرہ ہوتا ہے۔ اس پھانسی کے بعد صدام تو امر ہو گیا اور جنہوں نے اس کو امریکہ کے اشارے پر اور اس کی فوجوں کی حفاظت میں لٹکایا وہ پوری دنیا کے سامنے ننگے ہو گئے اور سب کو اندازہ ہو گیا کہ استعماری طاقتوں کے آلہ کار کس طرح تاریخ میں ہمیشہ سے یہی کردار ادا کرتے آئے ہیں۔ تاریخ ہمارے سامنے لکھی جا رہی ہے اور الیکٹرونک میڈیا کے اس دور میں سب کچھ ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے اور اس میں مبالغے ملاوٹ اور جھوٹ کی کوئی گنجائش نہیں۔ پوری دنیا دیکھ رہی ہے کہ یزید وقت کے ساتھ کون کھڑا ہے اور کون اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے پھانسی کے پھندے کو چوم رہا ہے۔

صدام کی موت کا وقت بہت اہم ہے۔ اسے عید کے دن اس وقت پھانسی چڑھایا گیا جب پورے عراق میں فجر کی اذان مسلمانوں کے کان میں گونج رہی تھی۔ کسی کی کسی سے کتنی ہی دشمنی ہو ظالم بھی عید اور تہوار کے دن یہ حرکت نہیں کرتا مگر امریکہ صرف صدام کو پھانسی نہیں دینا چاہتا تھا وہ پوری مسلمان امہ کا مذاق اڑانا چاہتا تھا اور انہیں بتلانا چاہتا تھا کہ مغرب کی نظر میں مسلمانوں کے تہواروں ان کے مقدس دنوں اور خوشی کے موقعوں کی کوئی اہمیت نہیں اور وہ ان کے تکریم و تقدس کو جب جی چاہے پامال کر سکتا ہے اور اس کے لئے اسے اپنے سپاہیوں کی بھی ضرورت نہیں اس کی خدمت کیلئے وہ عناصر کافی ہیں جو ہمیشہ سے مسلمانوں کی صفوں میں میر جعفر اور میر صادق کا کردار ادا کرتے آئے ہیں۔ کاش ان لوگوں میں اتنا حوصلہ اور اسلام کی اتنی محبت اور عظمت تو ہوتی کہ وہ اس مقدس دن یہ گھناؤنا کام کرنے سے انکار کر دیتے اور کم سے کم اسے دو چار دن ٹال کر

مسلمانوں کی تاریخ میں اس بدنما داغ کو لگنے سے روک دیتے۔ اب ہم کس طرح اپنے بچوں کو بتائیں گے کہ مسلمانوں کے ملک پر قابض ایک غیر ملکی طاقت نے خاص عید کے دن مسلمانوں کے ہاتھوں ہی اس ملک کے سربراہ کو پھانسی پر چڑھایا اور ہم ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے اور پوری دنیا کے مسلمان رہنما دبی دبی زبان میں احتجاج کرنے کے علاوہ کچھ نہ کر سکے۔ تاریخ میں ہمارا ذکر آنے والی نسلوں کیلئے کوئی زیادہ قابل رشک نہ ہوگا۔ صدام کا جرم کیا تھا۔ اسے جس الزام میں سزا ہوئی اس کے مطابق اس نے اپنے ملک کے لوگوں کو بغاوت کے جرم میں موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ کیا یہ کوئی انوکھا رہنما تھا جس نے یہ کیا اور کیا یہ آج بھی نہیں ہو رہا۔ کیا کئی ممالک میں بانگ دہل یہ اعلان نہیں کیا جا رہا کہ حکومت کے اقتدار اعلیٰ کی حفاظت کی جائے گی چاہے اس کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے اور اس کا ثبوت بھی پیش کیا جا رہا ہے۔ بغاوت کے نام پر بمباری کر کے تراسی نوجوان بوڑھے اور بچے مار دینا اب ایک عام سی بات ہے اور اس کے بعد کہا جاتا ہے کہ یہ قومی مفاد میں تھا۔ صدام نے بھی قومی مفاد میں بغاوتوں کو کچلا اور اگر اس کا جرم اتنا سنگین تھا تو پھر وہ دوسرے رہنما کیوں بچے ہوئے ہیں جو اپنے ہی لوگوں کے خلاف اعلان جنگ کئے ہوئے ہیں اور انہیں اجتماعی اور انفرادی طور پر چن چن کر قتل کر رہے ہیں۔ کیا ان کے خلاف مقدمات اور پھانسی کا عمل اسی وقت شروع ہوگا جب امریکہ کی نظر میں ان کی افادیت ختم ہو جائے گی اور پھر صدام کی طرح ان کے ساتھ بھی انصاف کا ڈھونگ رچایا جائے گا اور وہ بھی کسی دن اسی طرح اپنوں ہی کے ہاتھوں تختہ دار پر انصاف وصول کر رہے ہونگے۔ جس وقت صدام نے یہ جرم کیا اسے امریکہ کی مکمل سرپرستی حاصل تھی۔ وہ کیمیکل ہتھیار جو کردوں کے خلاف استعمال ہوئے وہ گولیاں جن کا نشانہ معصوم اور بے بس عراقی بنے ان سب پر مہریں مغربی ممالک کی تھیں جو اس وقت صدام کو ہانکا دے رہے تھے کہ آگے بڑھو اور بغاوتوں کا سر کچل دو بالکل اسی طرح جیسے آج کل امریکہ دوسرے اسلامی ممالک میں رہنماؤں کی پیٹھ ٹھونک رہا ہے کہ اپنے لوگوں کا قتل عام کرو انہیں دہشت گرد قرار دے کو غائب کر دو اور جو اس پر احتجاج کرے اسے ننگا کر کے مارو اور تشدد کا نشانہ بناؤ۔ ناعاقبت اندیش حکمران طاقت کے نشے میں سرشار آنکھیں بند کر کے اس کے احکامات پر عمل کر رہے ہیں اور اس فائل کا پیٹ بھر رہے ہیں جو کسی نہ کسی دن ان کے خلاف عدالت میں پیش کی جائے گی اور امریکہ حیرت کا اظہار کرے گا کہ یہ شخص اس قدر ظالم تھا اور اس نے اپنے لوگوں کو اس بے دردی سے مارا۔

اگر عراقیوں کا قتل اتنا بڑا جرم ہے تو پھر امریکہ اس کا سب سے بڑا مجرم ہے۔ صدام ہزار بار بھی پیدا ہو جائے تو اتنے عراقی نہیں مار سکتا جو امریکہ نے مارے ہیں اور میں صرف ان عراقیوں کی بات نہیں کر رہا جو امریکہ کے عراق پر قبضے کے بعد مارے گئے ہیں حالانکہ ان کی تعداد بھی لاکھوں میں ہے اور اس کی ذمہ داری مکمل طور پر امریکہ پر ہے کیونکہ نہ امریکہ عراق پر قبضہ کرتا اور اس کے معاشی اور معاشرتی ڈھانچے کو برباد کرتا اور فرقہ واریت کو ہوا دیتا نہ اتنی تعداد میں معصوم لوگ ہلاکت کا شکار ہوتے۔ میرا اشارہ تو ان لاکھوں بچوں کی جانب بھی ہے جو امریکہ کے اشارے پر اقتصادی پابندیوں کے نتیجے میں دواؤں اور غذا کی قلت کے باعث مارے گئے۔ پوری دنیا چیختی رہی اور عراقی مائیں رو رو کر ان معصوموں کی جان کی بھیک مانگتی رہیں مگر شقی القلب مغربی رہنماؤں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ جو پھانسی کا پھندہ صدام کے گلے میں ڈال رہے تھے ان میں اتنی اخلاقی جرات بھی نہیں تھی کہ کم سے کم اپنے مغربی آقاؤں سے ان لاکھوں معصوموں کی جان کا حساب مانگ سکیں۔

کہا جا رہا ہے کہ صدام کا اس طرح عدالتی قتل مسلمانوں کو لڑانے کی سازش ہے۔ افسوس کہ مسلمان ہمیشہ دشمن کا آلہ کار بن کر واویلا مچا دیتا ہے کہ

اس کے خلاف سازش ہورہی ہے۔ کیا جن لوگوں نے پھانسی کا پھندہ صدام کے گلے میں ڈالا امریکہ سے یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہ کام خود کرو تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے اور دنیا کو پتہ چل جائے کہ یہ سزا عراق کی عدالت کی نہیں امریکہ کے سفید ہاتھی کی ہدایت ہے۔ پہلے تو دشمن کے ساتھ مل جاؤ اور اس کے ساتھ ساز باز کرو پھر کہو کہ یہ مسلمان کو لڑانے کی سازش کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی کیونکہ مسلمانوں میں بس دو گروہ ہیں۔ ایک وہ جو حق اور صداقت کا علمبردار ہے اور دوسرا وہ جو طاغوتی قوتوں کا اور غاصبوں کا آلہ کار۔ مقام حیرت اور عبرت ہے کہ کربلا کی سرزمین نے ایک دفعہ پھر دونوں کا چہرہ دنیا کو دکھا دیا۔

بشکریہ (ضیاءالاسلام زبیری)

خانہ جنگی کا تحفہ

صدام حسین کا قصہ تمام ہوا۔اس کی گرفتاری' مقدمہ اور پھانسی عراق پر امریکی قبضے کا افسوس ناک پہلو ہے۔مناسب انداز میں ہو جانے والا کام بدترین انداز میں کیا گیا۔یاد رہے صدام حسین کوئی غیر معمولی ڈکیٹٹر نہیں تھے۔عہد جدید میں ان کی حکومت تاریخ کی ایک ظالم' کرپٹ اور متشدد حکومت تھی جو روس کے سٹالن اور شمالی کوریا کے کم جونگ ال سے مماثلت رکھتی تھی۔اس میں امریکہ کیلئے سٹریٹیجک حکمت جو بھی ہو'ان کی معزولی بلا مبالغہ طور پر عراق کیلئے مفید ثابت ہونا شروع ہو گئی۔

جلد ہی بش حکومت نے صدام پر بین الاقوامی قانون کے تحت یا ایک بہتر قانونی ساکھ رکھنے والی عدالت میں مقدمہ چلانے کا فیصلہ ترک کر دیا۔آخر یہی حکومت تھی جسے عراق پر حملے اور قبضے کیلئے اقوام متحدہ سے مینڈیٹ نہ مل سکا۔اس نے صدام کی قسمت کا فیصلہ ایک ایسی عراقی حکومت کے ہاتھ میں دے دیا' جس پر شیعہ اور کرد سیاستدانوں کا غلبہ تھا جو مبینہ طور پر صدام کے عہد میں ظلم وستم کا شکار رہے۔چنانچہ صدام کے خلاف مقدمہ جو ایک مہذب معاشرے کا ایک ڈکٹیٹر کے خلاف فیصلہ ہونا چاہیے تھا اب سنی اور عرب مسلمانوں کی اکثریت اسے ایک تماشہ اور فاتح کا انتقام سمجھ رہی ہے۔

یہ کوئی ناگزیر عمل نہیں تھا۔صدام کی اقتدار سے محرومی پر عوام کی اکثریت خوش تھی۔امریکی قبضے کے بعد ابتدائی مہینوں میں عبوری اتھارٹی کیلئے عوام کی حمایت 70 فیصد سے زائد تھی۔اس کے حامیوں میں عراق کے سنی عوام بھی شامل تھے۔بغاوت کے ابتدائی مہینوں میں صرف 14 فیصد عوام امریکی فوجیوں پر حملے کے حق میں تھے۔آج یہ تعداد 70 فیصد ہو چکی ہے۔ان مہینوں میں شورش کا مرکز سنی فلوجہ نہیں۔

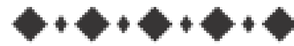
ان ابتدائی مگر اہم مہینوں میں امریکی حکومت نے عراقی فوج کو تحلیل کر دیا' پچاس ہزار بیوروکریٹس کو برطرف کر دیا گیا اور حکومتی سرپرستی میں چلنے والے وہ ادارے بند کر دیئے گئے جہاں عراقی عوام کی اکثریت برسرروزگار تھی۔درحقیقت امریکہ نے عراقی ریاست کا تیاپانچا کر دیا۔عدم تحفظ' بدانتظامی اور بیروزگاری عروج پر پہنچ گئی۔حکومت جس پر سنی عوام کا غلبہ تھا وہ اسے محض حکومت کی تبدیلی نہیں بلکہ ایک دوسری ڈکٹیٹر شپ سمجھتے ہیں جس میں انہیں اچھوتوں کا درجہ حاصل ہے۔امریکہ نے سوچے سمجھے بغیر اتنا سنگین قدم کیوں اٹھایا۔بش حکومت کی خارجہ پالیسی کے حوالے سے یہ ایک معمہ ہے' سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔بعض فیصلے تو آئیڈیالوجی کے پس منظر میں کیے گئے۔بعث پارٹی کو ایک فاشسٹ پارٹی قرار دیا گیا۔ہر سکول ٹیچر جس نے نوکری کیلئے بعث پارٹی کی رکنیت لی اسے نازیوں کا ہم پلہ اور تمام حکومتی اداروں کو ملعون ٹھہرایا گیا۔

حکومت نے اپنی پالیسیوں کے فرقہ وارانہ پہلو کا ادراک نہ کیا۔ چنانچہ وہ قوم کی تعمیر نو کے بجائے اس کی تباہی کا سبب بن گئیں۔ اس نے ایک ہی رٹ لگا رکھی تھی کہ وہ قومی فوج اور پولیس فورس کی تشکیل میں مصروف ہے جبکہ یہ بات کالم نگاروں پر بھی عیاں تھی کہ ان دونوں اداروں میں شیعہ اور کرد لوگوں کی اکثریت ہے جن کا تعلق ملیشیا گروپوں سے تھا اور وہ ریاست کے بجائے مختلف سیاسی جماعتوں کے وفادار تھے۔ ان بنیادی سیاسی اعتراضات کا جواب تھا کہ ان کی مزید تربیت کی جائے لیکن ایک مضبوط شیعہ فوج نے سنی عوام میں عدم تحفظ کا شدید احساس پیدا کر دیا اور وہ بغاوت کی حمایت کو ترجیح دیتے ہیں۔

عراق کے سنی عوام کوئی فرشتے نہیں ان کی جو اقلیت القائدہ کی حامی ہے انتہائی ظالم اور سنگدل ہے لیکن یہاں میرا مقصد ان کی برائیوں کی نہیں اپنی حماقت کی نشاندہی کرنا ہے۔ ہم نے عراق سے صرف صدام حکومت نہیں بلکہ صدیوں پرانی حکمران اشرافیہ کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اس کے برعکس جب نیلسن منڈیلا جنوبی افریقہ میں برسر اقتدار آئے تھے تو انہوں نے ایک بھی سفید فام فوجی یا بیوروکریٹ کو برطرف نہیں کیا تھا۔ انہوں نے یہ اس لئے نہیں کیا تھا کہ وہ انہیں اپنے عوام کا ہمدرد اور بہی خواہ سمجھتے تھے بلکہ انہوں نے یہ پالیسی اور حکمت عملی ایک افریقی بغاوت روکنے کیلئے اپنائی۔ واشنگٹن میں یہ فیشن بن گیا ہے کہ عراق میں ہونے والے کسی بھی واقعے کی ذمہ داری عراقی عوام پر ڈال دی جاتی ہے مثلاً چارلس کراٹ ہیمر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں ''ہم نے عراقی عوام کو ایک جمہوری ملک دیا ہے' مگر وہ خود کو اس کا اہل ثابت نہیں کر رہے۔

بعض لوگ ماہرین بشریات سے خواستگار ہیں کہ وہ عراقی کلچر کی بے عملی اور بے اعتدالی کی وجود کا پتہ چلائیں۔ ممکن ہے ان تمام دعووں میں کسی حد تک سچائی اور حقیقت ہو لیکن عراق ایک مشکلات سے لبریز سرزمین ہے۔ اس کے باوجود بش حکومت الزامات سے اپنا دامن نہیں بچا سکتی۔ اس نے بلا سوچے سمجھے وہاں فرانس اور ایران جیسا انقلاب لانے کی کوشش کی اور پھر حیران دکھائی دینے لگے کہ عراق اس انقلاب کو اتنے پر امن انداز میں ہضم نہیں کر سکتا۔ ہم نے عراقی عوام کو ایک جمہوری ملک کا نہیں بلکہ ایک خانہ جنگی کا تحفہ دیا ہے۔

بشکریہ فرید زکریا (''نیوز ویک'' ترجمہ: زاہد رامے)



ایک نامعلوم راز

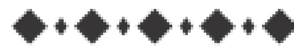
13 دسمبر 2003ء کی ایک سرد اور اداس شام کو صدام حسین کو ان کے آبائی قصبے تکریت کے مضافات میں ایک زمین دوز غار سے گرفتار کیا گیا۔ صدام حسین جس رسوا کن انداز میں گرفتار ہوئے وہ منظر عالم اسلام خاص طور پر عرب قوم کے لیے باعث شرم تھا۔ گرفتاری کے وقت اس کے پاس نو بندوقیں 400 گولیاں اور 97 ہینڈ گرنیڈ تھے۔ مسلمانوں کی روائتی غیرت کا تقاضا تو یہ تھا کہ ''مجاہد اعظم'' صدام مردانہ وار امریکی کافروں پر کبھی نہ مٹنے والا ایک نقش چھوڑ جاتا۔ پتہ نہیں امریکیوں کے ہاتھوں گرفتاری کے وقت وہ موت سے اتنے خوفزدہ کیوں تھے۔ اصیل گائے کی طرح منہ کھول کر اپنا معائنہ کراتا رہا۔ صدام کی گرفتاری کے مناظر دیکھ کر زمانہ قدیم کے ان رومن حکمرانوں کا دور یاد آ گیا جو قیدیوں کو لوہے کے پنجروں میں بند کر کے رعایا کے سامنے اپنی طاقت کی نمائش کیا کرتے تھے۔ امریکن عدالتی سٹیج سجا کر صدام کے ذریعے مسلمان عربوں کو بے بسی اور ذلت کا احساس دلاتے اور ان کی عزت نفس، خودداری، غیرت وحمیت کا جنازہ نکالتے رہے۔ صدام کو زندہ بچ جانے کی کوئی امید نہ ہوتی تو صدیوں پرانا کوئی نہ کوئی آزمودہ طریقہ استعمال کر کے موت کو گلے لگانے کا کوئی راستہ ڈھونڈ سکتا تھا۔ صدام کی گرفتاری پر تبصرہ تھا کہ عراق کے اس ڈکٹیٹر کو تکریت کے غار سے یوں نکالا گیا جیسے چوہے کو دم سے پکڑ کر نکالا جاتا ہے۔

یہ تھی اس کی اصل بہادری باقی ساری بہادری امریکہ کے دم قدم سے قائم تھی ورنہ عراقی قوم کے لیے تو وہ ظلم وستم اور دہشت گردی کی علامت تھا۔ وہ ایک سیکولر حکمران تھا۔ اس نے افغانستان پر سوویت حملے کی حمایت کی اور اس کا ساتھ دیا۔ اس کے تعلقات پاکستان کے برعکس بھارت سے انتہائی دوستانہ اور خوشگوار رہے۔ اس نے بین الاقوامی فورموں میں کشمیر سمیت ہر اہم معاملے پر بھارت کی حمایت کی اور پاکستان کی مخالفت کی۔ 70ء کے عشرے میں جب بغداد میں بعث پارٹی کے بانی عیسائی عرب لیڈر مائیکل افلق کی قیادت میں خدا کا جنازہ (نعوذ باللہ) نکالا گیا، صدام اس میں بھی شامل تھا۔ دس سال بعد برطانوی صحافی کو انٹرویو دیتے ہوئے صدام نے اس جلوس کا یہ جواز پیش کیا کہ ''مذہب ہماری زندگی میں انتشار اور لامرکزیت پیدا کرتا اور انسانوں میں تقسیم کا باعث بنتا ہے۔ ہم نے اپنی پارٹی کے بانی کے کہنے پر جلوس نکالا تھا، مجھے آج بھی اس پر کوئی شرمندگی نہیں ہے۔'' صدام نے اپنی سیاست کا آغاز بعث پارٹی سے کیا جو ایک مذہب دشمن جماعت تھی اور اس پارٹی کا منشور خدا کے وجود سے انکار تھا۔ ہوس اقتدار اور امریکہ کی پشت پناہی پر جنرل قاسم پر قاتلانہ حملے کی سازش میں حصہ لینے کے بعد سی آئی اے اور مصری ایجنٹس کی مدد سے صدام فرار

ہو کر بیروت پہنچ گیا تھا جہاں سی آئی اے نے ان کی خصوصی تربیت کی۔ اس کے بعد وہ قاہرہ پہنچا جہاں امریکی سفارت خانے میں اس کا آنا جانا ہوا اور یوں اسے امریکہ کے خصوصی ایجنٹ کا مرتبہ ملا۔ لاکھوں کی تعداد میں سنی مسلم کردوں کا قتل عام اور امریکہ کے فراہم کردہ کیمیکل ہتھیاروں سے ان کی نسل کشی کے علاوہ جنوب کے شیعہ آبادی کا قتل عام امریکہ کی اجازت سے صدام نے ہی کرایا لیکن صدام کو سزائے موت ان 144 شیعوں کے قتل پر ہوئی جن پر صدام کا تختہ الٹنے کا الزام عائد کیا گیا تھا، یہ واحد جرم تھا جس میں امریکہ شریک نہیں تھا۔ یہ سانحہ اس لمحے سے پندرہ ماہ پہلے رونما ہوا جب رمزفیلڈ نے اپنے دورہ عراق میں صدام سے بالمشافہ ملاقات میں ایران کیخلاف امریکی حمایت اور آشیرباد کا یقین دلایا تھا۔ فروری 79ء کے ایرانی انقلاب کے چند ماہ بعد یعنی جولائی 79ء میں صدام نے امریکی اشارے پر حسن البکر کی حکومت کا تختہ الٹ کر عراق پر قبضہ کر لیا۔ امریکی اشارے پر ہی ایرانی انقلاب کو تباہ کرنے کے لیے صدام نے ایران کے خلاف ایسی جنگ چھیڑی جو آٹھ سال تک جاری رہی اور اس خونی کھیل میں کم از کم پندرہ لاکھ ایرانی اور عراقی کام آئے۔ نتیجہ دونوں ملکوں کی ناقابل تلافی جنگی اور معاشی تباہی کی شکل میں نکلا۔ عراق 75 ارب ڈالر کا مقروض ہو گیا، جس میں سے تیس ارب ڈالر کی کویت سے معافی کے جھگڑے پر صدام نے کویت پر حملہ کر دیا۔ کویت پر ناجائز قبضے کو جواز بنا کر موجودہ صدر بش کے والد سینئر بش نے صدام کو عبرت ناک شکست دی اور خلیج کی ریاستوں میں فوجی اڈے قائم کیے۔ وہ دنیا میں تیل کے سب سے بڑے ذخائر رکھنے والے ملک سعودی عرب پر بھی قابض صدام کی بدولت ہوا، امریکی فوجیں آج بھی مکہ مکرمہ سے چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ عراق ایران جنگ کے نتیجے میں سعودی عرب کویت اور متحدہ عرب امارات کی معیشتیں ایسی تباہی سے دوچار ہوئیں کہ آج تک نہیں سنبھل سکیں۔ امریکہ نے اس جنگ کے تمام اخراجات خلیجی ملکوں سے تاوان کے طور پر وصول کیے۔ مضحکہ خیز اور تاریخ کی انوکھی مثال یہ تھی کہ عراق فضاؤں پر امریکی عملداری تھی اور زمین پر صدام کی حکومت تھی، امریکہ کی مجبوری اور بے بسی یہ تھی کہ 91ء میں عراق سے صدام کے اقتدار کا مکمل طور پر خاتمہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ اس وقت ایرانی انقلاب اپنے شباب پر تھا جس نے مشرق وسطیٰ سمیت پوری دنیا کو ہلا رکھا تھا۔ امریکیوں کو صدامی اقتدار کے خاتمے کے لیے مناسب وقت یعنی اپنی یہ خواہش پوری ہونے کا انتظار تھا کہ ایرانی انقلاب کا دم خم نکل جائے۔ یہ تاریخ کی عجب ستم ظریفی ہے کہ جو شخص بلاشک وشبہ امت مسلمہ کا مجرم ہے، اسے امریکہ نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہیرو بنا دیا۔ کیا ہم میں سے کوئی شخص اپنے کسی عزیز کے قاتل کو صرف اس وجہ سے معاف کر سکتا ہے کہ جب وہ تختہ دار پر چڑھا تو اللہ اکبر کے نعرے لگا رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں قرآن مجید تھا۔ کیا دنیا کی کوئی عدالت اس عمل سے متاثر کسی قاتل کو ہیرو قرار دے سکتی ہے۔ ایرانیوں سے اس بات کی توقع کیوں کی جاتی ہے کہ وہ اپنے لاکھوں باشندوں کے قاتل کی مغفرت اور بلند درجات کی دعائیں کریں۔ صدام تختہ دار پر اللہ اور اس کی مخلوق کے سامنے اپنے سنگین جرائم پر شرمساری کا اظہار کرتا اور معافی کا خواستگار ہوتا تو شاید اسے بڑا آدمی کہا جا سکتا لیکن وہ تو آخر تک اپنے جرم پر ناز کرتا رہا۔ زندگی کے آخری لمحوں میں اپنے کرتوتوں پر شرمسار نہ ہونا اس کی شقی القلبی کی انتہاء ہے اسے اس کی ضرورت اس لیے نہیں تھی کیونکہ اس کا نہ آخرت پر ایمان تھا نہ روز جزا و سزا پر۔ صدام کو پھانسی صرف انتقام اور نفرت کے تحت نہیں، سوچ سمجھ کر دی گئی۔ عید کے دن پھانسی دے کر مسلمانوں کے لیے شاک تھیراپی کا اہتمام کیا گیا۔ امریکیوں کے لیے کوئی مشکل نہیں تھا کہ اس کے بیٹوں کی طرح اسے گولی مار کر یہ مشہور کر دیتے کہ وہ مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا لیکن ان

کے جنگی ماہرین نے ایک سوچی سمجھی حکمت عملی کے تحت تمام دنیا کے سامنے عدالتی سٹیج سجائی۔ شاک تھیراپی اس وقت استعمال میں لائی جاتی ہے جب کسی فرد، گروہ یا قوم کو بڑے صدمے سے دوچار کرکے اس کے ہوش وحواس مضمحل کرنا مقصود ہو۔ ایسی پھانسی دراصل اس قوم کو دی جاتی ہے جس کا وہ غلط یا صحیح...... ہیرو ہوتا ہے۔ صدام امریکی حملے سے پہلے بڑھکیں مارتا رہا جب امریکہ نے حملہ کیا اور اس کی آٹھ لاکھ فوج 400 جنگی طیارے اور 700 سے زائد سکڈ میزائل نہ جانے زمین کی کونسی پاتال میں گم ہوگئے۔ یہ ایک ایسا راز ہے جو تین سال گزرنے کے باوجود بھی نہیں کھل سکا، دنیا خاص طور پر مسلم دنیا کے عظیم جرنیل اور دانشور بھی اس پر دماغ سوزی کرنے پر تیار نہیں...... ہوسکتا ہے اس نامعلوم راز سے مارچ 07ء سے مارچ 08ء تک پردہ اٹھ ہی جائے، جب تک امریکہ نے چاہا نہ صرف صدام زندہ رہا بلکہ اس کا اقتدار بھی باقی رہا...... صرف اس ایک راز میں بہت سے راز پنہاں ہیں...... صدام اور اس کی فوجوں کا مقابلہ کیے بغیر دم دبا کر غائب ہونا مسلمانوں کی طویل تاریخ کا ایک عجیب حادثہ ہے۔ تمام دنیا کے جرنیل اور فوجی دانشور اب تک تو عقل ماؤف کرنے والے اس واقعہ کی توجیہہ کرنے سے قاصر رہے ہیں...... سوال صرف یہ ہے کہ صدام اور اس کی فوجیں اس وقت کا انتظار کیوں کرتی رہیں کہ امریکہ عراق پر حملے کے لیے اطمینان سے اپنی فوجیں جمع کرلے۔ پتہ نہیں ہماری سائیکی میں خرابی ہے یا ہماری صدیوں کی غلامی، جہالت اور پس ماندگی کا نتیجہ ہے جس نے صدیوں سے ہمارا مزاج ہی یہ بنا کر رکھ دیا ہے کہ ہم اپنے تعصبات کے زیر اثر آکر زیرو کو ہیرو اور ہیرو کو زیرو بنا ڈالتے ہیں۔ ہمارے اہل فکر ونظر اور دانشوروں کا اخلاقی اور انسانی فرض ہی نہیں ان پر تاریخ کا قرض ہے کہ وہ ہر قسم کے مذہبی، مسلکی، نسلی، لسانی قومی تعصبات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انتہائی غیر جانبداری سے حقائق کو سائنسی بنیادوں پر رکھ کر عوام کے سامنے پیش کردیں تاکہ سچ اور جھوٹ کا فیصلہ ہوسکے۔ وقت آگیا ہے کہ ہم اپنی اس صدیوں پرانی قبیح عادت سے نجات پائیں ورنہ ہمیں مزید صدیوں کی غلامی کے لیے تیار رہنا ہوگا۔ مغرب نے سیکولرازم کے زیر اثر اپنی ایسی عادت قبیح سے چھٹکارا پا کر اپنے تقدس ماب روحانی اور دنیاوی رہنماؤں کا اس طرح پوسٹ مارٹم کیا تھا کہ جھوٹ کو سچ بنا کر اپنی مرضی کی شکل دینا ناممکن ہوگیا۔ جنوری اور مئی جون 2007ء سے عراق اپنے مستقبل کے حوالے سے فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہوجائے گا۔

بشکریہ (زمرد نقوی)



ٹائلٹ پیپر

فلم ایکٹر، ڈائریکٹر ٹیری جونز (Terry Jones) ''گارجین'' میں لکھتے ہیں کہ صدر جارج واکر بش کی انتظامیہ ڈیموکریٹس کی اکثریت کے اختیار میں جانے والی امریکی کانگریس سے عراقیوں کی زندگی اجیرن بنائے رکھنے کے لئے مزید ایک سو ارب ڈالر کے جنگی خرچ کی اجازت یا منظوری طلب کرنے والی ہے۔ یہ اجازت یا منظوری مل گئی تو امریکی ایوان صدر کے جنگ بازی کے شوق، کاروبار یا مرض پر اخراجات تقریباً پانچ سو ارب ڈالروں تک پہنچ جائیں گے۔

ٹیری جونز نے حساب لگایا ہے کہ عراق پر قبضہ کرنے کے شوق پر بش انتظامیہ کے یہ اخراجات اگر امریکی شہریوں میں برابر تقسیم کر دیئے جاتے تو ہر امریکی شہری کے حصے میں ایک ہزار چھ سو ڈالر آتے۔ ٹیری جونز کے خیال میں سوچا اور سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر امریکی شہریوں سے پوچھا جاتا کہ وہ فی کس ایک ہزار چھ سو ڈالر لینا چاہتے ہیں یا مشرق وسطی کے ایک ایسے عرب ملک پر بم برسانے کے لئے خرچ کرنا چاہتے ہیں جہاں کے غسل خانوں میں ٹائلٹ پیپرز استعمال نہیں ہوتے تو وہ کیا فیصلہ کرتے؟

ٹیری جونز کے مطابق صدر بش پانچ سو ارب ڈالرز کے ساتھ یہ بھی کر سکتے تھے کہ یہ رقم عراق کے باشندوں میں مساوی طور پر تقسیم کر دیتے تو ہر عراقی کو 18700 ڈالر مل جاتے اور عالمی سطح پر دہشت گردی کی وارداتوں کے اندیشہ میں کچھ کمی آ جاتی۔ ٹیری کے الفاظ میں ''مجھے پرانے خیالات کا سمجھا جاتا ہے مگر یہ سوچنے پر مجبور ہوں کسی کو 18700 ڈالر دے کر اپنے قریب لانا اس کے اوپر آسمان سے آگ برسا کر دوست بنانے سے زیادہ آسان اور یقینی ہے جبکہ اتنی رقم سے اچھی خاصی تعداد میں ٹائلٹ پیپرز خریدے جا سکتے ہیں۔''

یہ بحث کسی اور وقت کے لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ غسل خانوں میں ٹائلٹ پیپرز کے استعمال سے لوگوں کی غربت ناپی جا سکتی ہے یا ان کے مہذب یا غیر مہذب ہونے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور عراق پر قبضے کے امریکی خرچ کے موضوع پر واپس آتے ہیں۔ ٹیری جونز بتاتے ہیں کہ 2002ء میں عراق کو فتح کرنے کے خرچے کا اندازہ تقریباً پچاس ارب ڈالر لگایا گیا تھا۔ اس کے مقابلے میں پانچ سو ارب ڈالر کا خرچہ کچھ زیادہ لگتا ہے اور اگر اس قبضہ کے دوران مارے جانے والے پانچ لاکھ عراقیوں کو پیش نظر رکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی جنگی طاقت نے ہر عراقی کو قتل کرنے پر دس لاکھ ڈالر خرچ کئے ہیں۔ دولت اتنی مہنگی بھی کبھی نہیں ہوئی تھی اور انسانی زندگیوں نے بھی اتنی ارزانی کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔

عراق میں امریکی ٹیکس دہندگان سے نچوڑے گئے ڈالر کیسے خرچ کیے جا رہے ہیں اس کا کچھ اندازہ امریکہ کے نائب صدر ڈک چینی کی سابق کمپنی کے حسابات سے لگایا جاسکتا ہے۔ یہ کمپنی ''ہیلی برٹن'' عراق میں خدمات سرانجام دینے والے ہر مزدور کے روزانہ خرچے کے 50 سے 80 ڈالر وصول کر رہی ہے جبکہ محنت کشوں کو فی کس 5 سے 16 ڈالرز تک ادا کیا جاتا ہے۔ دسمبر 2003ء میں امریکی فوج نے اس کمپنی کے ایندھن اور خوراک کے اخراجات میں 61 ملین ڈالرز اور 67 ملین ڈالرز کی ''اوور چارجنگ'' دریافت کی تھی۔

معاملات اور بھی پراسرار ہو رہے ہیں کیونکہ بتایا جاتا ہے کہ ہیلی برٹن اور اس کی ضمنی اور اضافی کمپنیوں نے اتنا اچھا بزنس کبھی نہیں کیا تھا جیسا کہ جنوری 2006ء میں ظاہر ہو رہا ہے۔ گزشتہ سال کے آغاز میں بش انتظامیہ نے ہیلی برٹن اور پینٹاگان (دفتر جنگ) کے درمیان تنازع حل کروایا تھا جس کے ذریعے ہیلی برٹن کو 19 کروڑ 90 لاکھ ڈالرز کی اضافی آمدنی ہوئی تھی۔ 26 جنوری 2006ء کو ہیلی برٹن کی انتظامیہ نے بتایا تھا کہ کمپنی نے اپنی 86 سالہ تاریخ میں سب سے زیادہ منافع کمایا ہے۔ ہیلی برٹن اور اس کے ضمنی ادارے عراق کے ٹھیکوں میں اب تک 16 ارب ڈالرز کما چکے ہیں۔

ٹیری جونز بتاتے ہیں کہ نائب صدر ڈک چینی کی سال 2005ء کی ''ٹیکس ریٹرن'' بتاتی ہے کہ انہوں نے ہیلی برٹن کے ''سٹاک آپشن'' سے ایک لاکھ 94 ہزار 862 ڈالرز کمائے ہیں یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ جب ڈک چینی نے ہیلی برٹن سے علیحدگی اختیار کی تھی تو کمپنی نے Pay off کے طور پر انہیں تین کروڑ ساٹھ لاکھ ڈالر ادا کئے تھے۔ کچھ پتہ نہیں کہ یہ رقم ان کی سابقہ خدمات کی پیشگی ادائیگی تھی جو وہ بطور نائب صدر ''ہیلی برٹن'' کے بہترین مفاد میں سرانجام دے سکتے تھے اور سرانجام دے رہے ہیں اور ٹیری جونز جیسے اعتراض کرنے والوں کے اعتراضات کو اپنے غسل خانے میں بطور ''ٹائلٹ پیپرز'' استعمال کر رہے ہیں۔

بشکریہ (منو بھائی)

زمین میں عبرتیں

صدام حسین نے جس انداز میں دار پر شجاعت کا مظاہرہ کیا ہے، اس نے صدام کے آمرانہ ماضی کو قصہ پارینہ بنا دیا ہے۔ سب کے سامنے اس کی اس جرات میں وہ عسکری کارروائیاں ماند پڑ چکی ہیں جن میں اس کے ہزاروں مخالفین کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ مرتو سب نے ہی جانا ہے کوئی آج کوئی کل، موت سے کسی کو مفر نہیں، صدام حسین اگر آج نہ مرتا تو شاید سال بعد یا چند سال بعد کسی بیماری کی شکل میں اسباب اجل کو میسر آ جاتے، اس صورت میں صدام حسین واقعی مر جاتا اور لوگ جلد اسے ذہنوں سے بھی فراموش کر دیتے۔ ایک عرب خطیب قس بن ساعدہ ایادی نے اسلام سے بہت پہلے زندگی اور موت کے اس باریک فرق کو اپنے ایک خطبہ کے شروع میں اس انداز میں بیان کیا تھا کہ:

من عاش مات، ومن مات فات، ان فی السماء لخبرا ان فی الارض لعبرا............

ترجمہ: جو زندہ رہا وہ مرا اور جو مرا وہ ذہنوں سے بھی گم ہوا، بے شک آسمانوں میں ایک خبر ہے اور زمین میں عبرتیں (قبریں)............

صدام حسین شاید ذہنوں سے گم ہو جاتا مگر امریکہ نے اس کے ذریعے علاقے میں جو کام لئے تھے ان کی تلخ یادیں شاید کبھی عرب عوام کے ذہنوں سے محو نہ ہوتیں لیکن اس کی پھانسی کے ڈراپ سین نے ثابت کیا کہ وہ عاقبت نااندیش ضرور تھا مگر بزدل نہ تھا۔ صدام حسین جس وقت برسر اقتدار آیا تو امریکیوں نے سب سے پہلے اس کے ذریعے عراق کی کمیونسٹ پارٹی کا خاتمہ کروایا۔ پچاس کی دہائی میں بغداد سی آئی اے کا پسندیدہ علاقہ تھا کیونکہ یہاں پر بیٹھ کر ایران کے وطن پرست لیڈر ڈاکٹر مصدق کی حکومت کا تختہ الٹنے کے منصوبے بنائے جاتے تھے۔ ڈاکٹر مصدق کی تودہ پارٹی پر سابق سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کا اتحادی ہونے کا الزام عائد کیا جاتا تھا تیل کی دولت قومیانے کے جرم میں امریکہ اور برطانیہ کے معاشی لٹیروں نے سی آئی اے کے ذریعے ایک ''کوڈیٹا'' ترتیب دیا اور ڈاکٹر مصدق کو راستے سے ہٹا کر شاہ ایران کی آمریت میں ایران کو امریکی اور برطانوی غلامی میں دے دیا گیا۔ اس کے بعد عراق میں عبدالکریم قاسم کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے کویت کی سرزمین پر سی آئی اے نے اڈہ بنایا اور آزاد عراق ریڈیو کے نام پر قاسم حکومت کے خلاف شر پسندانہ پراپیگنڈہ شروع کر دیا اور اسے اقتدار سے محروم کروا کر پہلے حسن البکر کو اور پھر اس کے بعد صدام حسین کو تخت بغداد پر بٹھا دیا گیا۔ صدام حسین نے سی آئی اے کی فراہم کردہ لسٹوں کے مطابق عراق میں موجود عراقی کمیونسٹ لیڈروں اور ارکان کو ان کے بیوی بچوں سمیت قتل کروا دیا۔ اس قتل عام میں امریکہ اور برطانیہ صدام کے ساتھ برابر کے شریک رہے۔ اس کے

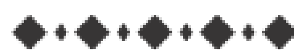
بعد صدام کی بعث پارٹی جو ایک لادین پارٹی تھی، نے کمیونسٹ روس کے ساتھ خود دوستی کی پینگیں بڑھانا شروع کر دیں۔ بعث پارٹی عالم عرب کی ایسی سیاسی جماعت تھی جس میں مذہب کے تصور کی ذرا برابر گنجائش نہ تھی۔ شام میں حافظ الاسد کی قیادت میں اس پارٹی نے ابوجہل اور ابولہب کے نام سے کلب بنا رکھے تھے ان کے نزدیک یہ افراد عرب نیشنل ازم کی علامت تھے۔

زر پرست مغربی مافیا کے نزدیک لادین بعث پارٹی سوویت قربت کی حامل کمیونسٹ پارٹی کی نسبت زیادہ قابل قبول تھی۔ ایران اور عراق چونکہ شرق الاوسط کی دو ابھرتی ہوئی قومیں تھیں اس لئے اسرائیل کے وجود کو خطرات سے بچانے کے لئے اور علاقے میں تیل کے مفادات کو محفوظ کرنے کے لئے ان دونوں ملکوں کو لڑا کر کمزور کرنا مغربی صیہونی اقتصادی مافیا کے نزدیک ضروری تھا یہی وجہ ہے کہ ریگن انتظامیہ کا ادنیٰ سا گماشتہ اور امریکی ایلچی رمزفیلڈ صدام حسین کو برابر ایران کے خلاف اکساتا رہا اور پھر صدام نے ایک ایسی غلطی کا ارتکاب کیا جس کا خمیازہ نہ صرف ان دونوں ملکوں نے بھگتا بلکہ تمام امت مسلمہ نا قابل تلافی نقصان سے دوچار ہوئی۔ اس کے بعد جب امریکہ نے عملاً شرق الاوسط میں مداخلت کا ارادہ کر لیا تو بے قابو ہوتے صدام حسین کا رخ کویت کی جانب کر دیا جس کے بعد عالم عرب میں ایک ایسی آگ بھڑکی جس کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ جب امریکیوں اور اسرائیل کے ساتھ صدام کا براہ راست واسطہ پڑا تو اسے فوراً اللہ یاد آ گیا اور بعث پارٹی کے لیڈر نے عراقی جھنڈے پر اللہ اکبر کا نعرہ درج کروالیا مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ عالم عرب کی اسلامی تحریکوں نے امریکی اور برطانوی شیطانی عزائم کے سامنے ایک دیوار کھڑی کر دی ہے مغرب یہاں مرضی کے مطابق اقدامات تو کر سکتا ہے مگر مرضی کے نتائج کا حصول اس کے بس کی بات نہیں یہی وجہ ہے کہ عراق سے ذلیل ہو کر نکلنے سے پہلے بش انتظامیہ نے عراقی مسلمانوں کے دو فرقوں میں نفاق کا بیج بو دیا ہے۔ امریکی سفیر اور تیل مافیا کے کارندے زلمے خلیل زاد کا عراقی وزیر اعظم مالکی کو امریکی سفارت خانے میں طلب کرنا اور عید الاضحیٰ کے روز صدام کو پھانسی دینے کا حکم دینا امریکی فرقہ واریت کی سوچ کا عکاس ہے۔

صدام پھانسی چڑھا اور خوب چڑھا جس سے ثابت ہوا وہ ظالم ضرور تھا مگر بزدل نہیں۔ بے شک زمین میں بہت سی عبرتیں ہیں۔

بشکریہ (محمد انیس الرحمان)



بغداد پر تیسرے ہلاکو کا حملہ

17 جنوری 2003ء کو تقریر کرتے ہوئے اس وقت کے عراقی مرد آہن صدام حسین نے کہا تھا کہ بغداد کی زمین پر خدا کا نیزہ تھا اور عربوں کے کاسۂ سر دانش اور رفعت نشان عرب ورثے کا سر چشمہ رہے ہیں۔ان کی تقریر کی یہ چند سطریں پڑھتے ہوئے میں تاریخ میں بغداد کا سراغ تلاش کرتی ہوں۔

1800 قبل مسیح حمورابی کی ایک قانونی دستاویز میں ایک شہر 'بگداد' کا نام آیا ہے۔ایک روایت کے مطابق اس شہر میں 'بغ' نام کا ایک بت تھا، اسی لیے یہ شہر 'بغ داد' کہلایا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بادشاہ نوشیرواں کا وہ باغ تھا جہاں وہ انصاف کرتا تھا اور اسی لیے یہ جگہ 'باغ داد' کہی گئی یعنی وہ باغ جہاں انصاف ملتا ہو۔کچھ اس کا رشتہ آرامی زبان سے جوڑتے ہیں،جس سے مطلب 'بھیڑوں کا باڑہ' نکلتا ہے۔

یہ بستی جو 'بگداد' 'باغ داد' اور پھر 'بغداد' کہلائی، واقعی 'بھیڑوں کا باڑہ' ہے جس پر ہر زمانے میں بھیڑیے ٹوٹتے رہے۔ یہ 9ویں صدی قبل مسیح میں لوٹا گیا اور سینکڑوں برس تک ایک گم نام بستی رہا۔اس کی قسمت اس وقت جاگی جب عباسی خلیفہ منصور نے اسے اپنے دارالخلافہ کے طور پر منتخب کیا،اس کی تعمیر کا کام اگست 762ء سے شروع ہوا،جس میں ایک لاکھ مزدوروں نے حصہ لیا۔اور پھر بغداد دنیائے اسلام کا وہ شہر بن گیا جو سلطنتوں کی تقدیر کے فیصلے کرتا تھا اور جہاں کی دولت وحشمت کے قصے فرنگیوں کو اپنی طرف کھینچ لاتے تھے۔

اور پھر بغداد کے عروج کے دامن سے زوال کی گرد بھی لپٹی۔اس زوال کا آغاز فرقہ وارانہ اور نسلی فسادات سے ہوا۔وہ خلیفہ جو دور دراز کے ملکوں میں صاحب اقتدار بن بیٹھنے والے طالع آزماؤں کو اپنے دربار سے سندِ حکمرانی عطا کرتا تھا، وہ اپنے دارالخلافہ میں اپنا حکم منوانے سے قاصر ہوتا چلا گیا۔ بغداد کبھی شیعہ سنی فساد کا نشانہ بنا، کبھی حنبلی اور شافعی دست و گریباں ہوئے۔ یہ ایسے بھیانک فسادات تھے جن میں ہر مرتبہ دونوں طرف کے ہزار ہا افراد مارے گئے، گھر اور محل لوٹے گئے، ایک فرقے کی عورتیں دوسرے فرقے کے لیے مال غنیمت بنیں۔یہودی جو چالیس ہزار کی تعداد میں بغداد کے شہری تھے، ان پر حملہ ہوا، ان کی جان، مال اور آبرو کچھ بھی محفوظ نہیں رہی۔دو سے تین سو برس کے اس انتشار اور افتراق نے خلافت عباسیہ کو کھوکھلا کر دیا اور جب ہلاکو خان غول بیابانی کی طرح بغداد پر نازل ہوا تو چند دنوں کی مزاحمت کے بعد تاتاریوں کا ٹڈی دل سلطنت عباسیہ کی عظمت و شوکت کو یوں چاٹ گیا جیسے وہ کبھی موجود ہی نہیں تھی۔ ہلاکو نے لاکھوں کا سر اڑا دیا، کروڑوں کی دولت اپنے چھکڑوں پر بار کی۔ ہزارہا

عورتوں کو باندی بنایا اور ہزاروں مرد غلام ہوئے۔ ہر شاندار عمارت، ہر مقدس مقبرہ مسمار کیا گیا اور دجلہ کی لہریں لاکھوں کتابوں کی راکھ کو مہینوں بہا کر لے جاتی رہیں، اس راکھ میں ان شہریوں کا خون بھی شامل تھا جو زندہ تھے تو مسلمان، عیسائی، یہودی، سنی، شیعہ، حنبلی اور شافعی تھے۔ تاتاری تلواروں سے قتل ہوئے تو ان کا سرخ لہو یک جان ہو کر دجلہ کی لہروں کو اپنے رنگ میں رنگتا رہا۔ تاریخ اسلام کا یہ وہ سانحۂ عظیم ہے جس نے مسلمانوں کی تاریخ کا رخ بدل دیا۔ ہلاکو ستارہ پرست تھا جبکہ تیمور لنگ کو مسلمان مؤرخین 'الامیر الکبیر' اور 'صاحب قرآن' لکھتے رہے وہ حیات تھا تو اسے 'سلطان' لکھا گیا، موت کا نوالہ بنا تو 'جنت مکان' کے لقب سے یاد کیا گیا۔ یہ وہ سلطان تیمور ہے جس کے بارے میں مسلمان مؤرخین یہ کہتے ہیں کہ ''حامی اسلام ہونے کی حیثیت سے تیمور علماء اور نو ظہور سلسلہ نقشبندیہ کی بڑی پاسداری کیا کرتا تھا اور جب کبھی وہ جنگ کے لیے نکلتا تو صلحاء، علماء، ادیبوں اور فن کاروں کا ایک جم غفیر اس کے ہم رکاب ہوتا تھا۔''

ہمارے اس اسلامی ہیرو کے ''حامی اسلام'' ہونے کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ کبھی وہ ماوراء النہر پر عمر شیخ کے خلاف لشکر کشی کرتا ہے، کبھی سلطان احمد جلائر کو شکست دیتا ہے۔ اہل اصفہان بغاوت کرتے ہیں تو وہاں کے ستر ہزار باشندے تہ تیغ کیے جاتے ہیں۔ غیاث الدین ''روزنامۂ غزوات ہندوستان'' میں لکھتا ہے کہ ''کشتگان کی کھوپڑیوں سے جو مینار بنائے گئے وہ بلند عمارتوں سے بھی اونچے ہو گئے۔'' یہ ''حامی اسلام'' ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ دلی فتح کی، 80 ہزار لوگوں کا قتل عام کیا، کروڑوں کا مال و متاع اور عورتیں ساتھ لے گیا۔ اس کے ہاتھوں سلطان بایزید کا جو انجام ہوا، اس سے تاریخ کا ہر طالب علم آگاہ ہے۔ ابھی بغداد کے سقوط کو بہ مشکل ڈیڑھ صدی گزری تھی کہ تیمور لنگ اپنی شہنشاہیت کا اعلان کرتا ہوا بغداد پر نازل ہو گیا۔ چالیس ہزار شہری تہ تیغ ہوئے جو کچھ ایک سو چالیس برس کے اندر تعمیر ہوا تھا وہ اس ''حامی اسلام'' کے ہاتھوں برباد ہوا۔

بغداد اس کے بعد بھی چین سے نہیں رہا، چھوٹے بڑے حملے اور تاخت و تاراج اس شہر کا مقدر رہی۔ یہاں کبھی اموی خاندان کے شہزادوں کے تڑپتے ہوئے لاشوں پر دسترخوان چنے گئے اور کبھی ہلاکو اور تیمور لنگ کے ہاتھوں اس کے شہریوں کی کھوپڑیاں مٹی اور گارے کے میناروں میں چنی گئیں۔ بیسویں صدی میں بھی یہ شہر کئی مرتبہ دریائے خوں میں نہایا۔ اور یہ کوئی پرانا قصہ تو نہیں ہے جب بعث پارٹی نے بغاوت کی، شاہ فیصل دوم اور نوری السعید کو صرف قتل ہی نہیں کیا گیا، ان کی لاشیں بر سر عام پہلے الٹی لٹکائی گئیں اور پھر لوگ انہیں سڑکوں پر گھسیٹتے پھرے۔ یہاں تک کہ وہ ریزہ ریزہ ہو گئیں۔ ان کا بھی یہ عالم ہے کہ ''ہمیں یاد ہے سب ذرا ذرا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔''

صدام نے 17 جنوری 2003ء کی تقریر میں کہا تھا کہ تاریخ دائروں میں سفر کرتی ہے لیکن ہر زمانے کے حوالے سے اس دہرائے جانے کے عمل میں نام، کردار اور مقامات بدل جاتے ہیں۔ آج بغداد پر تیسرے ہلاکو کا حملہ بھی تاریخ کے دہرائے جانے کے عمل کا ایک عکس ہے۔ نام اور کردار بدل گئے ہیں لیکن بغداد کی غارت گری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی۔ یہ بھی تاریخ کا ایک المناک مذاق ہے کہ جس طرح ہلاکو کی فوجوں کو اپنے اوپر چڑھا کر لائے تھے، اسی طرح اس بار بھی صدام حسین خود ہی تیسرے ہلاکو کی فوجوں کو بغداد کی فصیلوں کے اندر لانے کا سبب بنے۔

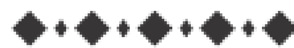
1258ء میں ہلاکو نے شہر تاراج کیا تھا، 1401ء میں یہی سب کچھ تیمور لنگ نے کیا اور 2003ء میں بھی تاریخ دہرائی گئی۔

آج کا بغداد جہاں پانچ ہزار برس کی عظیم الشان تاریخ کے آثار قومی عجائب گھر میں محفوظ تھے۔ اشوریوں، سمیریوں، کلدانیوں، میدیوں اور بعد کی اقوام کے وہ نوادرات جو زمین کی گہرائیوں سے نکالے گئے تھے، انہیں حملہ آور فوجیوں نے نہیں ''نامعلوم'' شہریوں نے یوں خاک میں ملایا کہ اب ان کے ٹکڑے بھی نہیں جوڑے جاسکتے، ہر الماری کے شیشے توڑ دیے گئے اور اس میں محفوظ آثار قدیمہ کو نابود کردیا گیا، پھر باری قومی لائبریری کے نادر ترین مخطوطے، نایاب کتابیں، وہ قرآنی نسخے جن کا کوئی عکس بھی موجود نہیں، مٹی کا تیل چھڑک کر نذر آتش کیے گئے۔ عراق کی تہذیب اور تاریخ گھنٹوں میں نیست و نابود کردی گئی۔ اس ''کام'' سے پہلے امریکہ کی عاید کردہ پابندیاں اور حملہ لاکھوں بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور مردوں کو فاقوں، گولیوں اور کلسٹر بموں سے ختم کرچکا تھا۔ مقدس مقامات کی بے حرمتی ہوچکی تھی اور عورتیں روندی جاچکی تھیں۔

بغداد پر قبل مسیح سے 1258ء 1401ء اور پھر آج تک اپنے اپنے دور کے ہلاکو حملہ آور ہوتے رہے ہیں۔ تیسرا ہلاکو امریکا ہے جس نے اپنے تمام اخلاقی، سیاسی اور قانونی اصول روند کر رکھ دیے۔ ہلاکو یا تیمور لنگ نے انسانی حقوق کا عالمی منشور نہیں مرتب کیا تھا، ہیومن رائٹس کمیشن نہیں بنائے تھے، کسی جنیوا کنونشن پر دستخط نہیں کیے تھے۔ وہ کتابوں اور نادر مخطوطوں کی اپنے شہروں میں نمائش نہیں کرتے تھے، وہ میدانوں اور صحراؤں سے اٹھنے والے وحشی اور طاقت و جبروت کے ماننے والے تھے لیکن اکیسویں صدی کے ہلاکو کے بارے میں کیا کہا جائے کہ اسے انسان پرستی کے دعوے ہیں۔ اس کے لوگ چاند کو تسخیر کرچکے اور دور دراز کے سیاروں پر ان کے سیارچے اتر چکے۔ اس فرعونیت اور ہامانیت کا حساب کون لے گا؟ افغانی اور عراقی، ویت نامی اور جاپانی، کوریائی اور سلواڈوری نہیں لے سکتے، لیکن وقت سے بڑا منتقم المزاج بھلا کون ہوسکتا ہے۔ صدام حسین نے 17 جنوری 2003ء کو کہا تھا کہ ہر وہ فرد جس کی روح اور بدن میں ہلاکو کا ارادہ اور عمل پل رہا ہے وہ بغداد کی فصیلوں کے سائے میں خودکشی کرے گا۔ ان کا یہ دعویٰ تو پورا نہ ہوسکا لیکن یہ بات اب نوشتۂ دیوار ہوچکی ہے کہ اکیسویں صدی کا ہلاکو اپنے کبر و نخوت کے خنجر سے خودکشی کرے گا۔ ناانصافیوں اور بے رحمیوں کے تیر پلٹ کر آتے ہیں اور ظالم و بے رحم کے بدن میں پیوست ہوجاتے ہیں۔

کچھ ظالم اور بے رحم اپنے ہی تیروں کا شکار ہوچکے، کچھ کی گھات میں وقت بیٹھا ہے اور وقت سے بڑا شکاری کائنات میں موجود نہیں۔

بشکریہ (زاہدہ حنا)



صدام میرا ہیرو نہیں تھا

صدام حسین کبھی میرا ہیرو نہیں تھا، ڈکٹیٹر ہونے کی وجہ سے میں اسے پسند نہیں کرتا تھا لیکن جس سج دھج سے وہ مقتل کو گیا اس نے عالمی سامراج کے خلاف برسر پیکار مسلمانان عالم کے سر فخر سے بلند کر دیئے۔ کسے خبر تھی کہ 28 اپریل کو عراقی قصبے تکریت میں پیدا ہونے والا یتیم بچہ بہت جلد عراقی سیاست پر چھا جائے گا۔ کم وبیش 25 سال عراق کے سیاہ سفید کا مالک رہا۔ عراق کی المناک تاریخ ہے' حکومتیں قتل وغارت سے ہی تبدیل ہوتی رہی ہیں۔ حکمرانوں کی لاشیں سڑکوں پر گھسیٹی جاتی رہی ہیں لیکن صدام حسین تو اپنوں کی بجائے غیروں کے ہاتھوں مارا گیا اور شہادت کا رتبہ پا گیا۔ صدام حسین نے عراق کو عسکری لحاظ سے اس قدر مضبوط بنا لیا کہ وہ نہ صرف اسرائیل کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ بن گیا بلکہ مشرق وسطیٰ کے دیگر ممالک بھی اس کی عسکری قوت سے خوفزدہ نظر آتے تھے۔ اس نے ایک ایسے جنگجو کی حیثیت سے شہرت پائی جس نے ہمیشہ اپنے ہمسایوں پر چڑھائی کی۔ وہ 1980ء سے 1988ء کے دوران ایران کے ساتھ برسر پیکار رہا' اس لاحاصل جنگ میں اڑھائی لاکھ عراقی مارے گئے۔ اس سے کہیں زیادہ ایرانی جنگ میں کام آئے' اس جنگ میں اسے امریکہ کی آشیرباد حاصل تھی' لیکن جب اس نے 1990ء میں کویت پر قبضہ کر لیا تو امریکہ نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ مل کر عراق پر حملہ کر دیا جس کے باعث عراق کو کویت سے نکلنا پڑا۔ اس جنگ میں عراق کو نہ صرف بے پناہ جانی ومالی نقصان اٹھانا پڑا بلکہ اس کی عسکری قوت کو تباہ کر دیا گیا سینئر بش نے عراق کی کمر توڑ دی لیکن وہ عراق کی مکمل تباہی کے عزائم کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا سکا لیکن جونیئر بش نے نائن الیون کی آڑ لیکر اتحادی فوجوں کی مدد سے عراق پر قبضہ کر کے اپنے باپ کے عزائم کی تکمیل کر دی۔ پورا عالم اسلام امریکہ کی عسکری طاقت کے سامنے خاموش تماشائی بنا رہا۔ اسرائیل کو اس بات کی خوشی تھی کہ مشرق وسطیٰ میں اس کے سب سے بڑے دشمن عراق پر امریکہ نے قبضہ کر لیا ہے جبکہ ایران سمیت مشرق وسطیٰ کے وہ تمام ممالک جو عراق کی عسکری قوت سے خوفزدہ تھے، نے عراق پر امریکی قبضے پر اطمینان کا سانس لیا۔ امریکہ نے کیمیائی ہتھیار برآمد کرنے کے لئے عراق پر حملہ کیا لیکن وہ عراق سے نیوکلیئر یا کیمیائی ہتھیار برآمد نہ کر سکا۔ 19 مارچ 2003ء کو امریکہ نے اپنے اتحادیوں کی مدد سے عراق پر حملہ کیا تو صدام حسین روپوش ہو گیا لیکن اپنوں کی مخبری پر اسے 13 دسمبر 2003ء میں ان کے آبائی قصبے سے تلاش کر کے گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے خلاف 5 نومبر 1982ء کو دجیل گاؤں میں 148 شیعوں کی ہلاکت کے خلاف ایک قابض فوج کی عدالت میں قتل کا مقدمہ چلایا گیا محکوم قوم کے سابق صدر کو نام نہاد عدالت کے ذریعے عالمی سامراج نے موت سے کم سزا کیا

دینا تھی عالمی انسانی اداروں، یورپ، بھارت اور عالم اسلام نے ان کو سزائے موت دینے کی مخالفت کی حتیٰ کہ نام نہاد عراقی صدر نے بھی صدام حسین کو سزائے موت دینے کے فیصلے پر عمل درآمد سے اختلاف کیا لیکن امریکہ یہ بات بخوبی سمجھتا تھا کہ موت سے کم سزا عراق میں تحریک مزاحمت کو کم نہیں کر سکتی اس لئے پانچ نومبر 2006ء میں سزائے موت سنائی گئی اور ڈیڑھ ماہ سے زیادہ عرصہ گزرنے نہ پایا تھا کہ 30 دسمبر 2006ء کو عید الاضحیٰ کے روز صدام حسین کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ یہ امریکی حکام کی خوش فہمی ہے کہ صدام حسین کے سیاسی منظر سے ہٹ جانے سے تحریک مزاحمت کمزور ہو جائے گی یا اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے گی ۔اب تک عراق کی جنگ میں تین ہزار امریکی فوجی کام آ چکے ہیں۔ صدام حسین کی شہادت کے بعد یہ سلسلہ ختم ہوتا نظر نہیں آتا۔ صدام حسین جرات و بہادری سے جس طرح تختہ دار پر چڑھ گیا اس سے ایک بار پھر انہوں نے عربوں کی بہادری کی یاد تازہ کر دی ہے۔ صدام حسین نے بغداد کے قریب امریکی جیل میں اپنے دو سوتیلے بھائیوں سے الوداعی ملاقات میں کہا کہ انہیں اس بات پر خوشی ہے کہ وہ جیل میں مرنے کی بجائے دشمن کے ہاتھوں شہادت کا رتبہ حاصل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ صدام حسین نے اپنے آخری خط میں عراقی عوام کو اتحاد قائم رکھنے کی تلقین کی ہے اور کہا ہے کہ جابر ممالک کا اتحاد کے ساتھ ہی مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ حملہ آور دشمنوں کے سامنے عراقیوں کا اتحاد ہی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ صدام حسین کی پھانسی عراق کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کے امریکی ایجنڈے کا حصہ ہے۔ کیونکہ امریکہ نے صدام حسین کو پھانسی کی سزاء دلوا کر عراق میں شیعہ سنی تفریق بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ بغداد کی تاریخ کشت و خون کی تاریخ ہے ہی لیکن جس شان سے صدام حسین مقتل کو گیا تاریخ نے اسے ایک ایسے ہیرو کی طرح امر کر دیا ہے جسے صدیوں یاد رکھا جائے گا۔ صدام حسین نے پھانسی کے وقت قرآن پاک اٹھا رکھا تھا اور نعرہ تکبیر اللہ اکبر بلند کر کے جدید تاریخ کی سب سے بڑی ناانصافی کی بھینٹ چڑھ گیا۔ صدام حسین نے اپنے اقتدار کو طوالت بخشنے کے لئے اپنے مخالفین کو موت کے گھاٹ اتارا اور ان کی اجتماعی قبریں دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس طرح انہیں ہلاک کیا گیا۔ اس نے اپنے مخالفین کا عرصہ حیات تنگ کر دیا حتیٰ کہ اس نے اقتدار کو چیلنج کرنے والے اپنے دونوں دامادوں کو بھی معاف نہیں کیا۔ ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اسے ایک ''ظالم حکمران'' کے طور پر شہرت حاصل تھی۔ اس کے بارے میں یہ تاثر بھی تھا کہ وہ امریکہ کا ایجنٹ ہے لیکن جب اس کی امریکہ سے ٹھن گئی تو امریکہ نے اس کے اس جرم کو معاف نہیں کیا اور پھر اسے اس طرح مارا کہ اس کے تمام جرائم ختم ہو گئے اور وہ زیرو سے ہیرو بن گیا۔ صدام حسین نے تیل کی آمدنی کا بڑا حصہ عراق کو عسکری قوت بنانے پر صرف کیا۔ تاہم دیگر عرب حکمرانوں کی طرح ریاستی وسائل سے حاصل ہونے والی آمدنی کو ذاتی تصرف میں نہیں لایا۔ صدام حسین نے 70 سے زائد محلات بنائے لیکن اس کے دور حکومت میں تعلیم اور صحت کی سہولتیں مفت فراہم کی جاتی تھیں۔ اس کی جنگجویانہ پالیسی کی وجہ سے عراق پر مختلف پابندیاں عائد کی گئیں۔ لاکھوں عراقی باشندے بالخصوص بچے ادویات نہ ملنے کی وجہ سے زندگی کی بازی ہار گئے۔ لیکن یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے۔ اس کے دور میں کوئی عراقی بھوکا نہیں مرا۔ یہ بات قابل ذکر ہے جب صدام حسین کو پھانسی لگائی جا رہی تھی تو اس وقت وہ کلمہ طیبہ، درود شریف کا ورد کر رہا تھا اور پھانسی کے وقت نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اس کی پھانسی کے ان مناظر کو موبائل ٹیلیفون کے کیمرے نے محفوظ کر لیا ہے۔ جس سے صدام حسین کی بہادری و جرات کو دیکھا جا سکتا تھا۔ جب صدام حسین کو امریکی حکام نے پھانسی کے لئے عراقی حکام کے حوالے کیا تو صدام حسین نے انہیں ایک لمحہ کیلئے بھی اس تاثر کا احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ موت

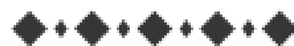
سے خوفزدہ ہیں۔ انہوں نے موت کا پروانہ جاری کرنے پر امریکی حکام کا شکریہ ادا کیا۔ فیض احمد فیض نے ان ہی لمحات کیلئے یہ شعر کہا تھا

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے

یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں

صدام نے کہا کہ ''عراق تا ابد قائم رہے گا۔ فلسطین عربوں کا ہے'' صدام حسین کو گرین زون کے نواح میں واقع خادمیہ میں قائم جیل کے اندر پھانسی دی گئی جو بغداد میں سب سے زیادہ محفوظ علاقہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس احاطے کو امریکی کیمپ جسٹس (مقام انصاف) کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے مسلمانانِ عالم کی اکثریت یہ کہتی ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی ناانصافی ''مقام انصاف'' پر کی گئی ہے۔ جب صدام حسین کو پھانسی کے تختہ پر لے جایا جا رہا تھا تو سکیورٹی کے ایک اہلکار نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا کہ ''آج صدام حسین کو موت سے ڈرلگ رہا ہوگا۔ تو وہ ان کی یہ بات سنکر رک گیا اور مڑ کر اس اہلکار کو مخاطب ہو کر کہا کہ ''ساری زندگی موت سے کھیلتا رہا ہوں اور کافروں سے لڑتا رہا ہوں آج موت سے خوفزدہ نہیں'' جب صدام حسین کو پھانسی دینے کے لئے انہیں نقاب پہنانے کی کوشش کی گئی تو انہوں نے یہ کہہ کر نقاب پہننے سے انکار کر دیا کہ ''میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنا چاہتا ہوں'' صدام حسین اپنے مخالفین سے خوفناک انتقام لیتے تھے ان کے کم وبیش 25 سالہ اقتدار میں ایک لاکھ کرد، شیعہ اور بعث پارٹی کے مخالف مارے گئے ان کو دور جدید کا ہٹلر اور مسولینی کہا گیا لیکن پچھلے ساڑھے تین سال میں عراق کی خانہ جنگی اور مزاحمتی تحریک میں چھ لاکھ عراقی مارے جا چکے ہیں۔ 18 لاکھ عراقی بیرون ملک چلے گئے ہیں جبکہ ہر ماہ ایک لاکھ افراد عراق چھوڑ کر جا رہے ہیں صدام حسین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جو انصاف اس نے اپنی زندگی میں اپنے مخالفین کو نہیں دیا وہ انصاف انہیں اقتدار سے معزولی کے بعد نہ مل سکا۔ عراقی قوانین کے مطابق کسی شخص کو عید یا حج کے روز پھانسی نہیں دی جا سکتی لیکن امریکیوں نے عیدالاضحیٰ کے روز مسلم امہ کو صدام حسین کی پھانسی کا تحفہ دیا۔ عسکری امور کے ماہر لیفٹیننٹ (ر) جنرل حمید گل نے صدام حسین کی موت کو المیہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ جب تک امریکہ کو صدام حسین کی ضرورت تھی وہ اس سے کام لیتا رہا لیکن جب اس کی ضرورت نہ رہی تو تختہ دار پر لٹکا دیا۔ انہوں نے پوری دنیا میں امریکی اشاروں پر کام کرنے والے حکمرانوں کو متنبہ کیا کہ وہ امریکہ کے آلہ کار نہ بنیں۔ صدام حسین اُسامہ بن لادن اور ملا عمر مسلمانوں کے کبھی آئیڈیل نہیں رہے لیکن امریکہ کے خلاف مزاحمتی تحریک میں حصہ لینے کے باعث انہوں نے عالم اسلام میں اپنا مقام بنا لیا۔ مزاحمتی تحاریک کے نتیجے میں امریکہ کو امت مسلمہ پر اپنا تسلط جمانے کی پالیسی پر نظر ثانی کرنا ہوگی۔ امریکی عوام بذات خود بہت اچھے ہیں وہ دنیا میں انصاف و آزادی کے علمبردار ہیں لیکن نہ جانے ان کی حکومتیں یہودیوں کے زیر سایہ آ کر مسلمانان عالم کے خلاف کیوں صف آرا ہیں اب امریکہ افغانستان اور عراق کے بعد ایران کے خلاف جنگ مسلط کرنے کی سوچ رہا ہے لیکن اسے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ایران، افغانستان یا عراق ثابت نہیں ہوگا بلکہ اسے ایرانیوں کی جانب سے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

بشکریہ (نواز رضا)



عالم اسلام کے اتحاد کی ضرورت

عراق پر بلاشرکت غیرے مسلسل 23 سال تک حکمرانی کرنے اور اپنے دور اقتدار میں عراقی عوام کو ترقی وخوشحالی کی منزل سے ہمکنار اور تعلیم وصحت کی سہولتوں سے آراستہ کرنے والے صدام حسین کو جس توہین آمیز انداز میں پھانسی کے تختے تک لے جایا گیا' وہ انسانیت کے خلاف ہی جرم نہیں' مسلمانوں کے جذبات دانستہ طور پر برانگیختہ کرنے کی کوشش بھی نظر آتی ہے۔ انہیں مسلمانوں کے مذہبی تہوار عیدالاضحیٰ کے روز پھانسی دینا بھی اسی امریکی سازش کا حصہ نظر آتا ہے جس کے تحت عالم اسلام کو منتشر کرنا مقصود ہے۔

صدام حسین کو پھانسی کی سزا قانون کا انصاف نہیں' فاتح کا انصاف تھا جس کی نشاندہی خود امریکہ کے انسانی حقوق کے ایک ادارے ہیومن رائٹس واچ کی جانب سے اپنے ردعمل کے ذریعہ کی جاچکی ہے۔ انہیں جن جرائم کے الزام میں موت کی سزا دی گئی' وہ اس دور کے جرائم ہیں' جب صدام حسین امریکہ کے آلہ کار بن کر اس کے مقاصد کی تکمیل کر رہے تھے اور یہ مقاصد بھی عالم اسلام کو منتشر کرنے کی امریکی منصوبہ بندی کا حصہ تھے' جب تک صدام حسین امریکہ کے ہاتھ میں کھلونا بنے رہے' انہیں امریکہ کی پشت پناہی حاصل رہی اور جب انہوں نے امریکہ کی مزید ڈکٹیشن قبول کرنے سے انکار کیا تو امریکہ نے نہ صرف انہیں نشان عبرت بنانے کی ٹھان لی بلکہ اس عمل میں شیعہ سنی تنازعہ کو فروغ دے کر مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کا منصوبہ بھی تیار کرلیا' جس انداز میں صدام حسین کو پھانسی پر لٹکایا گیا' وہ سب امریکی گیم پلان کی چغلی کھارہا ہے۔ ان کی پھانسی کے لیے عیدالاضحیٰ کے دن کا اسی لئے انتخاب کیا گیا کہ مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی کی جائے حالانکہ مروجہ قانون کے تحت صدام حسین کی اپیل مسترد ہونے کے بعد 30 دن کے اندر اندر ان کی سزا پر عمل درآمد ہونا تھا' جس کے لئے جلد بازی ضروری نہیں تھی جبکہ متعدد ممالک کی جانب سے عراق کی امریکی کٹھ پتلی حکومت سے اپیل بھی کی جارہی تھی کہ ان کی پھانسی کی سزا پر عمل درآمد نہ کیا جائے۔ انہیں عید کے روز پھانسی دینا اور اس کے لئے اس وقت کا انتخاب کرنا' جب عراق کی مساجد میں فجر کی اذانیں دی جارہی تھیں' اس امر کی غمازی کررہا ہے کہ کام ذاتی انتقام کے جذبے کے ساتھ ساتھ امریکی آقاؤں کو خوش کرنے کی نیت سے کیا جارہا تھا۔

پہلے تو صدام حسین کے خلاف مقدمہ کی سماعت کے لئے کر ججوں کا انتخاب کیا گیا جو ان کے معاملہ میں انصاف کے تقاضے پورے کرہی نہیں سکتے تھے' پھر ان کی سزائے موت پر عمل درآمد کے لئے اس عملہ کا انتخاب کیا گیا جو ان کے کٹر مخالفین میں شمار ہوتے تھے تاکہ صدام حسین کو نشان عبرت بنانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے۔

صدام حسین کی پھانسی کے لمحات پر مشتمل جو ویڈیو فلمیں جاری ہوئی ہیں' ان سے صاف نظر آتا ہے کہ صدام حسین اس وقت مزاحمت کے بجائے تعاون پر آمادہ نظر آئے تھے اور اپنے طرز عمل کے ذریعہ ایسا کوئی تاثر نہیں دینا چاہتے تھے جو ان کی پھانسی کے بعد شیعہ سنی کے حوالے سے مسلمانوں میں کسی افتراق وانتشار کا باعث بنے مگر انہیں پھانسی دینے والے عملہ کی حتیٰ الوسع یہ کوشش رہی کہ صدام حسین کی توہین کرکے انہیں مشتعل

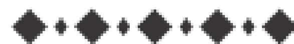
کیا جائے اوران کی زبان سے ایسے الفاظ نکلوائے جائیں جو اہل تشیع اوران کے مقبول لیڈر مقتدا الصدر کی مخالفت میں ہوں تا کہ اس کی بنیاد پر شیعہ سنی فسادات کی راہ ہموار کی جاسکے۔مگر صدام حسین نے اپنے ساتھ ہونے والے ناروا سلوک کے باوجود اپنی زندگی کے آخری لمحات میں انتہائی صبرو تحمل اور دوراندیشی کا مظاہرہ کیا اور اپنی زبان سے مقتدا الصدر کے حق میں نعرے لگائے گئے جس کا مقصد محض صدام حسین کو مشتعل کرنا تھا۔صدام حسین نے اس موقع پر ماسوائے اس کے کہ انہیں دھکے دے کر تختہ دار تک لانے والے سیکورٹی گارڈ کی طعنہ زنی کا یہ کہہ کر جواب دیا کہ عراق کو میں نے نہیں' امریکہ نے برباد کیا ہے اور میں نے عراقی عوام کو غربت اور محتاجی سے بچایا ہے' انہوں نے فرقہ واریت کے حوالے سے کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا۔

صدام حسین نے تو موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر بھی اور پھر پھانسی کا پھندا اپنے گلے میں ڈالتے ہوئے بھی تدبر اور فہم وفراست کا مظاہرہ کیا اور مسلمانوں کے اتحاد کا درس دیا مگر ان کی پھانسی کی صورت میں اپنے انتقام کی آگ بجھانے والوں نے انسانیت کی بھی پرواہ نہ کی اور صدام حسین کے ماضی کے مقام ومرتبہ کا بھی خیال نہ رکھا اور وہ اس اندوہناک مرحلہ میں بھی اسلام دشمنوں کے عزائم کی تکمیل کی راہ ہموار کرتے رہے۔صدام حسین کی المناک پھانسی کے بعد عالم اسلام بالخصوص عراقی عوام میں اس وقت غم وغصہ لہر پیدا ہو چکی ہے اور عراقی عوام پھانسی کے وقت صدام حسین سے توہین آمیز سلوک پر مظاہروں کے ذریعے اپنے غم وغصے کا اظہار کر رہے ہیں۔

اسلام دشمن طاغوتی طاقتوں کی تو یہی کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر ان کے اتحاد ویکجہتی کو پارہ پارہ کر دیا جائے۔اب بھی صدام حسین کے حوالے سے اہل تشیع کے جذبات برانگیخت کرنے کی سازش جاری ہے جبکہ پھانسی کے وقت ان کے ساتھ ننگ انسانیت سلوک کرنے کا مقصد مسلمانوں میں فرقہ واریت کی آگ کو تیز کرنا تھا کیونکہ یہی مسلمانوں کا ایک کمزور پہلو ہے جس کی بنیاد پر وہ باہم دست وگریباں نظر آتے ہیں۔مسلمانوں کے مذہبی جذبات سے کھیل کر امریکہ اور اہل مغرب تو دین اسلام کے خلاف اپنے کروسیڈی جذبات کی تسکین کی شعوری کوشش کر رہے ہیں اور ہمیں اب بھی سمجھ نہیں آرہی ہے۔

اس موقع پر تمام مسلم ممالک بالخصوص ایران کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ عالم اسلام کا اتحاد برقرار رکھنے کے لئے اقدامات کریں اور صدام حسین کی پھانسی کے بعد ابھرنے والے شیعہ سنی جذبات کو اشتعال اور انتشار کی جانب نہ جانے دیں۔اگر ایران کی جانب سے صدام کی پھانسی پر فوری ردعمل کے اظہار سے گریز کیا جاتا تو یہ بھی اس کی دانش مندی ہوتی۔تاہم اب بھی وقت ہے کہ عالم اسلام کے مشترکہ دشمن کو پہچان لیا جائے۔ذاتی دشمنی میں اس سے صرف نظر نہ کیا جائے کہ امریکہ اپنے اگلے ہدف ایران کو نشانہ بنا کر اسلام دشمنی پر مبنی اپنے عزائم پورے کرنا چاہتا ہے جبکہ امریکہ اور دیگر اسلام دشمنوں کے ان عزائم کی کوئی حد نظر نہیں آرہی۔ہمیں اپنے فروعی اختلافات وتنازعات میں الجھنے کی بجائے' عالم اسلام کے اتحاد اور اس کی بقاء کی فکر کرنی چاہئے۔دشمن کی گولی یا گولہ نشانہ بناتے وقت سنی یا شیعہ کو نہیں دیکھتا۔

بشکریہ (ارشاد احمد عارف)



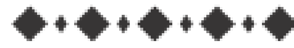
اللہ مسلمانوں کی حفاظت کرے!

امریکہ ایران کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوا ہے اس کا بس نہیں چل رہا کہ فی الفور ایران کو کچا چبا ڈالے ایک تو پہلے ہی وہ ایران سے جوہری پروگرام کی وجہ سے ناراض تھا دوسرے عراق میں متوقع امریکی فتح کو شکست میں بدلنے میں ایران کا بڑا ہاتھ ہونے کی وجہ سے اب ایران امریکی نشانے پر سب سے اوپر آ گیا ہے۔ ایران کی ہی کوششوں سے عراق میں شیعہ سنی فسادات ابھرے اور بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ جنہیں روکنا امریکی فوجوں کے بس سے باہر ہوتا جا رہا ہے اور اب نوبت یہاں تک پہنچ رہی ہے کہ امریکی حکام عراق میں اپنی شکست کا اعتراف کرنے لگے ہیں۔ عراق پر امریکی قبضے کی ابتداء میں امریکی حکام نے صدر صدام حسین کی مخالفت میں شیعوں کی حوصلہ افزائی کی تا کہ ان کے ساتھ صدام کی طرف سے کی گئی زیادتیوں کا ازالہ ہو سکے۔ اس لئے امریکی سرپرستی میں قائم ہونے والی حکومت میں انہیں فوقیت دی گئی جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مقتدی الصدر نے ایران اور شام کی مدد سے خود امریکہ کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں اب امریکہ کی پریشانی دیدنی ہے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ عراق میں کس طرح کنٹرول کرے اگر وہ موجودہ سیٹ اپ کو رہنے دیتا ہے تو عراق، شام، ایران مل کر ایک بڑا شیعہ اتحاد بن کر ایران کے دفاع کو مضبوط پلیٹ فارم مہیا کرنا ہوگا جسے کسی بھی قیمت پر امریکہ پسند نہیں کر سکتا کیونکہ تمام غیر مسلم قوتوں اور خصوصاً امریکہ کی یہ پالیسی ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر کمزور سے کمزور کر دو اور ایران پر اپنا قبضہ جما لو جیسا کہ امریکہ نے خود عراق کے صدر صدام حسین کو شہ دے کر ایران پر چڑھائی کرائی تھی پہلی ایران عراق جنگ میں سوویت یونین کے ساتھ ساتھ امریکہ خود عراق کی بھرپور مدد کر رہا تھا تا کہ ایران شہنشاہ ایران کی املاک اور کھربوں ڈالر کا سونا اور سرمائے کی واپسی کا تقاضہ نہ کر سکے اور ایران جنگ میں الجھ کر شہنشاہ ایران کے بعد اپنے زخم بھرنے اور اس جنگ سے ہونیوالے نقصانات کا مداوا کرنے میں لگ گیا اس سارے عرصے میں امریکہ مختلف پہلوؤں سے ایران پر دباؤ ڈالتا رہا جو آج بھی جاری ہے۔ پھر امریکہ ہی نے صدام حسین کو اکسایا اور کویت جو تیل کی دولت سے مالا مال تھا اور امریکہ کے قابو میں نہیں آ رہا تھا وہ اپنی دولت کی فراوانی کے باعث امریکہ کو واجبی سی ہی لفٹ کراتا تھا اور اپنے تیل کے نرخ اپنی مرضی سے چارج کرتا تھا امریکہ نے عراق کے ہاتھوں چڑھائی کرا کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجوا دی اور پھر کویت کی تعمیر نو کے لئے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے اس سے امریکہ نے دوہرا فائدہ اٹھایا۔ کویت کی امداد کے نام پر اربوں ڈالر کے قرضے دے کر اپنا دست نگر بنا لیا اور اپنی من مانی کے معاہدے کرائے۔ دوسری طرف تعمیر نو کے تمام کام امریکی فرموں کو دلا کر آدھے سے کہیں زیادہ سرمایہ

بھی بچالیا۔امریکہ نے اپنے اسی تیر سے سعودی عرب کی معیشت کو تباہ و برباد کر کے اسے بھی اپنا مقروض بنالیا۔سعودی عرب سے بھی اپنی پسند اور ضرورت کے معاہدے کیئے اور اسے بھی اپنا پابند بنالیا۔اب کویت عراق اور سعودی عرب کے تیل کے دام امریکہ اپنی مرضی سے طے کرنے لگا اور یوں اس نے نا صرف قرضوں پر سود وصول کیا بلکہ تیل کے نرخ کم سے کم ادا کر کے بے پناہ فائدہ حاصل کیا۔امریکہ جو سوویت یونین کی موجودگی میں دوسری بڑی طاقت کے طور پر مانا جاتا تھا جبکہ سوویت یونین نے نا صرف ایٹمی میدان میں بلکہ خلائی میدان میں بھی امریکہ پر سبقت حاصل کررکھی تھی جو امریکی حکمرانوں کو کسی کانٹے کی مانند کھٹکتی تھی دوسری سب سے اہم بات سوویت یونین میں شامل مسلم ریاستوں کے تیل کی کشش اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی جس کے لئے اس نے خود پس پردہ رہ کر مسلم قوتوں کا سہارا لے کر افغانستان میں میدان کارزار گرم کرایا۔مسلمانوں نے یہ سوچے سمجھے بغیر کہ اس جنگ کے نتائج کیا ہوں گے امریکہ کی طرف سے ملنے والی امداد اور سرپرستی نے وہ کام کر دکھایا جس کا تصور کرنا بھی امریکیوں کے لئے محال تھا۔سوویت یونین کے ٹوٹنے سے جہاں وسط ایشیا میں کھلبلی مچی وہیں امریکہ نے جب یہ دیکھا کہ افغانستان پاکستان' ایران' کویت اور مشرق وسطی کی دیگر چھوٹی بڑی ریاستوں عراق سعودی عرب مصر وغیرہ مل کر سوویت یونین سے بھی بڑی مسلمانوں کی ایک قوت وجود میں آسکتی ہے تو اس نے فوراً پینترا بدلا اور افغانستان سے نا صرف اپنا ہاتھ کھینچ لیا بلکہ افغانستان میں قائم ہونے والی طالبان کی حکومت کے درپے ہوگیا اور اس پر ہاتھ ڈالنے کے لئے جواز کے طور پر خود اپنے شہر نیویارک میں بلند ترین عمارت کو فضائی حملے کرا کر ختم کیا اور الزام القاعدہ پر لگا کر افغانستان پر ٹوٹ پڑا۔حالانکہ خود ان کے تحقیقاتی اداروں نے یہ رپورٹ دے دی تھی کہ اس میں اسرائیلی ملوث ہیں مسلمان نہیں لیکن امریکہ نے دنیا کو دکھانا تھا کہ مسلمان کتنے سنگ دل اور بے رحم ہیں کہ انہوں نے معصوم امریکی شہریوں کو کس طرح لمحوں میں نیست و نابود کر دیا۔اگر واقعی ایسا کچھ کسی بھی طرح مسلمانوں نے کیا ہی ہوتا تو کیا وہ پورے امریکہ میں صرف ایک ہی شہر کو نشانہ بناتے۔مسلمان ایسے کمزور بھی نہیں کہ وہ امریکہ میں رہ کر امریکہ کو پریشان نہ کر سکتے لیکن چونکہ یہ ساری کاروائی خود امریکہ کی پلان کی ہوئی تھی مسلمانوں کو تو دور دور اس کی ہوا تک نہیں لگی تھی ان پر تو الزام لگا کر افغانستان سے مسلم حکومت ختم کر کے مسلمانوں کو مزید طاقت حاصل کرنے سے روکنا تھا۔کیونکہ امریکہ کو تو یہ خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ کہیں نو آزاد روسی ریاستیں افغانستان اور نو آزاد چیک ریاستوں اور ایران پاکستان اور دیگر ملحقہ مسلم ریاستوں کے ساتھ مل کر کوئی بڑی قوت نہ بن جائیں کیونکہ روس سے آزاد ہونے والی تمام ریاستوں کے پاس پہلے ہی ایٹمی ہتھیاروں کی موجودگی ثابت تھی ادھر پاکستان ایٹمی دھماکہ کر کے اپنی قوت کا اظہار کر چکا ایران اپنے ایٹمی پروگرام کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ایسے ہی عراق پر بھی یہ الزام تھا کہ وہ ایٹمی ہتھیار تیار کر رہا ہے۔یہ ایسے خطرات تھے جنہوں نے امریکہ کی راتوں کی نیند حرام کر رکھی تھی اس لئے اس نے ایک ایک کر کے مسلم ریاستوں پر اپنا قبضہ قائم کرنے کا عمل شروع کر دیا۔ساتھ میں یہ سازش بھی کرتا رہا کہ کہیں مسلمان اسلام کے نام پر ایک نہ ہوجائیں ان کے درمیان باہمی اختلافات کو ہوا دے کر انہیں آپس میں ٹکرانے میں اُلجھا کر ان کو کمزور سے کمزور تر کرنے کی منصوبہ سازی بھی کرتا رہا اب بھی مسلمان جو دنیا بھر میں ڈھائی ارب سے کہیں زیادہ ہیں کو اس طرح منتشر اور کمزور کر رکھا ہے کہ کوئی ایک دوسرے کی کسی مصیبت کی گھڑی میں مدد کو نہ آنے کی کوشش کرتا ہے بس زبانی کلامی ہمدردیوں سے کام نکالنے کی کوشش کرتا ہے اور اگر کہیں امریکی سرزنش ہوگئی تو ہمدردی کی بجائے مخالفت میں بیان دے کر اپنی ذمہ داری پوری کر لیتا ہے۔اب بظاہر تو امریکہ کے

نشانے پر ایران ہے لیکن درحقیقت امریکہ کی سعودی عرب پر رال ٹپک رہی ہے۔ سعودی عرب میں آمدن کے کئی ذرائع ہیں اور مسلمانوں کی یک جہتی کا خطرہ بھی سب سے زیادہ یہیں سے ہے کیونکہ ہر سال حج کے موقع پر جمع ہونے والے مسلمانوں کی تعداد بڑھتی چلی جارہی ہے جو ایک امام کے حکم پر سر سجدے میں ڈال دیتے ہیں اس کے حکم پر سجدے سے اٹھ جاتے ہیں اور اگر کہیں امام نے کسی وقت انہیں جہاد کا حکم دے دیا تو کیا ہوگا یہ خوف بھی اس کے دامن گیر ہے اور اس کے علاوہ سعودی عرب کی معدنیات تیل، سونا، یورینیم، گرینائیٹ وغیرہ کیونکہ عراق سے جنگ کے وقت امریکہ نے جتنا قرضہ دیا تھا وہ سعودی حکمرانوں نے چند سالوں میں ہی واپس کر دیا جس سے یہ ثابت ہوگیا کہ سعودی آمدن کے ذرائع بے پناہ ہیں اس لئے انہیں قابو کرنا بھی امریکہ کے لئے بہت ضروری ہے۔ اس لئے آج کل امریکہ کی ''نظر عنایت'' سعودی عرب حکمرانوں اور ان کے شہزادوں کے درمیان اختلافات پیدا کرنے پر زیادہ ہے۔ اس طرح امریکہ اپنا عمل دخل سعودی سیاست میں چاہتا ہے۔ دراصل امریکہ اور اس کے تمام حلیف مسلمانوں کے خلاف مشترکہ صلیبی جنگ میں مصروف ہیں اور اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ امریکہ کے ہم قدم ہیں تاکہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت کے سامنے بند باندھ سکیں۔ امریکہ اور اس کے حواری مسلمان ممالک میں کئی طرح کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ سرد جنگ کے طور پر ضبط تولید کے ذریعے مسلمانوں کی نسل کشی کا حربہ آزما رہے ہیں انہیں زیادہ سے زیادہ مقروض کر کے اپنا غلام بنا رہے ہیں اور جہاں بس نہیں چلتا وہاں حربی جنگ کے ذریعہ اس مسلمان ریاست کا دماغ درست کرنے پہنچ جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی قوت سے کلیسا بھی لرزاں ہے۔ مسلمانوں کا خوف انہیں چین سے نہیں بیٹھنے دے رہا۔ انہیں بے چین کئے ہوئے ہے ان کا بس نہیں چل رہا کہ وہ کسی بھی طرح سے مسلمانوں کا نام ونشان صفحۂ ہستی سے مٹا دیں۔ لیکن اللہ کی قدرت اور نظام قدرت کے آگے کس کا زور چلا ہے جو امریکیوں کا صلیبی جنگوں کے ذریعہ چل سکے گا۔ اللہ مسلمانوں کی حفاظت کرنے والا اور انہیں نصرت وفتح دینے والا ہے۔

بشکریہ (عمران احمد قریشی)



امریکی عراق پالیسی میں تبدیلی کے آثار

امریکی کانگریس کی نومنتخب خاتون سپیکر نینسی پلوسی نے صدر بش پر زور دیا ہے کہ عراق پالیسی تبدیل کی جائے۔ کانگریس سے اپنے پہلے خطاب میں انہوں نے کہا امریکی عوام نے 7 نومبر کے انتخابات میں واضح طور پر عراق میں ایک نہ ختم ہونے والی جنگ کو مسترد کر دیا ہے، وہ عراق کے بارے میں ایک نئی حکمت عملی چاہتے ہیں۔ سینیٹ میں اکثریتی جماعت ڈیموکریٹک پارٹی کے لیڈر ہیری ریڈ نے بھی عراق میں جنگ جاری رکھنے کی شدید مخالفت کی ہے۔ دونوں قانون ساز ایوانوں کے سربراہوں نینسی پلوسی اور ہیری ریڈ نے صدر بش کے نام مشترکہ مکتوب میں خبردار کیا ہے کہ عراق میں مزید فوجی دستے بھجوانے سے مزید امریکیوں کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی اور کسی سٹریٹیجک فائدے کے بغیر ہماری فوج نقطۂ شکستگی (Breaking Poin) تک پہنچ جائے گی۔ انہوں نے لکھا ہے کہ عراق میں مزید افواج کی تعیناتی کے بجائے آئندہ چار سے چھ ماہ کے دوران وہاں پر موجود امریکی افواج کو دوسرے محاذوں پر منتقل کر دیا جائے، یعنی انہیں لڑائی کے بجائے ٹریننگ لاجسٹک اور انسداد دہشت گردی وغیرہ کے کاموں پر لگا دیا جائے۔

ڈیموکریٹک پارٹی کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کے لئے بش مزید 20 ہزار امریکی افواج عراق بھجوانے پر غور کر رہے ہیں تا کہ بغداد میں بدامنی پر قابو پایا جا سکے، لیکن تا حال پالیسی واضح نہیں۔ واشنگٹن پوسٹ کی رپورٹ کے مطابق صدر بش کے چوٹی کے مشیر مزید افواج بھجوانے کے مسئلے پر آپس میں بٹے ہوئے ہیں۔ بعض مشیروں نے اس خدشے کا اظہار کیا ہے کہ نور المالکی کی حکومت عسکری تعاون کی سکت نہیں رکھتی اور وہ ایسی سیاسی اصلاحات نافذ کرنے کے قابل بھی نہیں ہو سکے گی، جن کی مدد سے امریکی افواج عراق سے نکل سکیں۔ اخباری رپورٹ کے مطابق جائنٹ چیف آف سٹاف، چوٹی کے جرنیل اور ایڈمرلز نے بھی اس خدشے کا اظہار کیا ہے کہ عراق میں مزید فوج بھیجنے کے نقصانات ان کے ممکنہ فوائد سے زیادہ ہوں گے۔ امریکی حکمرانوں کو عراق میں اپنی زیر نگرانی قائم شدہ حکومت سے بھی کوئی امید نہیں۔ انہیں خدشہ ہے کہ وہ شیعہ ملیشیا کے خلاف مسلح کارروائی کر سکتی ہے نہ پارلیمنٹ کو معتدل سیاسی مرکز میں تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ عراقی فوج کی تشکیل کا معاملہ اس سے بھی بدتر ہے۔ عراقی فوجی دستوں کے سپاہیوں کے غائب ہو جانے کے واقعات میں کوئی کمی نہیں آئی۔ جیسا کہ نشاندہی کی گئی صدر بش کی عراق پالیسی واضح ہو کر سامنے نہیں آئی۔ ایک طرف وہ مزید 20 ہزار افواج عراق بھجوانا چاہتے ہیں، دوسری طرف اہم مناصب پر فائز عہدیداروں کا تبادلہ کیا جا رہا ہے۔ گزشتہ روز انہوں نے نیشنل انٹیلی جنس کے سربراہ جان نیگرو پونٹے کو ان کے عہدہ سے برطرف کر کے انہیں وزیر خارجہ کونڈولیزا رائس کا نائب مقرر کر

دیا ہے۔ عراق میں امریکی سفیر زلمے خلیل زاد کی جگہ ریان کروکر کو سفیر مقرر کر دیا گیا ہے۔ امریکی سینٹرل کمانڈ کے سربراہ اور عراق میں امریکی فوج کے کمانڈر جان ابی زید کو بھی ان کے عہدے سے فارغ کر دیا گیا ہے۔

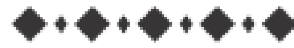
اس منظرنامے سے صاف ظاہر ہے کہ صیاد اپنے ہی پھیلائے ہوئے جال میں پھنس گیا ہے۔ کھلی جارحیت اور 6 لاکھ بے گناہ عراقیوں کے قتل کے باوجود جنگی مقاصد کا حصول تو کجا، راہ فرار بھی نظر نہیں آ رہی۔ عراقی قوم کے دلیرانہ مزاحمت نے ایک بار پھر اس حقیقت کو نمایاں کر دیا ہے کہ نقطۂ کمال تک پہنچی ہوئی جنگی مشینری اور بے مثال وسائل سے بھی جذبہ آزادی کو کچلا نہیں جاسکتا۔ اگر کوئی قوم آزادی کے لئے موت کو گلے لگانے پر تل جائے تو اسے غلام بنا کر نہیں رکھا جاسکتا۔

عراق پر حملے نے دنیا کی سب سے بڑی جمہوری اور ترقی یافتہ ریاست کی جمہوریت کا پول بھی کھول کر رکھ دیا ہے۔ امریکی حکومت کے فیصلہ ساز مٹھی بھر نو قدامت پرستوں اور تیل کے تاجروں نے جھوٹی انٹیلی جنس رپورٹوں کی بنیاد پر میڈیا کے ذریعے پراپیگنڈے کا جو طوفان اٹھایا، وہ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ آزادیٔ اظہار، معلومات تک عوام کی مکمل رسائی اور ووٹ کی طاقت سے جھوٹ اور پراپیگنڈے کو شکست نہیں دی جاسکتی۔ صدام حکومت پر ایٹمی و کیمیائی ہتھیاروں کی تیاری کا الزام سراسر جھوٹا الزام تھا، لیکن جھوٹ گھڑنے والے میڈیا کے پراپیگنڈے کے سیلاب میں رائے عامہ کو بہا کر لے گئے۔ ایک انتہائی ترقی یافتہ اور باخبر معاشرے نے بہکاوے میں آ کر یہ ثابت کر دیا کہ مغربی ممالک کی باشعور رائے عامہ عالمی امن کی ضمانت نہیں بن سکتی۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ عراقیوں کے قتل اور عراق کی تباہی و بربادی سے امریکیوں کا دل نہ پسیجا۔ جب تک امریکیوں کا جانی نقصان تشویش ناک حد تک نہ پہنچا، سفاکانہ رویے میں کوئی تبدیلی نہ آئی اور صدر بش کو دوسری بار صدر منتخب کر لیا گیا۔ اس تناظر میں کہا جاسکتا ہے کہ مغربی تہذیب کا روشن خیال سیکولر معاشرہ جارحانہ قوم پرستی سے اوپر نہیں اٹھ سکا۔ اپنے قومی دائرے میں مغرب کی جمہوری اقدار دوسری قوموں سے سلوک میں یکسر غائب ہو جاتی ہیں۔ دو عالمی جنگوں کے المناک تجربے کے باوجود مغربی دنیا کا یہ رویہ اور یہ طرز فکر افسوسناک عالمی صورت حال کی عکاسی کرتا ہے۔ امریکیوں کے طرز عمل کی روشنی میں یہ کہنا مبالغہ آمیز نہ ہوگا کہ امن عالم کو جبر کے نتیجے میں پیدا ہونے والے دہشت گردوں سے نہیں، بڑی قوموں سے خطرہ ہے۔ امریکی کانگریس اور سینیٹ کے سربراہوں نے اپنے صدر کے نام خط میں امریکی سپاہیوں کی ہلاکت کے خدشہ پر سخت تشویش کا اظہار کیا ہے۔ کاش انہوں نے بے گناہ عراقیوں کی خوں ریزی اور ان کے انسانی حقوق کی پامالی کا ذکر بھی کیا ہوتا، لیکن مغرب کا انسان بلند بانگ دعوؤں کے باوجود شاید انسانی معراج کی اس سطح تک نہیں پہنچ سکا۔

امریکی حکمرانوں نے اپنے نفع و نقصان کے بارے میں بھی کسی پختہ شعور کا ثبوت نہیں دیا۔ عراق پر حملے اور قبضے کے لئے اب تک اندازاً 2 ٹریلین ڈالر خرچ کئے جا چکے ہیں۔ حملے سے قبل عراق 42 بلین ڈالر کا مقروض تھا، جس میں سے پیرس کلب نے 30 ارب ڈالر کا قرضہ معاف بھی کر دیا۔ امریکہ نے عراق پر جنگ مسلط کرنے کے لئے جو بھاری رقم خرچ کی، اس کا عشر عشیر خرچ کر کے پسماندہ ممالک سے بھوک کو ختم کیا جاسکتا تھا، لیکن روشن خیال تہذیب کو اس کی توفیق نہ ہوئی۔ امریکہ کو جو جمہوری ممالک کے لئے مرکز ثقل کی حیثیت رکھتا ہے، اپنا داخلی جائزہ لینا چاہیے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ کس طرح مٹھی بھر افراد اسے ظالمانہ جارحیت اور بربادی کی راہ پر ڈالنے میں کامیاب ہو گئے۔

امریکی حملے کے نتیجے میں صدام حسین کا قائم کردہ بُرا بھلا نظام بھی انجام کو پہنچا۔اس کے بعد قوم کی شیرازہ بندی کے لئے کوئی متبادل انتظام نہیں کیا جاسکا۔ بظاہر حالات نہایت سنگین ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ امریکی افواج کے انخلاء کے بعد ملک خوفناک خانہ جنگی کا شکار ہوجائے گا۔اس افسوس ناک صورت حال سے بچنے کی اصل ذمہ داری اہل عراق اور عراق کے ہمسایہ ممالک پر عائد ہوتی ہے۔عراق کے ہمسایہ ممالک ایران ،سعودی عرب اور دوسرے عرب ملکوں کو چاہیے کہ وہ شیعہ اور سنی رہنماؤں کو قریب لانے اوران کے درمیان مفاہمت وتعاون کے حالات پیدا کرنے کے لئے فعال کردارادا کریں۔عراق پر امریکی جارحیت نے مشرقِ وسطیٰ کو جس خوفناک بحران کی طرف دھکیل دیا ہے،اس بارے میں فرانسیسی صدر ژاک شیراک کے الفاظ قابل توجہ ہیں۔انہوں نے سال نو کے خطاب میں کہا عراق پر امریکی حملے نے سارے مشرق وسطیٰ کو عدم استحکام سے دوچار کردیا ہے۔اس کے نتیجے میں ''دہشت گردی'' تیزی سے پھیلنے لگے گی اوراس سے ایک ایسی محاذ آرائی جنم لے گی جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔انہوں نے مشورہ دیا ہے کہ علاقائی استحکام کی بحالی کے لئے بین الاقوامی کانفرنس بلائی جائے۔ بظاہر یہ مشورہ بہت صائب ہے۔ امریکہ اور برطانیہ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ انہوں نے عراق پر حملے سے جو آگ بھڑکائی ہے،اسے بجھانے کی تدبیر بھی کریں۔

بشکریہ(ذوالقرنین)



رونا تو اب ان کا مقدر ہے

ایک عراقی ماں کو اپنے جواں سال بیٹے کی لاش پر روتے ہوئے دیکھ کر مجھے دنیا بھر کی مائیں یاد آ گئیں، جو ایک ہی طرح کا جذبہ اور ممتا رکھتی ہیں، جو اپنے بیٹوں کو گھروں سے رخصت کرتے وقت ان کی بلائیں لیتی اور دعائیں دیتی ہیں۔ انہی میں یقیناً وہ امریکی مائیں بھی شامل ہیں، جن کے بیٹے اچھے مستقبل کی خواہش لئے فوج میں بھرتی ہوئے تھے اور آج انہیں عراق کے بے آب و گیاہ صحرا میں مقصد سے عاری اور بیکار جنگ میں جھونک دیا گیا ہے۔ خبر ملی ہے کہ امریکہ نے مزید امریکی فوجیوں کو عراق میں بھیج دیا ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ مزید امریکی ماؤں کے کلیجے پر چھری چلا دی گئی ہے۔ مجھے عراقی ماؤں سے بھی ہمدردی ہے اور امریکی ماؤں سے بھی ہے کہ مائیں سب ایک جیسی ہوتی ہیں۔ بش اور ٹونی بلیئر کی مائیں بھی انہی ماؤں جیسی ہوں گی، مگر وہ خود عام بیٹوں جیسے نہیں ہیں۔ اگر وہ بھی وائٹ ہاؤس اور ڈاؤننگ سٹریٹ میں بیٹھنے کی بجائے عراق کے صحراؤں میں جنگجو عراقیوں سے لڑنے کے لئے زبردستی جنگ میں جھونک دیئے جاتے تو انہیں اندازہ ہوتا کہ ان کی ماؤں کے دلوں پر کیا گزر رہی ہے اور اپنی جنونی خواہشات کو پوری کرنے کے لئے وہ جن ماؤں سے ان کے جگر گوشے چھین رہے ہیں، وہ کس طرح زندہ لاشیں بن کر زندگی گزار رہی ہیں۔

ایک خبر کے مطابق صرف دسمبر 2006ء میں ریکارڈ امریکی فوجی عراق میں مارے گئے ہیں۔ ایسے ہی ایک امریکی فوجی کی لاش کو ٹی وی پر دیکھ کر اس کی ماں نے پہچان لیا اور پھر اس کی دہاڑیں آسمان کو ہلانے لگیں۔ تب امریکی میڈیا، پینٹاگون کے تھنک ٹینک، صدر بش اور ان کی جنگی ٹرائیکا کو احساس ہوا کہ عراق کی لڑائی میں صرف عراقی مائیں ہی نہیں، امریکی مائیں بھی روئیں گی۔ عراقی مائیں تو اپنے بیٹوں کو شہادت کا رتبہ پانے اور اسوۂ شبیریؓ پر قربان ہونے کی سعادت حاصل کرنے پر بالآخر صبر شکر کر لیں گی، مگر امریکی ماؤں کو دلاسہ کون دے گا۔ ان کے بیٹے تو ایک ایسی جنگ میں مارے جا رہے ہیں، جس میں امریکہ ایک ظالم اور مجرم کی حیثیت سے شریک ہے۔ عراقیوں کی موت پر دنیا اظہار افسوس کرتی ہے، مگر امریکی اور برطانوی سپاہیوں کے مرنے پر افسوس کی بجائے اسے مکافات عمل سمجھا جاتا ہے۔

امریکی ماؤں کی اس سے بڑھ کر بدقسمتی اور کیا ہوگی کہ انہیں اپنے بیٹوں کی لاشیں تک دیکھنا نصیب نہیں ہوتیں۔ امریکہ کے جنگی منصوبہ ساز تو قوم کا مورال بلند رکھنے کے لئے ان کی ٹی وی پر تصویر تک دکھانا گوارا نہیں کرتے، بھلا ان کی لاشوں کو لواحقین تک کیوں پہنچائیں گے۔ شاید اسی وجہ سے ایسی خبریں بھی آتی ہیں کہ جرمنی اور ترکی کے امریکی اڈوں پر عراق اور افغانستان میں مرنے والے سینکڑوں امریکیوں کی لاشیں موجود ہیں۔

امریکی حکام ان لاشوں کو امریکہ نہیں لے جا رہے، کیونکہ کمزور دل امریکی اس صدمے کو برداشت نہیں کر سکتے عراق اور افغانستان میں امریکی فوجیوں کی لاشیں جس بڑی تعداد میں گر رہی ہیں کہ امریکی حکام امریکہ لانے کی بجائے، صحرا میں دفن کرنے کو ترجیح دیں گے، تاکہ ان کے جنونی ساتھیوں نے جو غیر قانونی جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ امریکی قوم اس پر پینٹا گون ٹرائیکا کا گریبان پکڑنے کے لئے سڑکوں پر نہ نکل آئے۔

صدر بش کے حکم سے عراق میں جو خون کی ہولی کھیلی جاری ہے، اس میں امریکہ حریت پسندوں پر ایک ایسا بم استعمال کرنے کا ارادہ بھی رکھتا ہے، جسے اس نے بموں کی ماں کا نام دیا ہے۔ جن لوگوں کے دل میں رحم نام کی کوئی چیز نہ ہو، اور جنہیں انسانی جان کی قدر و قیمت سے زیادہ اپنے اقتدار اور ذاتی مفادات کی فکر ہو، وہ رشتوں اور لفظوں کی حرمت کو اسی طرح برباد کیا کرتے ہیں۔ صدر بش یا پینٹا گون والوں کو کیا معلوم کہ کوئی ماں بم نہیں ہوتی، بلکہ ماں تو پھول ہوتی ہے یا شجر سایہ دار بن کر خود دھوپ میں جلتی اور اپنے بچوں کو سایہ فراہم کرتی ہے، جبکہ بم چلانے والے درندے ہوتے ہیں، ان کا ماں جیسے نرم و لطیف رشتے سے کیا تعلق؟ عراقی شہریوں پر اندھا دھند میزائل برسانے اور بم گرانے کا حکم دینے والے ماؤں کی کوکھ اجاڑ رہے ہیں اور سنگدل نے ان کی آنکھوں پر ایک ایسی عینک چڑھا دی ہے، جس نے انہیں اس کے سوا اور کچھ دیکھنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا کہ وہ نہتے عراقیوں کی شہروں میں گرتی لاشیں دیکھ کر یہ حساب کرتے رہیں کہ ان کے کتنے ہزار فوجیوں اور بموں نے کتنے ہزار عراقیوں کو نشانہ بنایا ہے اور پھر شاید یہ سوچ کر اپنے ضمیر کو تھپکیاں بھی دیتے ہوں کہ جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا اور شہروں پر بم تو گرانے ہی پڑتے ہیں۔

ماں کو بموں اور میزائلوں سے تشبیہ دینے والے بش اور ٹونی بلیئر آج پریشان ہیں کہ عراقی عوام صدام کی پھانسی پر سراپا احتجاج کیوں ہیں۔ ان کی ساری امیدوں اور آرزوؤں پر عراق کے عوام نے صدام کی حمایت میں اتحادی فوجوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر پانی پھیر دیا ہے۔ اس غیر متوقع صورت حال نے انہیں جنگی حکمت عملی تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا اور مزید فوج بھیجنے کی ضرورت بھی پیش آگئی ہے۔ بش اور بلیئر بھول گئے تھے کہ ایک ماں تو وہ ہے، جو اپنے پیٹ سے جنم دیتی ہے اور ایک ماں اسے کہتے ہیں، جو انسان کو پہچان عطا کرتی ہے۔ یہ ماں مادر وطن کہلاتی ہے۔ اسے دھرتی ماں کہا جاتا ہے۔ عراق کے عوام اپنی اسی ماں کی حفاظت کر رہے ہیں۔ مادر وطن کے دفاع نے انہیں تمام تر اختلافات بھلا کر متحد و یکجا کر دیا ہے۔ نہ کوئی شیعہ رہا ہے، نہ سنی، کوئی اپوزیشن کا حامی ہے اور نہ کوئی حکومتی کارندہ، سب عراقی ہیں، جن پر جارحیت مسلط کر دی گئی ہے اور ایک اژدہا ان کی سرزمین وطن کو نگلنا چاہتا ہے۔ مگر عراقی عوام اپنے عزم و حوصلے، اتحاد اتفاق اور جرات مندی و بہادری سے اس کے گلے میں پانس بن کر اٹک گئے ہیں۔

عراقی مائیں اپنے بیٹوں کی شہادت پر غمزدہ ضرور ہیں، مگر وہ انہیں روکیں گی نہیں، کیونکہ وہ جانتی ہیں کہ جن بیٹوں نے ان کو کوکھ سے جنم لیا ہے، انہیں مادر وطن کی عزت و ناموس کے لئے کٹ مرنے کا جذبہ بھی انہیں کے دودھ نے بخشا ہے۔ وہ یہ بھی جانتی ہیں کہ ان کے بیٹے کربلا کے وارث ہیں اور ان کے لہو میں یزیدیت کے خلاف ڈٹ جانے کا جذبہ 14 صدیوں سے مسلسل دوڑ رہا ہے، عراقی ماؤں کے پاس تو قافلہ حسینیؓ کی ان ماؤں، بہنوں اور بیبیوں کی وراثت موجود ہے، جنہوں نے جلے ہوئے خیموں اور نیزوں پر چڑھی ہوئی اپنے پیاروں کی لاشوں میں گھرے ہونے کے باوجود حوصلہ نہیں ہارا تھا۔ عراقی ماؤں کے لئے تو منظر تھوڑا سا ہی بدلا ہے۔ جلے ہوئے خیموں کی جگہ جلی ہوئی عمارتوں نے لے لی ہے، نیزوں پر

چڑھی لاشوں کی بجائے انہیں بارود میں جھلسی ہوئی لاشیں دیکھنے کو مل رہی ہیں۔انہیں پھر ایک کربلا کا سامنا ہے،مگر یہ کربلا ان کے لئے نئی نہیں۔

مگر امریکی ماؤں کے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ان کے بیٹے تو ایک ایسی جنگ میں شریک ہیں، جسے دنیا قزاقی کہہ رہی ہے۔وہ اپنے وطن کی حفاظت کے لئے جانیں نہیں گنوا رہے، بلکہ انہیں بش اینڈ کمپنی نے تیل کی دولت کے لئے جنگ میں جھونک دیا ہے۔ظالم کے خلاف لڑتے ہوئے مرنا عظمت ہے اور ظالم کی فوج میں شامل ہو کر جان گنوانا ذلت۔امریکی ماؤں کے بیٹے اسی راستے کے مسافر ہیں۔وہ عراق کے صحرا میں مر رہے ہیں تو مائیں ان کی لاشوں پر بین تک نہیں کر سکتیں۔واشنگٹن، نیویارک یا شکاگو میں صلیب گاڑ کر ان کی قبر تک نہیں بنا سکتیں، پھر ان کے پاس کربلا جیسا کوئی روحانی ورثہ بھی نہیں اس بے چارگی میں دھاڑیں مار مار کر نہ روئیں تو کیا کریں۔رونا تو اب ان کا مقدر بن چکا ہے۔

بشکریہ (نسیم شاہد)

صدام حسین کے بغیر عراق ---کیسا ہوگا؟

صدام حسین اب اس دنیا میں نہیں رہے۔30 دسمبر 2006ء کوانہیں پھانسی دیدی گئی، عراق کی تاریخی سرزمین کا ایک اہم عہد تمام ہوااور اپنے پیچھے کتنی ہی سبق آموز اور عبرت آمیز داستانیں، کچھ گفتنی اور کچھ ناگفتنی چھوڑ گیا۔ صدام حسین کی زندگی انسانی عروج وزوال کی ایک ایسی کہانی ہے کہ جس میں دینوی زندگی کا ہر رنگ جھلکتا ہے۔ اس میں عروج ہے تو ایسا کہ اس کی نظیر ڈھونڈنا مشکل ہے اور پھر زوال دکھائی دیتا ہے تو وہ بھی ایسا کہ ایسی کوئی دوسری مثال پانا دشوار ہے۔ صدام حسین کے لئے بے دھڑک یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ انہیں محبت بھی بہت ملی اور انہوں نے نفرت بھی خوب سمیٹی۔ صدام ان لوگوں میں سے تھے، جن سے آپ محبت کرتے ہیں یا پھر نفرت .... لیکن انہیں نظرانداز نہیں کرسکتے۔ یہ لوگ اپنا وجود خود منواتے ہیں ایسے لوگ دنیا بھر میں پائے جاتے ہیں جو صدام حسین سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں یا پھر انتہائی نفرت .... یہاں تک کہ ان کی موت پر جہاں کچھ لوگوں نے شادیانے بجائے تو وہاں ان کے لئے آنسو بہانے والوں کی بھی کوئی کمی نہ تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صدام حسین بہت ظالم وجابر قسم کے حکمران تھے اور ظلم وستم کا کوئی حربہ ایسا نہ تھا، جسے انہوں نے اپنے اقتدار کو قائم ودائم رکھنے کے لئے اپنے مخالفین پر نہ آزمایا ہو۔ اگر یہ سچ ہے اور گمان غالب یہی ہے کہ یہ سچ ہے تو پھر حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ ایسے ظالم انسان کے لئے بھی آنسو بہانے والے لوگ اس آسمان کے نیچے موجود ہیں......!

کچھ سیانے کہتے ہیں کہ لوگوں نے اصل میں صدام حسین کے لئے آنسو نہیں بہائے بلکہ یہ اشک ان طاقتوں کی مذمت میں بہائے گئے، جنہوں نے ایک غلط شخص کو ہٹانے کے لئے اس سے بھی زیادہ غلط طریقہ کار اختیار کیا اور ظلم وستم کے معاملے میں اسے بھی پیچھے چھوڑ دیا، شاید یہ بات کچھ ایسی غلط بھی نہیں ہے کیونکہ صدام حسین دنیا بھر میں امریکا کی من مانی پالیسیوں اور سامراجی ہتھکنڈوں کے خلاف مزاحمت کی علامت بن گئے تھے۔ ان کی جھولی میں کچھ دوسرے مثبت کام ہوں یا نہ ہوں...... کچھ لوگوں کے پاس صدام حسین سے محبت کرنے کے لئے یہی بہانہ کافی تھا کہ وہ امریکا سے نفرت کرتا تھا اور اس کے خلاف میدان عمل میں آنکلا تھا۔ فیڈرل کاسترو سے لے کر ہیوگوشاویز تک اور محمود احمد نژاد سے لے کر اسامہ بن لادن تک ...... سبھی سامراجی طاقتوں کے خلاف مزاحمت کی علامت ہیں، یہ الگ بات کہ ان سب نے مزاحمت کے لئے مختلف پالیسیاں اپنائی ہیں اور ہر ایک کی مزاحمت کا انداز جداگانہ ہے لیکن سامراج کی مخالفت قدر مشترکہ ہے۔ صدام حسین بھی اسی زنجیر کی ایک کڑی تھے۔

''امریکا بہادر'' نے عراق کے معزول صدر کو تختہ دار پر لٹکا کر گویا اپنے تمام مخالفین کو یہ پیغام دیا ہے کہ وہ اس کی من مانیوں کی مخالفت سے باز آجائیں یا پھر صدام حسین کے جیسے انجام کے لئے تیار رہیں لیکن اصل سوال تو یہ ہے کہ کیا یہ کوئی برا انجام تھا......؟ اس بارے میں بہت سی متضاد آراء ہوسکتی ہیں اور تمام لوگوں کا کسی ایک نکتے پر اتفاق کرنا ضروری بھی نہیں...... لیکن جو چیز ساری دنیا نے ٹی وی اسکرین پر دیکھی، اسے جھٹلانا بھی ممکن نہیں۔ دنیا نے یہ عجیب وغریب منظر دیکھا کہ جس شخص کو پھانسی دی جارہی ہے، اس نے تو چہرے پر نقاب چڑھانے سے انکار کردیا لیکن

انصاف کے جوعلمبردار اسے تختہ دار تک لے کر آئے اور پھانسی کا پھندا اس کے گلے میں ڈالنے آئے، وہ اتنے خوفزدہ تھے کہ انہوں نے خود اپنے چہرے نقاب سے چھپائے ہوئے تھے۔ شاید وہ نہیں چاہتے تھے کہ انہیں شناخت کیا جائے اور تاریخ انہیں منفی انداز میں یاد رکھے۔ دنیا نے یہ بھی دیکھا کہ تختہ دار پر بھی صدام حسین کے چہرے پر سنجیدگی تو موجود تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک وقار اور اعتماد بھی موجود تھا۔ صدام حسین نے ثابت کیا کہ وہ ایک سچا سپاہی تھا، جو جان لے سکتا ہے تو جان دے بھی سکتا ہے۔ صدام حسین نے سزائے موت پانے کے بعد رحم کی درخواست نہیں کی ......شاید ان کی خودداری اور انا آڑے آئی ہو یا پھر انہیں یقین ہو کہ جن طاقتوں نے انہیں کال کوٹھڑی تک پہنچایا ہے، وہ انہیں ہر حالت میں تختہ دار تک پہنچا کر ہی دم لیں گی۔ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو، صدام حسین نے رحم کی اپیل نہیں کی۔

صدام حسین تقریباً ربع صدی تک عراق کے مطلق العنان حکمراں رہے۔ جس طرح ہر سکے کے دو رخ ہوتے ہیں، اسی طرح ہر چیز کے مثبت اور منفی پہلو ہو سکتے ہیں۔ مطلق العنان کے جہاں بہت سے نقصانات ہوتے ہیں، وہاں کچھ فائدے بھی ہوا کرتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر تو یہ کہ ملک میں ''ایڈ ہاک ازم'' نہیں ہوتا، نہ ہی ایسا ہوتا ہے کہ آنے والی ہر حکومت سابقہ حکومت کی اچھی پالیسیوں کو بھی حرف غلط کی طرح مٹانے کی کوشش کرے اور یوں بار بار راستہ بدلنے کی وجہ سے قومی ترقی کی گاڑی پٹڑی سے ہی اتر جائے۔ بہر حال صدام حسین نے جہاں سیاسی حریفوں کا ناطقہ بند کئے رکھا، وہاں عراق کی اقتصادی ترقی کے لئے بہت سے گرانقدر کام بھی کئے۔ انہوں نے عراق کو مشرق وسطیٰ کی برتر علاقائی طاقت بنانے اور مصر کی جگہ اپنے ملک کو عرب دنیا کا لیڈر بنانے کی بھرپور کوشش کی۔ انہوں نے تمام تر بغاوتوں اور مخالفتوں کے باوجود عراق کی یکجہتی کو قائم رکھا اور بعض عالمی طاقتوں کی یہ خواہش پوری نہ ہونے دی کہ اس ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آج بھی عراق میں جہاں صدام حسین کو برا بھلا کہنے والوں کی کوئی کمی نہیں، وہاں انہیں اپنا ہیرو سمجھنے والے بھی موجود ہیں۔

دنیا عراق کو صدام حسین کی قیادت میں دیکھنے کی عادی ہو چکی تھی۔ صدام نے 24 سال تک بلاشرکت غیرے عراق پر حکومت کی۔ بہت سے لوگوں نے تو یہ سمجھا کہ شاید عراق اور صدام حسین لازم و ملزم ہیں لیکن وقت کی کسوٹی نے اسے غلط ثابت کر دیا۔ پہلے جب صدام حسین برسر اقتدار نہیں آئے تھے، تب بھی عراق موجود تھا اور ربع صدی کی حکمرانی کے بعد آج جب وہ نہیں رہے، تب بھی عراق موجود ہے۔ انسان آتے جاتے رہیں گے اور دنیا قیامت تک یونہی چلتی رہے گی، سوال تو یہ ہے کہ اب صدام حسین کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد عراق کے حالات کیا رُخ اختیار کریں گے، ان میں بہتری آنے کی کوئی امید ہے یا پھر صورت حال مزید خراب ہو جائے گی۔ اگر دیکھا جائے تو آج عراق میں جو حالات ہیں، شاید اتنی بری صورت حال تو صدام حسین کے دور حکومت میں بھی نہ تھی۔ اس بات کا اعتراف تو صدام حسین کے مخالفین بھی کرتے ہیں کہ اتحادی افواج کے قبضے کے بعد عراق میں صورت حال صدام دور سے بھی بدتر ہو گئی ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر سابقہ دور میں صدام حسین اپنے مخالفین پر ظلم و ستم کرتے تھے تو اتحادی افواج یہی کام زیادہ شدت کے ساتھ کر رہی ہیں۔ اقوام متحدہ کے سبکدوش ہونے والے سیکرٹری جنرل کوفی عنان نے بھی ''بعد از خرابی بسیار'' بالآخر یہ بات تسلیم کر لی تھی کہ اتحادی افواج کی مداخلت کے بعد عراق میں صورت حال صدام دور سے زیادہ خراب ہو گئی۔ اپنے عہدے سے سبکدوشی سے قبل دیئے گئے ایک انٹرویو میں کوفی عنان نے کہا کہ آج عراقی باشندوں کو صدام حسین کے دور سے کہیں زیادہ خراب

حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ انہوں نے اس بات پر بھی افسوس کا اظہار کیا کہ وہ عراق کو جنگ اور پھر خانہ جنگی سے نہ بچا سکے۔ کوفی عنان نے یہ بھی تسلیم کیا کہ 2003ء میں عراق پر امریکی حملے کو نہ روک پانا، ان کی بہت بڑی ناکامی تھی۔ ان خیالات کو اعتراف حقیقت ہی قرار دیا جائے گا لیکن نجانے کیوں بڑے بڑے مناصب پر فائز لوگوں میں حقائق کا اعتراف کرنے کی جرأت اسی وقت پیدا ہوتی ہے، جب وہ اپنے عہدے سے فارغ ہونے والے ہوتے ہیں اوران کے دوبارہ اس عہدے پر منتخب ہونے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔

اس وقت عراق کے محبّ وطن حلقوں اور ہمسایہ ممالک کو سب سے بڑی فکر یہ دامن گیر ہے کہ صدام حسین کے بعد عراق اپنی قومی وحدت، سا یت اور یکجہتی برقرار رکھ پائے گا یا نہیں۔ عراق وسیع رقبے کا حامل ہے، جہاں تیل اور دیگر قیمتی معدنیات کے وسیع ذخائر موجود ہیں۔ یہ ملک جتنا قدرتی وسائل سے مالا مال ہے، اسی قدر متنوع یہاں کی تہذیب وتمدن بھی ہے، عراق میں مختلف نسلوں کے لوگ بستے ہیں، کئی زبانیں بولی جاتی ہیں اور مذہبی حوالے سے بھی بڑی رنگا رنگی پائی جاتی ہے، ایسے ملک کو، جہاں بھانت بھانت کی بولی بولنے والے موجود ہوں، متحد اور یکجا رکھنا بڑے دل گردے کا کام ہے، یہ کام صدام حسین نے ربع صدی تک بخوبی انجام دیا لیکن ان کے بعد عراق یکجہتی کے بجائے افتراق وانتشار کی جانب بڑھتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔

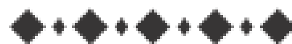
شروع سے ہی سامراجی طاقتوں کا یہ طریقہ کار رہا ہے کہ وہ خود تو متحد رہ کر اپنی طاقت میں مقدور بھر اضافہ کرنے کی کوششیں کرتی ہیں لیکن دوسری قوموں کو آپس میں لڑا کر اور انہیں تقسیم در تقسیم کے ذریعے کمزور کرنے کی خواہاں رہتی ہیں تا کہ پھر ان کی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر اپنا محکوم بنالیں اور ہر طرح ان کا استحصال کریں۔ ماضی کی سامراجی طاقتوں کی طرح امریکا کی بھی یہی پالیسی رہی ہے۔ دیگر مثالوں کو تو چھوڑیے، خود عراق میں امریکا نے صدام حسین کے حامی عناصر کو کمزور کرنے کے لئے یہ حکمت عملی اپنائی ہے کہ اس ملک کے شمالی حصوں میں کرد باغیوں کی حمایت کی جائے جو کہ عرصہ دراز سے آزادی کے حصول کے لئے مسلح جدوجہد کرتے آ رہے ہیں جبکہ عراق کے جنوبی حصوں میں، جو کہ ایران سے قریب ہیں، شیعہ آبادی کو صدام کے حامیوں سے لڑوا دیا جائے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ عراق میں صدام حسین کے حامیوں میں اکثریت سنی مسلمانوں کی ہے جبکہ شیعہ آبادی میں ان کی مخالفت پائی جاتی تھی۔ اس کا فائدہ اٹھانے کے لئے امریکا ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت عراق میں سنی......شیعہ اختلافات کو نہ صرف ہوا دے رہا ہے بلکہ کردوں اور شیعہ مسلمانوں کو سنی آبادی کے مقابلے میں کھڑا کر کے عراق کی مستقل طور پر نسلی اور مذہبی بنیادوں پر تقسیم کی راہ ہموار کرنے کی کوشش کر رہا ہے، حالانکہ سبھی جانتے ہیں کہ اسے نہ تو کردوں سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ ہی سنی یا شیعہ مسلمانوں سے......امریکا کی تمام تر دلچسپی تو صرف اور صرف اپنے مفادات سے ہے۔ حد تو یہ ہے کہ صدام حسین کی پھانسی کو بھی عراق میں شیعہ......سنی اختلافات کو ہوا دینے کے لئے استعمال کیا گیا اور اس موقع پر بھی ایسے حالات پیدا کئے گئے جن کے نتیجے میں عراقیوں میں باہمی منافرت میں اضافہ ہو......کیونکہ عراقی عوام جس قدر باہمی اختلافات میں الجھیں گے، اسی قدر وہ کمزور ہوں گے۔ بہت سے تجزیہ نگار اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں کہ امریکا عراق اور کچھ دیگر ملکوں کو تقسیم کر کے انہیں اپنا حاشیہ بردار بنانا چاہتا ہے۔

جہاں تک صدام حسین کی سزائے موت کا تعلق ہے تو امریکی سرپرستی میں ان کے خلاف ہونے والی عدالتی کارروائی سیاسی مصلحتوں میں لپٹی

ہوئی تھی اور اسی وجہ سے عالمی برادری کی نظروں میں مشکوک ٹھہری۔ سامراجی طاقتوں کی ہمیشہ یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ایسا ہر کام، جس کے نتائج و عواقب خطرناک ثابت ہو سکتے ہوں، خود کرنے کے بجائے اپنے ہرکاروں سے کرائیں تاکہ کبھی تاریخ انصاف کرنے پر تل جائے تو الزام صرف انہی کے سر نہ آئے بلکہ ان کے گماشتے بھی اس میں حصہ دار ٹھہریں۔ بدقسمتی سے ہر مسلم ملک میں سامراجی طاقتوں کو اپنے لئے مقامی آلہ کار بکثرت مل جاتے ہیں۔ اسی فارمولے پر عمل کرتے ہوئے صدام حسین کو امریکی فوجیوں نے عراقی انتظامیہ (جسے بہت سے لوگ کٹھ پتلی حکومت قرار دیتے ہیں) کے حوالے کر دیا تاکہ امریکی آشیرباد کے ساتھ عراقی عدالت میں ان پر مقدمہ چلایا جائے۔ صدام حسین کے خلاف پانچ ہزار کردوں کے قتل عام اور دجیل میں 140 سے زائد شیعہ مسلمانوں کی ہلاکت کے مقدمات بنائے گئے۔ دجیل کے مقدمے میں استغاثہ کا موقف تھا کہ 1982ء میں دریائے دجلہ کے کنارے آباد شہر دجیل میں صدام حسین پر قاتلانہ حملے کی ناکام کوشش کے بعد ان کے حکم پر وہاں 148 شیعہ مسلمانوں کو ہلاک کیا گیا، بالآخر اسی مقدمے میں صدام حسین کو سزائے موت سنائی گئی۔ اس مقدمے کا فیصلہ اگرچہ عراقی جج نے سنایا لیکن بیشتر لوگوں کو یقین ہے کہ یہ فیصلہ امریکی سیاہی سے لکھا گیا تھا۔ مقدمے کی سماعت کے دوران کئی بار صدام حسین اور ان کے ساتھی ملزمان نے عدالتی کاروائی کا بائیکاٹ کیا، بھوک ہڑتال کی اور احتجاج کے دوسرے طریقے بھی اختیار کئے، ان کا کہنا تھا کہ اس مقدمے کی سماعت منصفانہ طور پر نہیں کی جا رہی ہے۔ صدام حسین اور دیگر ملزمان کی کئی بار جج سے بھی تکرار ہوئی، امریکا کے سابق اٹارنی جنرل رمزے کلارک اور دیگر وکلائے صفائی نے بھی عدالتی کاروائی کے شفاف ہونے کے حوالے سے شکوک وشبہات کا اظہار کیا۔ عدالت کے جج رؤف عبدالرحمان نے صدام حسین سمیت تین ملزمان کو سزائے موت اور چار کو سزائے قید سنائی جبکہ ایک ملزم کو عدم ثبوت کی بنا پر رہا کرنے کا حکم دیا۔ صدام حسین نے عدالت سے یہ استدعا کی تھی کہ چونکہ وہ ایک سپاہی ہیں، اس لئے اگر انہیں سزائے موت دی جائے تو پھانسی کے بجائے فائرنگ اسکواڈ کا طریقہ اپنایا جائے لیکن ان کی اس خواہش کا بھی احترام نہیں کیا گیا۔ انسانی حقوق کے بین الاقوامی اداروں نے صدام حسین کے خلاف عدالتی کاروائی کو مشکوک قرار دیتے ہوئے کہا کہ اسکا مقصد ہر قیمت پر جرم ثابت کرنا معلوم ہوتا تھا۔ عدالتی ٹربونل کی قانونی حیثیت کے بارے میں بھی سوالات اٹھائے گئے جبکہ مقدمے کی سماعت کے دوران تین وکلاء کے قتل اور جیل مقدمے کے اصل جج کو تبدیل کئے جانے سے بھی شکوک وشبہات کو تقویت ملی۔ بہرحال یہ فیصلہ ''طاقت کی عدالت'' کی جانب سے صادر کیا گیا، جس کے انصاف کے اپنے الگ ہی معیارات ہوتے ہیں۔ صدام حسین کو پھانسی دیئے جانے پر بہترین تبصرہ انٹرنیٹ پر رائے عامہ کے ایک جائزے میں سامنے آیا۔ ایک شخص نے اس سوال کے جواب میں کہ ''کیا صدام حسین پھانسی کے مستحق تھے؟'' اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ''صدام حسین پھانسی کے حقدار ہوں یا نہ ہوں، انہیں تختہ دار تک پہنچانے والے اس کا استحقاق ہرگز نہیں رکھتے تھے۔''

بشکریہ

عارف عزیز پنہور



نئی امریکی کہانی

کیا وزیراعظم نوری المالکی واقعی اتنے طاقتور اور اتنے منہ زور ہو گئے ہیں کہ امریکیوں کی مخالفت کے باوجود صدام حسین کو عیدالاضحٰی کی صبح حوالہ دار کر دیں؟..... یا امریکیوں نے دنیا کو اتنا بے وقوف سمجھ لیا ہے کہ وہ اس سلسلے میں کئی روز بعد تخلیق کردہ ان کی کہانی پر یقین کر لے گی؟

عیدالاضحٰی کی صبح صدام حسین کو پھانسی اور اس کے لئے اسے ان مخالفین کے سپرد کر دینا جو اس وقت بھی اپنی نفرت اور جذبۂ انتقام کو نہ چھپا سکے، جب صدام اور تختہ دار کے درمیان چند قدم کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ یہ ایک ایسی کارروائی تھی، جس پر وہ لوگ بھی اظہار ناپسندیدگی کئے بغیر نہ رہ سکے جو عراق کے سابق آمر سے کوئی ہمدردی نہیں رکھتے تھے۔

پھانسی کے اس عمل کی فلم بنانے اور سرکاری ٹی وی سے اسے بلا تاخیر نشر کرنے کا فیصلہ شاید اس ''خوش فہمی'' پر مبنی تھا کہ تقریباً 3 دہائیوں تک عراق پر اپنی مکمل آہنی گرفت کے ساتھ مسلط رہنے والا بے رحم شخص موت کو سامنے پا کر ٹوٹ پھوٹ جائے گا، تختہ دار کی طرف کانپتے ہونٹوں، اشک بار آنکھوں اور لغزیدہ قدموں کا سفر اس کی بزدلی، کم ہمتی اور اعصاب باختگی کا مظہر ہوگا، تب یہ کسی کا ہیرو نہیں رہے گا اور تاریخ میں اس کا ذکر ایک ایسے شخص کے طور پر ہوگا جس نے اپنے دور اقتدار میں ہر طرح کا ظلم اور جبر روا رکھا اور موت کو سامنے پا کر تھر تھر کانپنے لگا......لیکن صدام حسین نے اپنے دشمنوں کی یہ خواہش بھی پوری نہ ہونے دی۔ بے بسی اور بے کسی کے آخری لمحات بھی اس نے جس حوصلے کے ساتھ بسر کئے، وہ اس کے مخالفین کو بھی ششدر کر دینے والے تھے۔ یوں اس کے دشمنوں نے اسے ایسا ہیرو بنا دیا جو شاید اس کا ''پبلسٹی اینڈ پبلک ریلیشن ڈیپارٹمنٹ'' کروڑوں ڈالر خرچ کر کے بھی نہ بنا سکتا......اور اب امریکی دنیا کو ایک اور کہانی سنا رہے ہیں۔ یہ کہانی نیویارک ٹائمز کے لئے امریکی ٹاسک فورس 134 کے طویل ای میل پر مبنی ہے۔ تمام اہم عراقی گرفتار شدگان اس ٹاسک فورس کے تحویل میں ہیں۔ (صدام حسین بھی اسی کی تحویل میں تھا)

30 دسمبر کی صبح 3 بجکر 55 منٹ پر امریکی سپاہیوں نے صدام حسین کو بغداد ایئر پورٹ کے قریب 'کیمپ کراپر' میں اس کے سیل میں

جگایا اور اسے بغداد روانگی کے لئے تیار ہونے کو کہا۔ گزشتہ 14 ماہ میں، امریکیوں کے زیر تحویل عدالتی کارروائی کا سامنا کرتے ہوئے وہ متعدد بار اس عمل سے گزرا تھا۔ اسے عدالت میں پیش کرنے کے لئے تقریباً اسی وقت جگایا جاتا اور ہیلی کاپٹر کے ذریعے منہ اندھیرے عدالت میں پہنچا دیا جاتا کیمپ کراپر کے اس سیل میں آخری رات جب روشنیاں مدھم ہوئی تو شاید اسے یہ خیال ہو کہ ابھی اس کی زندگی کے کچھ دن باقی ہیں۔

صدام حسین نے صحرا کی کاٹ کھانے والی سردی میں باہر جانے کے لئے تیاری کی، تب اسے بتایا گیا کہ اسے عراقیوں کی تحویل میں دینے کے لئے لے جایا جا رہا ہے۔ اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس کی زندگی کے آخری لمحات زیادہ دور نہیں۔

یہاں سے روانہ ہوتے ہوئے اس نے گارڈ کا اور اس طبی عملے کا شکریہ ادا کیا جس نے اسے وقتاً فوقتاً طبی سہولتیں فراہم کی تھیں۔ پھر اسے بلیک ہاک ہیلی کاپٹر کی طرف لے جایا گیا جو اسے شمالی بغداد میں ''استخبارات'' (صدام دور کی انٹیلی جنس) کی جیل میں پہنچانے کے لئے تیار کھڑا تھا۔ یہ صرف 10 منٹ کی پرواز تھی۔ اس مختصر وقفے میں صدام زیادہ سنجیدہ تھا۔ ہیلی کاپٹر نے 5 بجکر 5 منٹ پر ٹیک آف کیا، اب اس کی زندگی کے 65 منٹ باقی تھے۔ امریکہ سے آمدہ اس نئی کہانی کے مطابق، اس وقت بھی امریکیوں اور عراقیوں کے درمیان (اور خود امریکیوں میں بھی) اس پر بحث ہو رہی تھی کہ کیا عیدالاضحیٰ کے اس مقدس اور حساس موقع پر پھانسی کی سزا پر عملدرآمد ضروری ہے؟

یہاں اس کہانی میں ایک دلچسپ نکتہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ بغداد میں اس روز طلوع آفتاب کا وقت 7 بجکر 6 منٹ تھا اور عراقی حکام نے امریکیوں سے وعدہ کیا تھا کہ پھانسی کا یہ عمل طلوع آفتاب سے پہلے مکمل کر لیا جائے گا (یوں عیدالاضحیٰ کا تقدس پامال نہیں ہوگا؟)...... اس تازہ امریکی سٹوری کے مطابق، صدام کی پھانسی سے 6 گھنٹے پہلے تک امریکی کمانڈر اور سفارت کار اسے رکوانے کے لئے کوشاں رہے...... تب عراق میں امریکی سفیر زلمے خلیل زاد اور یہاں امریکی فوج کا سب سے بڑا کمانڈر، جنرل جارج ڈبلیو کیسی جونیئر تعطیلات پر (امریکہ میں) تھے۔ ایسے میں وزیر اعظم نوری المالکی عراق میں امریکی کمانڈرروں اور سفارت کاروں سے مطالبہ کرنے لگے کہ صدام حسین کو عراقی حکومت کی تحویل میں دیا جائے۔ المالکی نے جمعرات کو اور پھر جمعہ کو بھی یہ اصرار جاری رکھا۔ اس پر خود امریکیوں میں بھی اتفاق رائے نہیں تھا۔ رات ساڑھے دس بجے زلمے خلیل زاد کا نوری المالکی سے فون پر آخری بار رابطہ ہوا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ عراقی قیادت پھانسی میں تاخیر پر آمادہ نہیں۔ انہوں نے واشنگٹن کو بھی اس سے آگاہ کر دیا لیکن امریکی فوج کو اس سے اتفاق نہیں تھا۔

صدام حسین کو جس طرح عراقی حکومت کے سپرد کیا جا رہا تھا، امریکی کمانڈر اس پر پریشان تھے۔ اس کے خیال میں یہ سب کچھ انصاف کے تقاضوں کی بجائے جذبۂ انتقام کی تسکین کے لئے تھا۔ بعض امریکی افسروں کے خیال میں جمعہ کی نصف شب، نوری المالکی اور سخت گیر شیعہ عناصر کی ضد کے سامنے امریکی مفادات نظر انداز کر دیئے گئے۔ ذرائع کے مطابق، گرین زون میں واقع المالکی کے ہیڈ کوارٹرز میں (جسے یہاں کے حکام ''وائٹ ہاؤس'' بھی کہتے ہیں) خوشیوں بھرے خصوصی ڈنر کا آغاز جمعہ کی رات ہو گیا تھا، جبکہ امریکیوں نے صدام کو سپرد نہ کرنے کی دھمکی ابھی واپس نہیں لی تھی۔ 26 دسمبر کو جب اپیل بنچ نے سزائے موت کا فیصلہ برقرار رکھا تھا، بی بی سی سے انٹرویو میں مالکی نے اس توقع کا اظہار کیا تھا کہ صدام کو اس سال کے اختتام سے پہلے پھانسی دیدی جائے گی۔

بش ایڈمنسٹریشن کے اعلیٰ حکام کے مطابق زلمے خلیل زاد کا واشنگٹن میں سب سے بڑا رابطہ وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس کے ساتھ تھا، اور انہوں نے بھی بغداد میں موجود امریکی کمانڈروں کے خدشات کے باوجود صدام حسین کو عوامی حکومت کے سپرد کرنے کی منظوری دیدی تھی۔ رائس کو صدر بش کے نیشنل سیکیورٹی ایڈوائزر اسٹیفن جے ہیڈلی کی حمایت بھی حاصل تھی۔ عراق کے صدر جلال طالبانی نے پھانسی کے پروانے پر دستخط سے انکار کر دیا تھا، تاہم وزیر اعظم المالکی کے نام ایک خط میں انہوں نے لکھا کہ اگر عراقی حکومت پھانسی دے دیتی ہے تو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

جمعہ کی نصف شب، وزیر اعظم مالکی سے ناکام بات چیت کے بعد جنرل گارڈنر نے کیمپ کراپر کے امریکی کمانڈروں سے رابطہ کیا اور انہیں صدام حسین کو عراقیوں کی تحویل میں دینے کی اجازت دیدی۔ زلمے خلیل زد نے عراق کی سپریم جوڈیشل کونسل کے چیف جج مدحت المحمود سے پھانسی کی تحریری منظوری لینے کی تجویز بھی پیش کی تھی اور المحمود نے انکار کر دیا تھا۔ اب عراقیوں نے اپنا ٹرمپ کارڈ کھیلا۔ انہوں نے نجف میں شیعہ علماء سے رابطہ کیا اور ''مراجع'' (اہل تشیع کے سپریم لیڈر) سے پھانسی کی منظوری حاصل کرنے کی درخواست کی۔ وہاں سے منظوری کے بعد وزیر اعظم مالکی نے پھانسی کے حکم پر دستخط کر دیئے، تب رات پونے بارہ بجے تھے۔

نیوز ویک کی سٹوری کے مطابق امریکیوں نے پھانسی کے موقع پر غیر ملکی اخباری نمائندوں اور اقوام متحدہ کے مبصرین کی موجودگی میں تجویز بھی پیش کی، جسے عراقیوں نے مسترد کر دیا...... تب صدام حسین کو عراقیوں کے سپرد کرنے کے لئے کیمپ کراپر میں امریکی ہیلی کاپٹر تیار کھڑے تھے۔ اس موقع پر سیکیورٹی کے غیر معمولی انتظامات بھی تھے۔ امریکیوں نے صدام کے ساتھ ''سونگھنے والے کتے'' (Sniffer dogs) روانہ کرنے کا بھی اہتمام کیا تھا۔

کیمپ کراپر سے روانگی سے پہلے صدام نے امریکی فوجیوں کو الوداع کہا، جو قید تنہائی کے گیارہ سو دس (1110) دنوں میں اس کی نگرانی پر مامور رہے تھے۔ 5 بجکر 15 منٹ پر ہیلی کاپٹر ''کیمپ جسٹس'' میں اترا تو صدام نے دوبارہ ایک ایک امریکی کا شکریہ ادا کیا۔ 5 بجکر 21 منٹ پر اسے جیل کے اندر لے جایا گیا۔ امریکی اسے ایک کمرے میں لے گئے، جہاں اسے عراقیوں کے تحویل میں دیتے ہوئے ضروری کاغذات کا تبادلہ ہوا۔

میجر جنرل ولیم کے بقول: ''اس لمحے بھی وہ باوقار تھا۔ اس نے اپنے ترجمان کو خدا حافظ کہا اور ملٹری پولیس کے پورے سکواڈ، سکواڈ کے لیڈر لیفٹیننٹ، ڈاکٹر اور امریکی کرنل کا شکریہ ادا کیا۔

5:30 پر عراقیوں نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔ امریکی افسر کے بقول ''عراقیوں کی تحویل میں جانے کے بعد بھی وہ باوقار تھا لیکن اب اس کا رویہ حقارت آمیز بھی ہو گیا تھا''۔

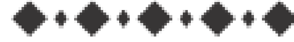
عراق کے سیکیورٹی ایڈوائزر مسٹر ربیعہ نے بتایا: ''پھانسی گھاٹ کی طرف جاتے ہوئے اس نے بعض مزاحیہ ریمارکس بھی دیئے۔ مثلاً مجھے کہا: ''ڈرو نہیں جیسے اسے نہیں، بلکہ مجھے پھانسی کے لئے لے جایا جا رہا ہو''۔

ایک امریکی اخبار نویس کے بقول صدام نے ایک بار ایک سوانح نگار سے کہا تھا اسے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس کے متعلق آج کیا کہا جاتا ہے، اسے زیادہ دلچسپی اس بات سے ہے کہ 500 سال بعد لوگ اس کے متعلق کیا کہیں گے۔ اسے تاریخ میں اپنے مقام کے حوالے سے زیادہ فکر

تھی۔

صدام اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ اسے جس طرح اور جس وقت پھانسی دی گئی، اس نے اس کے متعلق ہمدردی کی لہر پیدا کرنے کے علاوہ، اسے پھانسی دینے والوں کے خلاف بھی نفرت کی لہر اٹھادی اور امریکی ایک اور مشکل سے دوچار ہوگئے۔ وہ دنیا بھر کی تنقید کا نشانہ ہیں اور اس کے جواب میں سارا المیہ وزیر اعظم المالکی پر ڈال رہے ہیں ...... تو کیا وہ المالکی کو قربانی کا بکرا بنادیں گے؟ جیسا کہ تیسری دنیا کے اکثر ملکوں میں اپنے ''کارندوں'' کو بناتے رہے ہیں۔

بشکریہ (رؤف طاہر)



جلتے ہوئے عراق کا مستقبل؟

عید قرباں کے روز امریکی جنونی صدر بش کے انتقام کی بھینٹ چڑھ کر خودداری اور آبرومندی کے ساتھ پھانسی کے پھندے کو چومتے ہوئے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کرنے والے صدام حسین کو ہزاروں اشکبار آنکھوں کے سامنے ان کے آبائی گاؤں عوجہ میں سپردخاک کردیا گیا۔ان کی تدفین کی رسومات کے مناظر رقت آمیز ہی نہیں، دل ہلا دینے والے تھے، ہزاروں سوگوار عراقی باشندے دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے اور امریکی کروسیڈی عزائم کے خلاف سراپا احتجاج بنے ہوئے تھے۔

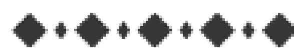
انسانی حقوق کے عالمی اداروں نے صدام حسین کی پھانسی کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ اقدام قانون کی حکمرانی کی نفی کے طور پر یاد رکھا جائے گا جس سے عراق میں خونریزی روکنے میں کوئی مدد نہیں ملے گی۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کے ڈائریکٹر برائے مشرق وسطیٰ میلکم سمارٹ نے باور کرایا کہ صدام کے خلاف مقدمے کی کارروائی خامیوں سے بھرپور تھی مگر اپیلیٹ کورٹ نے ان خامیوں کی طرف توجہ دینے کی زحمت تک نہ کی، اس لئے اس فیصلہ کو ''فاتح کے انصاف'' سے زیادہ کچھ نہیں کہا جاسکتا اور اس عمل سے سیاسی ہلاکتوں کی روایت کے خاتمہ میں مدد نہیں مل سکتی۔اسی طرح امریکہ میں قائم ہیومن رائٹس واچ نے کہا ہے کہ تاریخ صدام حسین کی پھانسی کا کڑا احتساب کرے گی۔ عراق کی کالعدم بعث پارٹی نے صدام حسین کی پھانسی کا انتقام لینے کا اعلان کرتے ہوئے عراقی عوام پر زور دیا ہے کہ وہ اپنے تنظیمی ڈھانچے کو بھول جائیں اور اس اقدام کا تباہ کن جواب دیں۔ بعث پارٹی کی قیادت نے صدر بش کے نام ایک پیغام میں کہا ہے کہ وہ اس معمولی سی فتح پر خوش نہ ہوں بلکہ انہیں ہماری انتقامی کارروائیوں کیلئے اب تیار ہو جانا چاہیے۔

صدام حسین کی پھانسی کے ردعمل میں عراقی عوام کے بپھرے ہوئے جذبات اس امر کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ اب صرف عراق میں ہی امن و سکون کی منزل کوسوں دور نہیں چلی گئی بلکہ عالمی امن کو بھی بہت بڑا خطرہ لاحق ہوگیا ہے جس کی بنیاد عالم اسلام کے خلاف اپنے بدنیتی پر مبنی عزائم کی تکمیل کرتے ہوئے صدر بش نے خود رکھی ہے اس لئے اقوام عالم میں بجا طور پر یہ تاثر ابھر رہا ہے کہ عالمی امن کے لئے صدر بش اور ان کے حواری ہی سب سے بڑا خطرہ ہیں چنانچہ اب بش کے خلاف اقوام عالم اور عالم اسلام کے احتجاج کو مزید تقویت حاصل ہوگی۔ اب جہاں بش اور انکے حواریوں کی راتوں کی نیندیں حرام ہوں گی وہاں دنیا بھر میں موجود امریکی باشندوں کی زندگیاں بھی خطرات میں گھری رہیں گی اس لئے بش کے

اقتدار کا باقیماندہ عرصہ خلفشار اور افراتفری میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا ہے جبکہ عراق کے عوام اب شائد ہی اپنے لئے خوشی اور خوشحالی کا کوئی دن دیکھ پائیں گے۔ 9/11 کے بعد 2003ء میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی افواج کی جانب سے عراق میں شروع کی گئی جارحیت کے بعد سے اب تک عراق کے عوام کو کڑی آزمائشوں اور مصیبتوں سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ پہلے امریکی حملوں نے عراق کو تہس نہس کیا۔ اس کے تیل کے کنوؤں اور معیشت کو برباد کیا جبکہ صدام حکومت کی معزولی کے بعد عراقی عوام مزاحمت کاروں کی زد میں آ کر گاجر مولی کی طرح کٹتے رہے۔

امن وامان کی اس بدترین صورت حال نے عراقی قوم کو غربت وافلاس کی انتہا تک پہنچا دیا ہے اور عراق کی کٹھ پتلی حکومت اپنے عوام کو روزگار کا تحفظ تو کیا جان ومال کا تحفظ بھی نہیں دے سکی البتہ عراقی عوام کو امریکی جنگی جنونی عزائم کی بھینٹ چڑھانے کا موقع ضرور فراہم کیا گیا ہے۔ اب صدام حسین کی پھانسی کے بعد عراق میں تشدد اور تخریب کاری کی جو نئی لہر پیدا ہو رہی ہے وہ بچے کھچے عراق کا مزید حلیہ بگاڑ دے گی اور انتقام کی آگ نہ جانے کس کس کو بھسم کر دے گی۔

عراقی عوام کے نام لکھے گئے اپنے خط میں صدام حسین نے انہیں جہاں صبر کی تلقین کی ہے، وہاں انہوں نے عراقی عوام کو متحد رہنے کی تلقین کرتے ہوئے یہ بھی باور کرایا ہے کہ عراقیوں کا اتحاد ہی حملہ آور دشمنوں کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اس لئے وہ غیر منصفانہ اور جابر ممالک کے ساتھ مقابلہ میں خدا تعالیٰ پر انحصار کریں۔ صدام حسین کے اس پیغام کو اپنے دل میں بسانے والے عراقی عوام خاموش تو نہیں بیٹھے رہیں گے۔ تشدد کی کارروائیاں بڑھیں گی تو عراق کی امن وسکون اور ترقی وخوشحالی کی منزل اور بھی دور چلی جائے گی۔ جب عراق کی معیشت ہی نہیں سنبھل پائے گی تو اس کے عوام بھی زندہ درگور ہونے سے نہیں بچ سکیں گے۔ عراق میں انسانیت کے خلاف ان جرائم کی ذمہ داری صرف امریکی صدر بش پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے عالم اسلام کی آماجگاہ عراق کو دانستہ طور پر جہنم زار کی طرف دھکیل دیا ہے۔ یہ صورت حال پورے عالم اسلام کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ امریکہ عالم اسلام کے خلاف اپنی مکروہ سازشوں کی تکمیل کے منصوبے بنا رہا ہے اور ہم ہیں کہ پھر بھی اس کی مکروہ خواہشات کے اسیر بنے ہوئے ہیں اس کی تابعداری کر رہے ہیں اور اس کے اشارے سے پہلے ہی اس کے احکام کی تعمیل کے لئے حاضر وتیار نظر آتے ہیں۔ کیا اب بھی عالم اسلام کے اتحاد کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی جا رہی؟



صدام حسین کا انجام اور مسلم حکمرانوں کے سبق

عراق کے سابق صدر صدام حسین پھانسی کے تختے پر چڑھ کر دنیا کو یہ سبق دے گئے کہ

ے دنیا میں ٹھکانے دو ہی تو ہیں آزاد منش انسانوں کے
یا تخت مقام آزادی کا یا تختہ جگہ آزادی کی

صدام حسین عراق کی تاریخ کا ایسا ناقابل فراموش کردار ہے جن کے بارے میں جہاں یہ کہا جاتا رہا ہے کہ وہ امریکا کے ایجنٹ ہیں وہاں مغربی استعمار سے جاں بلب مسلمانوں کے ایک حلقے کے نزدیک وہ امت کے ہیرو شمار ہوتے ہیں۔ انہیں جہاں بے دین، ملحد، ظالم و جابر اور سفاک انسان کہا جاتا رہا ہے وہاں ایک بہت بڑا طبقہ انہیں ''مجاہد'' مانتا آیا ہے۔ 1990ء کی جنگ خلیج میں جب امریکا نے عرب ممالک کو ساتھ لے کر عراق پر حملہ کیا تو ان دنوں پاکستان کا کوئی گلی کوچہ ایسا نہ تھا جہاں صدام کے بڑے بڑے پوسٹر آویزاں نہ ہوں...... زبان خلق اسے عالم اسلام کا وہ نجات دہندہ کہہ رہی تھی جس نے پہلی بار امریکا کے خلاف خم ٹھونک کر کھڑے ہونے کی جرات کی تھی۔ اگرچہ جنگ کے نتائج سامنے آنے کے بعد صدام کی وہ مقبولیت باقی نہ رہی پھر اس سازش میں خود صدام کے امریکا کے آلہ کار کی حیثیت سے استعمال ہونے کے تجزیے بھی سامنے آنے لگے تاہم ان تمام باتوں کے باوجود ان کا جو امیج بن گیا تھا وہ بہت سے دلوں پر عرصہ دراز تک چھایا رہا، پھر ان کی...... اگر صدام حسین کی زندگی کے نشیب و فراز کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ ایک سیماب صفت انسان تھے، حد درجہ متحرک، نڈر اور مضبوط ارادے کے مالک تھے بچپن میں تعلیم و تربیت کا صحیح ماحول نہ ملنے کی وجہ سے تشدد پسندی بنیادی طور پر ان میں رچ بس گئی تھی۔ 12 سال کی عمر میں گھر سے بھاگنے والا یہ لڑکا کن کن مراحل سے گزر کر اقتدار تک پہنچا...... یہ ایک ڈرامائی طرز کی داستان ہے کاش کہ صدام حسین کو اپنی سوانح خود لکھنے کا موقع مل جاتا تو وہ صدر پرویز مشرف کی بہ نسبت حقیقی معنوں میں ''ان دی لائن آف فائر'' لکھ سکتے تھے۔

انہوں نے جیل کی سلاخیں بھی توڑیں، آگ اور خون کی ندیاں بھی پار کیں، خوں ریز جنگیں بھی لڑیں وہ جیتے بھی اور ہارے بھی انہوں نے شکست کو ہمیشہ کھلے دل سے قبول کیا اور نئے سرے سے تیاری میں مصروف ہو جانے کو اپنا وطیرہ بنالیا...... اگر چہ ایک عرصے تک انہوں نے امریکا کے لئے کام کیا اور بعد میں امریکا کی حمایت سے وہ اقتدار میں آئے مگر جب ان کی پالیسیاں امریکی گرفت سے آزاد ہو کر اسلامی اور ملی تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے لگیں تو امریکا نے انہیں ''دہشت گرد'' بنادیا اور یوں عراق کا یہ مضبوط حکمران امریکا ہی کے ہاتھوں تختہ دار پر کٹ گیا۔ ان کی پھانسی میں عراق کے ایران نواز گروہوں نے جو کردار ادا کیا وہ انتہائی افسوسناک ہے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مقتدی الصدر کو عراق سے زیادہ اپنے مخصوص نظریات سے دلچسپی ہے جس کے لئے وہ امریکا کی چاکری بھی کر سکتے ہیں اور عراق کو تقسیم کرنے کی سازش میں بنیادی کردار بھی بن سکتے ہیں۔

چند دن پہلے میں صدام حسین کے انجام کے بارے میں اپنے ایک بزرگ سے تبادلہ خیال کر رہا تھا وہ فرمانے لگے ''میں تو اس واقعے کو اس نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ ایک مطلق العنان حکمران جس نے 24 برس تک کسی کو سر نہ اٹھانے دیا، آخر کتنے حسرت ناک انجام سے دوچار ہوا، اللہ تعالیٰ کے کام بھی عجیب ہیں، کسی کو ایک وقت تخت پر بٹھاتے ہیں اور دوسرے وقت اسے تختے پر لے آتے ہیں، جب ہر طرف صدام حسین کا طوطی بولتا تھا تو کیا اس نے کبھی تصور کیا ہوگا کہ اس کا یہ انجام ہوگا......''

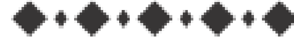
ان بزرگ کی باتیں سو فیصد سچائی پر مبنی تھیں، میں ان پر غور کرتے ہوئے سوچنے لگا...... صدام حسین نے اپنے دور عروج میں شاید کبھی اس انجام کا تصور نہ کیا ہو...... مگر کیا آج دنیا کے درجنوں ممالک پر مسلط ان حکمرانوں کو یہ انجام اپنی آنکھوں سے نظر نہیں آیا، جو امریکا کی انگلی پکڑ کر مسند اقتدار پر آئے ہیں اور اس کا کلمہ پڑھ کر عوام پر دھاک جمائے بیٹھے ہیں کیا اتنا بڑا واقعہ بھی ان کی آنکھیں نہیں کھول سکا؟

میں دیکھ رہا ہوں کہ اس وقت صدام حسین کے قتل سے عالم اسلام کے اکثر لوگ غمزدہ ہیں، ماتم کناں ہیں، ادھر صدام کی پھانسی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے مخصوص طبقے کے لوگ خوشیاں منا رہے ہیں۔ غیر مسلم، صدام کی آخری وقت کی بے مثال جرات واستقامت پر حیرت زدہ ہیں مگر ان طبقوں کے درمیان ایک طبقہ وہ بھی ہے جو تھر تھر کانپ رہا ہے، اس کی راتوں کی نیند اڑ چکی ہے جی ہاں یہ طبقہ مسلم حکمرانوں کا ہے جو صدام کے انجام سے نہایت خوفزدہ ہیں...... ان کی کیفیت بالکل وہی ہے جو اسکول میں ایک نالائق بچے کو مار کھاتا دیکھ کر دوسرے بچوں کی ہوتی ہے۔ انہیں یقین ہوتا ہے کہ اگر ہم نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو ماسٹر جی کا ڈنڈا ہماری کمر پر بھی اسی طرح برسے گا۔

صدام حسین کو پھانسی کے تختے پر چڑھا کر امریکا نے اپنی کلاس کے تمام بچوں کو ایک عبرتناک منظر دکھا دیا ہے اور نہیں بزبان حال تحکم آمیز پیغام دیا ہے کہ سیدھے سیدھے رہنا ورنہ تمہارا بھی یہی حشر ہوگا...... عملی طور پر دیا جانے والا یہ پیغام فون پر دی جانے والی دھمکیوں سے کہیں زیادہ سخت ہے...... یہی وجہ ہے کہ مسلم حکمرانوں کے دبے دبے احتجاج کی مجموعی صدائیں ڈرپوک بچوں کی خوفزدہ سسکاریوں سے زیادہ کوئی تاثر پیدا نہیں کر پائیں...... کاش یہ حکمران بچپن کی نادان طبیعت کے دائرے سے باہر نکل کر مرد میدان بنیں...... صدام حسین کے انجام سے خوف کا سبق حاصل کرنے کی بجائے اس کے آخری دنوں کے اور آخری لمحات کے کردار سے درس شجاعت لیں...... وہ اس حقیقت کو سمجھ لیں کہ امریکا کسی کا

دوست نہیں...... اس کی فطرت اس قابل نہیں کہ وہ کسی کا دوست بن سکے...... وہ صرف اور صرف دشمنی کرنا جانتا ہے...... اور وہ بھی بے اصولی کے ساتھ...... اور بد قسمتی سے اسے گماشتے بھی ہر جگہ میسر آجاتے ہیں جو امت کے اجتماعی مفادات سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ عراق میں اگر اسے لوگ میسر نہ آتے تو صدام حسین کو پھانسی دینا اتنا آسان نہ ہوتا...... مسلم حکمران اس وقت سے ڈریں جب امریکا ایسے ہی گماشتوں کو ان کے خلاف استعمال کر کے انہیں نمونہ عبرت بنا دے۔ وہ خوش فہمی میں نہ رہیں کہ جب تک وہ امریکا کے کام آتے رہیں گے، محفوظ ہوتے رہیں گے، اس لیے کہ ''ٹشو پیپر'' کتنا ہی عمدہ کیوں نہ ہو بہت جلد استعمال کر کے کوڑے میں پھینک دیا جاتا ہے۔

بشکریہ (محمد اسماعیل ایمان)



صدام حسین سے متعلق ان کہی باتیں

چنگیز خان کا یہ جملہ تاریخ میں ایک ایسی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے جس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا ہے۔ اس نے بغداد میں داخل ہونے سے پہلے کہا کہ "مجھے بغداد پر حملہ کرنے کا عندیہ تو خود بغداد کے مسلمانوں نے دیا ہے، ان کے درمیان پائے جانے والے گہرے اختلافات کی وجہ سے میں یہاں آیا، وہ.........." اس کے بعد چنگیز خان کی فوج نے جس کی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اب عراق کی جدید تاریخ کے پس منظر میں صدام حسین نے امریکہ کے ساتھ مل کر کچھ ایسے اقدامات اٹھائے جس کی وجہ سے عراق کے مسلمانوں کو یہ ہولناک اور انتہائی تکلیف دہ دن دیکھنے پڑ رہے ہیں۔ صدام حسین نے 24 سال عراق پر حکومت کی، وہ بعث پارٹی کے سربراہ ہونے کے ساتھ ساتھ Pan Arabism کے بھی بہت بڑے پرچارک تھے۔ 24 سال کسی بھی ملک کے سربراہ کے لئے بہت طویل عرصہ ہوتا ہے۔ اس دوران اگر کوئی حکمران اپنے ہم وطنوں کے ساتھ مخلص ہوتا ہے تو وہ تاریخ میں امر ہو جاتا ہے اور آنے والی نسلیں اس سے رہنمائی لیتی ہیں۔ صدام حسین نے ایسا نہیں کیا حالانکہ وہ ایک سیکولر حکمران تھے ابتداء میں انہوں نے عراق میں تعلیم اور صحت کے شعبے میں نمایاں کام کئے لیکن وہ عوام کی بہتری، بھلائی اور بہبود کے سلسلے میں رفاہی اور اصلاحی کام جاری نہیں رکھ سکے بلکہ انہوں نے اپنے قریبی پڑوسیوں سے بھی اچھے تعلقات استوار نہیں رکھے حالانکہ مشرق وسطیٰ میں عراق وہ واحد ملک ہے جس کے پاس تیل، پانی اور زراعت کا شعبہ اچھی حالت میں موجود ہے لیکن انہوں نے ان قدرتی وسائل سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

لیکن انہی دنوں جب صدام حسین عربوں کے ایک نمایاں لیڈر بن کر ابھر رہے تھے ان کی دوستی امریکہ سے ہو گئی اور اس دوستی کو آگے بڑھانے میں امریکہ کے سابق سیکرٹری دفاع رمز فیلڈ کا بہت اہم کردار تھا۔ انہوں نے بعض پڑوسی عرب ممالک کے تعاون سے صدام حسین کو ایران پر حملہ کرنے کے لئے راضی کر لیا۔ چنانچہ شط العرب کے مسئلے پر عراق اور ایران جنگ آٹھ سال تک جاری رہی جسمیں دونوں طرف کے 14 لاکھ مسلمان مارے گئے جس میں بچے اور بوڑھے بھی شامل تھے۔

عراق اور ایران جنگ میں جہاں مسلمانوں کا خون بہا وہیں اسرائیل اور امریکہ بہت مسرور و شادمان تھے، وہ مسلمانوں کے درمیان گہرا نفاق اور نفرت پیدا کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ نیز دونوں طرف سے قدرتی وسائل یعنی مسلمانوں کے وسائل جس طرح اس جنگ کی صورت میں برباد ہوئے اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ عراق ایران جنگ ختم ہونے کے بعد امریکہ بہادر نے عراق میں تعینات اپنی سفیر کو یہ ہدایت کی کہ وہ کسی طرح صدام حسین کو کویت پر حملہ کرنے کے لئے راضی کرے تاکہ امریکہ کویت کی مدد کے بہانے مشرق وسطیٰ میں اپنے قدم جما سکے چنانچہ

صدام حسین نے ایسا ہی کیا حالانکہ انہیں سوویت سفیر نے منع کیا تھا کہ وہ ایسا نہ کریں کیونکہ امریکہ انہیں Trap کرنا چاہتا ہے۔ کرنل قذافی نے بھی انہیں مشورہ دیا کہ وہ کویت پر حملہ کرنے کا سوچیں بھی نہیں لیکن وہ کویت پر حملہ کرنے کا پختہ ارادہ کر چکے تھے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا.......... پھر بعد میں کیا ہوا یہ سب جانتے ہیں لیکن تاریخ میں چنگیز خان کے الفاظ آج بھی مسلمانوں کی سوچ پر تازیانے برسا رہی ہے۔ مسلمانوں کے درمیان پائی جانے والی مسلکی اور قومیت پر مبنی عصبیتوں نے آج انہیں اتنا کمزور کر دیا ہے کہ وہ عالمی سطح پر سر اٹھا کر چلنے کے قابل نہیں ہیں۔ مسلمانوں کے اس داخلی نفاق جو ہر اسلامی ملک میں نظر آ رہا ہے سامراج کی ایسی چال ہے جس میں مسلمان ممالک بری طرح پھنس چکے ہیں نیز جو افراد ان کی مخالفت کر رہے ہیں ان کے پاس جدید افکار کا فقدان ہے ورنہ حالات کے تقاضوں کا مکمل ادراک نہیں رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی جدوجہد عصبیت پر مبنی ہے جس میں شور شرابا تو بہت ہے لیکن طاقت اور باہمی اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے ان کی جدوجہد ناکام ہوتی نظر آ رہی ہے۔ صدام حسین نے امریکہ کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ اپنی افواج مشرق وسطیٰ میں لے آئے جس کی وجہ سے آج اسرائیل ہر مسلمان ملک کے لیے ایک Political Threat بنا ہوا ہے۔

صدام حسین کے حوالے سے اب عراق کی تاریخ کا ایک بہت طویل باب ختم ہو چکا ہے۔ ظلم کی داستان صدام حسین کی پھانسی کے ساتھ اب تاریخ کا حصہ بن چکی ہے لیکن عراق کے عوام کے مصائب اور تکالیف ختم نہیں ہوئی ہیں۔ وہ ایک بار پھر سامراج کی پالیسی ”لڑاؤ اور حکومت کرو“ کے حصار میں ہیں۔ شیعہ سنی اختلافات کو ہوا دی جا رہی ہے حالانکہ سامراج کا مسلمانوں کے مسلک سے کیا واسطہ لیکن اس کے باوجود عراقی مسلمان سامراج کی پالیسیوں پر عمل پیرا ہو کر مسلک کی بنیاد پر ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہیں جبکہ مہذب دنیا کے بعض غیر جانبدار مفکر اس بات پر حیرت زدہ ہیں کہ کیا مسلمانوں میں اتنا شعور نہیں ہے کہ وہ اپنے دشمن کو پہچان سکیں......؟ شاید ہے بھی اور نہیں بھی، لیکن اس ضمن میں ایک اور حیرت زدہ کرنے والی بات یہ بھی ہے کہ صدام حسین کو تین سال امریکہ نے گرین زون میں قید کر کے ان سے وہ ساری معلومات حاصل کر لی ہیں جو آئندہ کے لئے امریکہ اور اسرائیل کے توسیع پسندانہ عزائم میں معاون و مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔ ایک عراقی نے جو پاکستان آیا ہوا تھا اس نے بتایا کہ صدام حسین کو امریکہ نے عمر قید کا اشارہ دے کر ان سے عرب ممالک کی تمام کمزوریوں اور دفاعی صلاحیتوں کا حال معلوم کر لیا تھا نیز ان سے بعث پارٹی کے عروج و زوال کی تمام حکایات بھی معلوم کر لی تھیں جس میں فلسطینیوں کے لئے ان کی فوجی، مالی اور اخلاقی امداد کی مکمل داستان بھی شامل تھی۔ اس وقت امریکہ اور اسرائیل کے پاس صدام حسین کی زبانی عرب اور مسلمان ممالک سے متعلق وہ تمام معلومات موجود ہیں جن کی مدد سے وہ مشرق وسطیٰ میں اپنی آئندہ حکمت عملی اختیار کر کے ان کے وسائل پر مکمل قبضہ کر سکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ صدام حسین نے قید کے آخری ایام میں یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ ایران پر حملہ کر دینا چاہیے ورنہ چند سالوں میں ایران مشرق وسطیٰ کا بے تاج بادشاہ ہوگا اور اسرائیل سمیت تمام عرب ممالک اس کے دست نگر ہوں گے لیکن امریکہ کو تمام معلومات دینے کے باوجود صدام حسین پھانسی سے نہیں بچ سکے اور اب ایسی جگہ چلے گئے ہیں جہاں مکافات عمل کا دوسرا انصاف شروع ہوگا جہاں ان کی سامنے ان کا اعمال نامہ ہوگا اور زبان بند ہوگی۔

بشکریہ (آغا مسعود حسین)

امریکہ نے چھ ہزار سالہ عراقی تہذیب جلادی

ہر شخص جانتا ہے کہ صدام کی مہلک ہتھیار بندیوں کے بارے میں امریکہ کے سارے دعوے سفید جھوٹ ثابت ہوئے۔اس کے باوجود اقوام متحدہ کی ممانعت کے علی الرغم امریکہ نے عراق میں کشتوں کے پشتے لگا دیے۔اب امریکی فوج نے عراقیوں کی تازہ 'خدمت' یہ انجام دی ہے کہ ان کے چھ ہزار سالہ علمی تاریخی اور تہذیبی اثاثے بھسم کر ڈالے ہیں۔ یہ سانحہ اس وقت پیش آیا جب بغداد کے عجائب گھر اور قرآن کریم کے نایاب نسخوں کی لائبریری کو آگ لگا دی گئی۔ یہ خبر آئی تو اس پر نہ صرف مسلمان اہل علم کا دل خون ہو گیا، بلکہ رابرٹ فسک جیسا بدیسی صحافی بھی کف افسوس ملے بغیر نہ رہ سکا۔

رابرٹ فسک اس وحشیانہ واردات کا عینی شاہد ہے۔ وہ موقع واردات کی تفصیلات بتاتے ہوئے لکھتا ہے:

امریکی فوج نے بغداد کے عجائب گھر کا محاصرہ کر لیا۔لٹیروں کے غول ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گئے۔انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے عجائب گھر کو آگ لگا دی۔ دھواں اٹھنے لگا۔ شعلے بلند ہونے لگے۔اور کتابوں کے سالخوردہ نسخے تیزی سے جلنے لگے۔ میں نے ایک کتاب اچک لی۔ دیکھا تو پتا چلا کہ یہ اسلامی قوانین کے بارے میں ایک قیمتی دستاویز ہے۔ میں نے اسے محفوظ کرنے کی کوشش کی تو مجھ پر آوازے کسے گئے۔عجائب گھر کا صحن کشادہ کوڑے دان کا منظر پیش کر رہا تھا۔ یہاں راکھ کے ایک ڈھیر میں چند کاغذات دکھائی دیے۔ میں نے غور سے دیکھا۔ یہ مکہ (مکرمہ) کے شریف حسین کے ہاتھ کے لکھے ہوئے خطوط تھے۔شریف حسین وہ شخص تھا جو لارنس آف عریبیا کے ساتھ مل گیا تھا اور ترکوں کے خلاف بغاوت کی آگ پر تیل ڈال رہا تھا۔

خاکستر کا ایک اور ڈھیر نظر آیا۔اس میں مختلف عرب حکمرانوں کے نام بھیجے ہوئے خطوط ملے۔ کچھ جلے تھے۔ کچھ بچ گئے تھے۔ان میں فوجیوں کے لیے ہتھیاروں کی ترسیل کی درخواست کی گئی تھی۔ ایک مکتوب میں حاجیوں پر حملوں کی تفصیلات عربی رسم الخط میں درج تھی۔ اسی دوران قرآن کریم کے قدیم نسخوں کی لائبریری پر نظر پڑی۔ کھڑکیوں سے تقریباً سو سو فٹ بلند شعلے اچھل رہے تھے۔ یہ ہولناک صورت حال تھی۔ میں گوارا نہ کر سکا۔امریکی میرین کے شہری امور کے بیورو کی طرف بھاگا۔ ایک امریکی افسر کو آتش زنی کی بات بتائی۔ اس نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔البتہ اپنے ساتھی کو چلا کر پکارا۔پھر میری طرف انگشت نمائی کی اور کہا کہ یہ شخص کہہ رہا ہے کہ کوئی مذہبی لائبریری جل رہی ہے۔

میں نے انہیں بتایا کہ آگ کے شعلے تین میل دور ہی سے نظر آ رہے ہیں۔ یہاں سے وہاں تک پہنچنے میں چند منٹ لگیں گے لیکن یہ لوگ غائب ہو گئے۔

ایک زمانہ تھا جب کہا جاتا تھا کہ عربوں کی کتابیں قاہرہ میں لکھی جاتی ہیں۔ بیروت میں چھپتی ہیں اور بغداد میں پڑھی جاتی ہیں۔اب وہی کتابیں راکھ کا انبار بنا دی گئی تھیں۔عراق کے قومی آثار قدیمہ میں محض خلافت عثمانیہ ہی کا ریکارڈ نہیں تھا بلکہ عراق کے سیاہ تاریخ کے نئے دور کا

ریکارڈ بھی موجود تھا۔ ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۸ء تک جاری رہنے والی ایران عراق جنگ سے متعلقہ اہم قلمی رپورٹیں بھی یہیں تھیں۔ عراقی حکمرانوں اور جرنیلوں کی تصویریں بھی یہاں آویزاں تھیں۔ ۱۹۹۰ء تک کے عربی اخبارات کی مائیکروفلمیں بھی یہیں رکھی ہوئی تھیں۔ یہ سب کچھ آناً فاناً بھسم ہوگیا۔

فرش پر پڑے ہوئے کاغزات اس قدر حدت دے رہے تھے کہ انھیں چھونا مشکل تھا۔ میں نے یہ کاغذات اٹھائے تو وہ راکھ بن کر جھڑنے لگے۔ اسی آتش زدہ ڈھیر میں سے ایک بچے کھچے کاغذ کے ٹکڑے ملے۔ یہ ایک پرانا خط تھا۔ اس پر کسی فرد حسنی عطیہ اعجازی' کے دستخط تھے۔ اس نے شریف مکہ کو لکھا تھا کہ ''میں آپ کا بہت وفادار غلام ہوں۔ میرے اونٹوں کا قافلہ آرہا ہے۔ ان پر چاول' شکر اور چائے کی بڑی مقدار لدی ہوئی ہے۔ اس قافلے کی حفاظت کی جائے۔''

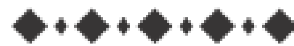
رابرٹ فسک نے لکھا ہے ''یہیں ایک اور درخواست بھی ملی۔ جو شریف مکہ کے ایک درباری جابر العیاشی نے بغداد بھیجی تھی۔ اس میں اس نے کوئی خوشبو بھیجنے کی اطلاع دی ہے اور درخواست کی ہے کہ میرا سامان ڈاکوؤں کی لوٹ کھسوٹ سے بچایا جائے۔ اس کے صلے میں انعام دیا جائے گا۔ اس درخواست پر ۱۹۱۲ء کی تاریخ درج ہے۔''

بعض کاغذات میں خلافت عثمانیہ کے لیے اسلحہ' گولیوں اور فوجی مقاصد کے گھوڑوں کی قیمتیں لکھی ہوئی تھیں۔ ایک دستاویز حجاز میں پہلے ٹیلی فون ایکسچینج کی تنصیب کے بارے میں تھی۔ ایک درخواست اردن کے ایک گاؤں ازرک کے باشندوں کی طرف سے تھی جس میں لکھا تھا کہ ایک شخص علی بن قاسم نے ان کے اونٹوں کے قافلے سے کپڑا چرالیا تھا۔ یہ شخص دھر لیا گیا لیکن اس نے تفتیشی افسروں پر چھری سے حملہ کر دیا۔ اسے گرفتار کرلیا گیا ہے...... اسی ڈھیر میں ایک تاجر یحییٰ سعودی کے لیے ایک سفارشی خط بھی دکھائی دیا۔ اسے نہایت شریف طبع شخص بتلایا گیا تھا۔ یہ شخص حکومت عثمانیہ کے لیے کام کرتا تھا۔''...... رابرٹ فسک نے اس رپورٹ کا اختتام ان جملوں پر کیا ہے:

''بغداد تقریباً ایک ہزار سال سے عرب دنیا کا علمی وثقافتی مرکز رہا۔ چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خاں نے اس شہر کو تیرہویں صدی میں تاراج کر دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر دریائے دجلہ کا پانی قلمی کتابوں کی سیاہی سے کالا ہوگیا تھا...... اور آج اسی بغداد کی فضا کتابوں کے شعلوں سے سرخ ہوگئی تھی۔''

راقم نے برطانوی صحافی کی یہ رپورٹ پڑھی تو خیالوں کا رخ ماضی کی طرف مڑ گیا۔ یاد آیا' جب طالبان گوتم بدھ کا مجسمہ ڈھا رہے تھے' اس وقت امریکہ نے کتنا واویلا مچایا تھا اور تاریخی ورثے کی حفاظت کی کیسے دہائی دی تھی...... لیکن آج اسی امریکہ نے عراق میں اس توانا تہذیب و تاریخ کے آثار بھسم کر دیے جن کی قدامت ماضی میں چھ ہزار سال سے زیادہ مدت تک پھیلی ہوئی تھی......

اس سانحے پر دل سے گریہ اٹھا ''یاخدا! باطل کے ناپاک غرور سے تیری دھرتی کب پاک ہوگی؟



''جنت ارضی'' کو ''جہنم زار'' بنانے کا امریکی منصوبہ

11 ستمبر 2001ء کے بعد امریکیت کے علمبردار دنیا کے نقشے اور انسانی تاریخ کو وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے غیر روایتی ہتھیاروں کے زور پر تبدیل کرنے کا عزم اور ایجنڈا لے کر میدان رستاخیز میں کود چکے ہیں۔ ان کا بنیادی ہدف عالم اسلام کے نقشے کا حلیہ بگاڑنا اور اس پر اپنے مخصوص مفادات کے تحفظ کیلئے نئی لکیریں کھینچنا ہے۔ لبنان پر اسرائیل کی حالیہ جنگی جارحیت کو بھی امریکا کھلم کھلا سپانسر کر رہا ہے۔ اس جارحیت اور درندگی کا ایک مقصد امریکیوں نے ''نئے مشرق وسطٰی کی تخلیق وتولید'' بھی بتایا ہے۔ یہی امریکا کا نیو ورلڈ آرڈر ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر جسے بالغ نظر دانشور ''نیوز ورلڈ آرڈر'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو یقیناً بے جا نہیں کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکا کی حیثیت اس وقت اس ''داستانوی دیو'' کی سی ہے جس کی جان اسرائیلی نامی طوطے میں ہے۔ اسے ڈر ہے کہ الاخوان، حماس، حزب التحریر، حزب اللہ، یا طالبان نامی کفن بردوش اور سربکف تنظیم کا کوئی نڈر اور جگر دار مجاہد اس طوطے کی گردن مروڑ کر نہ رکھ دے۔ اسرائیل مشرق وسطٰی کے نقشے کے لیبر روم اور بستر پر جنم لینے والا عالمی طاقتور کا مشترکہ ناجائز بچہ ہے۔ ناجائز بچہ، جسے روشن خیال اور اعتدال پسند امریکی اور مغربی ''لوز چائلڈ'' قرار دیتے ہیں۔

امریکیوں کے ''کوہ قامت'' اور ''جناتی'' جنگی بیڑے مشرق وسطٰی اور اس کے قرب وجوار میں واقع سمندروں میں عشروں سے اسی لئے دندناتے پھر رہے ہیں کہ امریکی مفادات کے کمبل کے اُلٹے رخ جنم لینے والے ''حرام کاری کے شہکار اس لاڈلے بچے'' کو کوئی ہاتھ گزند نہ پہنچادے۔ ان کا بس نہیں چلتا ورنہ صلیبی جنگی جنونی بش کی نازی ڈاکٹرائن تو بین السطور اسی پیغام کو عام کر رہی ہے کہ افغانستان اور عراق پر قبضے کے بعد جس قدر جلد ممکن ہو شام، لیبیا، سوڈان، ایران اور پاکستان کو بھی امریکی نوآبادی بنا دیا جائے۔ یہ الگ بات کہ مصر، اردن، کرغیزستان، تاجکستان اور پاکستان کی رولنگ کلاس نے ان ممالک کو 1991ء ہی سے امریکا کی رضا کارانہ غیر اعلانیہ نوآبادیاں بنا کر رکھ دیا ہے۔ امریکا کے ''کوہ قامت'' اور ''جنگی بیڑے خلیج فارس اور بحیرہ عرب میں سیر سپاٹے کیلئے نہیں گھوم رہے۔ ان کا آخری ہدف راتوں رات وسط ایشیا، مشرقِ وسطٰی اور پاکستان کے بلوچستان میں موجود معدنیاتی دولت کے دریاؤں اور تیل کے سمندروں کو روندنا ہے۔ بیش قیمت معدنیاتی ذخائر کے ان سبک رو دریاؤں اور تیل کے تلاطم خیز سمندروں کی جانب ان کا سفر ''برق رفتاری'' سے جاری ہے۔

عالم اسلام کے ناقابل تسخیر ایٹمی قلعے کی حیثیت سے منفرد پہچان رکھنے والا یہ ملک امریکی سامراج، مغربی استعمار اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے

مخصوص مفادات کی چراگاہ بن چکا ہے۔ بیرونی دنیا اسے امریکا و مغرب کی چراگاہ سمجھتی ہے جبکہ عام پاکستانی کے نزدیک یہ امریکی و مغربی سفاک ایجنسیوں کے بھیڑیا صفت اور درندہ خصلت کارندوں کی شکارگاہ ہے۔ قومی خودمختاری، داخلی اقتدار اعلیٰ آزاد خارجہ پالیسی، آزادی اور کشمیر سے تو ہم کب کے دستبردار ہو چکے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ایٹمی صلاحیت کا بھاری پتھر ہم کب تک چومتے چاٹتے رہیں گے۔ تبدیل شدہ دنیا میں ''تبدیل شدہ پاکستان'' کے یکدم ''تبدیل شدہ حالات'' نے مملکت و معاشرہ کا نقشہ اور حلیہ ہی بدل اور بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ جب کوئی مملکت نظریاتی تشخص کھو دیتی ہے تو اس کا معنوی وجود برقرار نہیں رہتا۔ معنوی وجود کی ریزہ کاری اور نظریاتی سرحدوں کے انہدام کے بعد کسی ریاست کی ظاہری شکل اور جغرافیائی وجود کا برقرار رہنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ''پوسٹ نائن الیون'' ریاست پاکستان کا عالمی تشخص محبِ وطن پاکستانیوں کیلئے انتہائی تکلیف دہ اور اذیت رساں ہے۔ ہم نے امریکیوں کے عشق میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا اور امریکیوں نے ہماری ان قربانیوں کو اتنی اہمیت بھی نہ دی جتنا ایک وڈیرہ اپنے حقے کی چلم میں جل بجھ کر راکھ ہو جانے والے اپلے...... یا...... صبح کے وقت ایک کسبی شبانہ بزم طرب کی بساط پر مرجھائے گجرے کے زرد پھولوں کو دیتی ہے۔ 11 ستمبر کے بعد تبدیل شدہ دنیا میں ''تبدیل شدہ پاکستان'' کے ''تبدیل شدہ تشخص'' اور ''تبدیل شدہ حالات'' نے داخلی فضا اور خارجی ماحول کو یکسر تبدیل کر دیا ہے...... ''دیکھتے ہی دیکھتے ادھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا''...... کیا قیامت ہے کہ گیارہ ستمبر 2001ء کو جب ورلڈ ٹریڈ سنٹر گرا تو اس کے ملبے کے نیچے جہاں دیگر چیزیں دفن ہوئیں وہاں ان گنت پاکستانی سیاست کاروں کے امیج بھی گرد پوش ہو گئے......

ڈھونڈا نہیں چراغ رخ زیبا لے کر......

دنیا جانتی ہے کہ نیو ورلڈ آرڈر کے یہ پرچم بردار اور امریکیت کے یہ علمبردار تنگرانِ قدیم ہیں۔ یہ ازلی، اصلی اور نسلی غارت گر ہیں۔ ان الٹرا ماڈ خونخوار درندوں کے ''خونیں کارنامے'' ان کے نزدیک ان کی خوں رنگ تاریخ کے شہابی ماتھے کا جھومر ہیں...... ستم ظریفی تو یہ ہے کہ ''غارتگرانِ قدیم'' نے اپنی پیشانیوں پر ''معمارانِ تہذیب جدید'' کے لیبل چسپاں کر رکھے ہیں۔

کھلا گر بازی یہ دھوکہ ہیں دیتے ے

یہ معمارانِ تہذیب جدید معلوم شدہ دنیا کے چپے چپے پر اپنی بالادستی کی مہریں یوں ثبت کر رہے ہیں جیسے بھیڑیا اپنے شکار کے وجود پر اپنے پنجوں کے نشان چھوڑ جاتا ہے۔ کیا کمال فنکاری ہے کہ یہ یورینیم، پلوٹونیم، ایٹم، ہائیڈروجن بائیولوجیکل، کیمیکل، بیکٹیریل بموں کے سنگ و خشت سے جہانِ نو آباد کر رہے ہیں۔ یہ آدم کے بیٹوں اور حوا کی بیٹیوں کو ''بموں کی ماؤں'' اور ''میزائلوں کے باپوں'' کا چارہ بنا رہے ہیں۔ یہ مہلک ترین جراثیم پالنے کا منصوبہ بنا چکے ہیں۔ وہ ایسے مہلک ترین جراثیم پال رہے ہیں جو آن واحد اور چشم زدن میں کرۂ ارض سے انسانی، حیوانی اور نباتاتی جانداروں کو ختم کر سکتے ہیں۔ 2001ء میں انسانیت کے ان محافظوں نے مہلک ترین امراض پھیلانے کے لئے بیکٹیریا، وائرس اور پیتھو جنز رکھنے کے لئے ایک انوکھا بینک قائم کیا۔ ایک رپورٹ کے مطابق ''اس بینک کی عمارت پر گزشتہ پانچ سال سے کام جاری تھا۔ واشنگٹن کے نواح میں قائم ہونے والے اس بینک کو (Counter National Bio-Defencearid and CenMeasure(NBACC کا نام دیا گیا ہے۔ اس بینک میں نئی نئی بیماریوں کے مصنوعی جرثومے (Genetically Altered) بھی رکھے جا رہے ہیں جن پر دنیا میں

موجود مہلک ترین زہر کا بھی اثر نہیں ہوتا۔ ان کے علاوہ یہاں زہر آلود Pathogene بھی محفوظ کئے جا رہے ہیں یہ وہ جرثومے ہیں جو قدرتی ماحول میں خود بخود افزائش کرتے ہیں اور انہیں خطرناک زہریلے ہتھیار کے طور پر دشمن کے خلاف استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ان جرثوموں کو دشمن کے خلاف استعمال کرنے کے لئے فضا میں تجربات کئے جا رہے ہیں بلکہ بعض ممالک کا خیال ہے کہ انتھراکس، برڈ فلو اور ایسی نوعیت کی قدیم بیماریوں کے عہد حاضر میں اچانک پھوٹ پڑنے میں بھی امریکی ہاتھ ہے اور وہ اپنے ان حیاتیاتی ہتھیاروں پر تحقیق کے لئے دیگر ممالک میں تجربات کر رہا ہے۔ اس جرثومیائی بینک کا رقبہ ایک لاکھ 60 ہزار مربع فٹ اور اس کی تعمیر پر 12 کروڑ 80 لاکھ ڈالر خرچ کئے جا رہے ہیں اس منصوبے کے تحت امریکی ماہرین کو ایک سو 30 شہروں میں تربیت بھی دی جا رہی ہے۔ ب امریکا کے خلاف کسی بھی ملک کی طرف سے خطرے سے نمٹنے کے لئے حیاتیاتی ہتھیار (Microbes) تیار کئے جا رہے ہیں۔ یہ حیاتیاتی ہتھیار اس قدر مہلک ہیں کہ آناً فاناً انسانوں کی لاکھوں آبادیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا سکتے ہیں۔ ان کے وائرس کو جہاز کے ذریعے فضا میں ایک مخصوص طریقے سے پھینکنے کے بعد خود بخود پوری فضا زہر آلود ہو جاتی ہے اور جونہی یہ وائرس انسانی جسم میں داخل ہوتے ہیں پہلے یہ اعصابی نظام اور پھر دوران خون کا نظام تباہ کر کے لمحوں میں انسان کی جان لے لیتے ہیں۔ امریکی جرثومی بینک میں ایک اور نوعیت کا جرثومہ بھی شامل ہے اسے ٹری میٹوڈ (Trematode) یا فلیٹ ورم بھی کہتے ہیں، یہ عموماً مچھلوں میں منتقل ہو کر ایک منٹ میں 150 بار افزائش کا عمل مکمل کرتا ہے۔ یہ اتنا خوفناک وائرس ہوتا ہے کہ رانی کھیت کی طرح نایاب پرندوں کا بھی صفایا کر دیتا ہے اور انسانی وجود میں داخل ہو جائے تو کینسر کا سبب بنتا ہے۔ سائنس دان اس کا رنگ سبز بتاتے ہیں۔ یہ جرثومہ انسانی آنتوں میں غذا ہضم کرنے والے خلیات کو کھا جاتا ہے۔

میری لینڈ یونیورسٹی کے استاد ڈاکٹر مارٹن لیٹن برگ نے اس منصوبے کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ ''جب آپ اتنے بڑے پیمانے پر جراثیم تیار کر رہے ہیں تو خود اپنی موت کے پروانے پر گویا دستخط کر رہے ہوتے ہیں'' چونکہ اس امریکی منصوبے میں انسانی، حیوانی اور نباتاتی جرثوموں کی افزائش بھی شامل ہے مگر کیا امریکا سمجھتا ہے کہ وہ اس قسم کے ہتھیار تیار کر کے دنیا کو فتح کرے گا؟ قدرت کا یہ اصول بھی سامنے رہے کہ دوسروں کے لئے گڑھا کھودنے والے ہمیشہ اس میں گرتے رہے ہیں، جس جگہ یہ سینٹر بن رہا ہے کیا یہ بعید نہیں کہ زمین بھی اس جگہ سے پھٹ جائے، سینٹر زمیں بوس ہو اور یہ مہلک جراثیم تجربہ گاہوں اور چوہوں کی قید سے آزاد ہو کر امریکی شہروں میں پھیل جائیں۔ اس خوفناک وقت کے بارے میں کم از کم امریکی قیادت کو سوچنا چاہیے۔

اکیسویں صدی کے ان معمارانِ جدید کا عزم صمیم، ہر باحمیت اور خوددار ملک کا ''تورا بورا بنانا'' اور ہر باغیرت اور زندہ قوم کا ''تکریت کرنا'' ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جب تک وہ دنیا کے اکثر خوددار، باوقار اور عزت دار اقوام کی بذریعہ کارپٹ بمبنگ ''افغانستان کرنے'' میں کامیاب نہیں ہو جاتے، دنیا کا نقشہ اور انسانی تاریخ انہیں ''دعوت مبارزت'' دیتے رہیں گے۔

سامراجی دیو ہر ناتواں ملک کو تر نوالہ سمجھنا اپنا پیدائشی حق اور اسے ننگا صوابدیدی اختیار گردانتا ہے۔ طلوع تاریخ سے قبل کی دیومالائی سمندری بلائیں ''زرم مخلوقات'' کو اس بیدردی سے کہاں بھنبھوڑتی ہوں گی، جس بے دردی سے یہ ''اکلوتی استعماری بلا'' خشک و تر کو ہڑپ کرتی چلی جا رہی

ہے۔سامراجی ڈریکولے کی ’’غارت گریوں کی بیاض‘‘ اور ’’چیرہ دستیوں کا دیوان‘‘ شہر شہر شہرہ پا رہا ہے۔سرائیوو، گروزنی، ہلمند، بغداد، غزہ، سرینگر، وزیرستان اور بیروت ہر کہیں امریکیت کا بول بالا ہے۔امریکیت ...... نازیت، سفاکیت، بہمیت، فسطائیت، تاتاریت اور چنگیزیت کا جدید ترین ایڈیشن ہے۔

بشکریہ (حافظ شفیق الرحمٰن)



امریکی صدور سچ نہیں بولتے...

1846ء کی بات ہے امریکی صدر پولک نے کانگریس سے خطاب کرتے ہوئے ایوان سے میکسیکو پر حملے کی اجازت طلب کی تھی۔ وجہ یہ بیان کی گئی کہ میکسیکو نے نہتے امریکیوں کا خون بہایا ہے جس کے لئے اس ملک کو ''سبق'' سکھانا ضروری ہے۔ بعد میں پتہ چلا کہ صدر پولک کو امریکیوں کے خون سے نہیں بلکہ میکسیکو کی زمین سے دلچسپی تھی چنانچہ میکسیکو کو سبق سکھانے کی آڑ میں امریکہ نے میکسیکو پر قبضہ کرلیا۔

پولک کی روایت کو نبھاتے ہوئے 1898ء میں امریکی صدر میک کینلی نے کیوبا پر فوج کشی کی اور بہانہ بنایا کہ امریکی افواج کیوبا کو ہسپانوی تسلط سے آزادی دلانا چاہتی تھی۔ صورت حال کی حقیقت کا اندازہ اس وقت ہوا جب امریکی افواج کیوبا میں اتریں اور کیوبا کی اقتصادیات پر پنجے گاڑ لئے۔ دراصل امریکہ چاہتا تھا کہ ہسپانوی (Spanish) حکومت کی بجائے کیوبا پر امریکی دباؤ قائم ہو۔ کیوبا کی معاشی خودمختاری ختم کرنے کیلئے امریکی کمپنیوں نے زبردست حملہ کیا۔ انہوں نے کیوبا کی اقتصادیات کو اپنے قبضے میں لے لیا اور اس ملک کو معاشی غلامی میں جکڑ لیا۔

اسی دور میں امریکہ نے فلپائن پر بھی چڑھائی کی۔ مقصد فلپائنیوں کو ''مہذب'' بنانا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ امریکہ چاہتا تھا کہ وہ فلپائن میں اپنے پسندیدہ علاقوں پر کنٹرول حاصل کرے۔ اس مقصد کے لئے وہ ہزار رہا فلپائنیوں کے قتل عام سے بھی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتا تھا۔

امریکی تاریخ میں ایسی ایک دو نہیں کئی مثالیں موجود ہیں۔ حالیہ برسوں میں امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے افغانستان اور بعد ازاں عراق کے حوالے سے جس قدر ڈھٹائی سے جھوٹ بولے ہیں پوری دنیا اس کی گواہ ہے۔ افغانستان میں وسیع تباہی پھیلانے والے ہتھیار کی تلاش اور نائن الیون کے مبینہ ذمہ داروں کو سزا دینے کے بہانے امریکی اور اس کے اتحادی افواج نے افغانستان پر لشکر کشی کی۔ اس دوران انہیں ''وسیع تباہی پھیلانے والے'' ہتھیار تو درکنار ان ہتھیاروں کی کوئی تصویر تک نہ ملی۔ اگر ان کے پاس اس قسم کا مہلک اسلحہ ہوتا تو افغان یوں نہتے لقمہ اجل اور امریکی ظلم وستم کا نشانہ نہ بنتے۔ رہا مسئلہ نائن الیون کے ''ذمہ داروں'' کی تلاش کا تو امریکہ ابھی تک یہ ثابت ہی نہیں کرسکا کہ اس کارروائی کا تعلق کس طرح مسلمانوں' افغان باشندوں یا ان کے غیر ملکی مہمانوں سے ہے۔ بش انتظامیہ نے اس معاملے میں صاف صاف جھوٹ بولا جس کا اظہار پوری مہذب دنیا کررہی ہے۔

بش انتظامیہ نے عراق کے معاملے پر بھی اسی قسم کے جھوٹ کا سہارا لیا۔ عراق میں امریکی افواج بھیجنے کا مقصد عراقی عوام کو جمہوریت' انصاف

اور امن وامان کی فراہمی تھا۔ لیکن دنیا جانتی ہے کہ اصل مقصد صرف عراق کی معدنی دولت پر قبضہ کرنا تھا۔ اب جبکہ افغانستان اور عراق کے معاملات پر امریکی پالیسیاں کھل کر سامنے آگئی ہیں بش انتظامیہ ابھی تک اپنے پرانے موقف پر قائم ہے اور دنیا سے بار بار یہی کہا جا رہا ہے کہ وہ ان ملکوں میں کسی امریکی مفاد کے تحت نہیں بلکہ ان ممالک کے عوام کی ''ہمدردی'' میں مداخلت کر رہا ہے یہ الگ بات ہے کہ لوگ صدر بش کی بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں۔ سی این این' یو ایس ٹوڈے اور گیلپ پول وغیرہ کے سروے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ عراق میں مداخلت کے بعد صدر بش کی مقبولیت دنیا بھر میں مزید کم ہوئی ہے۔ پہلے 60 فیصد امریکیوں کا خیال تھا کہ صدر بش جو کہہ رہے ہیں وہ درست ہے تاہم اب ان کی بات پر یقین کرنے والوں کی تعداد گھٹ کر 38 فیصد رہ گئی ہے۔

امریکی عوام ہر بار اپنے صدر کے جھوٹ کے دام میں کیوں پھنس جاتی ہے؟ ہر بار ان کے صدور انہیں بے وقوف بنانے میں کیونکر کامیاب ہو جاتے ہیں؟ ان سوالوں کا جواب ایک امریکی صحافی ہاورڈ زن (Haward zinn) نے تلاش کیا ہے۔ ایک انگریزی جریدے میں انہوں نے لکھا ہے کہ عراق پر حملے کے تیسرے سال بھی کوئی شخص یہ بات سمجھنے سے قاصر ہے کہ امریکی انتظامیہ نے اپنے عوام کو اتنی آسانی سے بے وقوف کیسے بنالیا کہ عوام کو جنگ کے حق میں تیار کرنے میں کامیاب رہی۔ ہاورڈ کا کہنا ہے کہ اس کی دو وجوہات سامنے آئی ہیں۔ اول امریکی قوم کی تاریخ سے ناواقفیت دوئم امریکی سرحدوں سے باہر نکل کر کچھ سوچتے ہی نہیں۔

امریکی قوم کی تاریخ سے لاتعلقی کا ہی نتیجہ ہے کہ امریکی صدور ہر بار اپنی قوم کو بے وقوف بنا کر ان سے اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ہاورڈ نے ایسی چند مثالیں بھی دی ہیں جن سے موصوف کے خیال کی صداقت ہو جاتی ہے۔ صدر ولسن کے حوالے سے ہاورڈ بتاتا ہے کہ سابق امریکی صدر ولسن نے پہلی عالمگیر جنگ میں یہ کہہ کر شمولیت اختیار کی تھی کہ امریکہ کا اس جنگ میں شامل ہونے کا مقصد'' دنیا کو جمہوریت کے لئے محفوظ بنانا ہے۔'' بقول مصنف صدر ولسن شاید جمہوریت کو دنیا میں مضبوط بنانے کے لئے نہیں بلکہ امریکہ کی ابھرتی ہوئی طاقت کے لئے دنیا میں جگہ بنانے کیلئے جنگ میں کودے تھے۔ صدر ٹرومین نے اس وقت جھوٹ بولا جب امریکہ نے جاپان کے شہر ہیروشیما پر ایٹم بم گرائے۔ اس وقت صدر ٹرومین نے امریکی عوام سے کہا تھا کہ بم ''ملٹری ٹارگٹ'' پر گرایا گیا ہے۔ حالانکہ ہیروشیما اور ناگاساکی میں آبادیوں پر ایٹم بم گرائے گئے تھے اس بات کا اندازہ امریکیوں کو بہت بعد میں ہوا۔ اس وقت تک پوری دنیا میں امریکی ساکھ تباہ ہو چکی تھی۔ ویت نام کے معاملے پر کیا ہوا تھا؟ صدر کینیڈی' صدر جانسن اور صدر نکسن نے اپنے اپنے ادوار میں غلط اور متضاد بیانوں سے کام لیا تھا۔ امریکی عوام سے کہا یہ جا رہا تھا کہ امریکی اقدامات دراصل جنوبی ویت نام کو کمیونزم سے بچانے کیلئے کئے جا رہے ہیں حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ امریکہ کا مقصد اس علاقے پر اپنا تسلط جمانا تھا۔

سابق صدر رونالڈ ریگن نے گریناڈا کے مسئلے پر اپنی قوم سے غلط بیانی کی۔ انہوں نے گریناڈا کو امریکی سلامتی کے لئے ''خطرہ'' قرار دے کر اس کے خلاف کارروائی کی راہ ہموار کی تھی حالانکہ پس پردہ اس میں امریکی مفادات پوشیدہ تھے۔

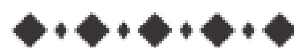
سابق صدر بش (سینئر) نے عراق کے مسئلہ پر جھوٹ کا سہارا لیا۔ پانامہ میں امریکی کارروائیوں کے نتیجے میں ہزاروں بے گناہ شہریوں کی

جانیں ضائع ہوگئیں۔1991ء میں انہوں نے کویت کی حفاظت کا بہانہ بنا کر تیل کی دولت سے مالا مال ملک عراق پر حملہ کیا اور اقتصادی مفادات حاصل کیے۔اس حملے کے نتیجے میں امریکہ کو مشرق وسطیٰ میں اپنے پنجے گاڑنے کا موقع ملا تھا۔

ہمیں امریکہ کی وہ تاریخ بھی نہیں بھولنی چاہئے جو ابھی بہت پرانی نہیں ہوئی۔یہ وہی تاریخ ہے جس میں غلامی، نسل پرستی اور نسلی امتیاز کا دور دورہ تھا۔ہیروشیما، ناگاساکی کے واقعات بھی ہمارے سامنے ہیں جن کے تصور سے ہی ہمیں شرم آتی ہے۔ہم ان واقعات پر فخر محسوس نہیں کر سکتے۔

مصنف کہتا ہے کہ ہمارے حکمران ان باتوں کو شاید قابل فخر گردانتے ہوئے عوام میں جذبہ تفاخر کو ابھار رہے ہیں۔امریکی عوام کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ ان کی ''اخلاقی برتری'' انہیں دنیا پر حکومت کرنے کی اجازت دیتی ہے۔وہ ری پبلکن ہوں یا ڈیموکریٹس دونوں جماعتیں قوم میں اس نظریے کو فروغ دیتی ہیں۔تاہم خود کو کن بنیادوں پر ''برتر'' تصور کرتے ہیں؟

آخر میں مصنف کہتا ہے کہ دنیا میں امن وانصاف کے مشترکہ نصب العین کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ امریکی قوم اپنا جائزہ حقیقت پسندی سے لے۔اپنے بارے میں کسی خوش فہم فلسفے کو ذہنوں میں جاگزین کرنے کی بجائے اور اپنے متعلق ایک الگ اور پسندیدہ تاریخ مرتب کرنے کی جگہ اپنا جائزہ اور تجزیہ حقیقت کی آنکھ سے کیا جائے۔اگر ایسا نہ ہوا تو آنے والے امریکی صدور بھی ماضی کی طرح دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے امریکی عوام کو کسی نئی چال میں پھنسا کر کسی نئی جنگ میں ملوث کرلیں گے۔



فرعون اور بش میں مماثلت

رسول اکرم ﷺ نے ایک حدیث مبارکہ میں مہدی کے بارے میں بتایا کہ وہ آخری زمانہ میں آئے گا اس کا نام رسول اکرم ﷺ کے نام پر ہوگا اور اخلاق میں بھی وہ رسول اللہ ﷺ سے مشابہت رکھتا ہوگا، ہمیں یہ معلوم ہوا کہ پیغمبروں اور صالحین کے افعال ان کے ناموں میں پوشیدہ ہوتے ہیں یا ان کے نام ان کے افعال وصفات کو منعکس کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر ابراہیمؑ کا نام جو ان کے افعال وصفات اور اللہ کے ہاں ان کا جو درجہ ہے اسے نقش کرتا ہے۔ اس علم کے ماہرین یہ جانتے ہیں کہ ابراہیمؑ کے الفاظ کے تین ٹکڑوں سے مرتب ہے۔ اب، راب، ہام، اب سے مراد باپ، راب، سے مراد امام، ہام سے مراد عوام یا بہت زیادہ لوگ ہیں۔ ان سب معانی کو جمع کر کے نام کا مطلب یہ بنتا ہے: ''اب امام للناس'' لوگوں کے امام کا باپ اور بالکل یہی معنی سورہ بقرۃ میں موجود ہے۔ ''(رب نے ابراہیم سے کہا) میں تجھے لوگوں کا امام (پیشوا) بنانے والا ہوں۔'' (البقرہ: 124) اس طرح بہت سی مثالیں موجود ہیں لیکن یہاں پر ان کا ذکر کرنا بہت مشکل ہے۔

سو جب رسول اکرم ﷺ نے مہدی کا نام اور اس کی صفت بیان کر دی جو سب سے آخری زمانہ میں آئے گا۔ پھر ہمارے پاس دوبارہ فرعون آ جائے تو کیا یہ اللہ کے عدل اور دستور میں سے نہیں کہ اس فرعون کیلئے ایک ایسا شخص نکلے جو بغیر کسی تعظیم و تقدیس یا نبوت کے درجہ حاصل کرنے کے، موسیٰ کی طرح کا ہوتا کہ وہ فرعون کے ساتھ وہی کچھ کرے جو موسیٰ نے اس کے ساتھ کیا تھا۔ اس میں کوئی مانع بات نہیں جیسا کہ احادیث نبوی میں مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے علیؓ سے فرمایا: ''کیا تو اس چیز سے خوش نہیں کہ تیرا مقام میرے پاس ویسا ہی ہو جیسا ہارون کا موسیٰ کے پاس تھا۔''

سو امریکی فرعون کے لئے کون کھڑا ہوگا جیسا کہ فرعون مصر کے موسیٰ کھڑا ہوا تھا۔

احادیث نے موسیٰ علیہ السلام کی جو صفات بیان کی وہ یہ ہے: لمبا قد، سیاہی مائل چپٹی ناک، گویا کہ وہ قبیلہ شنوءۃ میں سے ہے (جزیرہ عرب کے جنوب میں موجود ایک قبیلہ کا نام ہے) اور لاٹھی کے سہارے وہ چلتے تھے۔

ہمارے سامنے ایک شخص ہے جو امریکہ سے لڑ رہا ہے۔ اس کا بھی قد لمبا ہے۔ 196 سنٹی میٹر۔ لاٹھی کے سہارے وہ چلتا ہے۔ سیاہی مائل چپٹی ناک والا اور وہ بھی قبیلہ شنوءۃ میں سے ہے، اس کے نام میں سے تین حروف موسیٰ کے نام میں سے ہیں، قرآن کریم کے رسم الخط کے مطابق دونوں

(موسیٰ بن عمران، اسامہ بن لادن کے ناموں کے حروف گیارہ ہیں)۔

موسیٰ کا معنی کیا ہے؟ جب ہم یہ جان لیں جیسا کہ سورۂ قصص نے صفت بیان کی کہ طاقتور، تیزی سے حرکت اور کام کرنے والا اور تیزی سے حملہ آور ہوتا ہے، تو اس جملہ کا معنی کیا ہوگا؟ جب ہم یہ جان لیں کہ ''اسامہ'' کا معنی ''شیر'' ہے۔

ہارون کا کردار کون ادا کرے گا؟

ہم یہ پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ہم مثال کے بارے میں بات کر رہے ہیں جو ایک بار واقع ہو کر گزر چکی ہے اور دوسری مرتبہ واقع ہو رہی ہے۔ اسی طرح ایسے دستور کے حوالہ سے بات کر رہے ہیں جس میں نہ کبھی تبدیلی آسکتی ہے اور نہ وہ پھر اجاگر ہو سکتا ہے۔

سو اگر ہم سورۂ طٰہٰ کی آیات کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا ان کیلئے ایک وزیر بنایا جائے جیسا کہ ہامان فرعون کا وزیر تھا تاکہ اس سے ان کی قوت مضبوط ہو اور وہ موسیٰ کے ساتھ شریک ہو۔

سو لندن سے چھپنے والا روزنامہ شرق الاوسط کے مطابق گیارہ ستمبر سے پہلے افغانستان میں ایک محفل منعقد ہوئی جس میں ایمن الظواہری کو اسامہ بن لادن کا وزیر بننے کا اعلان کیا گیا۔ ایمن الظواہری کے بارے میں مصری ذرائع ابلاغ نے بتایا کہ یہ شخص مصر کی جیل میں مجاہدین قیدیوں کا رسمی ترجمان تھا اور یہ بالکل اسی صفت کی طرح ہے جو موسیٰ نے ہارون کی بیان کی تھی ''اور ہارون جو میرا بھائی ہے اس کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے۔'' (القصص:34)

کوئی شخص اس چیز پر تعجب میں نہ رہے کہ ہم نے عوام میں سے ایک شخص کو نبی سے مشابہت دی کیونکہ جب اللہ رب العزت اپنے نور کو طاق اور چراغ سے مشابہت دے سکتا ہے تو پھر یہ کیوں نہیں ہو سکتا؟

آخری لمحات جس دن اللہ تعالیٰ امریکہ کو بڑی سخت پکڑ میں لیں گے۔

سورۂ بقرہ کی آیت مستقبل میں پیش آنے والی تمام احادیث کو مختصر کر کے اللہ تعالیٰ کے کلمات میں یوں بیان کر رہی ہے ''ہم نے تمہیں نجات دی اور فرعون کی قوم کو غرق کر دیا اور تم دیکھ ہی تو رہے ہو۔'' (البقرۃ:50)

اس آیت کریمہ سے ہمیں معلوم ہوا کہ اسامہ اور مومنین کی جماعت اللہ کے فضل سے نجات پالیں گے، تمام امریکی لشکر بمع فوج اور قائدین غرق ہو جائیں گے اور امریکہ کو کوٹ کوٹ کر پست کر دیا جائے گا، اللہ اعلم واحکم، سو تم ہرگز اللہ تعالیٰ کے دستور کو بدلتا ہوا نہ پاؤ گے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے دستور کو پھرتا ہوا پاؤ گے۔

''اور تم دیکھ ہی تو رہے تھے۔'' (البقرۃ:50) سکرینوں پر لوگوں کے چہروں پر، کہ خبر بہت عظیم خوشخبری ہے۔ اس دن مومنین اللہ کی مدد پر خوشی منائیں گے۔'' (روم:5)

''تو تم نے (فرعونیوں کو) باغوں اور چشموں سے نکال دیا اور خزانوں اور نفیس مکانات سے بھی۔'' (الشعراء:57-58)

ایک اور مقام پر فرمایا ''اور آرام کی چیزوں سے جن میں عیش کیا کرتے تھے اور ایسا ہی ہوا اور ہم نے ان چیزوں کا وارث ایک دوسری قوم کو کر

دیا پھر ان پر نہ آسمان اور زمین روئے اور نہ وہ مہلت پانے والے تھے۔'' (الدخان:27 - 29)

کیا یہ علم غیب ہے؟

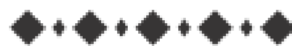
بعض لوگ جلدی میں آکر یہ کہہ دیں گے کہ یہ علم غیب میں سے ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ ہر مسلمان قیامت کی نشانیوں پر ایمان رکھتا ہے اور ان کے متعلق تفصیل سے بیان کرتا ہے جو آنے والے کل کے بارے میں علم ہے، قرآن کریم جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ پہلے لوگوں کیلئے بھی کتاب ہے اور اگلوں کیلئے بھی اس وقت تک جب تک یہ دنیا قائم ہے جیسا کہ مسلمانوں کے آئمہ سے مروی ہے کہ اس قرآن حکیم میں تم سے پہلوں کی خبر ہے۔ تمہارے درمیان معاملات وغیرہ کے بارے میں بھی اس میں حکم ہے اور تمہارے بعد آنے والوں کے بارے میں بھی خبر موجود ہے، بالکل یہی بات ہم کہتے ہیں کہ یہ علم غیب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیات کریمہ میں غور وفکر کرنے کے بعد جو نتیجہ نکلا وہ اجتہاد پر مبنی ہے، اس محنت اور غور وفکر پر ہم اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب حاصل کرنے کی امید رکھتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ قرآن مقدس پر غور وفکر کرنے والے کو اجر ملے گا'' اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کر دیا تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟'' (القمر:17)

یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے دستور کو پڑھنے کیلئے بھی لکھی گئی ہے جو اس نے اپنی کائنات اور بندوں کیلئے بنایا جن میں نہ کبھی تبدیلی آسکتی ہے اور نہ وہ کبھی پھر سکتے ہیں۔ اسی طرح موسیٰ کا قول جو انہوں نے فرعون سے کہا تھا'' اے فرعون! ہم تو سمجھتے ہیں کہ تو ہلاک ہو کے رہے گا۔'' (بنی اسرائیل :102) ہم بھی موسیٰؑ کے قول کی طرح کہتے ہیں جو انہوں نے ہم سے پہلے کہہ دیا، سو ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ رب العزت امریکہ فرعون کو ہلاک کرنے والا ہے اس کے علاوہ امریکہ کا کوئی انجام نہیں ہے۔ ہم اس طرح بھی کہتے ہیں کہ جس طرح ابوبکر صدیقؓ نے کہا تھا'' یہ میری رائے ہے اگر یہ صحیح ثابت ہوگئی تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر یہ غلط ثابت ہوئی تو یہ میرے نفس اور شیطان کی طرف سے ہے، اللہ اور اس کے رسول دونوں اس سے بری ہیں۔ لیکن ہم امید رکھتے ہیں کہ جو یہ پڑھے وہ ضرور حکم اور صفت میں غور کرے، شاید ہم نے حق کو پالیا ہو اور شاید اللہ ہمارا گمان سچا کر دے، پس پھر جس نے اس کو جھٹلایا تو وہ اسی شخص کی طرح ہے جس نے حق کو جھٹلایا۔''

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: '' کہو کہ بھلا دیکھو اگر یہ اللہ کی طرف سے ہو اور تم نے اس سے انکار کیا تو اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو (حق کی) پرلے درجے کی مخالفت میں ہو۔'' (حم السجدۃ:52)

پس جو ہم نے کہا اگر وہ حق ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ مستحق ہے اور اگر باطل ہے تو ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں۔

بشکریہ (شیخ صلاح الدین ابوعرفہ)



امریکا کے جہادی پادری

امریکا کے معروف ایونجلسٹ پادری پیٹ رابرٹسن نے ایک بیان میں کہا ہے کہ وینزویلا کے صدر ہوگوشاویز کو قتل کروادینا چاہیے تاکہ امریکا کو بیس ارب کی ایک اور جنگ نہ لڑنی پڑے۔اب تو بہت سے امریکی تسلیم کرنے لگے ہیں کہ ان کے ملک میں بھی اسامہ بن لادن کی کمی نہیں ہے۔

پیٹ رابرٹسن اور پادری چیری فال ویل صلیبی جہادیوں کے سرغنہ ہیں در پردہ ان کا بش انتظامیہ پر ویسا ہی اثر ورسوخ ہے جیسا کہ اسامہ بن لادن کا طالبان پر تھا، ظاہر بات ہے کہ امریکا کی پر پیچ سیاست میں یہ تعلق افغانستان کی قبائلی سادگی کی طرح عیاں نہیں ہے لیکن بش جیتے ان کی ہی مدد سے ہیں اوراسی لئے ان کے صلیبی جہادی بیانات کی تردید نہیں کرتے۔

پیٹ رابرٹسن کے اس بیان سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ امریکا کے جہادی اپنے معاشی اور نظریاتی مفادات کیلئے عیسائی پڑوسیوں پر بھی عراق کی طرح حملہ آور ہو سکتے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امریکی مداخلت کی بدترین مثالیں کیتھولک مذہب کے ماننے والے لاطینی امریکا میں ہی ملتے ہیں۔

اب بھی بش انتظامیہ شوروغوغا تو اسلامی دہشت گردی کے بارے میں مچارہی ہے لیکن اصل انقلابی ابال اس کے پچھواڑے لاطینی امریکہ میں اٹھ رہا ہے۔

وینز نہ صرف وینزویلا جیسے تیل سے مالا مال ملک کے صدر ہیوگوشاویز کیوبا کے فیڈرل کاسترو کے ساتھ دوستی بڑھا رہے ہیں بلکہ اس براعظم کے سب سے بڑے ممالک برازیل اورارجنٹینا میں بھی بائیں بازو کی طرف جھکاؤ والی حکومتیں قائم ہوچکی ہیں۔

امریکا کے پڑوسی ملک میکسیکو کے اگلے انتخابات میں بھی بائیں بازو کے صدر کے جیتنے کے امکانات واضح ہیں بولیویا، اکویڈور، پیرو اور کولمبیا جیسے چھوٹے ملکوں میں بھی عوامی ابھار عوام دوست حکومتوں کے قیام کا پیش خیمہ بن رہا ہے۔امریکا کی پریشانی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ نہ صرف اس کے مذہبی رہنما لاطینی امریکا کے رہنماؤں کو قتل کرنے کا پرچار کررہے ہیں بلکہ امریکی وزیر دفاع ڈونلڈ رمزفیلڈ بھی تھوڑے عرصے میں اس علاقے کے کئی چکر لگا چکے ہیں۔

لاطینی امریکا میں سیاسی تبدیلی کے روح رواں وینزویلا کے صدر ہیوگوشاویز ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ عظیم ناول نگار گارشیا

مرکیز کے افسانوی کرداروں کی طرح عوامی ہیں آجکل وہ ٹی وی پر ہیلو پریذیڈنٹ ، کے عنوان سے ایک لیٹ نائٹ ٹی وی شو کرتے ہیں اس شو کے عوامی رنگ کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پچھلے دنوں انہوں نے اپنی بحریہ کے سربراہ کو اس شو پر بلایا اور ان سے والی بال کے کھیل پر گپ شپ کرتے ہوئے اپنے دوست کیوبا کے صدر کاسترو پر چوٹ کرتے ہوئے کہا کہ ان کی ٹیم وینز ویلا سے بری طرح ہار جائے گی۔

پھر انہوں نے ان کسانوں کو ٹی وی پر بات چیت کیلئے بلا لیا جن کو انہوں نے زرعی اصلاحات کے ذریعے امیروں سے زمینیں چھین کر دی ہیں۔

صدر ہیوگو شاویز اپنے عوامی انداز اور عوام دوست پروگراموں کی وجہ سے اتنے مقبول ہیں کہ وینز ویلا کے حکمران طبقے اور امریکا مل کر بھی ان کو اکھاڑ نہیں سکا ان کے خلاف مظاہرے بھی ناکام ہوئے اور ان کو نکالنے کی آئینی سازشیں بھی کسی کام نہ آئیں۔

پیٹ رابرٹسن کے بیان سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ امریکی حکمران لاطینی امریکا کے عوامی ابھار سے خائف ہیں، امریکی وزیر دفاع دو سالوں میں چار مرتبہ اس علاقے میں جا چکے ہیں وہ وینز ویلا اور کیوبا پر بولیویا کے انقلابیوں کی مدد کا الزام لگا چکے ہیں۔

یہ وہی بولیویا ہے جہاں ستر کی دہائی کے مشہور انقلابی چے گویرا کو قتل کیا گیا تھا بولیویا کے علاقہ اکویڈور پیرو اور کولمبیا میں بھی ویسے انقلاب جنم لے رہے ہیں جن کو دبانے کیلئے امریکا کو ستر کی دہائی میں بہت پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔

اس وقت امریکا کیلئے سب سے بڑا درد سر وینز ویلا ہے جہاں کے صدر ہیوگو شاویز اپنی طرز کا سوشلسٹ ماڈل اپنانے کی کوشش کر رہے ہیں انہوں نے بہت سی زمینیں جاگیرداروں سے لے کر غریب کسانوں میں تقسیم کر دی ہیں۔ وہ وینز ویلا کی پٹرول کی کثیر آمدنی کو غریبوں کو سہولتیں فراہم کرنے کیلئے استعمال کر رہے ہیں۔

انہوں نے کیوبا کے فیڈل کاسترو کے ساتھ قریبی اتحاد قائم کیا ہوا ہے وہ کیوبا سے عوام کی صحت کا نظام بہتر بنانے کیلئے ڈاکٹر منگوا رہے ہیں اور اس کے بدلے میں کیوبا کو سستے داموں پٹرول فراہم کر رہے ہیں ظاہر بات ہے کہ امریکا کو یہ تو ہیوگو شاویز کا سوشلسٹ ماڈل پسند ہے اور نہ ہی کاسترو کے ساتھ دوستی۔

وینز ویلا کی طرح برازیل اور ارجنٹینا جیسے بڑے ممالک میں بھی بائیں بازو کا معاشی پروگرام اپنانے والی پارٹیاں آچکی ہیں ان دونوں ملکوں کی حکومتیں ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے پروگرام رد کرتے ہوئے قومی پالیسیاں بنا رہی ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ان ملکوں کی حالت پہلے سے بہتر ہو رہی ہے یہ ممالک اپنے فوجی ڈکٹیٹروں کو بھی کنٹرول کر چکے ہیں اور وینز ویلا اور کیوبا کے ساتھ تجارتی اور دوسرے تعلقات قائم کرنے سے گریزاں نہیں ہیں۔

لاطینی امریکا کے مختلف ممالک میں اپنی اپنی طرز کا انقلابی ابھار ہے اور ہر ملک میں اپنی طرز کی نظریاتی سمت ہے صدر ہیوگو شاویز یسوع مسیح کے اس پیغام کے داعی ہیں جس کے مطابق ایک سوئی کی نوک سے اونٹ تو گزر سکتا ہے لیکن امیر آدمی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔

وہ عیسائیت کے اس دین آزادی کو پھیلا رہے ہیں جس کی لاطینی امریکا میں بنیاد پادری گوٹیرز نے رکھی تھی اس کے بانیوں کا دعویٰ تھا کہ

کیتھولک چرچ کسانوں پر جبر کیلئے استعمال ہوتا ہے اس لئے پوپ جان پال سے لے کر آج تک کیتھولک چرچ کے رہنما دین آزادی کی تنقید کا نشانہ بناتے آئے ہیں لیکن یہ پھر بھی کسی نہ کسی رنگ میں ظاہر ہوتا رہتا ہے۔

امریکا کی پریشانی یہ ہے کہ اس وقت جب وہ عراق اور افغانستان کی جنگوں میں الجھا ہوا ہے ایران اور شمالی کوریا کے جوہری پروگراموں کے مسئلے کا حل نکال نہیں پا رہا۔ اس کے گھر پر پچھواڑے میں انقلابی ابھار پنپ رہا ہے وہ نظریات جو ستر کی دہائی میں لاطینی امریکا میں انقلابیوں کی بنیاد بن رہے تھے واپس آ رہے ہیں۔

امریکا کو خوف ہے کہ ستر کی دہائی کے یہ نظریات دوسرے براعظموں تک پھیل سکتے اور ہیوگو شاویز نئے چے گویرا ثابت ہو سکتے ہیں اسی لئے جہادی پادری ان کو ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

رابرٹسن کی طرف سے اس بیان کے بعد وینزویلا اور امریکا کے درمیان سفارتی تنازع کھڑا ہو گیا ہے اور دونوں ممالک کے درمیان پہلے سے موجود کشیدگی کو مزید ہوا ملی ہے۔ پیٹ رابرٹسن نے اپنے پروگرام میں کہا تھا کہ امریکی خفیہ اداروں کے ایجنٹوں کو چاہیے کہ وہ وینزویلا کے صدر ہیوگو شاویز کو قتل کر دیں۔

اس بیان کے بعد واشنگٹن میں وینزویلا کے سفیر نے بش انتظامیہ سے اپنے صدر ہیوگو شاویز کے لئے اقوام متحدہ کے اجلاس میں شرکت کے دوران سخت حفاظتی انتظامات کا مطالبہ کیا ہے۔ پیٹ رابرٹسن امریکی صدارت کے لئے امیدوار بھی رہ چکے ہیں اور کسی تنازع کا موضوع بننا ان کے لئے نئی بات نہیں ہے۔

وینزویلا کے نائب صدر نے اپنے ردعمل میں کہا ہے کہ ایک طرف تو امریکا ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کر رہا ہے اور دوسری طرف اس طرح کے ''دہشت گرد بیانات'' کی اجازت دیتا ہے۔ امریکا کے صدر جارج بش نے فوری طور پر اس موضوع پر اپنا ردعمل ظاہر نہیں کیا، لیکن وزارت خارجہ کے ایک ترجمان نے پیٹ رابرٹسن کے بیان کو ''نامناسب'' قرار دیا اور کہا کہ امریکا وینزویلا کے خلاف کارروائی کا ارادہ نہیں رکھتا۔ امریکا کے وزیر دفاع ڈونلڈ رمزفیلڈ کا کہنا ہے کہ اس طرح کسی کو قتل کرنا قانوناً غلط ہے۔

امریکا لاطینی امریکا کے ملک وینزویلا کے صدر کی طرف سے اپنے اثر و رسوخ میں اضافے کی کوششوں سے پریشان ہے۔ امریکا کو تشویش ہے کہ وینزویلا کے صدر ہیوگو شاویز سفارتی اعتبار سے تیزی سے اپنی ساکھ بڑھا رہے ہیں۔

شاویز نے متحدہ اینڈیز کا خواب دیکھا ہے جس میں تیل سے حاصل ہونے والی دولت غربت کے خاتمے کے لئے استعمال کی جائے گی۔ وینزویلا دنیا میں تیل پیدا کرنے والا پانچواں بڑا ملک ہے۔

گزشتہ برس وینزویلا میں ریفرنڈم میں داخلی مخالفین سے نمٹنے کے بعد شاویز اب اینڈیز کے علاقے میں اپنا پیغام پھیلا رہے ہیں۔ شاویز خطے میں اپنی ہم خیال تنظیموں کے ذریعے ایسا بالواسطہ طور پر کر رہے ہیں اور اینڈیز کے سماج پر براہ راست اثر و رسوخ کے لئے وہ بین الاقوامی ادارے استعمال کر رہے ہیں۔

اس ہفتے وینزویلا نے علاقے میں تیل کی ایک علاقائی کمپنی پیٹروانیڈینا کے قیام کی تجویز پیش کی۔ شاویز غربت کے خاتمے کے لئے فنڈ بھی قائم کرنا چاہتے ہیں۔ شاویز چاہتے ہیں کہ وینزویلا میں رائج سکیم جس کے تحت کیوبا کے ڈاکٹر وہاں مفت علاج کرتے ہیں علاقے کے دوسرے ممالک میں بھی متعارف کروائی جانی چاہیے۔

امریکا آزاد تجارت کے نظریئے کے تحت معاہدوں کے ذریعے علاقے میں ترقی اور جمہوریت کا فروغ چاہتا ہے لیکن سب سے زیادہ امریکا اینڈیز کے پہاڑی سلسلے کے ممالک میں منشیات کا خاتمہ چاہتا ہے اور اسی لئے وہ ترقیاتی امداد کی بجائے فوجی امداد پر زور دیتا ہے۔

علاقے میں اثرورسوخ کی اس جنگ میں کولمبیا کی حکومت امریکا کے سامنے جبکہ اکوڈور، بولیویا اور پیرو پر دونوں طرف سے دباؤ ہے۔

ایک اہم انٹرویو

ڈیوڈ ڈائینسی طویل عرصے تک امریکہ کی ملٹری انٹیلی جنس میں اعلیٰ عہدیدار رہے ہیں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے بین الاقوامی امدادی کاموں میں بزنس ایگزیکٹو کے طور پر کام کیا۔ انہیں امریکہ میں ایک کٹر اور قدامت پسند ری پبلیکن سمجھا جاتا رہا ہے لیکن اپنی شہرہ آفاق کتاب ''امریکی ہیروشیما'' میں انہوں نے جس طرح صدر بش اور ان کے پیش رو سابق امریکی حکمرانوں کی جارحیت اور ناانصافی پرمبنی پالیسیوں کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا اس کے بعد ان کی شناخت تبدیل ہوگئی ہے۔ ڈیوڈ ڈائینسی نے اپنی کتاب میں ظلم' انتقام' جارحیت اور ناانصافی پرمبنی امریکی خارجہ پالیسی کو تباہ کن قرار دیا ہے۔ اور ساتھ ہی نشان دہی کی ہے کہ عشروں سے جاری اس امریکہ پالیسی نے دنیا کو ایٹمی جنگ کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں تاریخ کے مختلف واقعات کے حوالے سے پوری تحقیق کے باوجود امریکہ کو عالمی امن کے لیے سب سے بڑا خطرہ قرار دیا ہے۔ ان دنوں ڈیوڈ ڈائینسی کی کتاب دنیا بھر میں زیرِ بحث ہے حال ہی میں الجزیرہ نیٹ ورک نے اس کتاب کے حوالے سے ڈیوڈ ڈائینسی کا تفصیلی انٹرویو کیا ہے جس کا ترجمہ دلچسپی کے لیے پیش خدمت ہے۔ یہ انٹرویو ایک امریکہ دانشور کی زبانی امریکہ کے اصل چہرے کو بے نقاب کرتا ہے اور اس بات کا شبہ بھی ہے کہ دنیا بھر میں جنگ وجدل کی تاریخ مرتب کرنے میں امریکہ کا کوئی ثانی نہیں۔

الجزیرہ......ایک وقت تھا جب آپ کٹر قدامت پسند ری پبلکن تھے وہ کون سی چیز تھی جس نے آپ کے خیالات اور نظریات کو بدل ڈالا؟

ڈائینسی ......یہ تبدیلی دراصل میرے جاننے کے عمل میں بہت زیادہ دلچسپی کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ جب میں نے آرمی (فوج) میں شمولیت اختیار کی اس وقت مجھے اس بات کا بہت کم علم اور ادراک تھا کہ امریکہ دنیا بھر میں کیا کچھ کر رہا ہے۔ ملٹری انٹیلی جنس کے افسر اور بعد میں بین الاقوامی سطح پر رضا کارانہ طور پر کام کرنے والی بزنس ایگزیکٹو کے طور پر مجھے اپنے تجربات سے اس بات کا علم ہوا کہ ہماری (امریکہ کی) خارجہ پالیسی نہ صرف لوگوں کو اذیت اور تکلیف میں مبتلا کر رہی ہے بلکہ اس نے دنیا کو خطرناک حالات سے بھی دوچار کر دیا ہے۔ جب مجھے وسطی امریکہ میں امریکہ خارجہ پالیسی کو نافذ کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی اور میں اس آپریشن کے ایک یونٹ کا حصہ بنا تو میرے خیالات میں مزید تبدیلی واقع ہوگئی۔ وسطی امریکہ کے مختلف علاقوں میں ہمارا کام ہی طاقت کے ذریعے اپنی مرضی وہاں کے عوام پر ٹھونسنا تھا۔

الجزیرہ......آپ نے اپنی کتاب میں امریکی عوام کو عالمی حالات کے متعلق اصل حقائق سے بالکل لاعلم قرار دیا ہے۔ آپ نے کس بنا پر یہ بات کہی ہے؟

ڈائینسی ......اس وقت ہمارے ہاں (امریکہ) صورت حال یہ ہے کہ اکثر میڈیا گروپ اور تنظیمیں کارپوریشن کی شکل اختیار کر چکے ہیں جن کا مقصد اشتہارات اور حکومتی مفادات ونظریات کو پروان چڑھانا بن چکا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کوئی بھی ایسی بات جو حکومتی اور انتظامی ڈھانچے کے مفادات کے خلاف ہوتی ہے وہ میڈیا کی توجہ حاصل کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے میں ''فوکس'' کی نشاندہی کرنا چاہوں گا جو اس وقت ری پبلکن کی

پروپیگنڈا کی بدترین مثال بن چکا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہوتا ہے کہ جب آپ کا ملک حالت جنگ میں ہو تو آپ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ آپ حقائق کو اچھی طرح سمجھیں اور آپ کو علم ہونا چاہیے کہ اس وقت کیا ہو رہا ہے۔ اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو آپ بھی غیر منصفانہ عمل کے ایک ایجنٹ ہی بن جاتے ہیں۔ جب لوگوں کو پاس وقت ہوتا ہے تو وہ اپنی سرگرمیاں محدود نہیں کرتے۔ تاہم دوسری طرف انہیں اپنی تاریخ کو بھی سمجھنا چاہیے۔ یہ 1962ء کی بات ہے کہ جوائنٹ چیفس آف سٹاف نے آپریشن نارتھ وڈ نامی ایک منصوبہ پیش کیا۔ اس کا مقصد امریکی اہداف میں بڑے پیمانے پر قتل وغارت کرا کے کیوبا کو مورد الزام ٹھہرانا تھا۔ تاکہ فیڈرل کاسترو کے خلاف جنگ کے لئے عوامی رائے کو ہموار کیا جاسکے۔ صدر جان ایف کینڈی نے اس منصوبے کو رد کر دیا۔ اس ایک واقعہ ہی کی بناء پر ہمیں بھی سمجھنا چاہئے کہ مستقبل میں امریکہ پر ہونے والا کوئی حملہ ضروری نہیں القاعدہ ہی کا کام ہو۔

الجزیرہ...... آپ نے اپنی کتاب میں ظالم حکومتوں کے ساتھ امریکی اتحاد کی مذمت کی ہے۔ اگر ایسا اتحاد کسی بڑے عظیم مقصد کے تحت بنایا جائے تو کیا اس بات کو اس کے جواز کے طور پر استعمال نہیں کیا جاسکتا؟

ڈائینسی...... تاریخ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جب آپ اتحاد بناتے ہیں تو اس سے غیر منصفانہ رویوں کو تقویت ملتی ہے۔ اس طرح کے اتحاد کے نتیجے میں مستقبل میں آپ صرف غیر منصفانہ عمل کی ہی توقع کر سکتے ہیں اور کچھ نہیں۔

امریکی تاریخ بڑی بڑی خفیہ جنگوں کی داستان سے بھری پڑی ہے۔ اسی کی دہائی میں افغانستان میں امریکہ نے 6 ارب ڈالر جنگ کی نذر کئے جس کا نتیجہ القاعدہ کی صورت میں نکلا امریکیوں کو اس حقیقت کو سمجھنا چاہئے۔ اگر آپ کو اس بات کا علم ہو جائے کہ چالیس ممالک سے تعلق رکھنے والے گوانتا ناموبے میں 500 قیدیوں میں ایک کا تعلق بھی عراق سے نہیں ہے اور اگر آپ یہ بھی جان لیں گے کہ سی آئی اے نے ان چالیس ممالک میں جن ہزاروں افراد کو پکڑا ہے ان میں سے بھی کوئی بھی عراقی نہیں تو آپ بخوبی یہ بات سمجھ جائیں گے کہ امریکہ نے القاعدہ اور طالبان کی تخلیق میں براہ راست کیا کردار ادا کیا ہے۔

الجزیرہ...... صدر بش کے حامیوں کا کہنا ہے کہ صدام حسین کی حکومت سے علیحدگی اور طالبان کے خلاف جنگ فائدہ مند تھی اور ان دونوں کے خلاف فوجی آپریشن ہرگز بلا جواز نہ تھا۔

ڈائینسی...... اس سب کچھ کا آغاز ہی جعل سازی سے ہوا ہے۔ جب بش انتظامیہ کہتی ہے کہ ''خواب' صدام حسین کا خاتمہ ایک عظیم کارنامہ ہے تو بالکل اسی لمحے وہ یہ بات تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں کہ یہ صدر بش کے والد اور امریکن صدر ریگن ہی وہ قوت تھے جنہوں نے صدام حسین کو اس قدر مضبوط بنایا تھا۔ اگر آپ 1979ء میں امریکہ کی عراق پالیسی دیکھیں تو دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا۔ صدر ریگن کے اقتدار سنبھالتے ہیں ایران میں پچھلے 444 دنوں میں امریکی سفارتخانے میں یرغمال بنائے گئے امریکیوں کو رہا کر دیا گیا۔ امریکیوں کو اس بات کا علم نہیں کہ ریگن کے اقتدار سنبھالتے ہی امریکیوں کی رہائی ایک اتفاق نہ تھا۔ امریکہ نے ایران کے ساتھ ایک تحریری معاہدہ کیا تھا جس میں اس بات پر متفق ہوا تھا کہ امریکہ ایران پر حملہ نہیں کرے گا اور ساتھ ایران کو 8 ارب ڈالر بھی ادا کرے گا۔ اسی معاہدے کی بناء پر صدر ریگن کی حلف برداری کی

تقریب کے موقع پر یہ واقعہ رونما ہوا جسے میڈیا پر بھرپور کوریج بھی دی گئی لیکن امریکی یرغمالیوں کو ایران کس طرح رہا کرنے پر راضی ہوا اس کے متعلق آگاہ نہیں کیا گیا تھا۔

الجزیرہ......تو آپ کو اس بات کا علم کیسے ہوا؟

ڈائینسی ......یہ حقائق نہیں جو بعد میں مختلف اوقات کے دوران شائع ہوتے رہے۔ ایران کے ساتھ اس معاہدے کو نظر ثانی کے لیے موجودہ بش انتظامیہ کے سامنے بھی پیش کیا گیا تھا تاکہ دیکھا جائے کہ کیا امریکہ اب بھی اس کا پابند ہے یا نہیں۔ بش انتظامیہ اس معاہدہ کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی کہ جن سخت حالات میں امریکہ یہ معاہدہ کرنے پر مجبور ہوا اس کے تحت اب امریکہ اس کا پابند نہیں رہا۔ مجھے یہ بات بش انتظامیہ کے ایک سابق اعلیٰ عہدیدار اور سی آئی اے کے آفیسر رائے فلائن نے خود بتائی تھی۔

امریکہ نے ایران کے ساتھ اس معاہدے کو اپنی تذلیل سمجھا اور ریگن انتظامیہ اسی تذلیل کا بدلا لینے کے لئے ایرانیوں کو سبق سکھانا چاہتی تھی لیکن اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ اس لئے صدام حسین کو ایران کے خلاف اس وقت ایجنٹ کے طور پر استعمال کیا گیا۔ جس نے ایران پر چڑھائی کردی اور پھر نسل انسانی نے 1980 سے 1988ء تک آٹھ سالہ خونی جنگ دیکھی جس نے لاکھوں بے گناہ شہریوں کو اپنا لقمہ بنالیا۔

الجزیرہ......اس جنگ میں امریکہ کا کیا کردار تھا؟

ڈائینسی ......اس جنگ کے شروع ہونے کے دو سال کے عرصے میں 1982ء تک ایران اپنے ہارے ہوئے علاقے صدام حسین سے واپس لینے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اس لمحے صدام حسین نے امریکہ کو مدد کیلئے کہا۔ جس کے نتیجے میں صدر ریگن نے نیشنل سیکورٹی ڈویژن ڈائریکٹو این ایس ڈی ڈی 114 نامی معاہدے پر دستخط کئے جس کے تحت امریکہ صدام حسین کو ہر قسم کی حمایت فراہم کرنے پر رضامند ہوگیا۔ اس وقت ڈونلڈ رمزفیلڈ (موجودہ امریکی وزیر دفاع) کو ایک بہت ہی حساس مشن پر بھیجا گیا تاکہ عراق کے سیٹلائٹ کے ذریعے انٹیلی جنس سمیت انٹیلی جنس کے تمام آلات اور وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار فراہم کئے جاسکیں۔ امریکی یہ بات جانتے ہیں کہ امریکہ نے اسی کی دہائی میں عراق کو یہ چیزیں فراہم کی تھیں۔ تاہم 1980 کی دہائی کے وسط میں جب صدام حسین کو اس بات کا علم ہوا کہ ہم امریکی ایران کو ہتھیار فروخت کر رہے ہیں تو وہ امریکہ سے ناراض ہوگیا۔ اسی کے نتیجے میں ہی اس نے کویت پر چڑھائی کردی۔ صدام حسین نے ایسا کیوں کیا؟ ایک تو اسے امریکہ کی طرف سے واضح پیغامات مل گئے تھے کہ وہ با آسانی کویت پر قبضہ کرسکتا تھا اور ساتھ ہی ساتھ ایران جنگ کے دوران امریکی کردار کی وجہ سے صدام حسین امریکہ سے کچھ امیدیں لگائے بیٹھا تھا۔

بہر حال یہ تمام جنگ غیر منصفانہ عمل کی بدترین شکلیں تھیں۔ اس کے بعد آپ 1990ء کی دہائی میں عراق پر اقوام متحدہ کی طرف سے لگائی گئی پابندیوں کو بھی دیکھ لیں کہ وہ کس قدر غیر منصفانہ تھیں۔ ان پابندیوں کو امریکہ اور برطانیہ نے اٹھانے سے انکار کردیا تھا جس کے نتیجے میں دس لاکھ سے زائد عراقیوں نے خوراک اور ادویات کی کمی کی بدولت سسک سسک کر جان دیدی۔ مرنے والوں میں 5 لاکھ بچے بھی شامل تھے۔ یہ تعداد

ناگاساکی اور ہیروشیما پر ایٹم بم گرائے جانے والی ہلاکتوں سے کہیں زیادہ ہے۔

الجزیرہ......آپ نے ناانصافی پر مبنی اقدامات کی ایک طویل فہرست کا ذکر کیا ہے جس کے نتیجے میں امریکی اہداف پر حملے کئے گئے تو کیا اس دہشت گردی کے لئے جواز قرار نہیں دیا جاسکتا؟

ڈابنسی......میری سی آئی اے کے مائیکل شیوئر جو کہ اسامہ بن لادن کو تلاش کرنے والی ٹیم کے سربراہ سے بات ہوئی اور اس نے زور دے کر یہ بات کہی کہ مسلم دنیا کے لوگ ہمارے خلاف ہماری آزادی اور جمہوریت کی وجہ سے نہیں لڑ رہے بلکہ یہ ہماری خارجہ پالیسی ہے جو انہیں ہتھیار اٹھانے پر مجبور رکھے ہوئے ہے یہی وہ حقیقت ہے جسے بش انتظامیہ مسلسل توڑ مروڑ کر پیش کرتی ہے۔

یہ بنیادی اصول ہے کہ جب آپ کسی کو تکلیف پہنچاتے ہیں تو وہ بھی آپ کو تکلیف پہنچانا چاہتا ہے۔ ہمیں یہ سوالات پوچھنے چاہئیں کہ ''نائن الیون'' کا سانحہ کیوں پیش آیا؟ اسامہ بن لادن امریکہ، برطانیہ اسرائیل اور دوسرے ممالک کے خلاف برسرپیکار کیوں ہے؟ اگر امریکی ان سوالات کا جواب تلاش کریں تو ان پر واضح ہوجائے گا کہ یہ عرب سرزمین پر امریکی فوجوں کی موجودگی کا نتیجہ ہے اور پھر انہیں یہ بھی علم ہوجائے گا اب یہ صرف عرب اور مسلم دنیا کا ایشو نہیں رہا۔ مجھے یہی کچھ جنوبی کوریا میں بھی دکھائی دیا جہاں 1950ء سے امریکی فوجیں موجود ہیں۔ جب آپ کسی بھی جگہ ایک لمبے عرصے تک موجود رہتے ہیں تو اس سے یہ واضح پیغام ملتا ہے کہ آپ کی موجودگی آزادی کے لئے نہیں بلکہ قبضے کی خواہش کے پیش نظر ہے۔

الجزیرہ......آپ نے اپنی کتاب میں امریکہ کو وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کا سب سے بڑا ذمہ دار قرار دیا ہے کیوں؟

ڈابنسی......امریکہ نے 1945ء دوسری جنگ عظیم کے بعد سے لے کر اب تک ستر ہزار (70,000) ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری پر 5 کھرب ڈالر خرچ کئے۔ یہ رقم پوری دنیا کی طرف سے اس مقصد کے لئے خرچ کی جانے والی مجموعی رقم سے بھی زیادہ ہے۔ 1999ء میں کانگریس میں پیش کی جانے والی رپورٹ میں انکشاف کیا گیا کہ امریکہ کی طرف سے ڈیزائن کئے گئے بہت سارے ایٹمی جوہری ہتھیاروں جن میں کئی ابھی تک بنائے بھی نہیں گئے تھے چرا کر چین پہنچادیئے گئے تھے۔ اسی طرح اسرائیل نے جوہری پروگرام بھی امریکہ سے ہی حاصل کیا۔

اس کے باوجود عام امریکی بش انتظامیہ کے جھوٹ سے بہت سے زیادہ متاثر ہیں اور وہ عراق سمیت دنیا بھر کے مختلف مقامات پر وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی موجودگی کے بارے میں دھوکہ دہی اور فریب کاری کا شکار ہیں۔

الجزیرہ......کیا واقعی ایران امریکہ کے لئے خطرہ ہے؟ جبکہ شیعہ ایران اور سنی القاعدہ کے مابین قریب قریب اتحاد کے کوئی امکانات نظر نہیں آ رہے۔

ڈابنسی......اگر امریکہ ایران پر حملہ نہیں کرتا تو ایران کبھی بھی امریکہ پر حملہ نہیں کرے گا۔ امریکی کانگریس کے رکن کرٹ ویلڈن جنہوں نے تہران انتظامیہ پر الزام لگایا کہ وہ امریکہ پر حملے کی تیاری کر رہی ہے' کا کہنا ہے کہ ایران پر امریکہ کو حملہ کر دینا چاہئے لیکن اس طرح کی باتیں دنیا کو مزید خطرناک بنا رہی ہیں۔ ایک لمحے کے لئے اگر ہم ایران کی جگہ ہوتے تو یقیناً ہم بھی اسرائیل کی موجودگی کے باعث ایٹمی ہتھیار ضرور تیار کرتے

ان حالات میں امریکہ کو چاہئے کہ وہ اسرائیل کو ایٹمی ہتھیاروں کے خاتمے پر رضامند کرے۔

جہاں تک ایران اور القاعدہ کے مابین مذہبی اختلاف کا تعلق ہے تو اس حوالے سے آپ کا کہنا بالکل درست ہے لیکن دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ صدر بش کی دہشت گردی کے خلاف جنگ مختلف فرقوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا باعث بن رہی ہے۔ انٹیلی جنس رپورٹوں کے مطابق اسامہ بن لادن کا بیٹا سعد اس وقت ایران میں موجود ہے لیکن ہم یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں تاہم حقیقت جو کچھ بھی ہو بش انتظامیہ ایران کے ساتھ پرامن تعلقات کی خواہاں نہیں ہے۔

الجزیرہ......آپ کا کہنا ہے کہ ''رحم کا نتیجہ رحمدلی ہی کی صورت میں نکلتا ہے'' آپ اسے کس طرح ثابت کریں گے؟

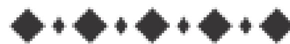
ڈائینسی......پہلی جنگ عظیم کے نتیجے میں ہونے والے معاہدے سے جرمنی کو سخت سزا دی گئی اور اس پر مصیبتوں کے پہاڑ کھڑے کر دیئے گئے۔ جس پر نازیوں کا مشتعل ہونا قدرتی امر تھا لیکن دوسری عالمی جنگ کے بعد جب مارشل پلان کے تحت جرمنی اور جاپان کو تعمیر نو کا موقع دیا گیا تو اس وقت امریکہ نے جمہوریت کے فروغ کے لئے بہت کچھ کیا۔ جمہوریت کے فروغ کے لئے جتنا کچھ اس دوران ہوا اس کی مثال سرد جنگ کے طویل عرصے کے دوران کہیں نہیں ملتی۔

دنیا کو پرامن اور محفوظ بنانے کیلئے ہمیں مظالم اور دکھوں کا مداوا کرنا چاہئے بلکہ اس کے خلاف باقاعدہ جنگ کرنی چاہئے۔ آپ ذرا تصور کریں کہ اگر صدر بش نائن الیون کے سانحے کے بعد کہتے ہیں کہ ''لوگ مشرق وسطیٰ میں ہماری غلطیوں پر ناراض ہیں اس لئے ہمیں مسلم دنیا میں بھوک کے خاتمے، صاف پانی اور تعلیم کی فراہمی کو یقینی بنانا ہوگا'' تو اس کے نتیجے میں ہمیں دنیا بھر میں مزید دوست ملتے اور اس عمل پر ہمارے دشمن بھی ہماری حمایت کرتے۔

الجزیرہ......اگر ہمیں قریب قریب امریکی خارجہ پالیسی میں تبدیلی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تو کیا اس صورت میں امریکی ہیروشیما کے واقعے کو رونما ہونے سے روکنے میں بہت دیر نہیں ہو جائے گی؟

ڈائینسی......اگرچہ آپ کا اشارہ کافی زیادہ حقیقت پر مبنی ہے لیکن پھر بھی ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ ابھی بھی ہم امریکی ردعمل کو متاثر کر سکتے ہیں اگر امریکہ عقلمندی اور ہوش کا مظاہرہ کرے تو ہم لاکھوں لوگوں کی زندگیاں محفوظ بنا سکتے ہیں۔

2005ء کے لئے امریکہ کا فوجی بجٹ 240 ارب ڈالر ہے۔ ہم ابھی بھی اسے تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اس بجٹ کا ایک تہائی حصہ مشرق وسطیٰ خاص طور پر عراق میں معاشی ترقی پر خرچ کریں اور ایک تہائی ہم ملک کے اندر فلاح و بہبود اور صحت کی سہولیات کی فراہمی پر خرچ کر دیں تو بھی جو دفاعی بجٹ باقی بچے گا وہ دنیا بھر کے کسی بھی ملک کے دفاعی بجٹ سے زیادہ ہوگا۔



صدر بش کے 5 جھوٹ

یہ 15 ستمبر کی صبح ہے۔ 11 ستمبر کو گزرے محض چار دن ہوئے ہیں۔ وہ گیارہ ستمبر جس نے عالمی سیاست کے رخ کو یکسر پلٹ کر رکھ دیا، آج سے چار دن قبل تک نیویارک میں آسمان سے باتیں کرتی دو بلند و بالا عمارتیں موجود تھیں۔ مگر آج وہاں پگھلا ہوا لوہا، ٹوٹے ہوئے شیشے اور ملبے کا ڈھیر ہے۔ صرف چار دن پہلے تک مسلمان امریکہ میں معمول کے مطابق شب و روز بسر کر رہے تھے۔ مگر آج وہ اپنے گھروں میں خوف و ہراس کے عالم میں مقید ہیں۔ کیونکہ مشتبہ دہشت گرد ہونے کے الزام سے بچ بھی گئے تو جنونی امریکیوں سے کون بچائے گا؟ آج سے چار دن پہلے تک برابری کی سطح پر دوسرے ممالک سے تعلقات قائم کرنے والا بش، آج دجال بنا دوسرے ممالک سے تباہی و بربادی یا امریکہ کی حمایت کا فیصلہ مانگ رہا ہے۔ چار روز قبل کے کل اور چار روز بعد کے آج میں بہت فرق ہے۔ کل تک جو معصوم افغان و عراقی روزمرہ معمولات میں مصروف تھے آج ان کی موت کا فیصلہ ہو رہا ہے۔ کیمپ ڈیوڈ میں ہونے والی اس ہنگامی ملاقات میں امریکی صدر بش اور ان کی انتظامیہ کے تمام افراد موجود ہیں اور اس امر پر بحث ہو رہی ہے کہ 9/11 کو کس کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کیا جائے۔ عراق یا افغانستان؟ ایک آرمڈ سروس کمپنی کے سینیٹر عراق پر حملے کے حوالے سے سوال کرتے ہیں ”آخر ہم کس وجہ سے اس قدر جلدی میں ہنگامی ایکشن لینے پر مجبور ہیں؟“ سیکرٹری دفاع ڈونلڈ رمزفیلڈ سخت برہمی کے انداز میں جواب دیتے ہیں ”کس بناء پر؟ اس بناء پر کہ 3 ہزار امریکی مارے گئے ہیں“ عراق پر حملے اور قبضے کے سلسلے میں غالباً یہ سب سے بھونڈی دلیل تھی جو امریکی ہٹ دھرمی اور لالچ کا ثبوت تھی۔ اس ملاقات میں ڈونلڈ رمزفیلڈ تمام تر زور بیاں، حاضرین کو اس امر پر قائل کرنے پر صرف کر رہے تھے کہ افغانستان میں امریکہ وہ کامیابی حاصل کرنے میں ناکام رہے گا، جس کی توقع عراق میں کی جا سکتی ہے۔ کیمپ ڈیوڈ میں منعقدہ اس میٹنگ میں وائٹ ہاؤس کے چیدہ چیدہ افراد سخت طیش و اشتعال کے عالم میں صدر بش پر زور دے رہے تھے کہ خواہ 9/11 کے حادثے سے عراق کا تعلق ثابت ہو یا نہ ہو۔ ہمیں اس پر حملہ کر دینا چاہیے۔ عراق پر حملے کے لیے عوام کو قائل کرنے کی واحد توجیح یہ تھی کہ اس پر افغانستان کی نسبت حملہ کرنا نیز قبضہ آسان تھا، وزیر دفاع ڈونلڈ رمزفیلڈ صدر بش کو اپنے مؤقف پر قائل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ اس سے قبل ان کے نائب نے بھی اسی ڈھول کو پیٹتے ہوئے یہ مؤقف اختیار کیا تھا کہ چونکہ افغانستان کے سنگلاخ اور پر پیچ پہاڑوں و غاروں کی نسبت عراق میں یہ جنگ لڑنا آسان ہے لہٰذا ہمیں عراق پر حملہ کرنا چاہیے۔

وڈورڈ جو وائٹ ہاؤس کی سیاست میں ایک نمایاں مقام کا حامل ہے، اپنی کتاب میں اس ملاقات کا حال لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ کولن پاول 9/11 کے حادثے کو عراق کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کرنے کے حق میں نہ تھے۔ انہوں نے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ اس طرح امریکہ کو موقع پرست اور لالچی کہا جائے گا، بہرحال اس گرما گرم بحث و مباحثے کا انجام یہ ہوا کہ عراق کا تذکرہ سن سن کر صدر بش کے کان پک گئے۔ ویسے بھی وہ اس جنگ کے ذریعے افغانستان میں طالبان اور القاعدہ کو اپنا نشانہ بنانا چاہتے تھے۔ اور پھر افغانستان پر امریکہ نے حملہ کر دیا۔ تاہم افغانستان پر امریکی حملہ، صدر بش

اور کولن پاؤل کی وقتی فتح ثابت ہوئی کیونکہ محض ایک سال بعد رمزفیلڈ اور امریکی انتظامیہ کی ''خواہش'' کو بش نے لفظوں کا جامہ پہناتے ہوئے عراق پر حملے کا اعلان کیا۔ کیونکہ ان کو اس امر سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ صدام حسین یا عراق کا ان حملوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انہیں دو سال بعد صدر بش سے اعتراف ناکامی سے بھی فرق نہیں پڑتا ہے۔ انہیں اس چیز کی بھی کوئی پرواہ نہیں اور اقوام متحدہ کے اسلحہ انسپکٹر باوجود مکمل آزادی کے عراق سے کسی بھی قسم کا قابل اعتراض مواد تلاش کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ امریکہ کو اس مخالفت کی بھی کوئی پرواہ نہیں، جو اس کے اتحادی یورپی ممالک کی جانب سے سامنے آئی اور نہ صدر بش کو اس وقت کی کوئی پرواہ ہے جب ایک دن میں پوری دنیا 15 ملین افراد نے عراق پر حملے کی مخالفت کی۔

وار پلان پر امریکی صدر بش کے دستخط کے بعد رمزفیلڈ اور ان کے ہمنواؤں کی خواہش پوری ہونے میں محض ایک دشواری باقی تھی اور وہ رائے عامہ کی ہمواری تھی۔ جس کے لیے بش انتظامیہ نے نہایت پھوہڑپنے کے ساتھ ایک کمپین لانچ کی۔ جس میں صدام حسین کو نئی صدی کا ہٹلر قرار دیا گیا۔ امریکہ کو اس سے ممکنہ بائیولوجیکل، کیمیائی حملوں کے خطرے کا ڈراوا دیا گیا اور آخر میں اسے ناپسندیدہ اور غیر مقبول لیڈر قرار دیا گیا، جسے تخت و تاج پر سے ہٹانا اشد ضروری تھا اور یوں...... جیسا کہ انہوں نے کہا تھا۔ ایک تاریخ رقم ہوئی۔ بدترین تاریخ!

عراق پر حملے میں امریکی انٹیلی جنس نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ انٹیلی جنس ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات کو بش انتظامیہ، اپنے خیالات وافکار میں شامل کر کے حقائق کی مسخ شدہ تصویر منظر عام پر لاتی رہی۔ اس حوالے سے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے بیورو برائے انٹیلی جنس کے سابق ڈائریکٹر گریگوری کا کہنا ہے کہ ''امریکی انٹیلی جنس حقائق سے زیادہ اپنے عقائد کی روشنی میں کام کرتی ہے۔ بش انتظامیہ نے امریکی عوام کو عراق سے درپیش ممکنہ خطرے کے بارے میں حقیقت سے آگاہ نہیں کیا تھا بلکہ انتظامیہ نے معلومات کا غلط استعمال کیا۔''

9/11 کے بعد ہنگامی اجلاس میں ڈونلڈ رمزفیلڈ نے عراق پر حملے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر بالآخر موت کا پروانہ افغانستان کے نام کا جاری ہوا۔ تاہم ڈونلڈ رمزفیلڈ عراق پر حملے کے لئے مسلسل تیاریوں میں مصروف رہے۔ اس حوالے سے گریگوری کے انکشافات بش انتظامیہ کے لالچ اور ڈونلڈ رمزفیلڈ کے خبث باطن کا مظہر ہیں۔ گریگوری کہتا ہے کہ وہ تمام معلومات میں سے اپنی پسند کی معلومات محض اکٹھا کر رہے تھے''۔ وہ عراق پر ہر حال میں جنگ مسلط کرنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کیلئے ڈونلڈ رمزفیلڈ نے اپنی ذاتی انٹیلی جنس بھی ترتیب دے رکھی تھی۔ یہ نیٹ ورک نیم حکومتی انداز میں کام سرانجام دیتی تھی۔ تاہم اس کی طاقت اور اہمیت اس وقت کھل کر سامنے آئی جب اس نے عراق کے ساتھ جنگ کیلئے تمام تر دلائل ترتیب دیئے۔ حالانکہ نہ تو او ایس پی کے ذرائع اتنے معتبر ہیں نہ ہی اس کا طریقہ کار ایجنسی بنیادی طور پر سی آئی اے کو ملنے والی ابتدائی معلومات اور عراق نیشنل کانگریس سے معلومات اکٹھا کرتی ہے۔ حالانکہ عراق نیشنل کانگریس، انٹیلی جنس کی دنیا میں ذرہ برابر بھی قابل بھروسہ نہیں سمجھی جاتی ہے۔ اس کے باوجود عراق پر حملے کیلئے تمام تر تراشے گئے جواز اس ایجنسی کی جانب سے فراہم کیے گئے تھے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ عراق پر حملہ کے لیے گھڑے گئے تمام جواز حقیقت سے کوسوں دور تھے۔ مگر 9/11 کے بعد سے مسلسل 18 ماہ تک جاری رہنے والے پروپیگنڈے نے بالآخر کانگریس اور میڈیا کو اس حملے کیلئے تیار کر لیا تھا۔

اس تمام بحث ومباحثے کے بعد بات تو ثابت ہو جاتی ہے کہ بش انتظامیہ ہر صورت عراق پر جنگ مسلط کرنا چاہتی تھی۔ مگر پھر سوال یہ پیدا ہوتا

ہے کہ آخر بش انتظامیہ عراق پر جنگ کیوں مسلط کرنا چاہتی تھی۔ اس حوالے سے سیاسی پنڈتوں کا کہنا ہے کہ صدر بش اپنے باپ کے ادھورے مشن کو مکمل کرنا چاہتے ہیں۔ بش سینئر کا ادھورا مشن ''صدام حسین کی تباہی'' ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صدر بش نے اپنی انتظامیہ میں ایسے لوگوں کا انتخاب کیا جو گزشتہ کئی سالوں سے عراق پر قبضے اور مشرق وسطیٰ کی تعمیر نو کے بارے میں لکھتے، بولتے اور سوچتے آئے ہیں۔ اس قسم کی سوچ کے حامل، جن کو بالعموم جدت پسند کہا جاتا ہے۔ میں ڈونلڈ رمزفیلڈ، اسٹیفن ہیڈلے، ڈک چینی اور بہت سے دیگر شامل ہیں۔ جدت پسندوں کے اس ٹولے کی خواہش ہے کہ کردوں کی تباہی کے بعد امریکہ واحد سپر پاور ہے۔ لہٰذا اس دنیا پر اپنے تسلط کو طوالت دینے کیلئے اپنی افواج اور معیشت سے کام لینا چاہیے۔ عراق پر حملے اور قبضے کی امریکی خواہش بہت پرانا خواب کی تعبیر اور منصوبہ ہے۔ اس کا ثبوت وہ خط ہے، جو جدت پسندوں کے اس ٹولے کے ترتیب شدہ تھنک ٹینک پی این اے سی کی جانب سے ری پبلکن لیڈران کو لکھا گیا تھا۔ خط پر کم وبیش ان تمام افراد کے دستخط موجود ہیں۔ جو بعد ازاں صدر بش کی کابینہ میں شامل ہوئے تھے۔ خط میں پی این اے سی نے امریکی پالیسی میں تبدیلی کا مشورہ دیتے ہوئے لکھا گیا ہے اس کے اتحادیوں کو بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں سے بچانے کا محض طریقہ ہے کہ عراق میں صدام حکومت کو طوالت دینے کی بجائے اس کا خاتمہ کیا جائے۔ خلیج میں امریکی تسلط کو، امریکی طاقت کا اظہار سمجھنے والے پی این اے سی کے جدت پسند نمائندوں نے 9/11 کے ایک ہفتے بعد صدر بش کو ایک خط لکھا جس میں صدر بش پر زور دیا گیا کہ وہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کو نہ صرف افغانستان میں لڑیں بلکہ اس کا دائرہ کار وسیع کر کے ایران، سیریا، فلسطین اور عراق تک وسیع کر دیں اور اگر دہشت گردی کے خلاف جنگی حکمت عملی میں اگر عراق کو شامل نہ کیا گیا تو بلاشبہ یہ جنگ سے قبل ہتھیار ڈالنے کے مترادف ہوگا۔

اگر 9/11 سے قبل کی تاریخ پر نگاہ دوڑائی جائے تو اس امر کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ ڈونلڈ رمزفیلڈ، اس کے نائب وولف وٹز و دیگر اصحاب جو پی این اے سی میں شامل ہیں۔ درحقیقت بہت عرصے سے عراق پر حملوں کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ اسٹیو پیری اس تاریخ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''حقیقت تو یہ ہے کہ 9/11 کے بعد کی امریکی خارجہ پالیسی 9/11 کی مرہون منت ہرگز نہ تھی۔ درحقیقت یہ سرد جنگ کے بعد کی اس دنیا کا نقشہ تھا جو بش سینئر نے ترتیب دیا تھا اور اب 9/11 کی بدولت صدر بش کو ان خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کا موقع مل گیا جس کے لیے انہوں نے اپنی عوام سے کہا کہ عراق پر حملہ اور قبضہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کا اہم حصہ ہے۔ تاہم کروڑوں ڈالر کے اخراجات اور ڈیڑھ لاکھ جوانوں پر مشتمل فوج کو 6 ہزار میل دور بھیجنے کے لئے رائے عامہ کی ہمواری ایک مشکل مرحلہ تھا۔ جسے سر کرنے کیلئے بش انتظامیہ نے پانچ نکات کو منتخب کیا۔ ان کی بدولت نا صرف رائے عامہ آسانی کے ساتھ ہموار کی جاسکتی تھی۔ بلکہ عوام کی ہمدردیاں بھی بش انتظامیہ کے ساتھ ہونے کی بھی توقع تھی۔ وہاں پانچ نکات جو بعد ازاں جھوٹے ثابت ہوئے درج ذیل تھے۔

1۔ عراق نا صرف 9/11 کے حادثے میں ملوث ہے۔ بلکہ اس کے القاعدہ کے ساتھ بھی تعلقات ہیں۔

2۔ عراق کے پاس غیر قانونی کیمیکل اور بائیولوجیکل ہتھیار ہیں۔ جو نا صرف امریکہ بلکہ اس کے اتحادیوں کے لیے بھی خطرناک ہیں۔

3۔ عراق عنقریب ایٹم بم بنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ خدشہ ہے کہ شاید وہ یہ بم بنا چکا ہے۔

4۔ عراق پر قبضہ نا صرف آسان ہوگا۔ بلکہ عراقی عوام ہمارا بھرپور استقبال کریں گے۔ بعدازاں عراق کی تعمیر میں ہمارا مکمل ساتھ دیں گے۔

5۔ امریکی مدد اور ہدایت کی روشنی میں عراق عنقریب ایک قابل تقلید جمہوریت بن جائے گا۔ جو بقیہ دنیا کیلئے نمونہ ہوگا۔

بش انتظامیہ کی جانب سے گھڑے گئے جھوٹ بہت مضبوط نہ تھے۔ مگر ان کو خوف کے اس پیرائے میں پیش کیا گیا کہ جیسے یہ سوویت یونین کے کیوبا میں موجود نیوکلیائی ہتھیار یا پرل ہاربر پر حملے جیسا بڑا خطرہ ہو اور امریکی عوام ...... وہ تو جب کسی سے کوئی تعلق قند ہو اس کے بارے میں سوچنا بھی پسند نہیں کرتی۔ ایسے میں وہ کیونکر اس امر سے واقف ہو سکتی ہے کہ عراق پٹرولیم کے ذخائر کے حوالے سے پوری دنیا میں دوسرے نمبر پر ہے۔ امریکی عوام کو نہ تو صدام حسین کی تخت و تاج سے معزولی سے کوئی فرق پڑتا تھا نہ ہی انہیں اس امر کی پرواہ تھی کہ عراق میں موجود تیل کے ذخائر کو دریا میں بہا دیا جائے۔ اگر انہیں کوئی فکر یا پریشانی لاحق تھی تو وہ اپنی سلامتی کی تھی۔ امریکی صدر بش امریکہ کی فطرت سے واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ عوام کو دو لفظوں کی مدد سے بہت آسانی سے قائل کیا جا سکتا ہے۔ دفاع اور اخلاقی ذمہ داری۔ سو عراق سے ممکنہ خطرے سے بچاؤ کیلئے دفاع اور عراقی عوام کو ظالم سے نجات دلانے کا لالی پاپ عوام کو صدر بش کا نسبتاً ہموار کر گیا۔ صدر بش نے یہ اور اس جیسے لاتعداد جھوٹ، عراق پر حملے کیلئے بولے۔ تاہم پانچ جھوٹ ایسے تھے کہ جو آنکھوں دیکھی مکھی نگلنے کے مترادف تھے۔ آیئے بش کے ان فریبوں اور بہانوں کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

صدر بش نے عراق پر حملہ کا پہلا جواز اس کے القاعدہ سے تعلقات کا تراشا۔ انہوں نے کہا کہ صدام حسین ریاستی سطح پر دہشت گردی میں ملوث ہے۔ غرض اس کی شخصیت اور دنیا کو اس سے ممکنہ خطرے کو اس انداز میں بش انتظامیہ نے بیان کیا کہ گویا وہ نئی صدی کا ہٹلر ہے۔ تاہم بش انتظامیہ نے کبھی بھی اس امر کی وضاحت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر عراق اور صدام حسین دہشت گردی پھیلانے کے ذمہ دار ہیں تو کب؟ کس کے خلاف؟ اس دہشت گردی کا مقصد کیا تھا نیز یہ کتنی تباہ کن تھی؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب بش انتظامیہ نے دینے کی زحمت گوارا نہ کی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ القاعدہ اور عراق۔ دونوں میں ذرہ بھر مماثلت کا شائبہ تک نہیں ہے۔ القاعدہ ایک موبائل تنظیم ہے جس کی مخصوص خطے میں نشاندہی ناممکن ہے۔ یہ خودکش حملہ آوروں کا ایسا گروہ ہے، جن کو جان کی بازی لگانے کے یا تو پیسے دیئے جاتے ہیں یا پھر وہ جذبہ شہادت سے سرشار ہوتے ہیں، دوسری جانب عراق ایک مخصوص خطے کا حامل ملک ہے یہی وجہ ہے کہ وہ معاشی اور سیاسی طور پر مضبوط ہے۔ دونوں کے تنظیمی ڈھانچے میں تضاد اس امر کی نفی کرتا ہے کہ عراق سے امریکہ یا اسرائیل کے مفادات کو خطرہ لاحق ہے۔ صدر بش نے عراق کے دہشت گردی میں ملوث ہونے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ''دہشت گردوں کے ساتھ تعلقات عراق کو اس قابل بنا سکتے ہیں کہ وہ امریکہ پر بنا کوئی ثبوت چھوڑے، حملہ کر سکے''۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محض شک کی بنیاد پر کسی پر حملہ کیا جا سکتا ہے؟ اپنے واہمہ کے باعث کسی اقتدار کا تختہ الٹ کر وہاں پر قبضہ کرنا جائز ہوتا ہے؟

میتھو پولاک اپنی کتاب تھریٹنگ اسٹورم میں ایک جگہ لکھتا ہے صدام نے دہشت گردوں کو کبھی بھی وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار نہیں دیئے کیونکہ وہ عالمی دہشت گردوں سے کنارہ کشی اختیار کرنا ہی مناسب سمجھتا تھا۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ ''صدام کے اندر مایوسی بڑھ رہی تھی کیونکہ ایران عراق جنگ کے باعث دہشت گردی کے خلاف اس کی پالیسی میں بہت بڑی تبدیلی رونما ہوئی تھی چونکہ اب وہ جدید عرب دنیا، امریکہ اور یورپ پر زیادہ تر انحصار کرتا تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے آپ کو عالمی دہشت گردوں سے فاصلہ پیدا کرنا شروع کر دیا'' میتھو پولاک

کی یہ کتاب اس امر کی تصدیق کرتی ہے کہ صدام حسین کے القاعدہ تو کیا کسی بھی قسم کے دہشت گردوں کے ساتھ تعلقات نہیں تھے اور اس حوالے سے اگر سی آئی اے کی خفیہ انکوائریوں کی رپورٹ دیکھی جائے۔ تب تو گویا اس کے جھوٹ پر مہر ثبت ہو جاتی ہے۔ 7 اکتوبر 2002ء کو سی آئی اے کے جاری کردہ بیان کے مطابق ''القاعدہ اور عراق کے درمیان ایک دہائی قبل اعلیٰ سطحی روابط کے ثبوت ملے ہیں۔ ایک دہائی قبل کے القاعدہ اور عراق کے مابین تعلقات ہرگز ہرگز حیران کن انکشاف نہ تھا۔ کیونکہ 80 کے عشرے میں القاعدہ نے امریکی زیر نگرانی افغانستان میں سوویت یونین کے خلاف جنگ کا آغاز کیا تھا۔ اس دور میں القاعدہ خطے میں نہایت فعال تھی، ایسے میں القاعدہ اور عراق کے مابین تعلقات کا انکشاف ناقابل یقین امر ہرگز نہیں تھا۔ تاہم سی آئی اے کے ڈائریکٹر جارج کینٹ کا یہ انکشاف دراصل وائٹ ہاؤس میں موجود جارج کینٹ آقا کی خواہش تھی۔ جسے انٹیلی جنس کے ذریعے قابل قبول بنا دیا گیا تھا۔

درحقیقت عراق پر القاعدہ کے ساتھ تعلقات کا الزام نہایت ہی بھونڈا اور وزن میں نہایت ہلکا تھا۔ کیونکہ سی آئی نے جہاں دس سال قبل کے ان تعلقات کا انکشاف کیا تھا وہیں یہ اعتراض بھی کیا تھا کہ 90 کی دہائی میں القاعدہ اور عراق کے مابین ملاقات کا ثبوت نہیں ملتا۔ کیا ماضی کے خوشگوار تعلقات حال میں جاری روابط کا ثبوت ہوتے ہیں؟ مگر صدر بش نے اس الزام کو امریکی قوم کے سامنے اس انداز میں پیش کیا اور القاعدہ کے تعلقات کا یوں ڈھنڈورا پیٹا کہ آخر کار کانگرس کو جنگ کیلئے ہزاروں بلین ڈالر کے بجٹ کی منظوری دیتے ہی بنی۔

صدر بش نے عراق میں کیمیکل اور بائیولوجیکل ہتھیاروں کی موجودگی کے حوالے سے بھی اپنی انٹیلی جنس کا سہارا لیا تھا۔ اگست 2003ء میں بلکہ ہر طرف عراق پر امریکی حملے کی خبریں گرم تھیں۔ لاس اینجلس ٹائمز نے ایک رپورٹ شائع کی جس نے پورے امریکہ تو کیا پوری دنیا میں کھلبلی مچادی اس خبر کی شہہ سرخی کچھ یوں تھی ''امریکہ نے اعتراف کیا ہے کہ عراقی اسلحہ کے حوالے سے اس کی خبریں غلط تھیں۔ تفصیلات کے مطابق انٹیلی جنس انتظامیہ جنگ کا جواز بننے والے تمام مواد کا دوبارہ جائزہ لے رہی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ صدام حسین کے ذرائع سے ملنے والی تمام معلومات بوگس تھیں۔ یہ رپورٹ امریکی انٹیلی جنس آفیشل جنہوں نے نام ظاہر کرنے سے انکار کیا تھا کی مہیا کردہ معلومات پر مبنی تھا۔ ٹائمز میں مصنف باپ ڈراگن نے اپنے ذرائع کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ ''ان کو امریکی انٹیلی جنس نے اتنی معلومات مہیا کی گئی تھیں کہ جس سے وہ یہ یقین کرلیں کہ عراق کا ایٹمی پروگرام جاری ہے۔ چونکہ انہوں نے ہتھیاروں کی موجودگی کا یقین کر لیا تھا لہٰذا انہیں مزید دھوکہ دینے کیلئے عراقیوں نے پولی کراف ٹیسٹ کر لیے۔ تاکہ ان کا یقین پختہ ہو جائے'' صدام اپنے ہتھیاروں کے ذریعے اہل مغرب کو دھوکہ میں مبتلا کرنا چاہتا تھا۔ مگر اندازے کی غلطی کے باعث پوری قوم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ دوسری جانب محترم کولن پاؤل صاحب بھی عراقی ذرائع سے ملنے والی معلومات پر تکیہ کر بیٹھے تھے۔

عراق میں ممکنہ ہتھیاروں سے متعلق تمام تر معلومات کا امریکی ذریعہ احمد جلابی تھا، ڈونلڈ فیلڈ ان کی ایجنسی او ایس پی اور جدت پسند تھنک ٹینکرز کا گروہ پی این اے سی یہ تمام کے تمام احمد جلابی پر بھروسہ کرتے تھے اور عراقی ہتھیاروں کے معاملے میں احمد جلابی کا اپنا ہی ایجنڈا تھا۔ وہ صدام حسین کو امریکہ کے زیر عتاب لاکر اقتدار پر اپنی گرفت مضبوط کرنا چاہتا تھا اور اسی کی مہیا کردہ معلومات کی بنا پر 30 مارچ 2003ء کو ڈونلڈ رمز فیلڈ نے صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے اپنی کامیابی کا یقین دلایا۔ انہوں نے کہا ''ہم جانتے ہیں کہ وہ (عراق کے بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے

والے ہتھیار) کہاں ہیں۔ وہ تکریت اور بغداد اس کے آس پاس مشرق مغرب اور شمال جنوب میں کہیں ہوسکتے ہیں۔ ان کا یہ بیان خود ان کی اپنی یقینی کیفیت کا مظہر ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ڈونلڈ رمزان فانو ہتھیاروں کے ٹھکانے سے واقف تھے تو پھر انہوں نے اقوام متحدہ کے اسلحہ انسپکٹروں کو ان کے مقام سے آگاہ کیوں نہ کیا۔ حالانکہ اقوام متحدہ اور آئی اے ای کے اسلحہ انسپکٹروں نے پہلے ہی اس امر کے خلاف شدید احتجاج کیا تھا کہ عراق کے اسلحہ کے بارے میں امریکہ اپنی انٹیلی جنس معلومات ہم سے شیئر نہیں کر رہا ہے۔

عراق کے کیمیکل اور بائیولوجیکل ہتھیاروں کے بارے میں دوسرا ذریعہ صدام حسین کا داماد حسین کامل تھا۔ کامل عراق سے 1995ء میں فرار ہوگیا تھا۔ اس نے امریکہ کو صدام حسین کے بائیولوجیکل ہتھیاروں کے بارے میں معلومات دیں اور کہا کہ 1991ء میں خلیج جنگ کے دوران عراق کے بائیولوجیکل ہتھیاروں کا پروگرام اتنا جدید تھا کہ جس کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا۔ کامل 1996ء میں اچانک عراق واپس چلا گیا جہاں وہ پُراسرار حالت میں مارا گیا، صدر بش نے 17 اکتوبر 2002ء کو کامل کی فراہم کردہ معلومات کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہوئے کہا کہ 1995ء میں عراق کی ملٹری انڈسٹریز کے سربراہ نے بتایا ہے کہ عراق کے پاس 30,000 لٹر سے زائد انتھراکس اور دیگر بائیولوجیکل ہتھیار ہیں۔ تاہم انسپکٹروں کا خیال ہے کہ عراق نے مذکورہ مقدار سے دوگنا یا چارگنا زائد انتھراکس تیار کی ہے۔ پاؤل نے بھی صدر بش کی طرح آدھا سچ اور آدھے جھوٹ کی آمیزش کرتے ہوئے کہا۔

عراق نے 4 ٹن سے زائد مہلک دوا وی ایکس تیار کی ہے۔ واضح رہے کہ انسانی جلد پر وی ایکس کا ایک قطرہ گرنے سے انسان کی چند لمحوں میں موت واقع ہوجاتی ہے۔ کولن پاؤل نے بھی مذکورہ معلومات کو صدام حسین کے مرحوم داماد کی جانب منسوب کیا۔ تاہم جس اہم پہلو کو صدر بش اور کولن پاؤل نے یکسر فراموش کردیا وہ یہ کہ کامل نے یہ بھی کہا تھا خلیج جنگ کے بعد صدام حسین نے ان تمام ہتھیاروں کو ضائع کردیا تھا''۔ نیوز ویک کے اس انکشاف کے بعد سی آئی اے کے ترجمان نے اس کی تردید کرتے ہوئے ''غلط، بوگس، جھوٹ، قرار دیا۔ مگر دو دن بعد ہی ''فیر'' نامی جریدے نے کامل کا مذکورہ بیان جس کو اقوام متحدہ کے انسپکٹروں کی مدد سے حاصل کیا گیا تھا، من وعن شائع کردیا۔ تاہم صدر بش اپنے اس بے بنیاد موقف پر سختی سے قائم رہے بعدازاں عراق سے ملنے والے دو ٹرکوں کو بطور موبائل لیب، دنیا کے سامنے پیش کیا گیا۔ تاہم صدر بش دنیا کے سامنے ان ٹرکوں کو پیش کرتے ہوئے یہ بھول گئے کہ نہ تو ان ٹرکوں میں کیمیکل یا بائیولوجیکل ہتھیار برآمد ہوئے ہیں دوسری جانب ماہرین اسلحہ نے بھی اس خیال کو مسترد کردیا کہ اس قسم کے ٹرکوں کو ان مقاصد کیلئے بنایا گیا ہے۔ مزید برآں ان ٹرکوں کی موجودگی اس امر کا نا کافی ثبوت ہے کہ ان میں ہتھیار رکھے گئے یا بنائے گئے۔ دوسری جانب یہ خاصی دلچسپ بات ہے کہ ہزاروں میل دور واقع امریکہ کو ایک ٹریلر سے خطرہ ہے۔ بعدازاں ڈیفنس انٹیلی جنس ایجنسی، اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے اسلحہ انسپکٹر اور برطانوی ایجنسی کے ماہرین نے تصدیق کی کہ ان ٹریلروں کو ان ہی مقاصد کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ عراق نے بیان کیا تھا۔ واضح رہے کہ عراق نے ان ٹرکوں کی موجودگی کے بارے میں کہا تھا کہ موسم کا حال جاننے والے غباروں کیلئے ہائیڈروجن تیار کی جاتی ہے اور یوں بالآخر صدر بش کا کیمیائی ہتھیاروں کا بہانہ بھی مبنی بر دروغ ثابت ہوا۔ تاہم بش کی اہمیت کو داد دینی چاہیئے کہ جن امور کی نفی پورا میڈیا کرتا رہا۔ صدر بش لگاتار اور بار بار انہی امور کی بنیاد پر عراق

جنگ کا جواز فراہم کرتے رہے۔اس سلسلے میں صدر بش نے تیسرا جھوٹ نیوکلیائی ہتھیاروں کی موجودگی کے متعلق بولا اس سلسلے میں 28 جنوری کو خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ

''برطانوی حکومت کے علم میں آیا ہے کہ صدام حسین نے حال ہی میں افریقہ سے یورینیم کی بہت بڑی مقدار حاصل کی ہے''۔

عراق پر حملے کا جواز تلاش کرتے ہوئے سی آئی اے نے جوزف سی ولسن جو صدام سے ملاقات کرنے والے آخری امریکی سفیر تھے کو افریقہ روانہ کر دیا۔ جوزف کے افریقہ اور عرب ممالک میں کئی دہائیوں پر مشتمل سفارتی روابط تھے جن کے ذریعے جلد ہی اس نے پتہ لگا لیا کہ یورینیم کی افریقہ سے خرید کی خبر غلط ہے۔اس سلسلے میں جوزف نے سی آئی اے کو قواعد وضوابط کے تحت یورینیم خریداری کے غیر حقیقی ہونے سے متعلق بتا دیا۔ تاہم وہ 28 جنوری کو صدر بش کی تقریر بن کر سنانے میں آ گیا کہ جس میں انہوں نے کہا کہ عراق کی افریقہ سے یورینیم کی خریداری کے ثبوت ملے ہیں۔وائٹ ہاؤس اور سی آئی اے نے رپورٹ کو مسخ کر کے عوام کے سامنے پیش کیا۔تاہم صدر بش نے اس تقریر کے وقت اس پہلو کو بھلا دیا کہ جس قسم کی یورینیم کی خریداری کا عراق پر الزام لگایا جا رہا ہے۔وہ تو عراق کے پاس پہلے ہی موجود ہے اور اس جیسی مزید یورینیم کی خریداری بھلا نیوکلیائی ہتھیاروں کی تیاری کا ثبوت کیونکر ہو سکتی ہے۔ہتھیاروں کی تیاری کیلئے یورینیم کو جس عمل سے گزارا جائے گا اس کے لیے سینکڑوں گیس کے سنٹر فیوجز درکار ہونگے۔ان سنٹری فیوجز سے خارج ہونے والی گیس حدت اور گاما شعاعیں مختلف الیکٹرونک آلات کی مدد سے بڑی آسانی سے تلاش کی جا سکتی ہیں۔ دوسری جانب 24 جولائی 2003ء کو نائب امریکی صدر ڈک چینی نے جنگ کی حمایت کرتے ہوئے کہا ہمیں اپنی انٹیلی جنس کی صلاحیتوں پر بھرپور اعتماد ہے۔عراق کو اگر میزائل حاصل ہو گئے تو وہ بڑی آسانی سے نیوکلیائی ہتھیار بنا سکتا ہے۔ڈک چینی کے عراق سے وابستہ خطرے میں سب سے دلچسپ پہلو تو یہ ہے کہ نیوکلیائی ہتھیار بنانے کیلئے کوئی بھی ملک اگر میزائل کے حصول میں کامیاب ہو جائے تو وہ ہتھیار بنا سکتا ہے۔ جبکہ بین الاقوامی ایٹمی ایجنسی کے انسپکٹروں نے جنگ سے چند ماہ قبل معائنہ کے بعد اعلان کیا تھا کہ عراق کے پاس ابھی وہ سہولیات اور میزائل ہرگز نہیں جو نیوکلیائی ہتھیار بنانے کیلئے ضروری ہیں۔دوسری جانب ڈک چینی نے مذکورہ رپورٹ 6 ماہ قبل ہی تیار کر لی تھی بعد ازاں صدر بش نے المونیم......کی موجودگی کو بھی یورینیم کی افزودگی پر مہر ثبت کرنے کیلئے استعمال کیا۔حالانکہ المونیم کی ان ٹیوبس کی مدد سے یورینیم کی افزودگی ایک ناقابل عمل منصوبہ تھا۔تاہم المونیم ٹیوب کی موجودگی سے امریکہ کافی عرصے تک عرق میں ایٹمی ہتھیاروں کی موجودگی کا ڈرامہ چلانے میں کامیاب رہا۔

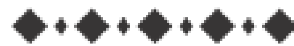
عراق پر حملہ کے سلسلے میں صدر بش نے جہاں ہتھیاروں کی موجودگی نیز القاعدہ سے تعلق کو بہانہ بنایا تھا۔وہیں اس جنگ کو آسان اور ''حلوہ'' بھی قرار دیا تھا۔

13 فروری 2002ء کو عراق پر حملے سے عین قبل ڈونلڈ رمزفیلڈ کے نائب کین ایڈمین نے کہا تھا ''میں یقین رکھتا ہوں کہ حسین کی ملٹری قوت کو ختم کرنا اور عراق کو آزاد کروانا بہت آسان ہوگا۔میں اس کے تین بہت آسان اور ٹھوس دلائل دیتا ہوں (1) پچھلی بار بھی عراق پر حملہ بہت آسان رہا تھا۔(2) وہ بہت کمزور ہو گئے ہیں۔(3) ہم بہت طاقتور ہو گئے ہیں۔

تاہم جنگ کے محض سات ماہ بعد صدر بش ان کی انتظامیہ جنگ کی موجودہ صورتحال اوراس کی موجودگی میں مستقبل کی صورت کا جائزہ لینے میں کامیاب ہوگئے ۔ جنگ کا حال اور مستقبل صرف اور صرف امریکہ کیلئے مایوسی پر مبنی تھا، بڑھتا ہوا تشدد، ناقابل یقین صورتحال اور امریکی فوجیوں کی ڈیڈ باڈیز پر کسی بھی شخص کی فرسٹریشن کیلئے بہت تھا۔ان تمام حالات کا انکشاف اس وقت ہوا جب عراق میں تعینات امریکی خاتون فوجی افسر نے ایک فلاحی تنظیم کو خط لکھا۔خط میں اس نے کہا کہ یہ کہا جاتا ہے کہ ہماری افواج کے حوصلے بہت بلند ہیں میں آپ کو بتاتی ہوں یہ سب جھوٹ ہے ان کے حوصلے بہت پست ہیں۔ سپاہی زندگی سے نفرت کرنے لگے ہیں اتنی زیادہ نفرت کہ سمجھوتے کے بجائے خودکشی کرنا پسند کرتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ صدر بش کو عراق جنگ کے آغاز میں رمزفیلڈ کے ڈاکٹرائن کی ناکامی کا اندازہ ہوگیا تھا۔کیونکہ وائٹ ہاؤس کی خواہشات کے برعکس نہ تو عراقی عوام نے آزادی کے حصول کیلئے امریکی افواج کا ساتھ دیا نہ ہی ان کو خوش آمدید کہا گیا۔الٹا امریکی فوجیوں کو فدائین کی جانب سے توقع سے زیادہ مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔البتہ بش انتظامیہ نے محض دو واقعات کی بنیاد پر اپنی جھوٹی فتح کا اعلان کردیا۔ان میں سے ایک تو صدام حسین کا مجسمہ گرانے کا عمل تھا۔دوسری جارج بش کی وہ تقریر، جس میں انہوں نے فتح کا اعلان کیا تھا۔صدر بش کو فتح کے اعلان کے چند دن بعد ہی جنگ میں صحیح معنوں میں اپنی پوزیشن کا احساس ہوگیا تھا کیونکہ جیسے وقت گزر رہا تھا۔تشدد مار دھاڑ اور لوٹ کے واقعات میں اضافہ ہو رہا تھا۔اس انارکی نے یہ واضح کردیا تھا کہ بش انتظامیہ کے بعد از جنگ کا منصوبہ ناکامی سے دوچار ہے۔سی این این کی رپورٹ کے مطابق یکم مئی سے 26 اگست تک امریکی فوجیوں کی ہلاکتوں کی تعداد 139 تھی ۔واضح رہے کہ یکم مئی وہ دن تھا جب صدر بش نے اپنی فتح کا اعلان کیا اور 24 مارچ تک ہلاکتوں کی تعداد بڑھ کر 341 ہوگئی اس قدر بڑی تعداد میں ہلاکتیں اس امر کی وضاحت کیلئے کافی ہیں کہ عراق جنگ ہرگز اتنی آسان نہ تھی ۔ جتنا کہ اسے امریکہ سمجھ رہا تھا۔اندازے کی یہی غلطی امریکہ کو لے بیٹھی ۔ کیونکہ اپنے چوتھے جھوٹ کی بنیاد پر امریکہ نے پانچواں جھوٹ یہ بولا تھا کہ عراق کو دنیا کیلئے جمہوریت کا ایک نمونہ بنادینگے ۔صدر بش نے 7 اکتوبر 2002ء کو کہا ’’اگر فوجی ایکشن ضروری ہوا تو امریکہ اور اس کے اتحادی عراق کو اپنی معیشت کی دوبارہ بحالی اور آزادی کی حفاظت میں مدد فراہم کرینگے تاکہ ایک امن پسند عراق دوسرے ممالک کے درمیان سر ابھار سکے اور آج اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی نہ تو عراق میں جمہوریت کی بحالی کا عمل مکمل ہوسکا ہے نا ہی عراق جنگ اتنی آسان ثابت ہوئی ہے جیسا کہ صدر بش نے کیا تھا۔

یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ بش جونیئر نے ہم سے جھوٹ بولا۔ہٹلر نے کہا تھا کہ جھوٹ کو اس طرح بولو لگاتار بولو کہ اس پر سچ کا گمان ہونے لگے، صدر بش اور پورے وائٹ ہاؤس نے بھی اسی مشہور مقولے پر عمل کرتے ہوئے جھوٹ بولا اور لگاتار بولا مگر وائے قسمت کہ حقائق ہیں کہ ہر طرف سے ہی سر اٹھا رہے ہیں اور بش کے فریب کا پردہ چاک ہو رہا ہے۔

بشکریہ (ملیحہ ہاشمی)



جھوٹا بش۔ ہمارے بچوں کا قاتل

مسلم دشمنی میں سرتاپا غرق امریکی صدر بش' ان کے حواری ٹونی بلیئر بے شمار جلب کے مزدور حکمرانوں نے اسرائیلی مفادات کے تحفظ کی خاطر دشت عراق پر اپنے مکروہ پنجے گاڑے تو کون جانتا تھا کہ کرب و بلا کی سرزمین ایسی بے مثال مزاحمت کی تاریخ رقم کرے گی جو اپنی مثال آپ بن جائے۔ فرعون کے لہجہ میں بات کہنے کی عادی قصر ابیض کے روسیاہ کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا کہ انبیاء اور اولیاء کے مدفن کا اعزاز رکھنے والی دھرتی ایسے ایسے جری مجاہد پیدا کرے گی کہ جس کے سامنے دنیا کی سپر طاقت کی ساری سطوت' سارا غرور اور ساری قوت ششدر رہ جائے گی۔ شہر خاموشاں بنے بغداد میں ہنستے' مسکراتے' ناچتے' گاتے اور ٹھٹھہ اڑاتے ہوئے داخل ہونے والے امریکی ٹڈی دل کے دستے تو سمجھے تھے کہ کھیل ختم ہو چکا۔ عراق کے تیل کے چشمے اور عراقی عوام کے جسم ان کے قبضہ میں آچکے ہیں۔ لیکن ان کا یہ دعویٰ خیال است محال است و جنوں است کی زندہ تصویر بن کر رہ گیا۔

ابتداء میں بندگان صحرائی نے دھیمے سروں میں مزاحمت کا آغاز کیا۔ وہ آندھی اور طوفان کی طرح نہ اٹھے بلکہ لمبی دوڑ کے گھوڑے کی طرح نپے تلے قدموں سے' چھوٹے چھوٹے مگر مضبوط قدم اٹھاتے ہوئے جو تحریک اٹھی وہ اتنی دھیمی تھی کہ قصر ابیض کا فرعون اندازہ نہ لگا سکا اور فتح کا اعلان کر ڈالا۔ اصل جنگ تو اس کے بعد شروع ہوئی۔ جب شیعہ مسلمانوں کی بستیوں کے تحفظ کی خاطر سنی اور سنیوں کے مراکز کی پاسبانی کو مقتدر الصدر جیسا شیعہ نوجوان آگے بڑھا' اسلام کے ان دو بازوؤں نے مل کر باطل کے گرد شکنجہ کسا تو سارے کس بل نکل کر رہ گئے۔ بغداد سے نیویارک تک تابوتوں کی لائن لگی۔ زخمیوں سے ہسپتال بھر گئے۔ تابوت چھپائے جانے لگے' لیکن جب تقدیر تدبیر کو زیر کرنے پر تل جائے تو کون روک سکتا ہے۔ امریکی قوم میں سے ہی ایک نازک سی لڑکی لاشوں کی قطاریں دیکھ کر بے قابو ہوئی اور اس کے توسط سے امریکی قوم اپنے پیاروں کی لاشوں سے آشنا ہوئی۔ ایک کہرام ہی تو مچ کر رہ گیا۔

مضبوط قدموں پر کھڑا فرعون زلزلوں کی زد میں آ گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ تابوت اس کی قوت کے لئے قابل برداشت نہیں' اگر یہ لاشوں کے بکے ایک تواتر سے آتے رہے اور ان کی تشہیر ہوتی رہی تو قصر ابیض کا تمام تر تہور از خود تابوت کی نذر ہو جائے گا۔

یہ سب اس باعث تھا کہ بش جونیئر اپنی قوم سے آگاہ تھا۔ جانتا تھا کہ ٹھگوں کا ٹولہ لوٹ مار میں خوش تو رہتا ہے لیکن جب اپنی جان پر بن آئے' جب اپنے پیاروں کو گولی چاٹنے آئے۔ ان کیلئے ناقابلِ برداشت ہو جاتا ہے۔ ویت نام کا تجربہ گواہ ہے کہ کس طرح امریکی قوم اپنی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی اور بالآخر امریکی انتظامیہ کو میدان جنگ سے دم دبا کر بھاگنا پڑا اس انجام سے بچنے کی خاطر قصر ابیض کے روسیاہ نے دو راستے اختیار کیے۔ ایک تو یہ کہ تابوتوں کی تصاویر پر قدغن لگا دی دوسرے یہ کہ عراق میں فرعونیت بڑھا دی۔ امریکی فوج کے ساتھ ساتھ مقامی طور پر

دستیاب ضمیر فروشوں کو شقاوت قلبی کی تربیت دے کر میدان کارزار میں اتارا اور ساتھ ساتھ عرب نژاد اسرائیلی یہودیوں کو میدان میں جھونکا جو انسانیت کی تذلیل کا تجربہ رکھتے تھے۔ اس شطانیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ پورا عراق ٹارچر سیل میں بدل گیا۔ گرفتاری اور قید کے بجائے سر عام سڑکوں پر بستیوں میں لوگوں پر انسانیت سوز مظالم کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ ایسا گھٹیا سلسلہ' جس کی مثال نہیں ملتی۔

امریکی گماشتے عراق میں انسانیت کا کس طرح سے مذاق اڑا رہے ہیں۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بی بی سی نیوز سے وابستہ صحافی رچرڈ گالین نے بغداد میں رہ کر جو کچھ دیکھا اسے اپنے قلم سے رقم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امریکی حمایت اور تربیت یافتہ عراق/ بغداد پولیس کے اہلکار شقاوت کی انتہا کو پہنچ گئے ہیں ان پر بغداد کے عام افراد اور شہریوں کو حراست اور گرفتاری کے بعد اچانک اور بہیمانہ موت کے الزامات تواتر کے ساتھ لگائے جا رہے ہیں۔ جن افراد کے خلاف جرائم کے الزامات موجود ہیں ان کی بھی ہلاکتیں ہو رہی ہیں۔ رچرڈ گالین کے بقول بغداد کے عام افراد کا کہنا ہے کہ یہ سب عراقی پولیس کا کام ہے جو امریکی چھتری کے تلے دھڑلے سے کام کر رہی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

''بغداد کے ایک بہادر نوجوان نے ایک پریس کانفرنس کے ذریعے عراقی پولیس کے مظالم کو اُجاگر کیا ہے یہ نوجوان ضحیٰ عدنان صالح ہے۔ ضحیٰ عدنان صالح نے اپنی پریس کانفرنس میں صحافیوں کو بتایا کہ (جولائی) کے شروع میں اس کو اور اس کے 9 رشتہ داروں کو ان کے گھروں سے گرفتار کیا گیا۔ پھر انہیں عراقی پولیس کے ایک انٹروگیشن سینٹر میں لے جایا گیا جہاں سخت گیر پولیس افسران نے انہیں سخت تشدد کا نشانہ بنایا۔ آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر ہمارے ہاتھ پشت کی طرف کر کے چرمی بیلٹوں سے کس دیئے گئے پھر انہوں نے ہمیں زدوکوب کرنا شروع کر دیا۔ وہ ہماری تکلیف اور چیخ و پکار سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ کوئی آدھے گھنٹے تک مسلسل تشدد سے ہم بے ہوش ہو گئے۔ تب انہوں نے مارنا پیٹنا بند کیا۔ جب ہمیں ہوش آیا تو ہم ایک فولادی کنٹینرز میں بند تھے جس میں ہوا وغیرہ کا کوئی انتظام نہ تھا' یہ شام کا وقت تھا شاید عصر کے بعد کا۔ سانس لینے میں انتہائی دشواری ہو رہی تھی خود میرے سینے میں بھی شدید تکلیف تھی مار پیٹ کے نشانات اور کئی اعضاء پر خون جمنے کے نشانات بڑے واضح تھے۔ اس دوران میرے ساتھیوں میں سے 3 مر چکے تھے میں نے نقاہت کے باوجود ان کو ہلا جلا کر دیکھا تو وہ مر چکے تھے۔ جبکہ باقی بے ہوش تھے۔ صبح جب پولیس کمانڈوز اور گارڈ آئے تو میرے علاوہ 3 افراد زندہ تھے یعنی کل چار افراد زندہ تھے بقیہ پانچوں افراد تڑپ تڑپ کر ہلاک ہو چکے تھے۔

بی بی سی کے نامہ نگار مقیم بغداد رچرڈ گالین نے اس موقع پر زخمیوں سے بات چیت کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن یہ درخواست حقارت کے ساتھ رد کر دی گئی اور صحافی کو کلاشنکوف کی نوک پر دور کر دیا گیا۔ ڈاکٹر نے رچرڈ کو بتایا کہ ضحیٰ کو جسمانی تشدد کے علاوہ الیکٹرک شاک بھی دیئے گئے جس سے اس کی زندگی کو سخت خطرات لاحق ہیں جبکہ ضحیٰ کے کئی اعضا پر خون جم چکا ہے۔

بغداد میں مقیم اکثر صحافیوں کی متفقہ رائے ہے کہ ایسے واقعات روزانہ وقوع پذیر ہو رہے ہیں اور ان واقعات میں امریکی فوج ملوث ہے۔ جو عام افراد پر مزاحمت کار ہونے یا ان کی حمایت کرنے کا الزام لگا کر انہیں گرفتار کرتے ہیں اور پھر تشدد کے ذریعے انہیں قتل کرتے ہیں۔ ایسے ہی کئی واقعات میں اہلکاروں نے عام شہریوں کو قتل کر کے ان کی لاشیں سڑکوں پر پھینک دی ہیں۔ جبکہ ان کی ہلاکت کا الزام مزاحمت کاروں پر لگایا جاتا ہے۔ رچرڈ گالین نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ جب پولیس اہلکار نوجوان کو الزام لگا کر حراست میں لیتے ہیں تو وہ ایک عام شہری ہوتا ہے لیکن

جب اس کی لاش کسی گلی یا سڑک پر نظر آتی ہے تو وہ دہشت گرد یا مزاحمت کار قرار دیا گیا ہے۔ بعد میں تحقیق ہوتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ مقتول ایک عام شہری تھا۔ انٹروگیشن کے دوران پولیس اہلکار جنونی ہوتے ہیں وہ قیدیوں پر تشدد کے تمام حربے استعمال کرتے ہیں ان میں ڈنڈوں اور آہنی سلاخوں سے مارنا پیٹنا' ناخن کو پلاس کے ذریعے کھینچنا' جسم میں ڈرل کرنا' نازک اعضاء پر کیمیکل لگانا' الیکٹرک شاک دینا اور آہنی کنٹینرز میں بند کر دینا جیسے افعال شامل ہیں۔ ٹارچر کے حربوں میں سب سے بھیانک اور خطرناک حربہ ''ڈرل'' ہے جو عراقی پولیس سرعام استعمال کر رہی ہے لیکن پولیس اہلکار اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ اس دوران کوئی فوٹو گرافر یا صحافی اپنے کیمروں کی آنکھ سے اس منظر کو قید نہ کر لے۔

24 جولائی کو بغداد میں درجنوں شہریوں نے نماز جمعہ کے بعد مقامی مسجد کے باہر عراقی شہریوں کے خلاف امریکی تربیت یافتہ پولیس اہلکاروں کی زیادتی' ظلم اور بہیمت کے خلاف ایک مظاہرہ کیا۔ اس مظاہرے پر پولیس کے مسلح افراد نے حملہ کر دیا ان مسلح اہلکاروں کے پاس بیٹری سے چلنے والی امریکی ساختہ ''ڈرل'' مشینیں اور پلاس موجود تھے۔ جن کے ذریعے انہوں نے کئی مظاہرین کو سخت لہولہان کر دیا پولیس اہلکاروں نے انتہا درجے کی بے رحمی اور شقاوت کا مظاہرہ کر کے کئی نمازیوں کے کولہوں' رانوں اور بازوؤں میں ڈرل مشین سے سوراخ کر دیئے جبکہ کئی نمازیوں اور نو عمر افراد کے ناخن پلاس سے کھینچ کر انہیں شدید زخمی کر دیا۔ اس موقع پر ایک مسلمان نوجوان نے اپنے چھوٹے سے کیمرے سے دو تصاویر اتار لیں۔

واضح رہے کہ ہیومن رائٹس واچ نے عراق میں پولیس کے تشدد کی تفصیلات میں تحریر کیا ہے کہ پولیس اہلکاروں کی طرف سے قید افراد کو اُلٹا لٹکا کر تشدد کرنا' تار کے ذریعے باندھ کر مارنا' الیکٹرک شاکس دینا اور حساس اعضائے جسمانی کو تکلیف پہنچانا ایک عام معمول بن چکا ہے۔ بغداد کی مسلم تنظیم' مسلم اسکالرز آرگنائزیشن نے بی بی سی کو ایک ویڈیو ٹیپ دی ہے جس میں قیدیوں کی کہنیوں' رانوں اور دیگر اعضاء پر ڈرل کرنے کے مناظر موجود تھے۔ اس ویڈیو کے بعض مناظر میں پولیس تشدد سے ہلاک افراد پر غسل کے دوران زخموں کی نشاندہی کی گئی تھی جن سے خون بہہ رہا تھا۔ کیمرے کی آنکھ نے صاف صاف دکھایا کہ اعضائے انسانی پر ڈرل کے نشانات موجود تھے۔

حقوق انسانی تنظیم کے ایک رہنما اور بغداد میں مقیم وکیل سلمان الفراجی نے زور دے کر کہا کہ معصوم شہریوں کی گرفتاری' تشدد اور خصوصاً ڈرل کا استعمال' عراقی پولیس کا عمومی رویہ بن چکا ہے۔ اس کے علاوہ ہاتھ پیروں کی ہڈیوں کا توڑنا' دانتوں کو توڑنا ایک عام سی بات ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ وزارت داخلہ کے اندرونی ذرائع کا کہنا ہے کہ وہی کچھ ہوگا جو پولیس چاہے گی کیونکہ یہ پولیس امریکی فوج کی تربیت کردہ ہے اس قسم کے کئی واقعات پر امریکی اور برطانوی اعلیٰ فوجی حکام کی توجہ مبذول کرانے کے باوجود کسی قسم کا کوئی مثبت ردعمل سامنے نہیں آیا ہے۔ جس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی پولیس کے تشدد پر آشیرواد کس حد تک پہنچ چکی ہے۔ عام افراد کے ساتھ پولیس کے بڑھتے ہوئے مظالم نے بغداد کے شہریوں کو برانگیختہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ جس کی بنا پر مظاہروں کی تعداد بڑھ رہی ہے یہی وجہ ہے کہ عراقی پولیس اہلکار مزاحمت سے بچنے کیلئے ماسک لگا کر اپنی ذمہ داریاں انجام دیتے ہیں ان کو خطرہ ہے کہ اگر وہ کسی مرحلے پر پہچان لئے گئے تو ایک طرف مزاحمت کاروں کے ہاتھوں نہ بچ سکیں گے تو دوسری طرف وہ جن گرفتار شہریوں پر تشدد کرتے ہیں۔ ان کی ہلاکت یا معذوری کی صورت میں وہ یا ان کے اہل خانہ کو انتقام کا نشانہ نہ بنا سکیں۔

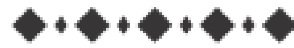
صلیبی فوج کی اس وحشیانہ پالیسی نے مہمیز کا کام کیا ہے اور عام عراقی شہری بھی مجاہدین کا معاون و مددگار ہو چکا ہے۔ جس کے سبب امریکیوں

کی ہلاکتوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے اور وہ وقت قریب ہے جب امریکیوں کے پاس فرار یا موت کے سوا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔

اس وقت صورتحال یہ ہے کہ عراق میں تشدد اپنا منفی رنگ دکھا رہا ہے اور امریکہ کے اندر تابوتوں کی تصاویر کی اشاعت پر لگائی پابندی' ایک امریکی پروفیسر رالف بیگلیٹر کی طرف سے دائر کردہ مقدمہ میں امریکی عدالت سے مسترد ہو چکی ہے۔ بلکہ امریکی حکومت کو پابند بنا دیا گیا ہے کہ وہ مرنے والے امریکیوں کی آخری رسومات سمیت تمام تفصیلات سے سب کو آگاہ کرے' اس ذلت آمیز عدالتی شکست کے بعد پینٹا گون کو ایک ہفتہ میں 7 سو تصاویر جاری کرنا پڑیں جن کا تعلق افغانستان اور عراق میں مرنے والے فوجیوں کی آخری رسومات سے تھا۔ ان تصاویر میں آخری رسومات دکھائی گئی ہیں اور دکھایا گیا ہے کہ مرنے والے ان امریکی فوجیوں کو بینڈ باجے اور دعائیہ کلمات کے ساتھ امریکی بحریہ کے جہازوں سے سمندر برد کر دیا جاتا ہے۔ سینکڑوں فوجی جن کو لاپتہ ظاہر کیا گیا ہے۔ حقیقت میں سمندر کی مچھلیاں ان کے گوشت سے شکم سیری کر چکی ہیں یا ان کے لاشے فولادی صندقوں میں بند سمندر کی تہہ میں پڑے ہیں۔

یہ تصاویر منظر عام پر آتے ہی وہی ہوا جس کا وائٹ ہاؤس کو خوف تھا کہ جنگ میں مارے جانے والے امریکی فوجیوں کی مائیں متحد ہو کر میدان میں نکل آئیں۔ انہوں نے اتوار کے روز ٹیکساس میں بش کے فارم ہاؤس کے باہر احتجاجی مظاہرہ کیا۔ یہ خواتین نفرتیں بیج رہی تھیں کہ بش نے جن ہتھیاروں اور مظالم کا بہانہ کر کے فوج عراق بھیجی وہ صاف جھوٹ تھا اب امریکی فوجیوں کو واپس بلایا جائے۔'' ایک نے کہا میرا بیٹا کسمپرسی کی حالت میں مارا گیا' بش جنگ کے بارے میں جھوٹ بولتا ہے۔ اس احتجاجی مظاہرہ کے موقع پر بش کی سیکورٹی کونسل کے ایڈوائزر نے مظاہرین سے ملاقاتیں بھی کیں لیکن ان کا غصہ کم کرنے میں ناکام رہے۔ مظاہرین جن کی قیادت ایک مقتول فوجی کی ماں کر رہی تھی' ہمارے بچوں کا قاتل بش جھوٹا کے نعرے لگا رہی تھیں' مظاہرین کی قیادت کرنے والی خاتون شیہان نے بتایا کہ امریکی انٹیلی جنس نے ان مظاہرین کو ہراساں کیا اور دھمکی دی کہ اگر وہ باز نہ آئے تو ان کے اوپر گاڑیاں چڑھا دی جائیں گی۔ لیکن 20 سے زائد گاڑیوں میں بھر کر آنے والے مظاہرین پیچھے نہ ہٹے۔

بش قاتل کے نعرے لگانے والے امریکی فوجیوں کے ورثاء دراصل بارش کا پہلا قطرہ ہے۔ اب صرف عالم اسلام سے ہی نہیں نیویارک اور واشنگٹن سے بھی قاتل قاتل بش قاتل کے نعرے بلند ہونے لگے ہیں اور گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ان کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی جارہی ہے اور وہ وقت دور نہیں جب زمین کے اس فرعون کو قصر ابیض بھی پناہ نہیں دے گا۔ اس کا تعاقب کرنے والے کوئی اور نہیں بلکہ ہلاک شدہ امریکیوں کی مائیں ہونگی۔



2020ء تک امریکا ٹوٹ سکتا ہے؟

امریکہ کی خفیہ ایجنسی سی آئی اے دنیا کی سب سے بڑی انٹیلی جنس ایجنسی ہے۔ اس کے دو بڑے شعبہ ہیں۔ عمل (آپریشنز) اور تحقیق (ریسرچ)۔ آپریشنز ونگ دنیا بھر میں امریکا کا اثر ورسوخ قائم رکھتی ہے۔ یہ ونگ اثر ورسوخ قائم رکھنے کے لئے کسی بھی حد تک جا سکتی ہے۔ دنیا میں آپریشنز ونگ کے لگ بھگ 1200 خفیہ ایجنسی دفاتر اور 40 ہزار کارکن ہیں۔ یہ کارکن اور دفاتر دنیا بھر کے ممالک کی صورتحال پر نظر رکھتے ہیں۔ یہ امریکا کی بالادستی قائم رکھنے کے لئے ایسی حکومتیں بناتے ہیں جو امریکا کا حکم بجالاتی ہیں جو ان کے مفادات کی حفاظت کرتی ہیں۔ یہ حکومتوں کو گرانے محب وطن رہنماؤں کو بدنام کرنے انہیں رشوت دینے یا پھر قتل کرنے کا کام بھی کرتی ہیں۔ یہ ونگ امریکا کی نظر میں اہم ممالک میں اپنی لابی اور رہنما بھی پیدا کرتی ہے۔ وہاں اپنی پسند کے بزنس مین' صنعتکار' سیاستدان' کھلاڑی اور رہنما بھی پیدا کرتی ہے اس کے برعکس ریسرچ ونگ کا کام دنیا میں ہونے والی تبدیلیوں پر نظر رکھنا اور مستقبل میں پیش آنے والے خطرات کا جائزہ لینا ہوتا ہے۔ اس ونگ نے اس کام کیلئے امریکا کے اندر اور امریکا کے باہر ہزاروں محقق' ماہرین اور تھنک ٹینکس کی خدمات حاصل کر رکھی ہیں۔ یہ لوگ تحقیق کے بعد اپنی رپورٹیں سی آئی اے ہیڈ کوارٹر بھجوا دیتے ہیں۔ یہ رپورٹیں سی آئی اے کے سنٹرل ٹیبل پر جمع ہوتی ہیں بعد ازاں ان کی بنیاد پر سی آئی اے کے اعلیٰ دماغ والے ایک سال' پانچ سال اور پندرہ سال کی پالیسیاں بناتے ہیں۔ سی آئی اے کی ریسرچ ونگ نے کچھ عرصہ پہلے ''گلوبل ٹرینڈ 2020ء'' کے نام سے ایک ایسی ہی رپورٹ تیار کی ہے اس رپورٹ میں یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ 2020ء تک دنیا کی صورتحال کیا ہوگی؟ اس رپورٹ میں 2020ء میں ہونے والے سیاسی' سماجی' اقتصادی اور مذہبی تبدیلیوں کی نشاندہی کی گئی' یہ رپورٹ پوری دنیا کیلئے چشم کشا ہے۔

''گلوبل ٹرینڈ 2020ء'' کے دو حصے ہیں پہلے حصے کو ہم معاشی باب کہہ سکتے ہیں۔ اس باب کے مطابق 2020ء تک چین اور ہندوستان دنیا کی سب سے بڑی اقتصادی طاقت بن جائیں گے۔ آپ ان ممالک کی ترقی کا اندازہ یوں لگائیے کہ جس طرح مبصرین 19 ویں صدی کو جرمنی اور 20 ویں صدی کو امریکا کی صدی کہتے تھے بالکل اسی طرح 21 ویں صدی چین اور ہندوستان کی ہوگی۔ رپورٹ کے مطابق جاپان کو چین کی بڑھتی ہوئی اقتصادی طاقت سے بہت سی مشکلات پیش آئیں گی۔ جنوبی امریکا سے برازیل اور جنوب مشرقی ایشیاء سے انڈونیشیا بڑی طاقتیں بن کر اُبھری ہیں۔ یورپ ایک بڑی مارکیٹ' واحد سنگل کرنسی' بہترین کارکن (ورک فورس) مضبوط جمہوری حکومتیں اور ایک بڑا تجارتی بلاک ہونے کی وجہ سے

ایک مضبوط طاقت بن کر سامنے آئے گا۔ اس کا نقصان امریکا کو ہوگا۔ لہٰذا امریکا کو ابھی سے اس خطرے کی پیش بندی کرنا ہوگی۔

گلوبل ٹرینڈ 2020 رپورٹ کا دوسرا حصہ مسلمانوں اور اسلامی حکومتوں سے متعلق ہے۔ اس حصے میں انکشاف کیا گیا ہے کہ 2020 تک دنیا میں اسلامی ممالک کا اثر و رسوخ بڑھ جائیگا۔ اس کا بھی امکان ہے کہ ساری اسلامی دنیا یورپ کی طرح بلاک بنانے میں کامیاب ہوجائے۔ ان ''خطرناک اسلامی ممالک'' میں جنوب مشرقی ایشیاء' سنٹرل اور جنوبی یورپ کے ممالک شامل ہیں۔ موجودہ حالات میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ آنے والے دور میں مسلمانوں کی آپس میں یکجہتی اور اتحاد بڑھنا شروع ہوجائیگا اور وہ فلسطین' چیچنیا' عراق' کشمیر اور جنوبی تھائی لینڈ میں جاری آزادی تحریکوں کی مدد کرنا شروع کردینگے۔ اس رپورٹ میں یہ خدشہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ 2020 تک اسلامی دہشت گردی ختم نہیں ہوسکے گی بلکہ اس میں اضافہ ہوگا اور القاعدہ کے طرز کی کئی نئی جماعتیں پیدا ہونگی جو امریکا کو چیلنج کریں گی' جن سے مستقبل میں امریکا کی سیاست کو خطرات پیش آئینگے۔ اس رپورٹ میں یہ خطرہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ آنے والے 15 برسوں میں اسلامی دہشت گرد تنظیمیں جوہری' کیمیائی اور حیاتیاتی ہتھیار حاصل کرلیں گی جس کے نتیجہ میں امریکا اور یورپ کے کروڑوں لوگ ہلاک ہوسکتے ہیں۔ ان کے علاوہ مشرق وسطیٰ کے ممالک بھی خطرات کے باعث ایٹمی ہتھیاروں کے حصول کی دوڑ میں شریک ہوجائیں گے۔ 2020ء تک گیس اور تیل کی ضرورت میں 50 فیصد اضافہ ہوجائیگا۔ اب تک تیل اور گیس کے تمام بڑے ذخائر اسلامی دنیا کے پاس ہیں۔ یہ ذخائر آنے والے وقتوں میں مغربی دنیا بالخصوص امریکا کی اقتصادی زندگی کیلئے خطرہ بن سکتے ہیں۔ سی آئی اے کے گلوبل ٹرینڈ 2020ء رپورٹ میں مسلمانوں کے بارے میں ایک نئی خلافت کا نظریہ پیش کرتی ہے۔ اس خلافت میں دنیا کے تمام مسلمانوں' اسلامی ممالک اور اسلامی دہشت گرد تنظیمیں جمع ہوجائینگی اور مل کر مغربی ثقافت اور مغربی اقدار کیلئے چیلنج بن جائیں گی۔

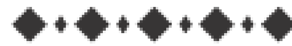
سی آئی اے کی اس رپورٹ کے آخر میں امریکی دانشوروں' ارباب بست و کشاد اور پالیسی سازوں کو بڑے دلچسپ مشورے دیئے گئے ہیں۔ انہیں بتایا گیا ہے کہ اگر امریکا 2020 کے خطرات سے بچنا چاہتا ہے؟ اگر وہ دنیا کو معاشی طور پر غلام رکھنا چاہتا ہے تو اسے چین اور ہندوستان کے معاملے میں چند اقدامات کرنے ہونگے۔ ان اقدامات میں امریکا کو سب سے پہلے ہندوستان کی معاشی مشینری کا تعاون کرنا چاہئے۔ امریکا کی اس معاونت کے نتیجہ میں چین کی انڈسٹری پر برے اثرات پڑینگے۔ جب ہندوستان معاشی طور پر چین سے آگے نکل جائے تو سنٹرل ایشیاء کے کسی ملک کو اس کے مقابلے میں کھڑا کردیا جائے اور ہندوستان کے ساتھ بھی وہی کچھ کیا جائے جو چین کے ساتھ ہوگا۔ رہے ملائشیا اور انڈونیشیا جیسے اسلامی ممالک تو وہاں کسی نہ کسی طرح مذہبی منافرت پھیلادی جائے۔ وہاں کے مسلمانوں کو تفرقہ بازی اور اختلافات کا شکار کردیا جائے' ان حالات اور تفرقہ بازیوں کے نتیجہ میں ان ممالک کی ترقی بھی رک جائیگی یہ ممالک بھی ڈھلوان پر پیچھے کی طرف پھسلنا شروع کردینگے۔

رپورٹ میں مشورہ دیا گیا ہے کہ اسلامی بنیاد پرستی مستقبل میں یورپ اور امریکا کیلئے انتہائی خطرناک ثابت ہوگی۔ لہٰذا اس کے تدارک کیلئے ابھی سے کوئی جامع پالیسی بنانی ہوگی۔ امریکا کو چاہئے کہ وہ تمام اسلامی ممالک کو لبرل بنائے' ان ممالک میں ڈسکو کلب' شراب خانے اور جوئے خانے کھولے جائیں۔ مخلوط تعلیم کو قانونی شکل دی جائے۔ تمام سرکاری اور غیرسرکاری دفتروں میں خواتین کی تعداد بڑھائی جائے۔ مانع حمل ادویہ کا استعمال بڑھایا جائے۔ بچوں کو اسکولوں میں جنسی تعلیم دی جائے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر ایسے ڈرامے اور پروگرام دکھائے جائیں جن میں جنسی

اشارے اور لبرل ماحول ہو۔ ٹیلی ویژن پر شراب اور سگریٹ کے استعمال کے اشتہار دکھائے جائیں۔ وہ تمام ممالک جن کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں اور ان اختلافات کے نتیجہ میں اسلامی ممالک میں جہاد کی سوچ پروان چڑھ رہی ہے ان ممالک کے درمیان اتحاد و صلح جوئی پیدا کی جائے' انگریزی کو تمام اسلامی ممالک میں ذریعہ اظہار بنا دیا جائے۔ جہادی تنظیموں' مدرسوں اور جماعتوں پر پابندی لگا دی جائے۔ نقاب' حجاب اور داڑھی اور نماز کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ مذہب کو ریاست کے بجائے پرائیویٹ معاملہ بنا دیا جائے۔ اسلامی دنیا کے پڑھے لکھے نوجوان کو یورپ اور امریکا منتقلی کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ اسلامی دنیا میں ایسے دانشور' اخبارات اور ٹیلی ویژن چینل پروان چڑھائے جائیں جو ان ممالک کے عوام کو احساس کمتری کا شکار بنا دیں۔ جو اپنے ممالک کے شہریوں کے دل و دماغ میں یہ بات راسخ کر دیں کہ ہم یورپ اور امریکا سے پیچھے ہیں اور اگر یورپ اور امریکا کی زندگی اور اصول نہ اپنائے گئے تو ہم ختم ہو جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ سی آئی اے کی اس رپورٹ میں امریکا کو مشورہ دیا گیا ہے کہ اگر امریکا نے ان معاملات پر فوری توجہ نہ دی تو 2020ء وہ سال ثابت ہو گا جس کے بعد امریکا کا عروج زوال بن جائیگا۔ امریکا سوویت یونین کی طرح ٹوٹ کر بکھر جائیگا۔

اگر ہم تھوڑا سا بھی غور فکر کریں تو ہمیں محسوس ہو گا کہ امریکا گلوبل ٹرینڈ 2020ء کی خدمات کی ابھی سے پیش بندی کر چکا ہے۔ اس نے ہندوستان کو صنعتی تعاون دینا شروع کر دیا ہے۔ ہندوستان کی صنعتی پیداوار میں پچھلے دو برسوں میں چار گنا اضافہ ہوا۔ یہ اضافہ امریکا کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔ انڈونیشیا اور ملائشیا میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کے نام پر مذہبی منافرت پھیلانے کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے یورپ کے وہ تمام ممالک رکن میں اسلامی تعلیمات اور اسلامی فکر موجود ہے انہیں یورپی یونین کا حصہ بنا دیا گیا ہے اور وہاں لبرل ازم کے نام پر کھیل شروع ہو چکا ہے جو سنٹرل اور مغربی یورپ میں پچھلے پچاس برسوں سے کھیلا جا رہا ہے۔ جدید تعلیم اور تعاون کا بہانہ بنا کر مدرسوں کا ڈیٹا جمع کیا جا رہا ہے۔ مدرسوں کی نظریاتی اساس کو کمزور کرنے کا منصوبہ بنایا جا رہا ہے۔ ان سے جہادی اور اسلامی اتحاد پر مبنی آیات اور احادیث خارج کی جا رہی ہیں۔ تمام اسلامی ممالک میں کیبل اور ٹیلی ویژن چینلز کے ذریعہ فحاشی اور عریانی کو پروان چڑھایا جا رہا ہے۔ امریکا 2020ء آنے سے پہلے اسلامی دنیا کو نابود کرنا چاہتا ہے۔

بشکریہ (سلیم جاوید چودھری)



دنیا میں امریکی فوجی مداخلتیں

دہشت گردی کے نام پر جنگ لڑنے والے امریکہ نے دنیا بھر میں اپنی مرضی کی حکومتیں قائم کرنے اور ان ممالک کے قدرتی وسائل سے فائدہ اٹھانے (لوٹ مار) کے لئے ایک طویل منصوبہ بندی کر رکھی ہے۔ اس منصوبے پر 1890ء سے باضابطہ عمل شروع ہوا اور اب تک دنیا کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک یعنی سارے براعظموں میں (113 برس میں) 137 مرتبہ وہ براہ راست فوجی مداخلت کر چکا ہے۔ کئی ممالک کے خلاف بار بار فوجی مداخلت کی گئی۔ چین، فلپائن، نکاراگوا، ڈومینکن ریپبلک، کیوبا اور ہیٹی سمیت بعض ممالک پر طویل فوجی قبضہ برقرار رکھا۔ اس قبضے کے بعد وہاں اپنی مرضی کی انتظامیہ مسلط کی گئی اور وہاں کے لوگوں کے تمام انسانی اور معاشی حقوق تہس نہس کر دیئے۔

جن ممالک میں تواتر اور وقفوں کے ساتھ فوجی حملے اور مداخلتیں کی گئیں ان میں ویتنام، پاناما، میکسیکو، ایران، یورپ اور لاطینی امریکہ کے کئی ملک شامل ہیں۔ امریکہ اس وقت چھوٹے ممالک خاص طور پر مسلمان ممالک کے ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کے خلاف سخت دھمکی آمیز مداخلت کر رہا ہے اور اسے ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤ سے سخت تشویش اور فکر لاحق ہے حالانکہ عملی اور تاریخی اعتبار سے امریکہ وہ پہلا اور دوسرا ملک ہے جس نے دوسری جنگ عظیم کے دوران دوسرے ممالک پر اپنی دھاک بٹھانے کے لئے پہلا اور آخری ایٹم بم جاپان کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر پھینکا جس نے لاکھوں انسان ہلاک کر دیئے اور مزید لاکھوں اپاہج اور انسانی افعال کے لئے ناکارہ بنا دیئے۔ امریکا نے پہلا ایٹم اور ہائیڈروجن بم بنایا اور ابتداء ہی میں استعمال بھی کر ڈالا۔ اس کے بعد ایٹمی طاقت بننے والے ممالک برطانیہ، فرانس، روس، چین، بھارت اور پاکستان نے نہ تو ایٹم بم استعمال کیا اور نہ کسی کو اس کے استعمال کی دھمکی دی۔ مشرق وسطیٰ میں امریکہ کی ناجائز اولاد اسرائیل نے ایٹم بم کا کھلا تجربہ نہیں کیا لیکن وہ ایٹمی طاقت ہے اور اس کے پاس امریکہ کی دی ہوئی ٹیکنالوجی سمیت 200 کے قریب ایٹم بم بتائے جاتے ہیں۔ دوسرے معنوں میں صرف امریکہ ہی ایسا ملک ہے جس نے نہ صرف ایٹم بم کا استعمال کر کے لاکھوں بے گناہ اور نہتے شہری ہلاک کر دیئے بلکہ اس نے مختلف اوقات میں مختلف ممالک کو ایٹم بم پھینکنے کی دھمکیاں بھی دیں۔ ان ممالک میں ایران، مصر، روس، ویتنام اور یوگوسلاویہ شامل ہیں۔

امریکہ نے ایٹم بم تیار کر لینے کے فوراً بعد ہیروشیما اور ناگا ساکی پر یہ ایٹم بم گرائے اور چند سال بعد 1947ء میں یوراگوئے پر ایٹمی حملہ کی دھمکی دی اور طاقت دکھانے کے لئے جنگی طیاروں کی پروازیں کیں۔ 1948ء میں ایران میں ایٹم بم گرانے کی دھمکی دیتے ہوئے روس سے کہا کہ وہ شمالی ایران سے اپنی فوجیں نکال لے۔ 1948ء میں ہی یوگوسلاویہ کو بھی ایٹمی حملے کی دھمکی دی جب اس نے ایک امریکی جنگی ہوائی جہاز کو حدود کی خلاف ورزی کرنے پر مار گرایا تھا۔

1948ء میں ہی امریکہ نے جرمنی کے خلاف ایٹمی بم گرانے کی دھمکی دیتے ہوئے اپنے جنگی طیارے برلن کے ہوائی اڈوں پر چوکس کر دیئے۔ 1954ء میں ویتنام اور 1956ء میں مصر اور 1958ء میں عراق اور چین کو ایٹمی حملوں کی دھمکیاں دی گئیں۔ 1962ء میں صدر کینیڈی کے دور میں ایک میزائل بحران پر امریکہ نے کیوبا کا محاصرہ کیا اور روس اور کیوبا کے خلاف ایٹم بم استعمال کرنے کی دھمکی دی تو جواب میں روس نے بھی اپنے ایٹمی بٹن آن کر دیئے یہ وہ موقع تھا کہ امریکہ کی دھمکی کے بعد دنیا پہلی ایٹمی جنگ کے دہانے پر پہنچ گئی تھی۔ روس اور امریکہ کے درمیان ایٹمی جنگ کا خطرہ اتنا شدید ہو گیا تھا کہ دنیا بھر کے لوگوں نے دعائیں مانگنا شروع کر دی تھیں۔ بعض امریکی اور دنیا بھر کے کئی دانشوروں کا کہنا ہے کہ امریکہ چونکہ بنیادی طور پر بزدل ہے اس لئے جب اسے روس کے جوابی حملے کا یقین ہو گیا تو اس نے محاصرہ ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ ایک دانشور کا کہنا ہے کہ امریکہ بزدل ہونے کے باوجود طاقت کے گھمنڈ میں دوسروں کو دھمکیاں دینے کا عادی ہے اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کمزور دھمکیوں سے ڈر جائے گا اور اس کا مقصد پورا ہو جائے گا لیکن جب کوئی دھمکیوں کا اثر نہ لے تو وہ اکثر اوقات پسپائی اختیار کر لیتا ہے۔

ایٹم بم گرانے کی دھمکیوں کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ہو گیا 1993ء میں امریکہ نے مشرق وسطیٰ میں ایٹم بم استعمال کرنے کی دھمکی دی اور دنیا بھر میں اپنی فوجوں کو ہائی الرٹ کر دیا۔

اس کے علاوہ امریکہ نے دنیا کے ستر کے قریب ممالک اور علاقوں میں اپنی بحری اور ہوائی افواج سے براہ راست حملے کئے بعض ممالک پر تو طویل عرصہ تک فوجی قبضہ رکھا اور جب ان ممالک کے عوام امریکی فوجوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تو اس نے اپنی فوجیں وہاں سے نکالیں لیکن کئی اہم مقامات پر بنائے گئے فوجی اڈے ابھی تک نہیں چھوڑے جہاں سے وہ اس علاقے میں سازشیں اور خفیہ مداخلت جاری رکھے ہوئے ہے۔

یہ حقیقت اب اظہر من الشمس ہو چکی ہے کہ دنیا کے مختلف حصوں میں جو شورش' خانہ جنگیاں اور بدامنی کے واقعات ہوتے ہیں ان کے پیچھے امریکہ کا ہاتھ ہوتا ہے اسی طرح وہ حکومتوں کے خلاف لوگوں کو اکسانے کے لئے پیسہ' ہتھیار اور حمایت فراہم کرتا ہے اور حکومتوں کو بلیک میل کر کے ان کے ہاتھ بھاری قیمت پر میزائل' طیارے' اسلحہ اور گولہ بارود فروخت کرتا ہے۔

امریکہ نے سب سے پہلی فوجی مداخلت مغربی ڈکوٹا میں 1890ء میں کی اور امریکی فوجیوں نے 300 لکوٹا انڈین ووُنڈڈ نی کے علاقے میں ہلاک کر دیئے۔ اسی سال اس نے ارجنٹائن میں فوجیں اتار دیں۔ 1891ء میں چلی اور ہیٹی میں فوج بھیجی۔ 1892ء میں اڈاہو میں چاندی کی کانوں کے مزدوروں کی ہڑتال ختم کرنے کے لئے فوجی کاروائی کی۔ 1893ء میں امریکہ نے بحری اور بری فوج کی کاروائی کے ذریعے ریاست ہوائی پر قبضہ کر لیا اور وہاں کی آزاد حکومت کو ختم کر کے ہوائی کو پچاسویں ریاست کے طور پر امریکہ میں شامل کر لیا۔

1894ء میں نکاراگوا' چین اور کوریا امریکی فوجی مداخلت کا نشانہ بنے اور 1895ء میں پاناما میں امریکی فوجیں داخل کی گئیں۔ 1894ء میں امریکی فوجیں دوبارہ نکاراگوا میں داخل ہوئیں اور اس سال دوبارہ چین کے خلاف فوجی کاروائی کی گئی جو تین سال جاری رہی۔ 1898ء میں امریکی فوجوں نے سپین سے کاروائی کر کے فلپائن پر فوجی حملہ کرتے ہوئے اس پر قبضہ کرلیا اور چھ لاکھ سے زیادہ فلپینی باشندے ہلاک کردیئے۔ غیر ملکی فوجی مداخلت کے دوران اتنی بڑی تعداد میں بے گناہ شہریوں کی یہ پہلی ہلاکت تھی۔ فلپائن پر امریکی فوجوں کا قبضہ 13 سال تک جاری رہا۔ 1898ء میں ہی امریکہ نے سپین سے پھر کاروائی کرتے ہوئے کیوبا پر حملہ کیا اور 1902ء تک قابض رہا اب بھی کیوبا کے سمندر میں اس کا بحری اڈہ موجود ہے جہاں سے وقتاً فوقتاً کاروائی کی کوشش ہوتی رہتی ہے۔

1898ء ہی میں امریکہ نے پیورٹو ریکو' گوان' مینوسوٹا اور نکاراگوا کے خلاف فوجی کاروائی کی۔ پورٹو ریکو مینوسوٹو اور گوان پر قبضہ کرلیا جو ابھی تک جاری ہے اور یہ مقامات امریکی اڈوں کے طور پر استعمال ہو رہے ہیں۔ انیسویں صدی کے آخری سال 1899ء میں امریکی فوجوں نے سموا نکاراگوا اور اڈاہو پر حملہ کیا۔ بیسویں صدی کے پہلے سال 1901ء میں امریکی فوجیں اوکلاہاما میں بھیجی گئیں اور پانامہ پر قبضہ کیا جو 1914ء تک جاری رہا' اس دوران 1903ء میں پاناما کو کولمبیا سے علیحدہ کیا گیا اور 1914ء اسے سینٹرل زون میں شامل کیا گیا اس کے بعد امریکہ نے پے در پے دنیا کے مختلف ممالک پر فوجی حملے کئے مسلسل فوجی کاروائیاں کیں اور دوسری جنگ عظیم تک کئی ممالک پر طویل فوجی قبضہ جاری رکھا۔ کئی علاقوں پر بار بار حملے کئے گئے 1914ء سے 1918ء تک میکسیکو میں لگاتار فوجی کاروائیاں کی گئیں۔ 1914ء سے 1918ء تک میکسیکو مسلسل فوجی مداخلت کا شکار رہا اور 1914ء سے 1934ء تک ہیٹی پر 20 سالہ امریکی قبضہ رہا۔ 1916ء سے 1924ء (8 سال) ڈومینکن ریپبلک امریکی فوجی قبضہ میں رہا اور 1917ء سے 1933ء تک امریکی فوج کیوبا پر قبضہ کر کے وہاں دندناتی رہی اور اس کی معاشی وسائل کی لوٹ کھسوٹ کرتی رہی۔ 1917ء اور 1918ء میں پہلی جنگ عظیم کے دوران امریکہ نے ڈیڑھ سال تک جرمنی کے خلاف جنگ جاری رکھی۔ 1918ء سے 1922ء روس میں پانچ مرتبہ فوج اتاری۔ 1919ء میں پانامہ' ھنڈوراس اور یوگوسلاویہ کے خلاف فوجی کاروائی کی اور 1920ء اور 1921ء میں گوئٹے مالا اور مغربی جینیا اور 1922ء میں ترکی اور چین کی باری آئی۔ چین کے خلاف امریکی فوجی مداخلت پانچ سال تک جاری رہی۔ 1927ء سے 1934ء تک امریکہ کی فوجوں نے چین کے کئی علاقوں پر قبضہ کرلیا اور یہ کاروائی سات برس تک جاری رہی۔ 1941ء سے 1945ء تک دوسری جنگ عظیم کے دوران امریکہ نے فوجی مداخلت کی اور یورپ پر اپنی دھاک بٹھانے کے لئے اٹلی' ہوائی' جاپان اور جرمنی کے ساتھ تین سال تک جنگ کی اور پہلی مرتبہ جاپان کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے۔ اس میں امریکہ نے لاکھوں جاپانی ہلاک کردیئے۔ نہتے شہری اور بے گناہ لوگ جن میں بچے' عورتیں' جوان اور بوڑھے شامل تھے ہلاکت کے علاوہ معذور ہوگئے اور ایسی بیماریوں میں مبتلا ہوگئے گویا زندہ درگور ہوگئے۔ یہ انسانی تاریخ کی سب سے بڑی دہشت گردی تھی جس میں ایٹمی اسلحہ استعمال کیا گیا اور یہ امریکہ نے کیا۔

جنگ عظیم دوم کے بعد امریکہ نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اس کے بعد مسلسل ہر سال مشرق سے مغرب تک تمام براعظم امریکی فوجی کاروائیوں کی زد میں رہے۔ جن ممالک کے خلاف پہلی بار یا دوسری بار بھی کارروائی کی گئی ان میں ایران' یوگوسلاویہ' یوراگوئے' یونان' جرمنی' چین' فلپائن'

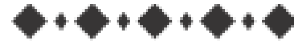
یوکرائن' پورٹیریکو' کوریا' ایران' گوئٹے مالا' مصر' لبنان' عراق' پانامہ' لاؤس' کیوبا' انڈونیشیا' ڈومینکن ریپبلک' کمبوڈیا' اومان (مسقط) جنوبی ڈکوٹا' چلی' انگولا' لیبیا' ایلسلویڈار' لبنان' گرینیڈا' بولیویا' ورجن جزائر' لائبیریا' سعودی عرب' کویت' صومالیہ' بوسنیا' زائرے (کانگو) البانیہ' سوڈان اور یمن شامل ہیں۔

بیسویں صدی کے آخر میں امریکہ نے نائن الیون کو بہانہ بنا کر افغانستان اور عراق پر حملہ کر دیا اور اب تک ان پر نہ صرف قابض ہے بلکہ لاکھوں نہتے' بے گناہ اور معصوم شہریوں کو ہلاک کر چکا ہے۔ امریکہ کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کر رہا ہے لیکن امریکہ میں اب امریکی عوام' دانشوروں' صحافیوں اور سب سے بڑھ کر سیاستدانوں کو یہ یقین ہونے لگا ہے کہ امریکی فوجی کارروائیوں کا کوئی جواز نہیں ہے اور امریکہ کے نصیب میں سوائے نفرت' بدنامی اور قتل عام کرنے والے ملک کی شہرت کے کچھ نہیں آ رہا ہے۔ امریکی لوگ اب مطالبہ کرنے لگے ہیں کہ دنیا بھر میں امریکی مفادات کے نام پر جاری فوجی کارروائیوں کا خاتمہ کیا جائے اور امریکی فوجیں افغانستان اور عراق سمیت ہر جگہ سے واپس بلائی جائیں۔ گزشتہ 113 برس میں امریکہ نے مختلف ممالک میں 137 فوجی مداخلتیں یعنی حملے کیے اور ایک کروڑ سے زیادہ بے گناہ لوگوں کو ہلاک کیا اس ساری صورتحال کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ دنیا میں بدامنی اور دہشت گردی سب سے زیادہ امریکہ نے پھیلائی' بدامنی پھیلانے کے لئے دہشت گردوں کی حوصلہ افزائی کی اور اپنے مقاصد کے لئے ان لوگوں کو جمہوری حکومتوں کے خلاف استعمال کیا۔

امریکہ مختلف ممالک کے دہشت گردوں کو منتخب حکومتوں کا تختہ الٹنے کے لئے حمایت فراہم کرنے کے علاوہ انہیں تسلیم بھی کر لیتا ہے۔ اب یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی۔ ہر تین برس کے بعد (یعنی ہر سال پچھلے تین برس) کی جو خفیہ دستاویزات امریکہ عام کرتا ہے ان میں ہر بات کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ اسے امریکی حکومت اپنے عوام کا منہ بند کرنے کے لئے امریکی عوام کو بیرونی حملوں سے بچانے میں مدد دینے والے قرار دے کر جواز پیدا کرتی ہے لیکن چونکہ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے امریکہ بھی اپنی تمام ناجائز مداخلتوں' دھمکیوں اور کارروائیوں کی تمام حدود پھلانگ چکا ہے اور دور بین لوگوں کے خیال میں اب قدرت کا اپنا عمل شروع ہو چکا ہے اور دنیا کو 113 سال تک اپنی دھمال پر نچانے والا امریکہ اب قطرینہ اور ریٹا جیسے ہولناک طوفانوں کی ہواؤں اور سمندری پانی کی دھمال پر ہر قسم کے ''رقص'' بھول گیا ہے۔ دنیا بھر کو دھمکیاں دینے والے جارج بش نے سمندری طوفان کا مقابلہ کرنے میں ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی ذمہ داری قبول کر لی ہے گویا اس نے تسلیم کر لیا ہے کہ وہ قدرتی نظام کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ جارج بش اور امریکی محکمہ دفاع سی آئی اے اور ایم آئی سی کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ انسان کی خام خیالی اور شیطان کا بہکاوا ہے کہ وہ بہت طاقتور ہے اور اپنی دانش سے قدرت کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس خالق کائنات نے ایک نظام وضع کر رکھا ہے جس میں ذرا برابر بھی جھول نہیں ہے۔ قرآن کریم میں اسی خالق کائنات کا ارشاد ہے کہ جب انسان شیطان کے بہکاوے میں آ کر غلط راستہ اختیار کر لیتا ہے تو ہم اس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور اسے غلط راستے پر آزاد چھوڑ دیتے ہیں لیکن جب وہ اپنی حدود عبور کرتا ہے تو قدرت اسے پکڑ لیتی ہے اور پھر اسے کوئی چھڑا نہیں سکتا۔ سوویت یونین بھی ایک زمانہ میں مادر پدر آزاد ہو کر آئے دن فوجی مداخلت کرتا تھا اور مشہور تھا کہ جب سوویت فوجیں آ جاتیں تو انہیں کوئی نکال نہیں سکتا لیکن دنیا نے دیکھا کہ نہ صرف یوگوسلاویہ' ہنگری اور

افغانستان وغیرہ سے روسی فوجیں ذلیل وخوار ہو کر نکلیں بلکہ خود سوویت یونین بھی صفحہ ہستی سے مٹ چکا ہے۔ قرآن کریم میں احکام خداوندی اس بات کے شاہد ہیں کہ جب قوموں نے اپنی حدود عبور کیں تو قدرت نے انہیں کبھی طوفان نوح' کبھی تیز ہواؤں کے ذریعے کنکروں اور ریت کی بارش اور کبھی بستیوں کو الٹ پلٹ کر اور کبھی فرعون اور اس کے لشکر کو سمندر میں غرق کر کے آنے والوں کے لئے عبرت بنا دیا اور انہیں سبق دیا کہ ان تباہیوں اور قدرت کی سزاؤں سے عبرت پکڑو اور اللہ کے بتائے ہوئے سیدھے راستے پر آجاؤ ورنہ تمہارا بھی نشان باقی نہیں رہے گا۔ قطرینہ کے بعد اب ریٹا طوفان 250 کلومیٹر فی گھنٹہ سے زیادہ کی رفتار سے فلوریڈا اور جارج بش کے آبائی علاقے ٹیکساس کی جانب بڑھ رہا ہے۔ ان سطور کی اشاعت تک یہ نیا طوفان ٹیکساس کو اپنی تباہ کاری کا ہدف بنا چکا ہوگا جہاں کروڑوں لوگ' کارخانے اور تیل کی 22 بڑی بڑی ریفائنریاں بھی ہیں کیا قطرینہ اور ریٹا طوفان نوح کی طرح وارننگز نہیں ہیں؟

بشکریہ (شاہد سلیم)



عراق سٹڈی گروپ' بش اور عراق

چھ دسمبر 2006ء بروز بدھ' عراق سٹڈی گروپ نے آخر کار اپنی رپورٹ صدر امریکا جارج بش کو پیش کر دی۔ یوں معلوم ہوتا ہے صدر جارج ڈبلیو بش کو مشورہ کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ عراق سٹڈی گروپ ''یونائیٹڈ سٹیٹس انسٹیٹیوٹ آف پیس'' نامی ادارے کا تشکیل کردہ اور اس کا حصہ ہے۔ یہ بلا منافع کام کرنے والا فلاحی ادارہ ہے جسے امریکی حکومت فنڈز فراہم کرتی ہے اور بالواسطہ طور پر اس کا کنٹرول صدر کے پاس ہوتا ہے۔ صدر ہی اس ادارے کے پندرہ رکنی بورڈ آف ڈائریکٹر کے ارکان مقرر کرتا ہے۔ یونائیٹڈ سٹیٹس انسٹیٹیوٹ آف پیس کو عام طور پر غیر جانبدار یا وہ جماعتی نقطہ نظر کا حامل ادارہ بتایا جاتا ہے۔ وہ جماعتی حوالے کی وجہ سے تمام بورڈ ممبران کی تقرری صدر کرتا ہے اور اس ادارے نے بالواسطہ بیس برسوں میں بہت سی علمی اور تحقیقاتی رپورٹوں کی اشاعت ممکن بنائی ہے۔ اس قسم کی پبلک فاؤنڈیشن یا تھنک ٹینک ضروری معلومات' آئیڈیاز اور پالیسیوں پر کام کرتی ہیں اور پھر رائے عامہ ہموار کرنے کیلئے انہیں سرگرمی سے عام کرتی ہیں۔

عراقی سٹڈی گروپ کی اس رپورٹ کے پیچھے عراق میں روز بروز امریکی فوج کے تنہا ہو جانے اور امریکی وزارت خارجہ کے حکام کو اس حقیقت کا سامنا کرنے پر تیار کرنے کا مقصد کارفرما ہے۔ اس رپورٹ کے ابتدائی الفاظ '' عراق میں موت اور تنہائی کی کیفیت'' خود اس رپورٹ کے مرکزی خیال کی وضاحت کرتے ہیں۔ اس رپورٹ کا مقصد عراقی عوام میں یا عراق میں اتحادی افواج کے درمیان اتفاق سے زیادہ خود امریکا کے سیاسی حکام کے درمیان عراق کے حوالے سے پائے جانے والے اختلافات کا حل ڈھونڈنا ہے۔ اس رپورٹ میں اسرائیل کو عراق کے معاملے کیساتھ جوڑ کر پیش کیا گیا۔ رپورٹ اس حوالے سے کہتی ہے کہ ''مشرق وسطیٰ میں امریکا اپنے مقاصد اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ خود عرب اسرائیل جھگڑے کو نہ نمٹائے''۔ اس وجہ سے اسرائیل اور امریکا و مغربی دنیا میں اس کی خارجہ پالیسی کے حامیوں نے اس رپورٹ کو شکست کی دستاویز قرار دینا شروع کر دیا ہے۔ اس رپورٹ کے ناقدین اس بات پر ایک جیسے خیالات کے حامل ہیں اسرائیلی خارجہ پالیسی کے مقاصد ہمیشہ وہی رہے ہیں جو امریکی خارجہ پالیسی کے مقاصد عراق میں مہم جوئی سے جو نقصان اٹھا رہی ہے اس کے نتائج کا فائدہ اسرائیل اٹھا رہا ہے۔ شاید عراق سٹڈی گروپ نے اپنی رپورٹ پیش کرنے کیلئے سوچ سمجھ کر ''پرل ہاربر ڈے'' کا انتخاب کیا ہے اور عراق کے تصوراتی مہلک ہتھیاروں کے خاتمہ کی آڑ میں ''پیشگی حملے'' نے امریکا کیلئے تیل سے مالا مال اس خطے میں جو مشکلات پیدا کر دی ہیں ان سے نکلنے کیلئے صدر بش کو ایران کا تعاون

لینے کا کہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس بار صدر بش توقف کریں‘ تفصیلات کا جائزہ لیں اور غور کریں کہ تیل کی دولت سے مالا مال ایران پر ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کا الزام لگا کر ”پیشگی حملہ“ کرنے کے نتائج کس قدر سنگین صورت میں برآمد ہوسکتے ہیں۔

7 دسمبر 1941ء کو جاپان نے ہوائی کے امریکی مقبوضہ جزیرے کی پرل ہاربر پر اس لئے حملہ کیا تھا کہ 24 جولائی 1941ء کو صدر روز ویلٹ نے جاپان پر تیل درآمد کرنے کی پابندیاں عائد کردی تھیں۔

یہ سوال قابل غور تھا کہ صدر روز ویلٹ نے اعلان جنگ کا درجہ رکھنے والا یہ فیصلہ کیوں کیا کہ جاپان جیسے ملک پر تیل کی پابندی لگادی جس نے امریکا کے ساتھ کوئی خرابی نہیں کی تھی؟ اور پھر جب امریکا نے اس پر پابندی لگائی تو جاپان نے اس شدت سے جواب کیوں دیا؟ ٹھیک ہے کہ روز ویلٹ نے جاپان پر یہ پابندی اس وقت لگائی تھی جبکہ ہٹلر سوویت یونین میں چند ہفتے پہلے یعنی 22 جون 1941ء کو داخل ہوچکا تھا اور دکھائی دیتا تھا کہ وہ چند ہی روز میں ماسکو تک پہنچ جائے گا تاہم جاپان اگرچہ جرمنی اور دوسری ”برائی محور“ یورپی ریاستوں کا اتحادی تھا مگر اپنے اتحادیوں کی یورپی جنگ میں اس کی دلچسپی بہت تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ جاپان 1933ء سے‘ جب ہٹلر جرمنی میں اور روز ویلٹ امریکا میں برسر اقتدار آئے‘ ایشیائی سرزمینوں پر بھرپور جنگ میں مصروف رہا تھا۔ 1941ء کے اختتام تک جاپانی افواج کوریا‘ تائیوان‘ ویتنام اور ایک تہائی چین پر قابض ہوچکی تھیں۔ لیکن آج کی طرح اس وقت کا جاپان بھی وسائل کے حوالے سے غریب تھا۔ جاپان کو تیل اور ربڑ کے لئے کلی طور پر انڈونیشیا‘ بورنو اور جنوبی پیسفک میں یورپی نوآبادیات پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ روز ویلٹ کے ساتھ کئی ماہ تک مذاکرات کے بعد جاپانی ایڈمرل‘ لیما موٹو نے فلیٹ آرڈر نمبر ایک جاری کردیا‘ یہ جاپان کا پہلا شاہی بیڑا تھا‘ جس میں ایئر کرافٹ کیریئر شامل تھے۔ اس بیڑے کو حکم دیا گیا کہ پرل ہاربر پر موجود امریکا کے اس اڈے کو تباہ کردے جہاں سے جاپان کو تیل کی سپلائی روکنے کیلئے جہاز اور فورس موجود تھی دوسرے شاہی بیڑے کو جزیرہ نما ملایا اور فلپائن میں ڈچ‘ برطانوی اور امریکی جنگی طیاروں‘ ایئر فیلڈز‘ جنگی بحری جہازوں اور نیول تنصیبات کو نشانہ بنانے کا حکم دیا گیا۔ دوسرے بیڑے کو اس روز فلپائن اور ملایا میں جاپانی فوجی دستوں کی مدد کیلئے وہاں پہنچنے کی ہدایت بھی کی گئی۔ جاپان کا پرل ہاربر پر حملہ حیران کن حد تک کامیاب رہا۔ انہوں نے وہاں موجود لڑاکا طیاروں اور جنگی جہازوں کی بڑی تعداد تباہ یا غرق آب کردی۔ ڈوبنے والے جہازوں میں برطانیہ کی رائل نیوی کا فخر ”ایچ ایم ایس پرنس آف ویلز“ بھی شامل تھا۔ پرل ہاربر پر امریکا کے آٹھوں جنگی جہاز جاپانی حملے میں غرق اور تقریباً تمام فوجی طیارے تباہ ہوگئے۔ روز ویلٹ اور چرچل نے ایسا بھیانک خواب تک کبھی نہیں دیکھا تھا کہ جاپانی ان کے اڈوں‘ بمبار طیاروں اور جنگی جہازوں کو تباہ کرکے اتنے مختصر وقت میں سنگاپور اور فلپائن کو فتح کرلیں گے۔

صدر بش اگر ایران پر پابندیاں عائد کرنے کی بجائے پیشگی حملے کا جارحانہ راستہ اختیار کرتے ہیں تو وہ ایران کو اس کے حق سے محروم رکھ کر اسے مشتعل کرنے کا سبب بن سکتے ہیں‘ وہ حق جو ایٹمی ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کے سمجھوتے پر دستخط کرنے کی وجہ سے اسے پرامن مقاصد کیلئے ایٹمی توانائی کے استعمال کی اجازت دیتا ہے۔ کیا اس خطے میں امریکیوں کیساتھ کچھ ہونے والا ہے؟ خاص طور پر خلیج فارس میں امریکی نیوی‘ جنگی جہازوں اور ان سپلائی جہازوں کا کیا ہوگا جو عراق‘ کویت اور قطر وغیرہ میں موجود امریکی افواج کو مدد دیتے ہیں۔ یہ جہاز ایران کے سپرسانک سی سکمنگ اینٹی

شپ میزائلوں کیلئے پرل ہاربر پر امریکی جہازوں کی نسبت سپیس زیادہ آسان ہدف ہو سکتے ہیں۔ بحریہ کی مدد کے بغیر عراق میں موجود افواج کے زور پر کتنی دیر لڑا جا سکے گا؟ اس لئے بش کو عراق سٹڈی گروپ کی نصیحت پر عمل کرنا پڑے گا اور انہیں اسی ایران سے عراق میں ہلاکتوں کے جہنم میں موجود اپنے فوجیوں کو بچانے کیلئے مدد لینا پڑے گی آئی اے ای اے کے مطابق ایٹمی ہتھیار نہ رکھنے والے ایران کیخلاف بمباری کا آپشن امریکا کے لئے کسی صورت فائدہ مند نہیں ہو سکتا۔ امریکا کیلئے ایران اور شام کے ساتھ تعلقات کے نئے سرے سے استواری مفید ثابت ہوگی مگر اس طرح کی بات چیت کے ذریعے سے خطے کے تمام مسائل کا پائیدار حل تلاش کرنا ممکن نہیں۔

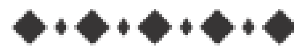
عراق سٹڈی گروپ کی رپورٹ کا وہ پہلو خاص طور پر اہمیت کا حامل ہے جسے پہلے چالیس صفحات میں جائزے کی صورت میں پیش کیا گیا' یہ حصہ افسوسناک مگر حقیقت پسندانہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان صفحات میں تشدد میں اضافے کی سطح اور ''سٹے دی کورس'' پالیسی کے ذریعے اس میں کمی لانے میں ناکامی بیان کی گئی ہے۔ یہ پالیسی ابہام اور دھند میں لپٹی امیدوں کے سوا کچھ نہیں۔ سٹڈی گروپ کی پورٹ میں نوشتہ دیوار سمجھے جانے والے اس سوال کا جواب کہیں نہیں ملتا کہ اگر موجودہ عراقی حکومت کا منظم طور پر تختہ الٹ دیا گیا تو کیا ہوگا؟ عراق کو غلطی سدھارنے کی کوشش کے طور پر نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر توجہ دینے کی ضرورت ہے' امریکا کو ایک ایسے ملک سے اپنا وجود سمیٹ کر نکلنا ہوگا جہاں وہ پہلی حیثیت کے مالک نہیں رہے۔ یہ جنگ امریکا نے شروع کی۔ گزشتہ چار برسوں کے دوران امریکا نے ایسی قابض طاقت کے طور پر خود کو پیش کیا ہے جس کے اثر و رسوخ میں ہمہ گیری کے باوجود عراق کی مشکلات حل نہیں ہو سکیں۔

صدر بش کیلئے یہ بڑا موزوں وقت ہے کہ وہ عراق کو عراقی لوگوں کیلئے خالی کر دیں' نہتے اور بے گناہ شہریوں کو مارنے اور فرقہ وارانہ تشدد یا سول وار کا سلسلہ روک کر امریکا کے داخلی معاملات پر توجہ دیں جہاں 3 کروڑ 70 لاکھ امریکی خط افلاس سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ صدر جارج ڈبلیو بش کے برسر اقتدار آنے کے بعد ان مفلسوں کی تعداد میں 50 لاکھ افراد کا اضافہ ہو چکا ہے۔

امریکا جہاں دنیا میں سب سے زیادہ یعنی 269 ارب پتی افراد رہتے ہیں۔ سیاہ فام امریکیوں کی ایک تہائی تعداد خط افلاس سے نیچے سسک رہی ہے: 22 فیصد ہسپانوی مفلس ہیں مگر سفید فام شہریوں کی خط افلاس سے نیچے آبادی کا تناسب صرف 8.6 فیصد ہے۔

امریکا میں 4 کروڑ 60 لاکھ شہری ہیلتھ انشورنس سے محروم ہیں۔ صرف لاس اینجلس میں 82 ہزار افراد بے گھر ہیں۔

بشکریہ (علی جعفر زیدی)



صدام کا نشیب وفراز

تکریت...... سرزمین عراق کا مشہور قصبہ بغداد سے 80 کلو میٹر دور اور مشہور قصبے سامرا سے (836 سے 876ء تک خلافت عباسیہ کا دارالخلافہ) 30 میل شمال میں دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر سلسلہ جبل صحرین کے دامن میں واقع ہے۔ تکریت کا پرانا قصبہ چند پہاڑوں پر تعمیر ہوا تھا' اس کے دامن میں ایک دریا بہتا ہے' شمال کی طرف سنگ ریگی کی چٹان ہے جس پر پرانے قلعے کے آثار موجود ہیں۔ یہ دریائی سطح سے 200 فٹ بلند ہے۔ قدیم شہر کسی زمانے میں ایک بہت بڑا رقبہ گھیرے ہوئے تھا۔ مذکورہ بالا پہاڑیوں کے مغرب میں پرانے شہر کے آثار ایک بڑے دائرے کے شکل میں پھیلے ہوئے ملتے ہیں۔

اس شہر کا ذکر سب سے پہلے بطلیموس نے رشہ کے نام سے کیا' رمیانوس اور مارکینوس نے اسے درتہ کے نام سے موسوم کیا۔ قلعی کی پہاڑی کو اب تک درتہ کہا جاتا ہے' سریانی کتب میں اس کا نام تغریث لکھا گیا ہے' عرب مصنفین کے بقول اس کی بنیاد ساسانی بادشاہ سابورین اردشیر نے رکھی۔ اس کا نام ایک عیسائی بدوی تکریت بن وائل کے نام پر رکھا گیا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ اس کی آبادی میں مسیحیوں کی کثرت تھی جنھوں نے یہاں اپنی ایک خانقاہ بھی بنا رکھی تھی۔ مقدسی نے یہاں کی پشم (اون) کی بہت تعریف کی ہے اور تلوں کی کثرت سے بوائی کا بھی ذکر کیا ہے۔ مستوفی تکریت کے تربوزوں کو سراہتا ہے جن کی فصل اس کے بقول سال میں تین مرتبہ ہوتی تھی۔ ابن بطوطہ نے تکریت کے بازاروں اور بے شمار مساجد اور ماضی میں تکریت کی مرکزی حیثیت کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

تکریت کو 16ھ میں عبداللہ بن معتم نے جنھیں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا فتح کیا۔ 20ھ میں ایک صلح نامے کے تحت تکریت کے باسیوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کی' مسعود بن حریث یہاں کا پہلا فرمانروا تھا جس نے سب سے پہلے یہاں جامع مسجد بنوائی۔ ساتویں صدی عیسوی کے آخر میں اس شہر کے نواح میں قیس اور بنو تغلب میں جنگ ہوئی' گیارہویں صدی میں یہاں خودمختار سرداروں کی حکومت تھی۔ بعد میں طغرل بیگ سلجوقی نے اس پر قبضہ کرلیا۔ 90ھ میں یہ شہر عباسی خاندان کے قبضے میں آ گیا' عہد سلاجقہ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا والد نجم الدین ایوب تکریت کا والی تھا' تکریت کو زیادہ شہرت صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے مولد (جائے پیدائش) ہونے کی وجہ سے بھی ملی جنھوں نے مصر سے خلافت فاطمیہ کا خاتمہ کیا اور صلیبیوں سے فیصلہ کن جنگیں لڑیں' حج کے راستوں کو محفوظ بنایا اور قبلہ اول بیت المقدس کو عیسائیوں کے قبضے سے آزاد کر کے اسلامی پرچم لہرایا۔ ان کی عظمت اور بہادری کا اعتراف یورپ بھی کرتا ہے' صلاح الدین ایوبی کا نام آج بھی مسلمانوں

کے خون میں زندگی کی لہر دوڑاتا ہے۔ ماضی قریب میں جب اسرائیل نے لبنان پر حملہ کیا تو سلطان ایوبی کا مزار مرجع خلائق بنا رہا۔ تکریت کو بعد کی صدیوں میں نظرانداز کیا جاتا رہا' یہ کبھی پر رونق شہر تھا لیکن اس کی اہمیت کم کر کے ایک معمولی قصبہ بنا دیا گیا۔ بغداد کی مہم کے دوران ہلاکو نے دریائے دجلہ تکریت سے ہی پار کیا تھا۔ انیسویں صدی کی اصلاحات کے بعد اس کی حیثیت کو مزید کم کر کے ولایت بغداد کی قضا سامرا کا حصہ بنا دیا گیا۔ یہاں کی اکثریت حنفی العقیدہ مسلمانوں کی ہے' یہاں ترکی زبان بھی بولی جاتی ہے۔ صدام حسین کی ولادت بھی تکریت کے ایک چھوٹے گاؤں ''العوجاء'' میں ہوئی' ان کے والد کا نام حسین عبدالماجد اور والدہ کا نام صبحا طلفاح المصالات تھا' بھیڑوں کی پرورش اس غریب خاندان کے گزربسر کا ذریعہ تھا۔ صدام نے غربت اور دکھ کے ملے جلے ماحول میں اس وقت آنکھ کھولی جب اس کے والد چھ ماہ سے لاپتہ تھے۔ اسی عرصے میں صدام کا 13 سالہ بھائی بھی سرطان کا شکار ہو کر موت کی آغوش میں چلا گیا۔ شوہر کی گمشدگی سے بے حال اور بیٹے کی موت سے نڈھال ماں صبحا کے ہاں 28 اپریل 1937ء کو صدام نے جنم لیا۔

صدام کا بچپن دکھوں اور محرومیوں سے عبارت تھا' باپ کے سائے سے محرومی نے شیر خوارگی میں چچا خیر اللہ کے پاس بغداد پہنچا دیا' جہاں وہ تین سال کی عمر تک رہا' اسی دوران والدہ نے دوسری شادی کر لی۔ ننھا صدام ماں کے پاس واپس آیا تو اسے سوتیلے باپ کے سوتیلے پن کا سامنا کرنا پڑا' دس سال کی عمر میں صدام نے گھر چھوڑ دیا اور اپنے چچا کے پاس لوٹ آیا جو اب تکریت میں قیام پذیر تھے۔ بھیڑوں کی گلہ بانی کرنے والے خاندان کے بچے کیلئے چچا کے ہاں قیام ایک اہم موڑ ثابت ہوا جس نے اس کی زندگی کو بدل ڈالا کیونکہ صدام کے چچا خیر اللہ ان دنوں عراق کی سیکولر اور عرب قوم پرست بعث پارٹی کے اہم عہدے دار' نوآبادیاتی نظام کے خلاف عسکریت کے حامی اور کٹر سنی العقیدہ مسلمان تھے۔ ان کی تربیت اور خیالات نے صدام کی شخصیت پر نہایت گہرے اثرات مرتب کیے۔ صدام اپنے لڑکپن میں حکومت مخالف مظاہروں میں خاصے سرگرم رہے اور برطانوی نوآبادیاتی حکومت اور امیر جاگیرداروں کے خلاف تحریک کا حصہ بن گئے۔ ان کے چچا خیر اللہ نے ان کی تربیت جاری رکھی جس سے ان کے جوہر کھلتے چلے گئے۔ 1959ء میں صدام نے بعث پارٹی میں باقاعدہ شمولیت اختیار کی جبکہ وہ صرف بیس سال کے تھے۔ ان دنوں مشرق وسطیٰ انقلابی تحریکوں کا مرکز تھا اور عربوں میں بادشاہوں کے خلاف ردعمل شدید سے شدید ترین ہوتا چلا جا رہا تھا۔ مصر میں جمال عبدالناصر کی کامیابی نے دیگر عرب ممالک میں انقلابیوں کے حوصلے بلند کر دیئے' ملوکیتوں کو نگلنے کے لئے عرب انقلابی بے تاب تھے۔

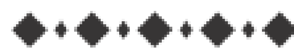
صدام کے بعث پارٹی میں شامل ہونے کے صرف ایک برس بعد جولائی 1958ء میں شاہ فیصل دوم کی بادشاہت کا خاتمہ جنرل عبدالکریم قاسم نے فوجی انقلاب کے ذریعے کیا اور شاہ فیصل کو قتل کر کے ملک کی زمام حکومت ایک انقلابی کونسل کے سپرد کر دی۔ بعث پارٹی نے نوتشکیل شدہ حکومت کی پرزور مخالفت کی اور جنرل قاسم کو اقتدار سے ہٹانے کی کوششوں میں مصروف ہو گئی۔ نوجوان صدام اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت بعث پارٹی میں نمایاں مقام حاصل کر چکا تھا۔ جب جنرل قاسم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا تو اس پر عملدرآمد کے لیے منصوبہ سازوں کی نظر صدام حسین پر پڑی جسے منتخب کر لیا گیا۔ یہ منصوبہ بوجوہ ناکامی کا شکار ہو گیا' صدام کے پاؤں میں گولی لگی مگر وہ گرفتاری سے بچ گیا اور تکریت کی طرف فرار ہو گیا۔ جنرل قاسم کے منصوبہ قتل کو چونکہ امریکا کی پشت پناہی حاصل تھی اس لیے صدام کو سی آئی اے اور مصری انٹیلی جنس ایجنسیوں کے اہلکاروں نے پہلے

شام اور پھر لبنان کے شہر بیروت پہنچا دیا جہاں سی آئی اے نے صدام کو عسکری تربیت دی۔ تربیت کے حصول کے بعد صدام مصر کے دارالحکومت قاہرہ پہنچ گئے' جہاں قاہرہ یونیورسٹی میں قانون کی تعلیم حاصل کی۔ ان کی عدم موجودگی میں عراقی عدالت نے انہیں سزائے موت سنائی۔ جلاوطنی کے دوران ہی 1963ء میں اپنے چچا خیر اللہ کی بیٹی ساجدہ خیر اللہ سے ازدواجی بندھن میں بندھ گئے۔

جنرل قاسم کے کمیونسٹوں سے بڑھتے روابط امریکا کے لئے ناقابل برداشت تھے۔ پہلے منصوبے کی ناکامی کے بعد 1963ء میں سی آئی اے اور بعث پارٹی نے ایک نئے فوجی انقلاب کی منصوبہ بندی کی اور بعث پارٹی کے سرگرم رکن عبدالسلام عارف نے تختہ الٹ کر ملک کی بھاگ دوڑ سنبھال لی۔ وہ صدر بنا دیئے گئے' جنرل قاسم کو پھانسی دے دی گئی' حالات کی سازگاری دیکھ کر صدام اپنی جلاوطنی ختم کر کے واپس عراق آ گئے مگر یہاں عبدالسلام عارف اور دیگر بعثی رہنماؤں کے چپقلش نے غیر متوقع صورتحال پیدا کر دی۔ صدام کئی دوسرے بعثی رہنماؤں کے ساتھ جیل بھیج دیئے گئے۔ چار سالہ قید کے بعد صدام 1967ء میں جیل سے فرار ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ جیل سے فرار کرانے میں سی آئی اے نے ان کی مدد کی تھی۔ جیل سے نکلنے کے بعد صدام کا شمار بعث پارٹی کے سرکردہ قائدین میں ہونے لگا۔ عبدالسلام عارف 1966ء میں ایک ہوائی حادثے میں انتقال کر چکے تھے جس کے بعد ان کے بھائی عبدالرحمٰن عارف صدر بنے۔ 1968ء میں بعث پارٹی کے جنرل احمد حسن البکر نے عبدالرحمٰن عارف کا تختہ الٹ دیا' اس انقلاب میں صدام کا اہم کردار تھا۔ اس لیے جنرل البکر نے صدام کو نائب صدر بنا دیا۔ بحیثیت نائب صدر ان کی جولانی طبع اور صلاحتیں نکھر کر سامنے آئیں' انہوں نے ایک طرف بعث پارٹی کو متحد و مضبوط کیا۔ سیاسی انارکی کو ختم کر کے عراق کی پسماندگی کو دور کرنے میں لگ گئے۔ ان اقدامات نے انہیں بعث پارٹی کے کارکنوں اور عوام میں مقبول بنا دیا اور وہ سنی شیعہ اور عرب کرد مناقشوں سمیت لاتعداد اختلافات کے شکار عراقی معاشرے میں اتحاد کی علامت بن گئے۔ بیروت میں حاصل کردہ عسکری تربیت کی بنیاد پر صدام نے صدر البکر سے فور اسٹار جنرل کا عہدہ حاصل کر لیا' عوامی طاقت کے مراکز فوج اور انتظامیہ پر اثر و نفوذ کے بل بوتے پر 16 جولائی 1979ء کو حسن البکر کو مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا' جس کے بعد صدام نے پارٹی کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل سے سیکرٹری جنرل' انقلابی کونسل کے چیئرمین' مسلح افواج کے سپریم کمانڈر اور صدر کے عہدے سنبھال لیے۔ خود کو سماجی' انقلابی' جدت پسند قرار دے کر اپنے ایجنڈے کو آگے بڑھایا۔ معیشت کو نئے خطوط پر استوار کیا' بغاوتوں کی روک تھام کے نظام کی تشکیل' تیل کا عوامی ترقی کے منصوبوں کے لئے استعمال' زرعی نظام کی جدت' کسانوں کی مراعات' تعلیم و صحت کی سہولیات کی مفت فراہمی صدام کے کارنامے ہیں۔ یہ سماجی بہبود اس خاندانی پس منظر کی وجہ سے تھی جس میں اس نے آنکھ کھولی تھی اور پھر غربت و عسرت میں زندگی بسر کی۔

صدام کے فلاحی منصوبوں نے عراق کے غریب اور متوسط طبقے کو اس خوشحالی سے ہمکنار کیا جس کا تصور بھی دوسرے ممالک میں ناممکن تھا۔

بشکریہ (حافظ سجاد ستی)



(37) عیسائی بیسویں صدی میں کھود کے غلام کیسے بنے؟

(سید عاصم محمود)

یہ مارچ ۱۹۱۳ء ہے۔ ووڈرو ولسن کو امریکا کا اٹھائیسواں صدر بنے چند ہی دن ہوئے ہیں۔ ایک دن وہ وائٹ ہاؤس میں موجود تھا کہ سیموئیل انٹر میئر (Samuel Untermeyer) نام کا ملاقاتی اسے ملنے آیا۔ میئر نیویارک کا مشہور وکیل تھا۔ مزید براں اس نے نیشنل ڈیموکریٹک کمیٹی کو دل کھول کر چندہ دیا تھا جس کی مدد سے ولسن ۱۹۱۲ء کے صدارتی انتخابات جیت چکا تھا۔ اس لئے نومنتخب امریکی صدر نے فوراً اسے اپنے کمرے میں بلالیا۔ انتخابی مہم کے دوران ان کی ملاقات ہو چکی تھی۔

انٹر میئر نے امریکی صدر کو یہ بتا کر حیران و پریشان کر دیا کہ وہ اپنی سائلہ کی طرف سے اس پر مقدمہ دائر کرنے لگا ہے کیونکہ اس نے سائلہ سے شادی نہ کر کے وعدہ خلافی کی ہے۔ تاہم ولسن اسے چالیس ہزار ڈالر ادا کر دے، تو وہ مقدمہ کھڑا نہیں کرے گا۔ انٹر میئر کا سائلہ پرنسٹن یونیورسٹی کے ایک سابق پروفیسر کی بیوی تھی۔ ولسن بھی ایک زمانے میں اسی یونیورسٹی میں پڑھاتا تھا۔

اب انٹر میئر نے جیب سے ان عشقیہ خطوط کا پلندہ نکالا جو ولسن نے اپنے ساتھی کی بیوی' میری ایلن پیک کو لکھے تھے۔ تب وہ دونوں پڑوسی تھے۔ خطوط سے ثابت ہوتا تھا کہ دونوں کے مابین ناجائز روابط تھے۔ ولسن نے جوش جوانی میں اپنی شادی شدہ محبوبہ کو کئی خط لکھے تھے جو اس نے ضائع نہیں کیے بلکہ 'سنہرے موقع' کے انتظار میں سنبھالے رکھے۔ اب وہ 'سنہرا موقع' آ پہنچا تھا۔ ولسن نے بے چارگی کے عالم میں اقرار کیا کہ وہ خطوط اسی کے تحریر کردہ ہیں۔

۱۹۱۰ء میں ولسن نے پرنسٹن یونیورسٹی کو خیر باد کہہ دیا تھا تاکہ ریاست نیوجرسی کا گورنر بن سکے۔ ۱۹۱۲ء میں وہ صدارتی انتخابات جیت کر امریکی صدر بن گیا۔ اس دوران ولسن کا سابقہ محبوبہ نے اپنے شوہر سے طلاق لے کر واشنگٹن کے ایک رہائشی سے شادی کر لی۔ اس آدمی کا ایک بالغ لڑکا تھا

جو واشنگٹن کے ممتاز بینک میں ملازمت کرتا تھا۔

ملاقاتی نے میزبان کو بتایا کہ اس کی سابقہ معشوقہ اپنے سوتیلے بیٹے کو بہت چاہتی ہے۔ یہ بیٹا آج کل مالی مسائل کا شکار ہے اور اسے فوری طور پر چالیس ہزار ڈالر درکار ہیں۔ کیوں؟ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں، بس اسے فوراً یہ رقم چاہیے تھی۔ اس کی سوتیلی ماں کو قدرتی طور پر خیال آیا کہ اس کا سابق عاشق ہی اتنی بڑی رقم فراہم کرسکتا ہے جو اب امریکہ کا صدر بھی ہو چکا ہے۔

سارا قصہ سن کر نومنتخب امریکی صدر شش و پنج میں پڑ گیا۔ اگر اس کی رنگ رلیوں کا ماجرا اخبارات میں اچھل جاتا' تو اس کی عزت خاک میں مل جاتی۔ صدارت کے آغاز ہی میں یہ سکینڈل اس کی شہرت کو داغدار کرسکتا تھا۔ ان خدشات کے باوجود ولسن نے انترمیئر کو چالیس ہزار ڈالر دینے سے انکار کردیا۔ ملاقاتی جز بز نہ ہوا' اس نے اسے سوچنے کے لیے مزید چند دن دیے اور وائٹ ہاؤس سے نکل گیا۔

چند دن بعد انترمیئر پھر امریکی صدر سے ملا۔ ولسن نے اسے بتایا کہ اس کے پاس فی الحال اتنی بڑی رقم نہیں تاہم آنے والے ہفتوں میں وہ بندوبست کردے گا۔ مگر ترمیئر کی سائلہ کو فوری طور پر رقم درکار تھی۔ آخر انترمیئر نے مسئلے کا حل نکال لیا۔ اس نے ولسن کو بتایا کہ وہ ایک شرط پر اس کی سابقہ محبوبہ کو چالیس ہزار ڈالر ادا کرسکتا ہے...... وہ یہ کہ جب بھی امریکی سپریم کورٹ کے لیے نیا جج منتخب کرنے کا موقع آیا' تو انترمیئر کا نامزد کردہ شخص ہی جج بنے گا۔

مزید گفتگو کیے بغیر امریکی صدر نے ملاقاتی کی تجویز منظور کرلی۔ اس طرح انترمیئر نے ولسن کی سابقہ محبوبہ کو چالیس ہزار ڈالر دے دیے اور معاملہ دب گیا۔ عشقیہ خطوط انترمیئر کے پاس ہی محفوظ رہے' شاید اس لیے کہ مستقبل میں بھی ولسن کے خلاف استعمال ہوسکیں۔ امریکی صدر نے انترمیئر کا شکریہ ادا کیا کیونکہ اس نے اسے گہری کھائی میں گرنے سے بچالیا تھا۔

ظاہر ہے انترمیئر نے خواہ مخواہ جیب سے اتنی بڑی رقم ادا نہیں کی...... دراصل وہ اپنے ایک دیرینہ خواب کو عملی جامہ پہنانا چاہتا تھا۔ وہ کٹر یہودی تھا اور اب اس وعدے کے ذریعے پہلی بار کسی یہودی جج کو امریکی سپریم کورٹ جیسے بااثر اور معزز ادارے تک پہنچانا چاہتا تھا۔ جلد ہی اس کی تمنا بر آئی اور اس کی سفارش پر صدر ولسن نے یہودی وکیل، لوئیس ڈیمبڈز برانڈیز کو سپریم کورٹ کا جج بنادیا۔ اس حقیقی ڈرامے کے تینوں کرداروں نے یہودیوں کی 'فلاح و بہبود' کے لیے جو 'کارنامے' انجام دیے' وہ آگے بیان ہوں گے۔

یہ حیران کن واقعہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہودیوں (یا صیہونیوں) نے کیسی کیسی چالوں' سازشوں اور ترکیبوں کے ذریعے اپنے مقاصد پورے کیے ہیں۔ عیاری کی یہ داستان چند برسوں پر محیط نہیں بلکہ پورے تین ہزار برس کی تاریخ رکھتی ہے۔ یہ داستان اتنی چکرا دینے والی ہے کہ پڑھنے والا مبہوت ہوکر رہ جاتا ہے اسے پڑھ کر یہی احساس ہوتا ہے کہ یہودی اپنی سازشوں کے ذریعے دنیا کے حاکم بننا چاہتے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے دنیا کی دو بڑی قوتوں کو آپس میں لڑوادیا تاکہ اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کرسکیں۔

آج مسلمان یہ دیکھ کر حیرے زدہ رہ جاتے ہیں کہ عیسائی اور یہودی ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے مسلمانوں اور اسلام کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔ حیرت اس لیے کہ یہ یہودی ہی تھے جنہوں نے (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰؑ کو جھوٹا اور ان کی والدہ' حضرت مریمؑ کو زانیہ کہا اور اپنی سازشوں کے

ذریعے آخر کار انہیں (اپنی دانست میں) مصلوب کر دیا۔ پھر یہ انقلاب عظیم کیسے آیا کہ جو مذہبی نظریات یہودی رکھتے ہیں، وہ آج کروڑوں عیسائیوں کے دلوں میں بس چکے ہیں؟۔

یہ کس قسم کے نظریات ہیں؟ ان کا مختصر سا خلاصہ یہ ہے:

توریت اور انجیل میں آنے والے وقت کے سلسلے میں کئی پیش گوئیاں کی گئی ہیں۔ ان کی رو سے حضرت عیسیٰ دوبارہ زمین پر آ کر اپنے دشمنوں سے عظیم جنگ کریں گے اور انہیں شکست دے کر ایک ہزار سال تک اپنی حکومت قائم کریں گے۔ لیکن ان کی تشریف آوری اسی وقت ممکن ہے جن یہودی دریائے نیل سے لے کر دریائے فرات کے درمیانی علاقے پر قابض ہو جائیں اور مسجد اقصیٰ کی جگہ ہیکل سلیمانی تعمیر کر لیا جائے۔

یہ ہے ان مذہبی پیشن گوئیوں کا خلاصہ جن پر آج کروڑوں عیسائی یقین رکھتے اور اسی لیے کھل کر اسرائیل کی ہر ممکن مدد کرتے ہیں، ان پر آگے چل کر مزید بحث ہوگی۔ (واضح رہے کہ بحیثیت مسلمان میرا ایمان ہے کہ توریت اور انجیل یعنی بائبل کے دونوں حصے تحریف شدہ ہیں)۔ چونکہ درج بالا پیشن گوئیوں سے سب عیسائی متفق نہیں، اس لیے اول الذکر دنیائے عیسائیت میں اناجیلی یا صیہونی عیسائی یا انتہا پسند عیسائی کہلاتے ہیں۔ ان کی تعداد چالیس کروڑ تک بتائی جاتی ہے۔ امریکا میں پندرہ سے بیس کروڑ اناجیلی بستے ہیں۔ یہ خود عیسائیت کے دو بڑے فرقوں میں ایک فرقے پروٹسٹنگ کی شاخ ہیں۔

خاص بات یہ ہے کہ امریکا میں اناجیلی بڑے طاقت ور اور اثر و رسوخ والے ہیں۔ حتیٰ کہ اب امریکی صدور بھی ان کے نظریات سے متاثر ہیں۔ اسی لیے امریکی خارجہ پالیسی کا جھکاؤ واضح طور پر اسرائیل کی حمایت میں اور مسلمانوں کے خلاف ہے۔

کتب احادیث میں بھی پیشن گوئیاں موجود ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

قرب قیامت کی ایک نشانی دجال کا نمودار ہونا ہے۔ یہودی خاص طور پر اس کے پیروکار بن جائیں گے۔ تب امام مہدی کا ظہور ہوگا۔ وہ ایک عظیم جنگ (الملحمۃ الکبریٰ) میں اس سے مقابلہ کریں گے مگر اسے شکست نہیں دے سکیں گے۔ تب حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہوگا جو دجال پر فتح پا کر روئے زمین پر صحیح اسلامی حکومت قائم کریں گے۔

دنیائے عیسائیت میں ابتدا سے یہ نظریہ موجود ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ایک بار پھر دنیا میں آئیں گے مگر چند سو برس پہلے تک ایسا ہونے کے لیے یہ شرط موجود نہیں تھی کہ ان کی تشریف آوری کے لیے مشرق وسطیٰ میں ایک یہودی مملکت کا قیام اور مسجد اقصیٰ کی تباہی لازمی ہے۔ پھر یہودی اصل رکھنے والے یہ نظریئے عیسائیوں نے کیسے قبول کر لیے؟ اسی موقع پر ایک بڑی گہری صیہونی سازش کا اہم کردار سائرس انگرسن اسکوفیلڈ سامنے آتا ہے

۔

اسکوفیلڈ......گناہ گار جو رہنما بن گیا

یہ وہ شخص ہے جس نے دنیا کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا مگر بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ یہ کون ہے اور اس نے اپنی زندگی کیسے گزاری؟ حالانکہ اس نے دنیائے عیسائیت پر جس قسم کے اثرات مرتب کیے انہیں دیکھتے ہوئے اسے مقبول عام شخصیت ہونا چاہیے تھا۔ اس کے باوجود اسکو

فیلڈ کے پیروکار ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ اس کے حالات زندگی سامنے نہ آئیں۔ آخر کیوں؟ اس لیے کہ اس کی پوری زندگی گناہوں سے آلودہ ہے۔

اسکوفیلڈ جب پیدا ہوا' تب امریکا میں یہودی خفیہ سازشوں میں مصروف تھے تاکہ اس نئے ملک میں اپنے قدم جما سکیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے متفرق اقسام کے ہتھکنڈے استعمال کیے۔ ان میں سب سے اہم یہودی مذہبی نظریات کو عام عیسائیوں میں مقبول بنانا تھا تاکہ ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر انھیں اپنا ہمنوا بنایا جاسکے۔ اس وقت کنگ جیمز بائبل سب سے زیادہ پڑھی جانے والی اور تسلیم شدہ بائبل تھی۔ برطانوی شاہ جیمز اول نے ۱۶۱۱ء میں اس کا ترجمہ کروایا تھا۔

اب یہودیوں اور صیہونیوں نے منصوبہ بنایا کہ کوئی ہم خیال پادری کنگ جیمز بائبل کی شرح بالکل نئے انداز سے لکھے......وہ اس طرح کے بائبل کے جملوں' حاشیوں' ابواب اور صفحوں کے نیچے یہودی مذہبی نظریات کئی ہزار نوٹس کی شکل میں ٹھونس دے۔ اس نہایت اہم کارروائی کو سرانجام دینے کے لیے ان کی نگاہ انتخاب اسکوفیلڈ پر آٹھہری۔ (یاد رہے کہ یہودی اور صیہونی ایک ہی جیسے خیالات و نظریات رکھتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ انیسویں صدی کے اواخر میں جو یہودی ریاست اسرائیل بنانے کے لیے سرگرم عمل ہوئے انھیں صیہونی کہا جاتا ہے)۔

اسکوفیلڈ نے یہودی منصوبے کو اس کامیابی سے عملی جامہ پہنایا کہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ بعد کو یہودیوں نے اس کی اشاعت اور ترویج پر اتنی زبردست توجہ دی کہ یہ امریکا میں سب سے زیادہ فروخت ہونے والی بائبل کا اعزاز حاصل کر چکی ہے۔ چونکہ کنگ جیمز بائبل قدیم انگریزی میں لکھی گئی ہے' لہٰذا نئی نسل کے لیے اسے سمجھنا دشوار سے دشوار تر ہوتا گیا۔ تب اس نے اسکوفیلڈ بائبل کا رخ کر لیا جو درحقیقت کنگ جیمز بائبل سے بہت مختلف ہے۔ اسکوفیلڈ نے اپنے آقاؤں کے مطابق ایک نہایت جدید اسرائیلی ریاست کا بت تراش دیا جسے پوجنے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ رہا ہے۔

آنے والی امریکی نسلیں اسکوفیلڈ کے نوٹس کو 'بائبل کا حصہ' اور 'خدا کا فرمان' سمجھنے لگیں۔ انھیں یقین ہو گیا کہ یہودی خدا کی 'پسندیدہ ترین' قوم ہے اور فلسطین کا علاقہ خدا نے ہی اسے عطا کیا ہے۔ امریکی حکومت کے کئی اعلیٰ عہدے داروں سے امریکی صدر تک' بڑے بڑے صنعت کار' تاجر اور امریکی عوام سب انہی نظریات پر یقین رکھتے ہیں کیونکہ یہ ان کی بائبل کا حصہ ہیں۔ اسی لیے امریکی حکومت اپنا ''نیا عالمی حکم نامہ'' پوری شدت سے دنیا پر لاگو کرنا چاہتی ہے' یہ اس کا مذہبی فریضہ بھی ہے اور اسی لیے امریکا فلسطین میں یہودی بستیوں کی تعمیر رکوانا نہیں چاہتا۔

اگر اسکوفیلڈ کے نوٹس علیحدہ کتابچے کی شکل میں شائع ہوتے' تو یقیناً انھیں بھلا دیا جاتا' وہ گوشہ گمنامی میں سڑتے رہتے مگر بائبل میں شامل کرنے کے باعث انھیں دوامی حیثیت مل گئی۔ آسان فہم ہونے کے باعث وہ نئی نسلوں کے ذہن میں رچ بس گئے اور وہ نادانستہ طور پر صیہونی عیسائی بنتے چلے گئے۔ اسکوفیلڈ بائبل کے پیروکار اسے خدا کا تحفہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے صیہونی نظریات اتنے راسخ ہو چکے ہیں کہ وہ اس بائبل کے خلاف کوئی بات سننے کو تیار نہیں۔ ان کے نزدیک اسکوفیلڈ سے اختلاف کرنا حضرت عیسیٰ سے اختلاف کرنے کے مترادف ہے۔

دلچسپ امر یہ ہے کہ دنیائے عیسائیت میں سب معروف بائبل سوسائٹیوں (یعنی بائبل شائع کرنے والے اداروں) کی یہ پالیسی رہی ہے کہ

بائبل کے اندر کوئی نوٹ یا اپنا ذاتی نظریہ شامل نہیں کرنا۔ اسکوفیلڈ نے اس اصول کی نفی کر دی۔ حتیٰ کہ انجیل میں درج اس حکم کو بھی مسترد کر دیا:

''خبردار ایسا نہ کر! میں بھی تیرا اور تیرے بھائی نبیوں اور اس کتاب کی باتوں پر عمل کرنے والوں کا ہم خدمت ہوں۔(یوحنا کا مکاشفہ۔۱۹:۲۲)

اسکوفیلڈ نے توریت اور انجیل میں سامل کسی کتاب کو نہیں بخشا اور جملوں میں جگہ جگہ اپنے نوٹس داخل کر دیے۔ یوں عام لوگوں کے نزدیک وہ بھی مزہبی کتاب کا حصہ بن گئے جو بہت بڑی غلط فہمی ہے۔

یہ نام نہاد بائبل پہلی بار ۱۹۰۹ء میں طبع ہوئی اور تب سے اس کی متعدد اشاعتیں نکل چکی ہیں۔ یورپ کی متفرق زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ ہوا ہے اور اب یورپی ممالک میں بھی صیہونی عیسائی نظریات پھیل رہے ہیں۔ یہ تین بار نظر ثانی کے عمل سے گزری ہے اور ہر بار مدیران نے یہودی پیشن گوئیوں کو موثر بنانے کے لیے نوٹس میں قطع و برید سے کام لیا (ثبوت آگے فراہم ہوں گے)۔

سب سے پہلے ۱۹۱۷ء میں اسکوفیلڈ نے اپنے ہم خیالوں کے ساتھ اس کا از سرنو جائزہ لیا تاکہ 'خامیاں' دور کی جاسکیں۔ ۱۹۶۷ء میں ناشر نے اناجیلی پادریوں سے اسے درست اور حالات کے مطابق 'ہم آہنگ' کروایا۔ ۱۹۸۴ء میں یہ بائبل پھر نظر ثانی سے گزری۔ تاحال یہی نسخہ بار بار شائع کیا جا رہا ہے۔ اسکوفیلڈ بائبل میں جو صیہونی نظریے ٹھونسے گئے ہیں' ان کا اصل موجد اسکوفیلڈ بھی نہیں بلکہ اس کا گرو جان نیلسن ڈربی ہے۔ اس برطانوی پادری نے ایک نئے فرقے' تقدیر مت (Dispensantionalism) کی بنیاد رکھی تھی جس کے تمام نظریات یہودی اصل رکھتے ہیں۔ اسکوفیلڈ اسی فرقے کا پیروکار تھا۔ قارئین ڈربی اور اس کے فرقے کے 'کارنامے' آگے پڑھیں گے۔

اسکوفیلڈ کی گناہ آلود زندگی

سائرس انگرسن اسکوفیلڈ ۱۹ اگست ۱۸۴۳ء کو ریاست مشی گن کی لیناوی کاؤنٹی میں پیدا ہوا۔ ۱۸۶۱ء میں جب امریکی خانہ جنگی شروع ہوئی تو اس کے ماں باپ ریاست ٹینیسی منتقل ہو گئے۔ اس نے وہیں کانفیڈریٹ آرمی کی طرف سے خانہ جنگی میں حصہ لیا۔ ایک سال بعد اسے فوج سے نکال دیا گیا کیونکہ وہ جانفیڈریٹ ریاستوں شہری نہیں تھا۔ اس نے جھوٹ بول کر فوج میں شمولیت اختیار کی تھی۔

خانہ جنگی ختم ہونے کے بعد اسے ریاست میسوری کے شہر سینٹ لوئیس میں پایا گیا۔ اب وہ شادی شدہ اور دو بچوں کا باپ بن چکا ہے۔ یہ پتا نہیں چلتا کہ ۱۸۶۹ء میں کنساس شہر جانے تک وہ گھریلو اخراجات کیونکر برداشت کرتا رہا۔ کچھ مورخین لکھتے ہیں کہ وہ وکالت کرتا رہا۔ مگر سینٹ لوئیس کی عدالتی تاریخ میں ایسا کوئی مقدمہ نہیں جو اس نے لڑا ہو۔ دوسرے مورخین کہتے ہیں کہ اس دوران وہ دوسروں کو ٹھگ کر کمائی کرتا رہا اور یہی بات درست ہے۔ دراصل ایسا کوئی ثبوت موجود نہیں جس سے پتا چلے کہ اس نے کسی کالج میں وکالت کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہو۔ اسکوفیلڈ نے خود ہی اپنے آپ کو وکیل قرار دے دیا۔

۱۸۶۹ء میں وہ بال بچوں سمیت کنساس شہر چلا آیا جہاں اس کی بیوی لیونٹین کیری کی کچھ جائداد تھی۔ اس جائداد ہی سے متعلق ایک مقدمے کے سلسلے میں اس کی ملاقات یہودی وکیل جان جے انگلاس سے ہوئی۔ ۱۸۳۳ء میں پیدا ہونے والا یہ یہودی دراصل ایک خفیہ تنظیم 'دی سیکرٹ

سکس' سے منسلک تھا جس کا صدر دفتر بوسٹن میں تھا۔ اس تنظیم کا بظاہر مقصد امریکی جنوبی ریاستوں سے غلامی کا خاتمہ کرنا تھا مگر اصل میں یہ امریکہ میں خانہ جنگی کروانا چاہتی تھی تاکہ یہاں صیہونیوں کو قدم جمانے کا موقع مل سکے۔ دی سیکرٹ سکس خود مشہور زمانہ یہودی تنظیم الومانتی (illumuinate) کی ذیلی شاخ تھی۔

اب تو اسکوفیلڈ کی چاندی ہوگئی۔ علاقے میں دی سیکرٹ سکس کے ارکان خاصا اثر ورسوخ رکھتے تھے۔ انگلاس اور ان ارکان کی کوششوں سے اسے کنساس بار میں شمولیت کا پروانہ مل گیا حالانکہ اسکوفیلڈ نے وکالت کی کوئی رسمی تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ یہوں اس نے جھوٹ بول کہ وہ سینٹ لوئیس بار کا رکن ہے۔ اثر ورسوخ سے کان لے کر یہ دونوں وکیل کنساس اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ انگلاس کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہی اسکوفیلڈ پہلی بار یہودی مذہبی نظریات اور صیہونی منصوبوں سے آگاہ ہوا۔

۱۸۷۲ء میں امریکی سینٹ کے انتخابات ہوئے۔ اسکوفیلڈ کے آقا' انگلاس نے کنساس سے سینٹ کا انتخاب لڑا۔ اسکوفیلڈ نے اس کی انتخابی مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اتفاق سے اس کے حریف پر سرکاری اہل کاروں کو رشوت دینے کے الزامات لگ گئے، یوں انگلاس امریکی سینٹ کا رکن بن گیا۔

چونکہ اسکوفیلڈ نے اس کی انتخابی مہم میں نمایاں کردار ادا کیا تھا، اس لیے انگلاس نے اسے انعام دینے کا فیصلہ کرلیا۔ ۱۱ مارچ ۱۸۷۳ء کو اس نے امریکی صدر گرانٹ کو یہ پٹیشن بھیجی کہ اسکوفیلڈ کو ریاست کنساس کا اٹارنی جنرل بنا دیا جائے۔ درخواست منظور ہوئی اور اسکوفیلڈ اس زمانے میں امریکہ کا سب سے کم عمر ریاستی اٹارنی جنرل بن گیا۔ اس کی عمر انتیس سال تھی۔

نئے عہدے کا حلف اٹھاتے ہوئے مستقبل کے مشہور مذہبی رہنما نے ایک اور جھوٹ داغ دیا۔ اس نے بیان دیا "خدا کی قسم میں نے کبھی رضا کارانہ طور پر ریاست ہائے متحدہ (امریکہ) کی فوج کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائے اور نہ ہی میں کانفڈریٹ فوج میں شامل رہا۔" حالانکہ اس نے ایک سال تک کانفیڈریٹ فوج میں رضا کارانہ طور پر خدمات انجام دی تھیں۔

دراصل اس زمانے تک امریکی حکومت ان افراد کو سزائیں دے رہی تھی جنھوں نے کانفیڈریٹ فوج کی طرف سے خانہ جنگی میں حصہ لیا تھا۔ اسکوفیلڈ نے اٹارنی جنرل بننے کی خاطر سچ چھپانے میں کوئی عار محسوس نہیں کیا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ ستائیس برس بعد جب کانفیڈریٹ فوج کی یادیں تازہ کرنے والے ایک ادارے نے اسے تمغہ دیا، تو اسکوفیلڈ نے اسے بخوشی قبول کرلیا۔

لیکن اسکوفیلڈ زیادہ عرصے اپنے نئے عرصے سے لطف نہ اٹھا سکا۔ کیونکہ مقامی اخبارات میں اس کی بے ایمانی کی خبریں آنے لگیں۔ معلوم ہوا کہ اس نے ری پبلکن پارٹی کے کئی مقامی عہدے داروں کو ٹھگ لیا ش۔ ۱۴ دسمبر ۱۸۷۳ء کو ریاستی شہر، لیون ورتھ کے اخبار ڈیلی ٹائمز نے یہ خبر شائع کی کہ اسکوفیلڈ نے ایک آدمی سے بھاری رقم طور رشوت لی ہے تاکہ اس پر مقدمہ نہ چل سکے۔ اخبار کے مطابق اس کے پاس بطور ثبوت تحریری حلفی بیان بھی موجود ہے۔ ان الزامات کے باعث اسکوفیلڈ نے صرف چھ ماہ بعد ۲ دسمبر ۱۸۷۳ء کو اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ اس نے کوئی وجہ نہیں بتائی۔ اب انگلاس اس کا اثر ورسوخ کام آیا اور اس کے خلاف کسی قسم کی تفتیش نہ ہو سکی۔

ذلت اٹھا کر اسکوفیلڈ سینٹ لوئیس واپس چلا گیا۔ وہ بیوی بچوں کو ریاست کنساس کے شہر اچی سن چھوڑ گیا جہاں اس کی ساس مقیم تھی۔ تب تک اس کے ہاں ایک بیٹا بھی پیدا ہو چکا تھا۔ خیال ہے کہ وہ سینٹ لوئیس جا کر وکالت کرنے لگا مگر ساتھ ساتھ اس نے لوگوں کو دھوکہ دینے کا دھندا بھی جاری رکھا۔ حتیٰ کہ اس نے اپنی ساس کو بھی نہیں بخشا۔

سینٹ لوئیس پہنچ کر اس نے اپنی بیگم کو خط لکھا کہ وہ اپنی ماں کی جمع کردہ رقم، تیرہ سو ڈالر اسے بھیج دے تاکہ وہ کہیں سرمایہ کاری کر کے کثیر منافع کما سکیں۔ کچھ ہفتوں کی خط کتابت کے بعد بیگم نے اپنی ماں کی کل جمع پونجی شوہر کو ارسال کر دی۔ اسکوفیلڈ نے انہیں ایک رہن نامہ بھجوایا جو سینٹ لوئیس میں کسی جائیداد کے متعلق تھا۔ اس پر چارلس بیسٹ کے دستخط تھے۔ بعد میں پتا چلا کہ رہن نامہ اور اس پر ہونے والے دستخط دونوں جعلی تھے۔ اسکوفیلڈ نے زندگی بھر یہ تیرہ سو ڈالر ساس کو واپس نہیں لوٹائے۔

مقدمات کا ریکارڈ:

سینٹ لوئیس کی عدالتوں میں اسکوفیلڈ کے خلاف دائر کیے جانے والے تین مقدمات کا ریکارڈ آج بھی موجود ہے۔ ان مقدموں کے نمبر بالترتیب ۴۴۲۵۲، ۴۵۳۲۶ اور ۴۶۳۳۳ ہے۔ تینوں دھوکا دہی سے متعلق تھے، وہ جعل سازی کے ایسے واقعات کا بھی مرتکب ہوا جن کا تھانے یا عدالت میں اندراج نہ ہو سکا۔ مؤرخین کے مطابق ۱۸۷۸ء یا ۱۸۷۹ء میں ایک مقدمے کے سلسلے میں اسے سزا ہوئی اور وہ کم از کم چھ ماہ جیل میں قید رہا۔

اسیری کے دوران ہی اس نے جان ڈربی کے یہودی فلسفے کا مطالعہ کیا اور اس سے بڑا متاثر ہوا۔ کچھ مورخ یہ بھی لکھتے ہیں کہ جیل میں اس کی ملاقات ان راہباؤں سے ہوئی جو سینٹ لوئیس کے وال نٹ سٹریٹ پریسبیٹیرین چرچ سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس چرچ کا پادری، جیمز بروکس جان ڈربی کا گہرا دوست تھا۔ انہوں نے اسکوفیلڈ کو ڈربی کے تقدیر مت سے متعارف کروایا۔

اس واقعے کے بعد اسکوفیلڈ، دوبارہ پیدا ہونے والا عیسائی (Born again christian) بن گیا۔ یہ دراصل تقدیر مت کا ایک نظریہ ہے جس کے مطابق تقدیر مت قبول کر لینے والا گناہوں سے پاک ہو کر نیا عیسائی بن جاتا ہے۔ یقیناً آپ نے کئی بار امریکی بش کی زبان سے یہ فقرہ سنا ہوگا ''آئی ایم بارن اگین کرسچین''۔

بیوی بچوں کو لاوارث چھوڑ دیا

اسکوفیلڈ اب وکیل سے پادری بننے کی راہ پر گامزن ہو گیا لیکن اسی دوران اس کے دامن پر طلاق یافتہ ہونے کا بڑا نمایاں دھبہ لگا۔ ۱۸۷۳ء میں سینٹ لوئیس آنے کے بعد اسکوفیلڈ کی اپنی بیوی سے ان بن رہنے لگی جو اس کی غیر شریفانہ حرکتوں سے بہت تنگ تھی۔ اس کے گناہوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ دسمبر ۱۸۷۴ء میں اسکوفیلڈ کا بیٹا، گائے چل بسا۔ اب اس کی ازدواجی زندگی مزید پریشان کن ہو گئی۔ ناکافی آمدنی نے گھریلو زندگی اجیرن کر دی۔ اس کے بعد اسکوفیلڈ کا اپنی بیوی بچیوں سے ناطہ ٹوٹ گیا اور وہ شرابی مرد کی صورت میں سامنے آیا۔

اسکوفیلڈ نے اسی عرصے میں سینٹ لوئیس فلاور مشن سے وابستہ ایک نوجوان لڑکی کو اپنی داشتہ بنا لیا۔ تلاش بسیار کے باوجود اس لڑکی کا نام معلوم

نہ ہوسکا۔ بعدازاں اس نے دوسری لڑکی بیٹی وان وارث سے ناجائز تعلقات قائم کر لیے۔ پہلی بیوی اور دونوں بچیاں اسکوفیلڈ کی زندگی سے یوں نکل گئیں جیسے ان کا وجود ہی نہیں۔ کیا یہ سخت دلی کی نمایاں مثال نہیں ہے؟ پھر اس زمانے میں امریکی حکومت لاچاروں کی مدد کرنے کے قابل نہ تھی اور اچھی ملازمتیں بھی دستیاب نہیں تھیں۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب شقی القلب شوہر اور باپ نے اپنی بیوی اور بیٹیوں کو لاوارث چھوڑ دیا تو ان پر مصائب کے کیسے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہوں گے۔

جولائی ۱۸۸۱ء میں آخر کار تنگ آ کر لیونتین نے مقامی عدالت میں طلاق کا مقدمہ دائر کر دیا۔ اپنی درخواست میں اس نے یہ وجہ بیان کی:

''وہ اپنی بیوی اور بچوں پر دھیان نہیں دیتا بلکہ اس نے انہیں لاوارثوں کی طرح چھوڑ دیا ہے۔ اس نے انتہائی غیر ذمے داری کا مظاہرہ کیا ہے اور اپنی بیوی بچوں کو کسی قسم کا خرچ نہیں بھیجتا۔ اس نے انہیں نہ غذا فراہم کی ہے نہ کپڑے اور نہ رہنے کو مکان حالانکہ اب وہ اتنا امیر ہے کہ ہمارے اخراجات برداشت کرسکتا ہے۔''

مقدمہ چلتا رہا یہاں تک کہ نومبر ۱۸۸۳ء میں عدالت نے لیونتین کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ عدالت نے فیصلے میں لکھا:

''مدعا علیہ عدالت میں صرف ایک بار حاضر ہوا اور پھر کبھی نظر نہیں آیا۔ تفتیش کے دوران یہ بات سامنے آئی کہ وہ بیوی بچوں کے سلسلے میں اپنے حقوق ادا نہیں کر رہا اور اس لحاظ سے ان کا مجرم ٹھہرتا ہے۔ عدالت اس لیے میاں بیوی کے درمیان رشتے کو توڑنے کا حکم جاری کرتی ہے۔

اور یہ کہ مدعا علیہ کی دونوں بیٹیاں، ابیجل اور ہیلن کو ان کی ماں کے سپرد کیا جائے، وہ ہی ان کی پرورش اور دیکھ بھال کی ذمہ دار ہوگی۔

عدالت کی نظر میں مدعا علیہ بچوں کی دیکھ بھال کرنے کے سلسلے میں موزوں باپ نہیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں اب مدعا علیہ کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔''

اس وقت تک اسکوفیلڈ کو پادری بنے چار برس ہو چکے تھے۔ طلاق ملتے ہی صرف تین ماہ بعد اسکوفیلڈ نے اپنی محبوبہ، بیٹی وان سے شادی کر لی۔ عیسائیوں کے ممتاز رہنما اور حضرت عیسیٰ ؑ کے حواری سینٹ پال (پطرس) انجیل میں شامل، تیم تھیس کے نام پہلے خط میں لکھتے ہیں کہ جو شخص پادری بننا چاہتا ہے، اس میں یہ خصوصیات ہونی چاہیے:

''یہ بات سچ ہے کہ جو شخص نگہبان کا عہدہ چاہتا ہے وہ اچھے کام کرنے کی خواہش کرتا ہے۔ پس اسے بے الزام، ایک بیوی کا شوہر، پرہیزگار، متقی، شائستہ، مسافر پرور اور تعلیم دینے کے لائق ہونا چاہیے۔ وہ نشے میں غل مچانے یا مار پیٹ کرنے والا نہ ہو۔ اپنے گھر کا بخوبی بندوبست کرتا اور بچوں کو کمال سنجیدگی سے تابع رکھتا ہو۔ (جب کوئی اپنے ہی گھر کا بندوبست نہ کر سکے، تو خدا کے کلیسا کی خبرگیری کیسے کرے گا؟)'' (۳:۲ تا ۵)

قارئین! اندازہ لگایئے کہ کیا اسکوفیلڈ اخلاقی لحاظ سے پادری بننے کے لائق تھا؟ اس نے تو اپنے بیوی بچوں کو لاواث چھوڑ کر حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ دیکھیے پطرس ایسے شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں:

''اگر کوئی اپنوں اور خاص کر اپنے گھرانے (خاندان) کی خبرگیری نہ کرے تو وہ ایمان کا منکر اور بے ایمان سے بھی بدتر ہے۔ (تیم تھیس کے نام پہلا خط۔ ۵:۸)

حضرت عیسیٰؑ کے بعد دنیائے عیسائیت کے سب سے بڑے اور مقبول رہنما کے نزدیک اسکوفیلڈ پرلے درجے کا ذلیل شخص ہے لیکن بیسویں صدی کے عیسائیوں کی عقل پر نجانے کیا پردہ پڑ چکا ہے کہ انہوں نے اسے مہاتما کے درجے تک پہنچا دیا۔

سزا یافتہ پادری بن گیا

جیسا کہ پہلے بتایا کہ ۱۸۷۹ء میں جیل کے دوران اسکوفیلڈ تقدیرمت کے نظریات سے واقف ہوا اور نتیجتاً نئے سرے سے پیدا ہونے والا عیسائی بن گیا۔ رہا ہونے کے بعد عیسائی دینیات سے ناواقف اور حقیقتاً ناخواندہ یہ نام نہاد وکیل جیمز ایچ بروکس سے عیسائی تعلیمات حاصل کرنے لگا۔ یہ بروکس صاحب امریکہ میں تقدیرمت کے بابا(Father) کہلاتے ہیں۔ بروکس نے اپنے 'ہونہار شاگرد' کی تربیت اس ماہرانہ انداز میں کی کہ وہ تقدیرمت کا 'بڑا عالم' بن گیا۔ اسکوفیلڈ خود کہتا ہے ''میں نے جیمز بروکس سے وہ کچھ سیکھا جو اس زمانے میں بڑے بڑے امریکی پادریوں کو بھی معلوم نہ تھا۔''

بروکس ہی نے ڈیوائٹ موڈی سے اس کا تعارف کروایا جو تب امریکی اناجیلیوں کا بڑا رہنما تھا۔ (تفصیل آگے آئے گی)۔ اسے یہ ذہین نوجوان بہت بھایا جو 'مطلب کی باتیں' بہت جلد سمجھ جاتا تھا۔ ان کی ذہنی ہم آہنگی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب پادری موڈی نے ۱۸۷۹ء کے اواخر میں تقدیرمت کے نظریات عیسائیوں تک پہنچانے کے لیے مہم چلائی، تو متعلقہ پادریوں کی فہرست میں اسکوفیلڈ کا نام بھی شامل تھا۔ سینٹ لوئیس میں کوئی بھی اس پادری کو نہیں جانتا تھا۔

اسکوفیلڈ اپنے پرانے الوماتی دوستوں اور نئے دوستوں کی مدد سے 'ترقی' کرتا رہا۔ ان کا اثر ورسوخ ہر جگہ کام آیا اور راہ کی رکاوٹیں دور ہوتی رہیں۔ بروکس نے اپنی طرف سے اسے عیسائی دینیات میں طاق کر کے جولائی ۱۸۸۰ء میں ایک گرجے، پلگرم کانگری گیشنل کا پادری بنا دیا حالانکہ اسکوفیلڈ اس مرتبے کے لائق ہرگز نہ تھا۔ یقیناً بروکس جانتا تھا کہ اسکوفیلڈ نے اپنے خاندان کو لاوارث چھوڑ رکھا ہے مگر اسے تو اپنے ذہین شاگرد سے کئی کام لینے تھے، وہ سونے کی اس چڑیا کو ہاتھ سے کیسے جانے دیتا؟

اسی سال بروکس کی کوششوں سے اسے سینٹ لوئیس ایسوسی ایشن آف دی کانگری گیشنل چرچس نے بحیثیت پادری تبلیغ کرنے کا لائسنس بھی دے دیا۔ اسکوفیلڈ نے اس سنہرے موقع سے فائدہ اٹھایا اور ہائیڈ پارک کانگری گیشنل چرچ میں عیسائیت کی تبلیغ کرنے لگا۔ اس دوران جب کنساس میں یہ خبر پہنچی کہ ریاست کا سابق اٹارنی جنرل پادری بن چکا ہے، تو وہاں کئی اخباروں نے اس بدمعاش پر مضامین چھاپے اور اس کا پول کھول دیا۔ ۲۷ اگست ۱۸۸۱ء کو کنساس کے صدر مقام، توپیکا کے ممتاز اخبار 'دی ڈیلی کیپٹل' میں شائع ہونے والے مضمون میں سے ایک اقتباس درج ذیل ہے:

''کنساس کا سابق وکیل، سیاست دان اور بددیانت سائرس آئی اسکوفیلڈ دوبارہ منظر عام پر آ چکا ہے۔ شہرت حاصل کرنے کے لیے وہ ماضی کی طرح پھر ہاتھ پیر مار رہا ہے۔ بدذاتوں کا یہ پیر چند سال قبل دھوکا دہی اور جعل سازی کے مقدمات میں پھنسنے کے بعد ریاست اور اپنے کنگال خاندان کو چھوڑ کر کہیں اور بھاگ گیا تھا اور اس کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

’’دوسال پہلے پتا چلا کہ وہ سینٹ لوئیس چلا گیا تھا جہاں اس کی امیر بیوہ بہن مقیم ہے۔ اس نے جن جن لوگوں کو ٹھگا تھا، انہوں نے وہاں اس کا گھیراؤ کر لیا۔ آخر کار امیر بہن نے ہر ایک کو منہ مانگی رقم دے کر اپنے بھائی کو ان کے چنگل سے آزاد کروایا۔ لیکن سینٹ لوئیس میں بھی اسکوفیلڈ دھوکے بازی کے کئی واقعات میں ملوث ہو گیا۔ ایک مقدمے میں اسے سزا بھی ملی اور وہ چھ ماہ جیل میں رہا۔ یہی مجرم اسکوفیلڈ اب سینٹ لوئیس میں پادری بن گیا ہے۔ وہ اس جامے میں کیا گل کھلاتا ہے، یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا۔‘‘

یہ مضمون اس امر کی شہادت ہے کہ اسکوفیلڈ کی روح شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے کے لیے بے تاب رہتی تھی۔ پادری بن کر وہ امریکی ریاستوں کے مختلف گرجاؤں اور عیسائی تنظیموں سے وابستہ رہا۔ اس کے حلقہ احباب اور اثر و رسوخ میں اضافہ ہوتا رہا۔ تقدیریمت اختیار کرنے والے کئی پادری اور وہ امریکی رہنما اس کے دوست بن گئے جن میں صیہونی اور اشترا کی پیش پیش تھے۔

ڈاکٹر بننے کی طرف پہلا قدم

۱۸۸۸ء میں خود ساختہ لکھاری اسکوفیلڈ کے قلم سے پہلا شاہکار نکلا۔ اس کتابچے کا نام ’دنیائے سچ کو تقسیم کرنے کا صحیح طریقہ‘ اس میں اسکوفیلڈ نے تقدیریمت کے متفرق اصول، آسان فہم، زبان میں بیان کیے جو وہ تبلیغ کے دوران اپنے طلباء اور عام لوگوں کو بتاتا اور سمجھاتا رہا تھا۔ (یہی اصول یا قوانین بعد میں نوٹس کی شکل میں اسکوفیلڈ بائبل کا حصہ بنے)

بظاہر اسکوفیلڈ شمالی امریکہ میں بائبلی پیشین گوئیوں اور حضرت عیسیٰؑ کے ہزار سال دو(Millennial) کی اس تحریک کا رکن تھا جو جان ڈربی اور اس کے ساتھیوں نے شروع کی تھی مگر ساتھ ساتھ وہ اس کا اہم کردار بھی بنتا چلا گیا۔ وہ باقاعدگی سے بائبل کانفرنسوں میں بھی شرکت کرنے لگا جن کا مقصد تقدیریمت کے نظریات پورے شمالی امریکا میں پھیلانا تھا۔ اس قسم کی کانفرنسیں ۱۸۶۸ء میں شروع ہوئیں اور بیسویں صدی کے اوائل تک جاری رہیں۔ ابتدا میں ان کا مقصد ایسی معاشرتی برائیوں کا سدباب کرنا تھا جو آزاد خیالی(Liberalism) کے باعث عیسائی معاشرے میں پھیل رہی تھیں۔ ان کانفرنسوں میں ہر فرقے کے عیسائی رہنما شریک ہوئے مگر بعد میں یہ تقدیریمت کے پادریوں اور صیہونی رہنماؤں کی کٹھ پتلیاں بن گئیں کیونکہ تحریک آزاد خیالی کے پیچھے یہودی فلسفہ ہی کار فرما تھا۔

مثال کے طور پر ۱۸۷۸ء میں جب نیاگرا کے مقام پر بائبل کانفرنس منعقد ہوئی، تو ایک منظور کردہ قرارداد میں جان ڈربی کے فرقے اور صیہونی عیسائیت کے وہ نظریات پیش کیے گئے جن کا اسکوفیلڈ معتقد بن رہا تھا:

’’ہمیں یقین ہے کہ دنیا حالیہ دور میں (عیسائی) نہیں بنے گی بلکہ روزِ حساب (قیامت) قریب آرہا ہے۔ جلد عیسائی دنیا میں ارتداد کی زبردست لہر پھیلے گی، اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ نازل ہو کر ہزار سالہ دور کا آغاز کریں گے، تب اسرائیل (یہودیوں) کو ان کی زمین پر آباد کیا جائے گا اور دنیا پر خدا کی حکمرانی قائم ہوگی۔ ہر عیسائی کو چاہیے کہ وہ شدت سے اس وقت کا انتظار کرے کیونکہ اس کے آنے کی پیشین گوئی انجیل میں ہے۔‘‘

۱۸۹۰ء میں اسکوفیلڈ نے ’’بائبل خط کتابت اسکول‘‘ شروع کر دیا، ساتھ ساتھ وہ عیسائی دینی اسکولوں میں تعلیم بھی دینے لگا۔ لوتھر رالیس اس کا چہیتا شاگرد تھا۔ ۱۸۹۲ء میں لوتھر پادری بنا تو اس موقع پر منعقدہ تقریب میں اسکوفیلڈ نے تقریر کی۔ وہ بعد ازاں کتابچے ’حضرت عیسیٰ مبلغ کی حیثیت

سے' کے نام سے شائع ہوئی۔ اس میں پہلی مرتبہ اسکوفیلڈ نے اپنے آپ کو'ڈاکٹر' قرار دے دیا۔ وہ نیا عیسائی بن کر بھی دھڑلے سے جھوٹ بولنے سے باز نہ آیا۔ اس قسم کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ کسی تعلیمی ادارے نے اسے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری بھی دی ہو، وہاں تعلیم حاصل کرنا تو دور کی بات ہے۔

بہر حال ڈاکٹر بن کر اسکوفیلڈ نے یقیناً عام لوگوں کی نظر میں اپنا قد و قامت بڑھا لیا اور یہی اس کے صیہونی سرپرست چاہتے تھے۔ ۱۹۰۱ء تک اس نے بیرون ملک خصوصاً برطانیہ میں مقیم تقدیرمت کے چاہنے والوں اور صیہونی رہنماؤں سے تعلقات قائم کر لیے۔ ان کی کوششوں سے ۱۹۰۱ء کے اوائل میں 'ڈاکٹر صاحب' کو نیویارک کے ایک 'معزز' کلب لوٹس (Lotos) کی رکنیت مل گئی۔

لوٹس کلب دراصل نیویارک کے صحافیوں، مصوروں، موسیقاروں، ادیبوں، ماہرین سائنس وغیرہ کا ٹولہ تھا جن میں بیشتر یہودی یا اشتراکی تھے۔ اس کا مقصد فن کاروں کے مابین معاشرتی میل ملاپ بڑھانا تھا۔ بوجھیے اس کا سربراہ کون تھا؟ جی ہاں سموئیل انترمیئر!

کلب کے رکن صرف فن کار ہی بن سکتے تھے۔ اس وقت اسکوفیلڈ نہ ادیب تھا نہ فنون لطیفہ کی کسی شاخ کا ماہر مگر کئی صیہونی اس کی پشت پناہ تھے۔ اسی لیے اسے لوٹس کلب کا رکن بنا لیا گیا حالانکہ لادینی تنظیم میں ایک پادری کا کیا کام؟ اسکوفیلڈ عام رکن نہیں تھا، اگلے بیس برس اس کی رہائش کا پتا کلب ہی تھا۔

دراصل اسی کلب میں یہ منصوبہ باقاعدہ طور پر ترتیب پایا "ایک حوالہ جاتی (ریفرنس) بائبل لکھی جائے جو دنیائے عیسائیت میں نئے دور کا پیش خیمہ ثابت ہو۔" یہ انقلابہ بائبل لکھنے کا سہرا ڈاکٹر اسکوفیلڈ کے سر باندھا گیا۔ اس نے فوراً تحقیق شروع کر دی اور تقدیرمت کے نظریے چن چن کر اس طرح ترتیب دیے کہ انہیں کنگ جیمز بائبل میں متعلقہ جگہوں پر موزوں کیا جا سکے۔ تحقیق میں صیہونی اور تقدیرمت کے دیگر 'علماء' بھی موصوف کی مدد کرتے رہے۔

۱۹۰۱ء تا ۱۹۰۷ء اسکوفیلڈ نے سوئٹزرلینڈ اور برطانیہ کے کئی چکر لگائے تاکہ وہاں کے علماء سے بائبل کی تیاری کے سلسلے میں تبادلہ خیال کرے اور معلومات لے سکے۔ تحقیق کے دوران وہ تقریباً ایک برس سوئٹزرلینڈ مقیم رہا۔ اسی برس وہاں عالمی صیہونی کانگریس بھی ہوئی۔ یہ اتفاق کی بات نہیں تھی۔ پھر وہ لندن اور کیمبرج یونیورسٹی میں مقیم رہا۔ جب اس کے پاس 'وافر مواد' جمع ہو گیا تو اس نے نیویارک میں بیٹھ کر اسکوفیلڈ بائبل لکھ ڈالی۔ لکھنے کے دوران اسے تقدیرمت کے پادریوں، ڈیوائٹ معذی اور آرنو گلیلین سے خصوصی مدد ملی۔

یہ معمولی کام نہیں تھا، اس کے لیے بڑا وقت اور سرمایہ درکار تھا۔ اسکوفیلڈ کے پاس وقت تو تھا مگر اسے سرمائے کی ضرورت تھی۔ الومانتی کے وابستہ یہودیوں نے اسے دل کھول کر رقم فراہم کی، آخر ان کی تمنا بر آ رہی تھی۔ تقدیرمت کے بھیس میں صیہونی نظریوں کو بائبل میں جگہ ملنے والی تھی۔ اسکوفیلڈ بائبل کی تکمیل کے بعد اسے شائع کرنے کا مرحلہ آیا۔ صیہونی چاہتے تھے کہ اس کی اشاعت وسیع پیمانے پر کی جائے، خوب تشہیر بھی ہو تاکہ دنیا کا کوئی بڑا ناشر اسے شائع کرے۔ خود بخود ان کی نظر کے مشہور اور معزز اشاعتی ادارے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس پر جا ٹھہری۔ اس ادارے سے تقدیرمت اور صیہونیت کے کئی رہنماؤں کے روابط تھے۔ مشہور زمانہ صیہونی خاندان، روتھ شیلڈز نے بھی اس میں سرمایہ کاری کر رکھی تھی۔ ۵

جون ۱۹۰۷ء کو اسکوفیلڈ نے اپنی بائبل چھپوانے کے سلسلے میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے معاہدہ کر لیا۔

کیا یہ بات عجیب نہیں لگتی کہ دنیا کا ایک بہت بڑا اشاعتی ادارہ ایک چھوٹی سی کتاب اور چند کتابچوں کے مالک مصنف کی کتاب شائع کرنے پر رضامند ہو گیا؟ اسکوفیلڈ عبرانی، آرامی یا یونانی زبان میں سے کوئی زبان نہیں جانتا تھا جن میں بائبل کے قدیم ترین نسخے لکھے گئے تھے۔ اس کے پاس کوئی ڈگری نہیں تھی، وہ کئی مقدمات میں ملوث اور اپنے بیوی بچوں کا مجرم تھا، اس کے باوجود آکسفورڈ یونیورسٹی پریس جیسے مستند اشاعتی ادارے نے اس سے معاہدہ کر لیا۔

حوالہ جاتی بائبل لکھنا بچوں کا کھیل نہیں، اسے لکھنے کے لیے معلومات میں جتنی گہرائی ہونی چاہیے، وہ عمر بھر مطالعہ کرنے ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اسکوفیلڈ کی زندگی میں مطالعے کا یہ معیار ہرگز نظر نہیں آتا۔ صاف ظاہر ہے کہ انہی صیہونیوں ہی نے معزز اشاعتی ادارے سے اسکوفیلڈ کا معاہدہ کروایا جنہوں نے اس سے بائبل لکھوائی اور اسے 'ڈاکٹر' بنایا تھا۔

اسکوفیلڈ بائبل چھپوانے کے لیے انترمئیر نے خود بھی رقم فراہم کی اور دوسرے صیہونی، فری میسنری اور اشترا کی رہنماؤں سے بھی مدد لی جن میں سموئیل گومپرز، فیوریلو لاگارڈیا، ابراہام سٹراس، برنارڈ برانڈیز، جیکب شیف، بیزمان ڈیلے وغیرہ نمایاں تھے۔ انہی لوگوں نے ۱۹۰۱ء سے لے کر ۱۹۱۰ء تک اسکوفیلڈ کے سارے اخراجات برداشت کئے، اسے یورپ کے دورے کروائے، بائبل چھپوائی اور اسے وسیع پیمانے پر تقسیم کروانے کا بندوبست کیا۔

انہی صیہونی رہنماؤں نے ہر ممکن کوشش کی کہ کس طرح لوگوں کے سامنے 'ڈاکٹر' اسکوفیلڈ کا ماضی سامنے نہ آنے پائے اور وہ سات پردوں کے پیچھے چھپ جائے۔ انہوں نے اس کی قابلیت، انسان دوستی اور نیکیوں کے خوب چرچے کیے اور اسے ایک بڑے عالم کی صورت میں پیش کیا۔

لیکن افسوس ان کی محنت رنگ نہ لا سکی اور آج غیر جانب دار اور انصاف پسند عیسائی مؤرخ اس کا کچا چٹھا دنیا کے سامنے لا رہے ہیں۔ ان ہی کی تحریروں کی روشنی میں یہ مضمون تیار ہوا ہے۔ سچ کو لاکھ پردوں کے پیچھے بھی چھپا دیا جائے تو ایک دن وہ طشت از بام ہو کر رہتا ہے۔

۱۹۰۱ء کے بعد اسکوفیلڈ کو روپے پیسے کی کبھی تکلیف نہ ہوئی مگر نیکی جیسے اسے چھو کر بھی نہیں گزری تھی۔ اس کی بیٹیوں، انجیل اور ہیلن نے کئی بار باپ سے مالی مدد مانگی مگر وہ ہر بار انہیں یہی جواب دیتا ''آج کل میرے پاس پھوٹی کوڑی تک نہیں، بڑی تنگی کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔'' ثابت ہوا کہ وہ کنجوس ہونے کے علاوہ شفقتِ پدری سے عاری انسان تھا۔ حالانکہ ۱۹۱۰ء کے بعد اسے اپنی بائبل کی بھاری بھرکم رائلٹی بھی ملنے لگی تھی۔

اسکوفیلڈ اپنی 'تہلکہ خیز' بائبل لکھنے کے بعد امریکا کے مختلف گرجوں اور مذہبی اداروں سے وابستہ رہا۔ یہاں تک کہ ۲۴ جولائی ۱۹۲۱ء کو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔ پتا نہیں اس نے حضرت عیسیٰؑ کا سامنا کیسے کیا ہوگا۔ اس کی دنیاوی آرام گاہ نیویارک میں ہے۔

امریکہ میں بنیاد پرستی

(تحریر: نعیم الحق)

(ترجمہ: مشتاق احمد ضیاء)

اگرچہ بہت سے مغربی لوگوں نے اسلامی بنیاد پرستی پر الزام لگایا ہے کہ وہ آج دنیا میں موجود ابتری کی ذمہ دار ہے لیکن امریکہ میں موجود عیسائی بنیاد پرستی پر گہری نظر اس نتیجے تک پہنچنے میں مدد دیتی ہے۔ کہ (عیسائی بنیاد پرستی پر مبنی) یہ طاقتور تحریک عالمی امن کے لئے ایک خوفناک خطرہ بن چکی ہے۔ حالیہ سالوں میں امریکہ ایک معاشرے کے طور پر پہلے سے کہیں زیادہ مذہبی بن چکا ہے اور اس نے سیاسی معاملات کو پہلے کی نسبت زیادہ مذہبی تناظر میں دیکھنا شروع کر دیا ہے۔ اس (تحریک) نے عیسائی بنیاد پرستوں کو اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ امریکہ کے لئے سیاسی ایجنڈے کا تعین کریں اور اس پر اثر انداز ہوں۔ اس سے امریکہ کے دنیا پر غلبے کے حوالے سے حقیقی ارادوں کے بارے نئے سوالات جنم لے رہے ہیں۔ امریکی خارجہ پالیسی پر ان بنیاد پرستوں کا اثر آج سے پہلے اتنا زیادہ کبھی نہیں تھا۔

ایونجلیسٹس (عیسائیوں کی تبلیغی جماعت Vangelists) کے زیر اثر ریلیجس رائٹ (دائیں بازو کے مذہبی لوگ Religious Right) کے نام سے معروف اس طاقتور تحریک نے امریکی خارجہ پالیسی پر اثر انداز ہونے اور اسلام کو اپنا بنیادی حریف قرار دینے کی خواہش میں اسرائیل کے دفاع اور سلامتی کو اپنا مقصد اولیں بنا رکھا ہے۔ یہ ایک خطرناک اور بدقسمت پیشرفت ہے جو دنیا کے دو بڑے مذاہب اسلام اور عیسائیت کے مابین عدم موافقت پر غیر ضروری زور دیتی ہے۔

اس کی ایک اہم وجہ عیسائیوں کا Pre-Millennial Dispensatioanlism (حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ہزار سالہ دور حکومت سے پہلے کے نظام) کے عقیدے پر یقین ہے۔ اس عقیدے کے مطابق انسانیت حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے دور سے پہلے اصلاح احوال کے لئے نازل شدہ احکامات اور وعدوں پر مبنی نظام، عہد کلیسا میں داخل ہو چکی ہے۔ اس ہزار کی (Millenniam) کا سبب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی دوسری آمد ہوگی جو عالمگیر سلطنت کی بنیاد رکھیں گے جس کا مرکز یروشلم ہوگا۔ تاہم حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی واپسی سے پہلے اس جوش و جذبے کا ظہور ہوگا جس میں خدا معافی کے لئے دوسرا موقع دینے کی خاطر کچھ لوگوں کو دوبارہ زندہ کرے گا اور زندہ لوگوں میں سے نجات کے

لئے منتخب لوگوں کو آسمان پر اٹھا لے گا۔ جو پیچھے رہ جائیں گے وہ دجال کی ہلاکت اور سات سالہ مصیبت کے خوف کو برداشت کریں گے جو (بائبل میں مذکور) دنیا کے اختتام پر اسرائیل میں ہونے والی خیر وشر کے مابین لڑائی (Armagaddon) میں عروج پر ہوگی۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اس کشت وخون کے دوران آئیں گے اور ہزار سالہ حکمرانی کی بنیاد رکھیں گے۔ اس عقیدے کے مطابق مسجد اقصیٰ کی جگہ یہودی عبادت گاہ کی تعمیر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی آمد کے لئے شرط ہے۔ چنانچہ ایک یہودی ریاست کی مذہبی اہمیت یروشلم پر اقتدار اعلیٰ کے ساتھ مشروط ہے۔

اپنے عالمی نقطہ نظر کے اظہار میں ریلیجیس رائٹ کے امریکی رہنماؤں کے عصر حاضر کے قدامت پسند سیاستدانوں اور مفکروں کی صورت میں ایک مثالی ساتھی مل گیا ہے جنہیں بش کے دونوں ادوار کی انتظامیہ پر غلبہ حاصل ہے۔ ڈک چینی (Dick Cheney) ڈونلڈ رمز فیلڈ (Donald Rumsfeld) کارل رو (Karl Rove) رچرڈ پیرل (Richard Perie) پال ولفووٹز (Paul Wolfowitz) ڈگ فیتھ (Doug Feith) اور برنارڈ لوئس (Bernard Lewis) نے بش انتظامیہ کے خطرناک اور تباہ کن لائحہ عمل کی تشکیل کو امریکی مفادات کو لاحق خطرے سے نبٹنے اور دنیا پر غلبے کی طرف پھیر دیا ہے۔ ریلیجیس رائٹ اور عصر حاضر کے قدامت پسندوں کے زیر اثر بش انتظامیہ نے امریکی پالیسیوں کے مخالف ممالک میں تبدیلیاں لانے اور ان پر دباؤ ڈالنے کے لئے فوجی دھمکی اور اقدام کے استعماری تصور کی پیروی شروع کر دی ہے۔ اسرائیل کی 1967ء سے پہلے کی سرحدوں تک واپسی کے ساتھ آزاد فلسطین کا قیام امریکہ میں یہود ونصاریٰ بنیاد پرست قدامت پسندوں کے طاقتور اتحاد کے لئے ہنوز ناقابل قبول ہے۔ نتیجے کے طور پر صدر بش نے فلسطین کی آزادی کا ٹائم ٹیبل اپنے ذمے لینے سے انکار کر دیا ہے اور مشرق وسطیٰ میں امن کے لئے روڈ میپ پر مذاکرات شروع کرنے کے اقدامات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ یہ بہت زیادہ غیر ذمہ دارانہ اور قابل افسوس اقدام ہے۔

9/11 کے نتائج وعواقب میں امریکہ میں عیسائی بنیاد پرستوں کی طرف سے اسلام کی غلط تصویر کشی مسلسل جاری ہے۔ پیٹ روبرسن (Pat Roberson) جیری فلاویل (Jerry Flawell) فرینکلن گراہم (Franklin Graham) جیسے معروف مبلغ باقاعدگی سے اسلام اور حضور (ﷺ) کے حوالے سے تنقید اور توہین کر رہے ہیں۔

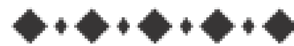
عراق میں جنگ کے انعقاد پر ان کا اثر اتنا مضبوط رہا ہے کہ محض گزشتہ دو سالوں کے دوران وہ بش انتظامیہ کے درپے رہے ہیں کہ وہ انہیں مقبوضہ بغداد میں کم از کم نو ایونجلک چرچ بنانے کی اجازت دیں۔ پیٹ رابرسن (Pat Roberson) نے حال ہی میں وینزویلین صدر ہوگو شاویز (Hugo Chavez) کو قتل کرنے کا مطالبہ کیا ہے کیونکہ وہ امریکی پالیسیوں کی مخالفت کرتا رہا ہے۔ کنزرویٹو سکالرز کی ایک بڑی تعداد نے ان کے زیر اثر اسلام کے ''خطرات'' کے بارے میں بہت زیادہ لکھا ہے۔ وہ اسلام کو مغربی طرز حیات کے لئے سب سے بڑا خطرہ قرار دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان میں سے چند سکالرز نے قرآن کی اپنے طور پر تشریح کی جو اس مقدس کتاب کے بہت زیادہ غلط اور منفی تاثر کا باعث بن رہی ہے۔

کانگریس میں طاقتور حامیوں کے ہمراہ امریکہ میں ایک مضبوط عیسائی زیونسٹ (یہودیوں کو پھر سے فلسطین میں آباد کرنے کی حامی Zionist) تحریک کا قیام بھی اس بات کو یقینی بنانے کی بھرپور کوشش کا حصہ ہے کہ امریکہ یروشلم میں دارالحکومت کے ساتھ اقتدار اعلیٰ کا حامل فلسطین بنانے کے لئے اقدام کرنے سے باز رہے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کی عالمی جماعت پورے امریکہ کے کلیساؤں میں اسرائیل کے لئے یوم دعا مناتی ہے۔ اس کے رہنماؤں نے فلسطینی ریاست کو نامناسب قرار دیا ہے۔ وہ القائدہ، ایران، صدام کے عراق، شام، سعودی عرب، حماس اور حزب اللہ کو ''برائی'' کے طور پر دیکھتے ہیں۔ مشہور برطانوی ناول نگار نے کچھ عرصہ پہلے ایک مضمون میں اعلان کیا کہ بنیاد پرست عیسائیت نے امریکہ کو 'تاریخی پاگل پن' کے دور میں دھکیل دیا ہے۔

عیسائی بنیاد پرست عراقی جنگ کو صلیبی جنگ کے طور پر دیکھتے ہیں۔ نیشنل ایسوسی ایشن آف ایونجلیکلز (National Association of Evangellicals) کے سربراہ کائل فسک (Kyle Fisk) کہتے ہیں، ایران، لیبیا اور مشرق وسطیٰ میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی انجیل پھیلانے کے لئے عراق مرکز بنے گا۔ آزاد عراق اس امر کو ممکن بناتا ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی تعلیمات ان اقوام میں بھی پھیلائیں جہاں قانون ہمیں باہر رکھتا ہے۔ بش انتظامیہ کے بہت سے اعلیٰ افسران عراقی جنگ کو ''برائی کے خلاف لڑائی'' کے طور پر دیکھتے ہیں۔ صدر بش نے اپنے 2002ء کے سٹیٹ آف یونین ایڈریس (State of Union Address) میں اچھائی اور برائی کے درمیان جنگ کی وضاحت کرتے ہوئے اسی امر پر زور دیا۔ انہوں نے کہا: آپ یا تو ہمارے ساتھ ہیں یا دہشت گردوں کے۔ ڈیلی مرر (Daily Mirror) کے ایک حالیہ مضمون میں بش نے بلیئر سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ ان کا دل چاہتا ہے کہ قطر میں الجزیرہ ٹی وی سٹیشن کو امریکہ مخالف پروگرام نشر کرنے کے باعث بموں سے اڑا دیا جائے۔ اس سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انتہاپسندی نے موجودہ امریکی قیادت میں ایک قدرتی حلیف پا لیا ہے۔

ریلیجیس رائٹ کی زبردست قوت کا امریکی سیاست میں آزاد خیال اور ترقی پسند قوتوں کی نفسیات پر اثر خاصا پریشان کن ہے۔ ڈیموکریٹک پارٹی کے اکثر رہنما اہم قومی و بین الاقوامی امور پر درمیانی راہ اپناتے اور روایتی آزاد خیال پوزیشن لینے سے دور جاتے دکھائی دے رہے ہیں۔ امریکہ میں دائیں اور بائیں بازو کے مابین کشمکش کبھی بھی اتنی شدید نہیں رہی۔ آزاد خیال مشرقی اور مغربی ساحلی ریاستوں کے مابین امریکی سیاسی میدان قدامت پسند ریلیجیس رائٹ کے حامیوں پر مشتمل ہے جو کسی بھی قومی انتخاب میں زبردست قوت تشکیل دیتے ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ امریکہ کے عیسائی بنیاد پرست دنیا کی عیسائی اکثریت کے خیالات کی ترجمانی نہیں کر رہے۔ یورپ، لاطینی امریکہ، افریقہ اور ایشیا میں اکثر عیسائیوں کے خیالات ایک دوسرے سے نہیں ملتے کیونکہ یورپ میں چرچ خالی پڑے ہیں جب کہ ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے غریب لوگوں کی توجہ کا زیادہ تر ارتکاز اپنے معاشی مسائل پر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ امریکہ کے عیسائی بنیاد پرست سیاسی امور کی وضاحت مذہبی نقطہ نظر سے کرنے کی کوشش میں خود کو تنہا پائیں۔



صدر امریکہ جارج ڈبلیو بش صلیب کو تلوار بنانا چاہتے ہیں؟

(قیصر محمود وڑائچ کا عراق اور افغانستان کے پس منظر میں تجزیہ)

11 ستمبر 2001ء کے روز آسمان سے گرنے والے طیاروں نے امریکی شہر نیویارک میں قیامت صغریٰ برپا کر ید۔ تین ہزار سے زائد افراد لقمہ اجل بن گئے اور امریکی اقتصادیات کی عظمت کا علمبردار ورلڈ ٹریڈ سنٹر ملبے کے ڈھیر میں بدل گیا۔

امریکی صدر بش جونیئر نے حملے کے بعد آنے والی اتوار کو قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا یہ کہ صلیبی جنگ ہے، یہ دہشت گردی کے خلاف جنگ ہے، جو شروع ہو گئی ہے، یہ ایک نئی قسم کی جنگ ہے جو ایک نئی قسم کی شیطنت کے خلاف ہے۔

امریکی ذرائع ابلاغ کی درجنوں تاویلوں کے باوجود یہ بات واضح ہے کہ امریکی صدر نے کروسیڈ کا لفظ بلا سوچے سمجھے استعمال نہیں کیا، کیونکہ بعد میں پیش آنے والے حالات نے ثابت کر دیا کہ تیسری ہزاروی میں امریکی بمبار طیاروں کی عراقی اور افغان عوام پر اندھا دھند اور بلا امتیاز کلسٹر اور تھرمو بیرک بموں کی بارش نے لاکھوں مسلمانوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ انگریزی ڈکشنریوں میں کروسیڈ کے مرکزی معنی اس تاریخ کا بیان ہے، جس میں ہزاروں مسلمانوں کو مقدس عیسائیت کے نام پر موت کی وادی میں دھکیل دیا گیا تھا۔ کنسائز اوکسفورڈ ڈکشنری میں اس کے معنی انتہائی سرگرم تحریک کے ہے، (کسی برائی کے خلاف جیسے غربت)۔ کروسیڈ قدیم لاطینی زبان کے لفظ کروسی ایڈا سے ماخوذ ہے، جس کے معانی صلیب کا نشان زدہ ہے۔ اس لفظ سے وابستہ یادیں اتنی ہولناک ہیں کہ کروسیڈ کا ذکر آتے ہی یورپ کے جنگجوؤں کے جنگی جرائم آنکھوں کے سامنے گردش کرنے لگتے ہیں۔ آج سے ایک ہزار سال قبل صلیبی جنگجو مسلمانوں کے کٹے ہوئے سر قلعے کی دیواروں کے اوپر سے اندر پھینک رہے تھے، جہاں مسلمان فوج محصور تھی۔ بالکل اسی طرح جس طرح امریکی جنگی طیارے عراق اور افغانستان کے معصوم شہریوں پر آسمان سے موت برسا رہے ہیں۔ امریکی تھرمو بیرک اور کلسٹر بموں کا نشانہ بننے والے بے گناہ اور معصوم افغان اور عراقی شہریوں کو اس بات کا علم تک نہیں تھا کہ انہیں کس جرم میں قتل کیا جا رہا ہے، سوائے اس بات کے کہ وہ مسلمان تھے۔ آج سے ایک ہزار سال قبل یروشلم میں مسلمانوں کے قتل عام کے بارے میں پوپ کے نام لکھے ہوئے ایک خط میں صلیبی جنرل مسلمانوں کے اندھا دھند قتل عام کے بارے میں لکھتا ہے کہ میں یروشلم کے جس مقام پر کھڑا ہوں، خون مسلم میں میرے ٹخنے ڈوبے ہوئے ہیں اور تا حد نظر انسانی انسانی جسموں کے ٹکڑے، سر، کٹے ہوئے بازو اور انسانی جسم نظر آ رہے ہیں۔ پورے شہر میں انسانی خون کی

بوپھیلی ہوئی ہے۔عراق اور افغانستان میں امریکی بمباری اور یروشلم میں یورپی صلیبیوں کے ہاتھوں مارے جانے والے بے گناہ انسانوں کا صرف اتنا قصور تھا کہ وہ مسلمان تھے۔

امریکی ذرائع ابلاغ کروسیڈ کے لفظ کے حوالے کو محض ایک اتفاق قرار دے رہے ہیں اور یہ بات ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں کہ مغرب ایک صدی قبل عیسائیت کو ترک کر کے سیکولرازم کو اپنا چکا ہے۔ بوسٹن ڈاٹ کام کے مطابق مغرب کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسلم امہ کو یہ باور کروانے کی کوشش کرے کہ مغرب اور یورپ کی یہ جنگ عرب دنیا اور مسلمانوں کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ فرد واحد کے خلاف جنگ ہے جو بدی کی علامت ہے، جسے روکنے کے راستے تلاش کرنے کے لئے یہ جنگ لڑی جارہی ہے۔''

حالانکہ کروسیڈ یورپ کے عیسائیوں کے فلسطین پر 1098ء تا 1270ء کے درمیان کئے جانے والے حملوں کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ یورپی صلیبی جنگجوؤں نے یروشلم کو مسلمانوں سے آزاد کروانے کے لئے فلسطین کے علاقے پر بار بار چڑھائی کی۔ ابتداء میں یورپی صلیبیوں کو کامیابی ملی ہوئی، لیکن 112 سال طویل جنگ میں آخری فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ بش نے اپنے خطاب میں کہا تھا کہ یہ ایک طویل جنگ ہے جو کئی برس جاری رہ سکتی ہے۔ عرب مؤرخوں نے یورپی درندگی کی اس داستان کو حرب الصلیب کے نام سے تاریخ کے صفحات میں محفوظ کر دیا ہے، جس کا ایک ایک لمحہ یورپی عیسائیوں کی درندگی اور مسلمان قیدیوں، بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کے ساتھ ''حسن سلوک'' کی داستان بیان کر رہا ہے۔ یورپ کے بعض بڑے مستند مؤرخوں نے بھی مسلمانوں کی آخری فتح کے بعد ان کی انسان دوستی کا اعتراف کیا ہے۔

اسامہ بن لادن نے اپنی تنظیم کا نام ہی یہود و نصاریٰ کی صلیبی جنگ کے خلاف جہاد رکھا تھا اور صدر بش کی جانب سے افغانستان پر حملے کے لئے کروسیڈ کے لفظ کا استعمال بن لادن کی جدوجہد کے برملا اعتراف کا اظہار تھا۔ 11 ستمبر کے حملے کے بعد عرب ذرائع ابلاغ نے بش کروسیڈ کو انتہائی نمایاں کر کے شائع کیا اور اس لفظ کے استعمال کی صدائے بازگشت توقعات سے کہیں زیادہ گہری ثابت ہوئی۔ کروسیڈ کے اعلان نے نہ صرف مغرب نواز مسلمانوں، بلکہ امریکی اتحادیوں کو بھی پریشان کر کے رکھ دیا، کیونکہ صلیبی جنگوں کی طویل فوجی مہمات مغربی تہذیب کو موجودہ شکل دینے میں اہم موثر ثابت ہوئیں۔ اس جنگ کے نتیجے میں تشکیل پانے والی سیاسی، اقتصادی، سماجی یہاں تک کہ مذہبی اصلاحات اور روایات یوریشیا سے ہوتی ہوئی برطانوی جزائر اور پھر عرب دنیا تک جا پہنچیں۔

11 ستمبر کے حملے کا ردعمل ظاہر کرنے کے لئے سارا بوجھ امریکی صدر کے کندھے پر تھا۔ اسی طرح آج سے ایک ہزار سال قبل ایسی ہی مایوس کن صورت حال کا سامنا بش کے روحانی جد امجد کیتھولک پوپ کے سر پر تھا۔ پوپ کو ایک صدی قبل گم ہو جانے والی عیسائی ریاست کے دوبارہ قیام کے لئے یورپ کے انتہا پسند عیسائی لیڈروں اور عام شہریوں پر انحصار کرنا پڑا تھا۔ پوپ نے مقدس جنگ کا نعرہ لگاتے ہوئے یورپی شہریوں کو اکسایا تھا کہ عیسائیوں کے مقدس مقامات پر مسلمان کافروں کا قبضہ ہے۔ جسے آزاد کروانا عالم عیسائیت کا مذہبی فریضہ ہے۔ پوپ کے اعلان کے چند ہی ماہ کے اندر ایک لاکھ عیسائی جنگجوؤں نے (موجودہ آبادی کے تناسب سے 10 لاکھ) مسلمانوں سے جنگ آزمائی کے لئے صلیب اٹھالی۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے نام پر یہ صلیبی جہاں بھی گئے، انہوں نے درندگی، وحشت وظلم کی دل ہلا دینے والی داستانیں رقم کیں عیسائیوں

نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے اظہار وابستگی کے لئے اپنی چھاتیوں پر کراس کے نشان کندہ کروالئے اور عیسائیت کے بنیادی تصور میں اہم تبدیلیاں کرلیں۔ صلیبی جنگ سے قبل عیسائیت کا بنیادی نظریہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا دوبارہ زندہ ہوکر انسانی شکل اختیار کرنا تھا لیکن اس تصور پر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا پھانسی پر چڑھ جانے کا المناک تصور غالب آگیا۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی المناک موت (عیسائی نقطہ نظر سے) کے تصور نے عیسائیت میں تشدد اور درندگی کو ایک مقدس عمل کے طور پر داخل کر دیا، اس کے ساتھ ہی جنگ میں مارے جانے کی صورت میں امر ہو جانے کا بھی فلسفہ بھی داخل کر دیا گیا، جبکہ اسلام میں اللہ کی راہ میں مارے جانے کی صورت میں شہید کا تصور پہلے دن ہی سے موجود تھا۔

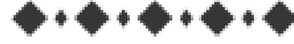
11 ستمبر کے فدائی حملہ آور شائد اس بات پر پختہ یقین رکھتے تھے کہ اپنے مقصد کو پالینے کے لئے مارے جانے یا خود کو مار لینا ایک ہی عمل ہے۔ صلیبی جنگوں کے دوران عیسائیت نے بھی یہی نظریہ اپنا لیا تھا کہ صلیبی جنگ میں مارے جانے والوں کو جنت میں جگہ ملے گی۔ یہی وجہ ہے کہ صدر بش نے انتقام کا لفظ استعمال کرنے کی بجائے کروسیڈ کا لفظ استعمال کیا، جس کے مفہوم سے وہ بخوبی آگاہ تھے، کیونکہ بش ایک انتہا پسند عیسائی ہیں اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) ان کے محبوب ترین فلسفی رہنما ہیں لیکن یہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) وہ نہیں ہیں، جن کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا آگے کر دو، ایشیا ٹائمز کی رپورٹ (دی بش کروسیڈ) کے مطابق جس عیسیٰؑ کے بش پیروکار ہیں، اس نے صلیب کو تلوار کا نشان بنا رکھا ہے۔ صلیبی جنگوں میں مقدس زندگی کے حصول کے نام پر لاکھوں مسلم شہریوں کو ایک ہزار سال قبل شہید کر دیا گیا، یہی عمل اب بش کی سربراہی میں جاری ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق افغانستان، عراق اور فلسطین میں ڈیڑھ لاکھ مسلمان شہید کئے جا چکے ہیں اور یہ عمل بغیر کسی رکاوٹ کے اب بھی جاری ہے۔

بش کی موجودہ کروسیڈ کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ کہیں یہ جنگ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان مذہبی جنگ میں تبدیل نہ ہو جائے، اگر ایسا ہو گیا جس کے اب واضح امکانات نظر آرہے ہیں، تو اس جنگ میں ہونے والی تباہی تصور سے کہیں زیادہ المناک ہو گی۔ امریکہ میں اگرچہ مذہب اور سیاست کے لئے دو علیحدہ پلیٹ فارم ہیں لیکن امریکہ خود کو عیسائیت کا سب سے بڑا محافظ قرار دیتا ہے۔ سابق امریکی صدر آئزن ہاور کے وزیر خارجہ نے ایک بار کہا تھا کہ اشتراکیت کی مخالفت کی سب سے بڑی وجہ اس مکتب فکر میں خدا کے وجود کی عدم موجودگی ہے۔

بش کا منصوبہ اتنا وسیع اور بے حد پیچیدہ حکمت عملی کا مجموعہ ہے، جس میں سازش، عقیدے اور تنظیم کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کر دیا گیا ہے۔ توپ اور تھرموبیرک اور کلسٹر بموں کی مدد سے بش کی مقدس جنگ نے امریکی نظام کے مخالفوں کو عالمی سطح پر تاریخی مجاہدین میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ امریکی نظام کے مخالف بھی شائد ایسی ہی خواہش رکھتے تھے۔ عراق ہو یا افغانستان، فلسطین ہو یا سوڈان، صومالیہ ہو یا ایران ہر جگہ امریکہ دشمنوں کے نام بدل جاتے ہیں، افغانستان میں اسامہ اور ملا عمر، عراق میں صدام اور پھر ابو مصعب زرقاوی، ایران میں خمینی اور خامنائی اور شمالی کوریا میں کوئی اور..........

سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہونے والی نت نئی ایجادات نے باغیوں کے چھوٹے چھوٹے گروہوں کو یہاں تک کہ ایک انفرادی شخص کو عالمی سطح پر

اتنی بڑی تباہی برپا کرسکتا ہے، جس کا تصور بھی محال ہے۔ 11 ستمبر کے حملوں کے فوراً بعد انتھراکس سے آلودہ خط جو مختلف امریکی اہلکاروں اور صحافیوں کو ارسال کیے گئے۔ کیمسٹری اور حیاتیات کے مضامین میں ہونے والی تحقیق تک عام شخص کی رسائی کی زندہ مثال ہیں، جینیاتی انجینئرنگ میں ہونے والی ترقی نے تباہی کو چند ہاتھوں تک محدود کردیا ہے، جسے ماضی میں انجام دینے کے لئے ایک بڑی فوج کی ضرورت تھی۔ کیا بش کی صلیبی جنگ ماضی کی صلیبی جنگ کی ترتیب اختیار کرلے گی اور دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ ایک مذہبی جنگ میں بدل جائے گی۔ جس کے نتیجے میں دنیا ایک المناک تباہی سے دوچار ہوجائے گی۔ اس کا فیصلہ آنے والے دنوں پر چھوڑتے ہیں۔



صدام حسین!

غربت سے آمریت تک اور محرومیٔ اقتدار سے پھانسی تک سات عشروں پر پھیلی ہوئی ہوشربا کہانی

(تنویر قیصر شاہد)

گزشتہ روز جب عالم عرب میں عیدالاضحیٰ منائی جارہی تھی اور حج کے ایام اپنے اختتام کو پہنچ گئے تھے، عراق کے سابق صدر صدام حسین کو پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا گیا۔ صدام حسین کو موت کی سزا پر عمل درآمد 2006ء کی سب سے بڑی اور اہم ترین خبر قرار دیا جاسکتا ہے۔ عراقی حکام کی طرف سے کہا گیا ہے کہ صدام حسین کے پانچ ساتھیوں کو آئندہ چند دنوں میں سزائے موت دے دی جائے گی۔ ان افراد میں صدام حسین کے دو سوتیلے بھائی بھی شامل ہیں جو صدامی اقتدار کے دنوں میں عراقی فوج اور پارلیمنٹ میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔

صدام حسین کو سزائے موت دینا دراصل امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کی فتح ہے۔ عراق پر قبضہ کرنے بعد امریکی فوج اور امریکی صدر کو مسلسل جس ناکامی، ہزیمت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، اس پس منظر میں صدام کو سزائے موت دینا صدر بش کی اکلوتی فتح ہی قرار دی جاسکتی ہے۔ صدام حسین اس دنیائے رنگ و بو میں تقریباً 70 سال جیئے اور اب جبکہ وہ پھانسی کے پھندے پر جھول کر اپنے خالق کے حضور پہنچ چکے ہیں جہاں انہیں اپنے اعمال کا حساب دینا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ ان وجوہات اور اسباب وعوامل کا جائزہ لیا جائے جن کی بنیاد پر عراق کے اس سابق ''مردآہن'' اور سابق صدر صدام حسین کو یہ روز بد دیکھنا پڑا۔ تقریباً تین برس قبل 13 دسمبر کی ایک یخ بستہ شام جب صدام حسین کو ان کے آبائی قصبے تکریت کے مضافات میں واقع ایک زمین دوز غار سے گرفتار کیا گیا، وہ ایسے لمحات تھے جنہوں نے عالم اسلام پر مجموعی طور پر اور عالم عرب پر خصوصی طور پر نہایت منفی اثرات مرتب کئے۔ صدام حسین کو جس رسوا کن انداز میں گرفتار کیا گیا، یہ منظر ناقابل فراموش تھا۔ گرفتاری کے وقت ان کے پاس 9 بندوقیں، 400 گولیاں اور 97 ہینڈ گرینڈ تھے لیکن عراق کے اقتدار پر فوجی وردی میں ملبوس 33 برس گزارنے والے صدام حسین سے ایک گولی بھی نہ چلائی جاسکی۔ تنقید نگاروں نے کہا کہ اگر وہ ذرا سی غیرت اور حمیت کا ثبوت فراہم کرتے تو ان ہتھیاروں سے کم از کم خودکشی تو کرسکتے تھے۔ وہ

ہٹلر کی ’’سنت‘‘ پر عمل کرتے ہوئے زندہ اپنے دشمنوں کے ہاتھ تو نہ لگتے۔ لیکن وہ نہ خودکشی کر سکے اور نہ گرفتار ہونے سے قبل بندوقوں اور گرنیڈوں سے اپنے دشمن پر حملہ کر سکے۔ چھاتی تک پھیلی داڑھی کے ساتھ جب وہ غار سے گرفتار کئے گئے تو 14 دسمبر 2003ء کو ’’نیویارک ٹائمز‘‘ نے اپنے صفحۂ اول پر یہ اہم خبر شائع کرتے ہوئے لکھا تھا: ’’عراق کے سابق ڈکٹیٹر کو تکریت کے ایک غار سے ایسے نکالا گیا جیسے چوہے کو دم سے پکڑ کر باہر نکالا جاتا ہے‘‘ فاعتبروا یااولی الابصار۔

صدام حسین کہنے کو تو سنی العقیدہ مسلمان تھے لیکن انہوں نے اقتدار کا سارا عرصہ ایک سیکولر انسان کی حیثیت سے گزارا، ایک ایسے انسان کی طرح جس کی زندگی میں مذہب کا نام ونشان دور دور تک ہمیں نظر نہیں آتا۔ انہوں نے ایک نہایت غریب خاندان میں آنکھ کھولی تھی لیکن اقتدار کے ایوانوں میں داخل ہو کر انہوں نے دولت وثروت اور حکومت سے اپنے سارے دلدّر دور کئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے سیاسی زندگی کا آغاز کیا تو اپنے لئے ’’بعث‘‘ پارٹی کا انتخاب کیا۔ اور ’’بعث‘‘ پارٹی ایک مذہب بیزار بلکہ مذہب دشمن سیاسی جماعت تھی۔ اس پارٹی کے خالق مائیکل افلق تھے جو ایک عیسائی عرب تھا لیکن نظریات اور افکار کے حوالے سے کمیونسٹ اور ملحد گردانا جاتا تھا۔ ’’بعث‘‘ پارٹی کا منشور خدا کے وجود سے انکار کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 70ء کے عشرے میں عراق کے دارالحکومت بغداد میں مائیکل افلق کی قیادت میں جن لوگوں نے خدا کا جنازہ (نعوذ باللہ من ذالک) نکالا، ان میں ایک صدام حسین بھی تھے۔ 1980ء میں جب ایک برطانوی صحافی جان سی کولی اپنی کتاب کے سلسلے میں صدام حسین سے ملا اور اس نے عراق کے ’’مرد آہن‘‘ صدام سے جب یہ پوچھا کہ آپ نے اپنی سیاسی زندگی کے ابتدائی دنوں میں بغداد میں خدا کا جنازہ (نعوذ باللہ) کیوں نکالا تھا تو صدام حسین نے کہا تھا ’’میرا خیال ہے کہ مذہب ہماری زندگی میں انتشار اور لامرکزیت پیدا کرتا ہے اور انسانوں کو تقسیم کرنے کا باعث بھی بنتا ہے، اس لئے اپنے مرشد (مائیکل افلق) کے کہنے پر ہم نے بغداد میں یہ جلوس نکالا تھا۔ مجھے آج بھی اس پر کوئی شرمندگی نہیں ہے۔

مذہب سے بےزاری کا یہی جذبہ اور نظریہ صدام حسین کو روس (سابق سوویت یونین) اور بھارت کے قریب لے گیا تھا۔ انہوں اپنے دورِ اقتدار میں کبھی اور کسی بھی موقف کی حمایت نہ کی۔ اس پس منظر میں گزشتہ روز اردن میں پاکستان کے سابق سفیر نے بجا کہا: ’’صدام حسین کا تین عشروں پر پھیلا اقتدار کبھی پاکستان کے لئے فائدہ مند ثابت نہ سکا‘‘۔

یہ واقعہ ہے کہ صدام حسین نے اقتدار کے ایوانوں میں پہنچنے اور عنان حکومت سنبھالنے کے لئے ہر جائز وناجائز طریقہ اور ہتھکنڈہ استعمال کیا۔ وہ عراق کی مرکز گریز قوتوں کے ساتھی اور دوست رہے تاکہ ان کے تعاون سے اقتدار کی لگام اپنے ہاتھ میں لی جا سکے۔ اس جدوجہد میں صدام حسین نے عراق کے صدر عبدالکریم قاسم کو بھی قتل کر ڈالا اور جب قانون نے ان کا تعاقب کیا تو وہ عراق سے فرار ہو کر شام بھاگ گئے تھے جہاں ان کے گرو مائیکل افلق کے کئی پیروکار اور ساتھی انہیں پناہ دیتے رہے۔ حیرت انگیز بات ہے کہ شام کے (سابق) صدر حافظ الاسد بھی مائیکل افلق کے مرید اور بعث پارٹی کے رکن رہے ہیں۔ اس ناتے سے حافظ الاسد اور صدام حسین کی کئی برسوں تک گاڑی چھنتی رہی ہے۔ لیکن صدام حسین کے جارحانہ عزائم اور متکبرانہ مزاج نے شامی صدر کو بھی خود سے دور کر دیا۔ واضح رہنا چاہئے کہ بعث پارٹی شام اور عراق میں سیکولر نظریات کے فرغ،

چین عرب ازم اور سوشلزم کی پرچارک اور مبلغ رہی ہے۔ یہ انہی نظریات وافکار کا نتیجہ ہے کہ صدام حسین نے 90ء سے قبل (جب تک کویت پر حملہ نہ کیا گیا) تک عراقی پرچم پر کلمہ شریف نہ لکھنے دیا تھا اور نہ ہی عراقی آئین میں عراق کو ''اسلامی جمہوریہ عراق'' لکھنے کی اجازت دی گئی۔ یہ اقدامات انہیں ملحد سوویت یونین کی چھتری رہنے پر مجبور کرتے رہے۔

بعث پارٹی کی اعلیٰ قیادت نے عراق میں اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے 1963ء مین بھی بغداد کے حکمرانوں کے خلاف بغاوت کی تھی جس میں صدر عبدالکریم قاسم مارے گئے تھے لیکن بعث پارٹی اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکی تھی۔ اس ناکام بغاوت نے بھی بعث پارٹی کے بعض لوگوں نے بھیس بدل کر اقتدار میں داخل ہونے کی راہیں ہموار کرلی تھی۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ صدام حسین پس پردہ 60ء کے عشرے سے اقتدار میں داخل ہوچکے تھے۔ بعدازاں عراق اقتدار پر اگرچہ جنرک عبدالسلام عرف اور جنرل احمد حسن البکر اقتدار میں رہے لیکن بالواسطہ اس اقتدار سے صدام حسین ہی لطف اندوز ہورہے تھے اور مرکزی اور اہم فیصلے صدام حسین کی مرضی اور ایماپر کیئے جارہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ پس پردہ رہ کر یہ کھیل نہیں کھیلا جاسکتا: چنانچہ 16 جولائی 1979ء کو صدام حسین نے باقاعدہ عراقی اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ انہوں نے صدر حسن البکر کا تختہ الٹ کر حکومت حاصل کی تھی۔ گویہ بات صاف طور پر کہی جاسکتی ہے کہ صدام حسین کے اصل اقتدار کا دور 24 برسوں کو محیط ہے۔

صدام حسین نے اپنے دورِ اقتدار میں کوشش کی کہ ملک کو فوجی اعتبار سے طاقتور بنایا جائے؛ چنانچہ انہوں نے اپنے ہاں اسلحے کے انبار لگادیئے جو زیادہ تر جرمنی اور سوویت یونین سے حاصل کیا گیا تھا۔ ان کی فوج عالمِ عرب کے تمام ممالک کی سب سے بڑی (عددی اعتبار سے) فوج بن گئی تھی۔ روس کے فراہم کردہ سکڈ میزائلوں کے بل پر صدام حسین عرب ممالک کو وقتاً فوقتاً دھمکایا بھی کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ عرب ممالک کے عرب عوام کی محبتیں اور ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے اسرائیل کو بھی صفحہ ہستی سے مٹانے کے اعلانات کیا کرتے تھے (لیکن 1990ء میں نہوں نے اسرائیل پر جو دو سکڈ میزائل پھینکے، وہ ردی ثابت ہوئے) اسرائیل کے خلاف ان کے اعلانات نے اسرائیل فوج کو چوکنا کیئے رکھا۔ صدام حسین نے ایران کی طرح ایٹمی طاقت بننے کی بھی کوشش کی اس مقصد کے لئے انہوں نے 5 ارب ڈالر کے اخراجات سے بغداد کے مضافات میں ایٹمی ری ایکٹر بھی نصب کردیئے تھے، جن کے بارے میں عالمی میڈیا نے پروپیگنڈا کی تھا کہ وہاں ایٹم بم بنائے جارہے ہیں؟ چنانچہ امریکہ کی اشیرواد سے اسرائیل نے یہ ایٹمی مراکز تباہ کردیئے اور صدام حسین و عالمِ عرب کے سارے حکمران منہ دیکھتے رہ گئے۔ صدام حسین نے عراقی تیل سے حاصل ہونے والی دولت سے ملک کو فوجی طاقت بنانے ہی پر خرچ نہ کیا، بلکہ یہ بھی کوشش کی کہ عراقی عوام کی فلاح و بہبود پر بھی سرمایہ خرچ کیا جائے۔ انہوں نے ملک بھر میں 22 شاندار یونیورسٹیاں بنائیں۔ ان کی کوششوں سے عراقی عوام میں شرح خواندگی 63 فیصد تک پہنچ گئی تھی۔ پورے ملک میں موٹروے کا جال بچھایا گیا اور یہ بھی کوشش کی گئی کہ عراق کو ایک خصوصی مملکت بنایا جائے، جس میں انہیں قدرے کامیابیاں بھی ملیں۔

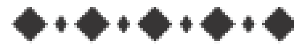
یہ سارے اقدامات مستحسن ہونے کے باوجود صدام حسین اپنے عوام اور عالمِ عرب میں مقبولیت حاصل نہ کرسکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا مزاج آمرانہ سے بڑھ کر ظالمانہ شکل اختیار کرگیا تھا۔ عراق کے اندر اٹھنے والی ہر جمہوری آواز کو انہوں نے دبادیا اور ہر اس شخص اور ادارے کو کچل دیا

جوان پر تنقید کرنے کی جراءت و جسارت کرتی۔ انہوں نے اپنے ہر سیاسی و اقتداری دشمن کا صفحہ ہستی سے مٹا ڈالا۔ ہر وہ شخص جس کے بارے میں انہیں ذرا سا شک بھی ہوا کہ یہ ان کے اقتدار کے لئے خطرہ ہے یا خطرہ ہو سکتا ہے اور انہیں چیلنج کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، صدام حسین نے اسے زندہ نہ رہنے دیا۔ اس سلسلے میں انہوں اپنے دامادوں کو بھی نہ بخشا اور اپنی دونوں بیٹیوں کے شوہروں کو شام سے بلا کر خود گولی مار کر ہلاک کیا۔ ان کا یہ کردار اور سوچ ان کے دونوں بیٹوں میں بھی منتقل ہو گئی تھی۔ وہ بھی اپنی مرضی کی راہ میں مزاحم ہونے والی ہر شئے کو مٹا ڈالا کرتے تھے۔ خصوصاً بڑے بیٹے قوصائے حسین نے تو عراق بھر میں ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ ظلم واستحصال کی یہ خبریں عراق سے باہر نکلیں تو عراق دشمن مغربی اور امریکی میڈیا نے ان میں نمک مرچ مصالحہ لگا کر اسے بانس پر چڑھایا اور صدام حسین کو مزید بدنام کیا گیا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ صدام حسین نے ان کی تردید کرنے کی بھی کوئی کوشش نہ کی۔ صدام حسین نے دو شادیاں کیں، لیکن اولاد پہلی بیوی (ساجدہ) ہی سے ہوئی۔ صدام حسین نے جب دوسری شادی رچائی تو بڑے بیٹے نے اپنے سوتیلے ماموں کو ہلاک کر ڈالا۔ صدام حسین نے کوشش کی تھی کہ ان کے بعد عراق کا اقتدار قوصائے حسین کو سونپا جائے (جیسے حسنی مبارک اپنے بیٹے ناصر اور کرنل قذافی اپنے بیٹے سیف الاسلام کو بالترتیب مصر اور لیبیا کا اقتدار سونپ دینا چاہتے ہیں) لیکن صدام حسین کے دونوں بیٹوں کو امریکی فوجوں نے ہلاک کر ڈالا۔ گویا صدام حسین کے کردہ اور نا کردہ گناہوں کی سزا انہیں تو ملی ہی ہے، ان کی اولاد بھی اس سزا سے نہیں بچ سکی۔ اس کی بیوی ساجدہ اور بڑی بیٹی رغدہ آج کل شام میں پناہ گزین ہیں اور دوسری بیوی اردن میں قیام پزیر ہے (دوسری بیوی کا نام حبیبہ ہے)۔

1979ء میں ایران میں انقلاب آیا اور ایران میں امریکی اثر و رسوخ کا خاتمہ ہوا تو صدام حسین سے امریکہ محبت کی پینگیں بڑھانے لگا، جن کا اثر یہ نکلا کہ صدام حسین نے 20 ستمبر 1980ء کو ایران کے مغربی حصے پر حملہ کر دیا۔ بہانہ یہ بنایا کہ ایران نے شط العرب پر قبضہ کر رکھا ہے جو عراق کا حصہ ہے۔ یہ عراق ایران جنگ آٹھ سال جاری رہی، جس میں پندرہ لاکھ افراد ہلاک ہو گئے۔ اور یہ بات بجا طور پر کہی جاتی ہے کہ ڈیڑھ ملین مرنے والے ان انسانوں کا خون صدام حسین کے کندھوں پر ہے، کیونکہ انہوں نے ہی اس جنگ کا آغاز کیا تھا۔ اس جنگ نے عراق اور ایران کو فوجی اعتبار سے تباہ کر ڈالا اور ان کی معیشتوں پر نہایت منفی اثرات مرتب کئے اور فتح کسی کی بھی نہ ہوئی۔ ہاں امریکہ اس ضمن میں ضرور کامیاب رہا، جس نے نہایت چالاکی سے دو طاقتور مسلمان ممالک کو تباہ کر ڈالا۔ 1988ء میں اقوام متحدہ نے یہ جنگ بند کروائی۔ ابھی اس جنگ کو بند ہوئے دو سال کا بھی عرصہ نہیں ہوا تھا کہ 2 اگست 1990ء کو صدام حسین نے کویت پر حملہ کر دیا۔ عرب ممالک سمیت تمام اسلامی ممالک نے صدام حسین کو کویت سے فوجیں نکالنے کے لئے پورے زور لگا دیا، لیکن اس ضدی اور آمر حکمران نے کسی کی نہ مانی، چنانچہ امریکہ کو درمیان میں کودنا پڑا جس نے 18 جنوری 1991ء کو عراق پر حملہ کر دیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ کہا جاتا ہے کہ صدام حسین نے کویت پر بھی چڑھائی امریکہ کے کہنے پر کی تھی اور اس سلسلے میں عراق میں امریکہ کی سفیر مس گلاسپی کا بیان بطور ثبوت فراہم کیا جاتا ہے۔ امریکی جرنیل جنرل فارمن شوارزکوف کی قیادت میں امریکہ نے عراق کی سخت پٹائی کی اور کویت سے عراقی فوجوں کو نکال باہر کیا اور صدام حسین کا ''ام المحارب'' کا نعرہ کھوکھلا اور دھوکے کی ٹٹی ثابت ہوئی۔

امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کھلے الفاظ میں صدام حسین کو دشمن قرار دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا (اور ہے) کہ صدام حسین عالم عرب کے استحکام کے لئے خطرہ ہے (جہاں کا تیل امریکی زندگی اور ترقی کا ضامن ہے) اور یہ آواز اسرائیل کی بھی تھی، جسے مٹانے کی باتیں بار بار صدام حسین کیا کرتے تھے، چنانچہ افغانستان میں جنوری 2002ء میں طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد امریکی صدر نے صدام حسین اور عراق کا رخ کیا۔ الزامات لائے گئے کہ صدام حسین مہلک ترین تباہی کے ہتھیار (WMD) بنا رہا ہے۔ (یہ الزامات بعدازاں بے بنیاد ثابت ہوئے) اسی بنیاد پر 20 مارچ 2003ء کو امریکہ نے یو این او کے فیصلوں اور مرضی کے برعکس عراق پر حملہ کر دیا۔ صدام حسین نے مقابلہ کرنے کے بڑے بڑے اعلانات تو کئے لیکن حیرانی کی بات ہے کہ اس کی 8 لاکھ فوج، 400 جنگی طیارے، 730 سکڈ میزائل امریکی حملے کے وقت نہ جانے کہاں غائب ہو گئے۔ امریکی حملہ آوروں کے خلاف صدام کا نہ تو کوئی جنگی جہاز اڑا اور نہ کوئی میزائل حرکت میں آسکا۔ ساری دنیا آج تک حیران ہے کہ ایسا کیوں نہ ہو سکا۔ عراق پر قبضہ کرنے اور صدامی فوجوں کو شکست دینے کے آٹھ ماہ بعد صدام حسین کو ایک غار سے گرفتار کر لیا گیا۔ بغداد میں واقع گرین زون کی اسی جگہ پر صدام حسین نے اپنا عظیم الشان محل تعمیر کروایا تھا، لیکن وہی محل اب ان کی قبر ثابت ہو رہا تھا۔ صدام حسین پر عراقی شیعوں اور کرڈوں کو ناجائز قتل کرنے کا مقدمہ چلایا گیا اور انہیں موت کی سزا سنا دی گئی، جس چیف جج نے انہیں سزائے موت کا فیصلہ سنایا وہ نسلی اعتبار سے کرد ہے۔

صدام حسین کو سنائی جانے والی سزا پر گزشتہ روز 30 دسمبر کو عملدرامد کر دیا گیا اور وہ شخص پھانسی کے پھندے پر جھول گیا جو خود کو ''عراق کا مقدر'' قرار دیا کرتا تھا۔ صدام حسین کی موت کا پیغام کیا ہے؟ یہ سوال آج عالم اسلام کے ہر فرد کے ہونٹوں پر ہے۔ ہمارے خیال میں اس موت کا پیغام یہ ہے کہ جو حکمران بھی اپنے عوام کی خواہشوں کے برعکس اقتدار کے مزے اڑائے گا، اس کا یہی حشر ہوگا اور جو حکمران بھی اپنے عوام کی مرضی کے برعکس امریکہ کی مرضی کے تابع آگے بڑھنے کو اپنی کامیابیاں اور کامرانیاں قرار دیتا رہے گا، اس کا حشر وہی ہوگا جو آج ہمارے صدام حسین کا ہوا ہے...... لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ کوئی بھی حکمران تاریخ سے سبق نہیں سیکھتا، حتیٰ کہ وہ خود تاریخ کے صفحات میں گم ہو جاتا ہے۔



صدام کی پھانسی
جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا......

سابق عراقی صدر صدام حسین کو پھانسی کی سزا دے دی گئی۔ اپیل کورٹ کے جج منیر حداد نے آج پھانسی دیئے جانے کی تصدیق کر دی ہے۔ عراقی وزیر اعظم نوری المالکی نے سزائے موت کے احکامات پر دستخط کر دیئے۔ وکیل صفائی نے بتایا ہے کہ صدام حسین نے بغداد ایئرپورٹ کے قریب امریکی حراستی مرکز میں اپنے سوتیلے بھائیوں سے ملاقات میں اپنی وصیت اور ذاتی اشیاء بھی ان کے حوالے کر دیں۔ صدام حسین نے اپنے آخری بیان میں اپنی موت کو شہادت کا رتبہ قرار دیا۔

صدام حسین نے اپنے خلاف چلنے والے مقدمہ میں آخری وقت تک جس بہادری اور بے خوفی کا مظاہرہ کیا اور اسکے بعد سزائے موت پر عمل درآمد کے دوران جس استقامت سے تختہ دار پر گئے' وہ ان کی ذاتی بہادری اور نے خوفی کا مظہر ہے۔ نہ تو انہوں نے نقاب پہنا اور نہ پھانسی کا پھندا گردن میں ڈالتے وقت کسی قسم کی مزاحمت کی بلکہ انہون نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر موت کو گلے لگا لیا۔

عراقی صدر صدام حسین کو طویل اقتدار کے دوران امریکی پشت پناہی حاصل تھی۔ انہوں نے امریکی اشارہ پر ہی ایران کے خلاف طویل جنگ کی اور کویت پر قبضہ بھی کیا۔ انہیں جن جرائم کی سزا دی گئی ہے' وہ امریکی سرپرستی کے دوران ہی وقوع پزیر ہوئے۔ کردوں اور ایرانی فوج کے خلاف جو کیمیکل اور وسیع عوامی تباہی پھیلانے کے ہتھیار استعمال کرنے کا ان پر الزام عائد کیا گیا ہے' یہ ہتھیار بھی امریکہ نے ہی فراہم کئے تھے۔

موجودہ امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کے والد سینئر بش کے عہد میں 1991ء میں عراق کے خلاف ایک خونریز کارروائی کا آغاز کیا گیا، جس میں امریکی اور اتحادی افواج نے عراق کے زیادہ تر حصوں پر کارپٹ بمباری کی اور عراق کو بہت شدید نوعیت کی پابندیوں میں جکڑ دیا گیا۔ بیرونی دنیا سے تمام روابط منقطع ہونے سے لاکھوں عراقی بیماروں کو ادویات میسر نہ آئیں اور لاکھوں بچوں اور بزرگوں کو خوراک کی کمی کی وجہ سے موت کا

منہ دیکھنا پڑا۔ اسی طرح صدر کلنٹن کے آٹھ سالہ دور میں بھی عرق پر اگرچہ پابندیاں کچھ نرم کی گئیں مگر عراق کے دو کروڑ کے قریب عوام کو انتہائی سخت پابندیوں میں ہی رکھا گیا۔ صدر جارج ڈبلیو بش کے اقتدار میں آتے ہی عراق پر سختیوں اور پابندیوں کو شدید تر کر دیا گیا۔ 11/9 کے واقعہ کے بعد امریکی صدر نے عرق اور افغانستان پر اپنے سفاکانہ اور انتہائی انسانیت سوز حملوں کا آغاز کر کے دونوں ممالک میں لاکھوں بے گناہ نہتے مسلمانوں کو شہید کر دیا اور اپنی اس شرمناک کاروائی کو کروسیڈ (صلیبی جنگوں) کا نام دیا اور مسلمانوں کے لئے اسلامی فاشسٹوں کی اصطلاح استعمال کرنا شروع کر دی۔ بدقسمتی سے انہیں اپنے ان مزموم کروسیڈی عزائم میں بعض مسلمان ممالک کے غیر جمہوری سربراہوں' اسرائیل' بھارت اور دیگر اسلام دشمن قوتوں کی مکمل حمایت حاصل رہی۔

عراقی صدر صدام حسین کو ٹھیک اس روز پھانسی کی سزا دی گئی ہے جس روز عالم اسلام کے بیشتر مسلمان (بالخصوص عرب ممالک) سنت ابراہیمؑ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے فریضہ حج کے بعد عید قربان میں مصروف ہیں۔ عراقی صدر عالم اسلام کے وہ پہلے سربارہ مملکت ہیں' جنہیں امریکی اور اتحادی افواج نے ان کے ملک پر قبضہ کرنے کے بعد کٹھ پتلی حکومت بن کر پھانسی کا فیصلہ حاصل کر کے اس پر عمل درآمد کیا۔ یہ ایک ترقی یافتہ عرب مسلمان ملک کے سربارہ کی پھانسی ہے جسے امریکی صدر کے اشارے پر امریکی حکام اور عراق کی کٹھ پتلی حکومت نے سزا پر عمل درآمد کے لئے مجبور کیا ہے۔

عراق کے لوگوں کا بجا طور پر خیال ہے کہ صدام حسین کو پھانسی دینے سے عراق میں فرقہ وارانہ تشدد نہیں ہوگا بلکہ بڑھ جائے گا۔

امریکہ کے دو بڑے روزناموں "نیویارک ٹائمز اور واشنگٹن پوسٹ" کا کہنا ہے کہ صدام حسین کے خلاف مقدمہ کی کاروائی کے قانونی پہلوؤں پر انسانی حقوق کے اداروں اور عام لوگوں کو اعتراضات ہیں۔ صدام حسین کے کئی وکلاء کے قتل کر دیا گیا' کئی جج بدلے گئے اور اس مقدمہ میں سیاسی مداخلت نظر آ رہی تھی۔ سزائے موت کا فیصلہ اور مقدمہ کی کاروائی شفاف اور غیر جانب دارانہ نہیں تھی۔

سابق عراقی صدر صدام حسین کو ایک کٹھ پتلی عدالت کی دی گئی انتہائی سزا پر فوری طور پر عمل درآمد ایک انتہائی ناپسندیدہ اور سفاکانہ فیصلہ ہے۔ یہ بات صاف نظر آ رہی ہے کہ امریکہ میں درمیانی مدت کے انتخابات میں امریکی صدر ڈیموکریٹس کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد شدید جزباتی ردعمل کا شکار ہو گئے ہیں اور انہوں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے شہر تکریت کے شہر کے رہنے والے عراق کے سابق صدر صدام حسین کو اس رد عمل کا پہلا شکار بنایا ہے جس سے ان کے کروسیڈی جزبات کو یقیناً تسکین حاصل ہوئی ہوگی۔ امریکہ کا یہ ردعمل ایک طرف عالم اسلام کے ہر فرد کیلئے اور دوسری طرف امریکی اشاروں پر ناچنے والے مسلمان حکمرانوں کے لئے سبق آموز ہے۔ صدام نے اپنے ملک میں جو بھی غلط کام کئے' اس پر سزا دینے کے لئے سب سے بہتر منصف عراقی عوام ہی ہو سکتے تھے۔ امریکہ کا اس سلسلہ میں خود فیصلہ کرنا اور اس پر عمل درآمد' اس بات کا مظہر ہے کہ امریکی پالیسیوں میں دوست اور تابعداری کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ امریکہ ہر حالت میں اپنے مفادات خواہ وہ تیل سمیت معدنی دولت اور تابعداری کی گردن جب چاہے' کاٹ سکتا ہے۔

عراقی صدر صدام حسین نے اپنے عہد اقتدار میں یقیناً بہت سی غلطیاں اور ناپسندیدہ کیام کئے ہیں مگر انہون نے اپنے عہد اقتدار میں بے شمار اچھے اور قابل تحسین کارنامے بھی سرانجام دیئے ہیں۔ مثلاً انہوں نے عرب روایات کے برعکس عراق میں خواتین کی ترقی اور نہیں زیادہ سے زیادہ

آزادی دینے کے لئے بے شمار اقدامات کئے۔ انہوں نے عراق میں تعلیم کو بہت زیادہ اہمیت دی اور بلا مبالغہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تعلیم کے لحاظ سے عراق ایشیا کے ان ممالک میں سرفہرست تھا' جہاں تعلیم کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ ریاست کی طرف سے اعلیٰ تعین تعلیم کے لئے مکمل سہولتیں فراہم کی گئیں' شہریوں کا سماجی درجہ دیگر عرب ممالک کی نسبت بہت بہتر تھا۔ عرب ممالک میں عراق شاید دوسرا ملک تھا' جہاں تیل اور دیگر معدنیات کی بے پناہ آمدنی کو قومی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جاتا رہا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ صدام حسین نے تمام اختیارات اور قوت کا مرکز ہونے کے باوجود قومی دولت کو غیر ملکی بنکوں میں جمع نہیں کیا اور نہ ہی اندرون ملک یا غیر ممالک میں اپنی املاک بنائیں۔ صدام حسین نے فلسطینی مسلمانوں کی تحریک آزادی کے لئے جو خدمات سرانجام دیں' تاریخ میں انہیں سنہری حروف سے لکھا جاتا ہے۔ پاکستانی کی حیثیت سے ہم یہ اعتراض کرسکتے ہیں کہ صدام حسین نے کشمیری مسلمانوں کی آزادی پر کبھی کوئی توجہ نہیں دی بلکہ وہ کشمیر پر بھارت کے غاصبانہ قبضہ کی حمایت کرتے رہے جو کہ ان کی شخصیت اور سیاست کا ناگوار اور ناپسندیدہ پہلو تھا جس کی وجوہات انہیں اور ہماری وزارت خارجہ کو یقیناً معلوم ہونگی۔

ان تمام خوبیوں اور خامیوں کے باوجود صدام حسین عراق اور عرب ممالک کی تاریخ کا ایک انمٹ کردار ہیں' انکی زندگی سیاست' حکمرانی کے رویوں اور موت میں ہم سب کے لئے بے شمار عبرت آموز سبق موجود ہیں' جن سے صرف نظر بہت بڑی نادانی اور کوتا نظری ہوگا۔ وہ جس بہادری سے تختہ دار پر گئے' وہ ان کی شخصیت کا وہ جاندار پہلو ہے' جو ان کی ماضی کی غلطیوں اور خامیوں کا کفارہ بن گیا ہے۔ صدام حسین نے ثابت کیا ہے کہ وہ شخص کمزوریوں کے باوجود ایک دلیر اور جرأت مند آدمی تھا جو موت کا سامنا کرتے ہوئے کسی قسم کی پریشانی اور پشیمانی کا شکار نہ ہو......

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے یہ جان تو آنی جانی ہے اس جاں کی تو کوئی بات نہیں۔

صدام حسین کو پھانسی
عراق کی المناک تاریخ میں ایک اور سانحے کا اضافہ

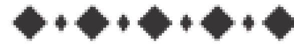
(غلام محی الدین)

عراق کے سابق صدر صدام حسین 30 دسمبر کو علی الصباح مقامی وقت کے مطابق 6:05 پر پھانسی کے پھندے پر جھول کر ابدی نیند سو گئے۔ جب تقریباً پورا عراق عیدالاضحیٰ کی تیاریوں کے سلسلے میں جاگتا رہا تھا۔صدام کو عیدالاضحیٰ کو صبح پھانسی دینے سے ان کے حامیوں اور چاہنے والوں کی خوشیاں ماند پڑ گئیں اور وہ لوگ جو ان کے دور اقتدار میں ان کے ظلم و ستم کا براہ راست نشانہ بنے تھے۔انہوں نے بغداد اور دوسرے شہروں میں گلیوں میں نکل کر دیوانہ وار رقص کیا۔صدام حسین کے ساتھ ان کے سوتیلے بھائی برزان التکریتی اور سابق چیف جسٹس عواد البندر کو بھی موت کی سزا سنائی گئی ہے۔اس طرح عراق جس کی تاریخ، بے شمار المناک واقعات سے پُر ہے ایک اور المناک واقعے کا اضافہ ہو گیا۔

صدام حسین کو 148 شیعوں کو زہریلی گیس کے ذریعے ہلاک کرنے کے الزام میں پھانسی دی گئی ہے۔ابھی ان پر قائم اور بھی دوسرے مقدمات کا فیصلہ ہونا ہے جس میں کردوں کا قتل عام، مخالفین کو زہریلی گیس سے ہلاک کرنے اور کرپشن جیسے الزامات بھی شامل ہیں۔ان مقدمات میں بھی فیصلہ تقریباً یہی ہونا تھا لیکن ایک ہی مقدمے کے فیصلے پر جس عجلت میں عمل درآمد کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ عراقی حکومت جسے امریکا کی آشیر باد حاصل ہے، بہت جلد مزاحمت کی اس علامت کو ختم کرنا چاہتی تھی۔صدام کی پھانسی کے لیے عیدالاضحیٰ کا دن مقرر کرنا بھی اپنے پیچھے بعض سوالات کو جنم دیتا ہے۔لوگ صبح سویرے عید کی نماز پڑھنے کے لیے یا تو گھروں سے نکل رہے تھے یا تیاریاں کر رہے تھے کہ انہیں یہ خبر سنائی گئی۔حالاں کہ عراق کے آئین میں ایسی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے کہ پھانسی جیسی سزاؤں پر مذہبی تہوار کے موقع پر عمل درآمد کیا جائے۔بعض حلقوں کا یہ خیال ہے کہ ایسا اس لیے کیا گیا کہ اس طرح مسلمانوں کو یہ پیغام بھی دینا تھا کہ ان کے خلاف کبھی بھی، کچھ بھی کیا جا سکتا ہے اور ان کی خوشیاں کسی بھی وقت خاک میں ملائی جا سکتی ہیں، حالاں کہ عراقی ٹی وی نے پھانسی کے بعد سڑکوں پر لوگوں کو خوشیاں مناتے اور دیوانہ وار رقص کرتے ہوئے دکھایا ہے اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ عوام اس فیصلے سے خوش ہیں لیکن اس خیال سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔یہ ضرور ہے کہ صدام حسین کی حکمرانی کو بدترین آمریت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے عراقی عوام کے حقوق سلب کر رکھے تھے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ انہوں نے ملک کو ایک پڑھا لکھا طبقہ دیا تھا، اور اپنی قوم کو قابلِ فخر بنا کر ایک فکر اور ایک سوچ دی تھی۔لہٰذا اب یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ صدام کی جسمانی موجودگی کے خاتمے کے ساتھ ان کی نظریات، فلسفہ یا ان کی بعث پارٹی کے اثرات بھی ختم ہو سکیں گے۔فی الحال یہ کہنا بہت مشکل ہے۔ دوران قید صدام حسین بظاہر ایک بے بس، بے ضرر اور مجبور شخص سے زیادہ نظر نہیں آتے تھے لیکن حالات بتاتے ہیں کہ ان کی معزولی اور گرفتاری کے

بعد بھی ان کے حامی عناصر کی کارروائیاں جاری ہیں اور مرحوم صدام حسین مزاحمت کی علامت کے طور پر زندہ رہیں گے۔ تاریخ کے طالب علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ کسی بھی لیڈر کا اس طرح مارے جانا کبھی بھی اچھے اثرات مرتب نہیں کرتا اور نہ ہی کسی لیڈر کا کردار سیاسی افق سے مٹایا جاسکتا ہے۔ صدام کو پھانسی دینے سے متعلق عراقی حکومت یہ تاثر دے رہی ہے کہ یہ فیصلہ خالصتاً عراقی حکومت کا ہے اور اس میں انصاف کے تمام تقاضے پورے کیے گئے ہیں، مگر بعض حلقے یہ بات تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس معاملے میں امریکا کی اجازت یا اشارہ ضرور شامل ہے، البتہ امریکا یہ ذمے داری کسی طور پر قبول نہیں کرنا چاہتا۔ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ صدام حسین کی حیثیت ایک جنگی قیدی کی سی تھی، اگر اسے سزائے موت سنائی گئی ہے تو عراق پر غاصبانہ قبضہ کرنے والے فوجیوں اور ان پر نہتے عراقی عوام کے قتل عام کے الزام پر بھی اسی طرح کی سزا کا اطلاق ہونا چاہیے۔ عراق پر امریکا نے قبضہ کرنے کا جو جواز فراہم کیا تھا۔ اس کے مطابق صدام حسین پر مہلک ہتھیار رکھنے کا الزام ثابت نہیں ہوسکا، لہٰذا اس عمل کی روشنی میں اتحادیوں یا اتحادیوں کی حمایت یافتہ عراقی حکومت کے تمام اقدامات مشکوک ہوجاتا ہے۔ ایک وقت تھا جب صدام حسین امریکا کی آنکھ کا تارا تھا، مگر ان کی اسرائیل دشمنی نے انہیں امریکا کا بھی دشمن بنادیا اور اس دشمنی کا انجام آج ہوگیا۔

آج حالات بتارہے ہیں کہ صدام کو پھانسی دینے میں انصاف سے زیادہ انتقام کا جزبہ شامل تھا۔ بہر حال 24 برس تک عراق پر رعب اور دبدبے کے ساتھ حکمرانی کرنے والے صدام حسین کا خاتمہ ہوچکا ہے۔ اس کی واپسی کے راستے ہمیشہ کے لیے بند کردیے گئے ہیں، مگر کیا اس کی شخصیت کا سحر ختم ہوسکے گا۔ یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا۔



دہشت گردی کے خلاف جنگ

بش انتظامیہ شہری آزادیاں سلب کرنے لگی

(ترجمہ: ملک محمد ظفر)

گیارہ ستمبر کے حملوں کے بعد وائٹ ہاؤس میں شب و روز جن امور کو زیر بحث لانے کا سلسلہ شروع کیا گیا، وہ اینٹی سوٹ کیس، جراثیمی جنگ کی ٹیکنالوجی، حکمت عملی اور اچانک حملوں سے متعلق تھے۔ تاہم اس صورت حال میں انتظامی اختیارات یا امریکی شہریوں کی غیر ضروری اور نامناسب تلاشی سے روکنے والے قانون کو الگ الگ کرنے کے لیے سنجیدہ غور و فکر کا سلسلہ شروع نہیں ہوا۔ اس ضمن میں امریکی صدر سے وائٹ ہاؤس کے وکلاء کو جو پیغام جاتا اس میں اس امر کی وضاحت کردی جاتی تھی کہ کانگریس اور آئین نے جو اختیارات صدر کو تفویض کیے ہیں، وہ ان اختیارات کو مکمل طور پر بروئے کار لانے کے خواہاں ہیں۔ اس کا مقصد قانون کی حدود کا دائرہ وسیع کرنا بھی لیا جاسکتا ہے۔ بش انتظامیہ نے انسانی آزادیوں اور حقوق کے بل کو معرض التوا میں نہیں ڈالا جبکہ فوری اور انتظامی نوعیت کے عملی اقدامات اٹھانے سے گریز نہیں کیا۔ ''نیوز ویک'' نے انتظامیہ کے بعض عہدیداروں کے درمیان الیکٹرونک آلات کے ذریعے جاسوسی کے پروگرام کے بارے میں پائے جانے والے اختلافات کو ایک رپورٹ میں بے نقاب کیا ہے۔ یہ رپورٹ نذر قارئین ہے۔

2004ء کے موسم بہار کے دوران ایک وفد وائٹ ہاؤس کے چیف آف سٹاف اینڈی کارڈ اور اس وقت کے ماہر قانون البرٹو گونیلز اٹارنی جنرل جان اشرافٹ کی عیادت کرنے گیا، جو ان دنوں علیل تھے۔ ان کے اس دورے کا مقصد صرف تیمارداری تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ قائم مقام اٹارنی جنرل جیمز کومے کو ان کے عہدے سے الگ کرانا تھا، کیونکہ کومے امریکی شہریوں کی غیر ضروری جاسوسی کروانے میں روڑے اٹکا رہے تھے۔ جیمز کومے کا خیال تھا کہ بحران کے دور میں محتاط رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ وہ شہریوں کی نجی زندگی میں مداخلت کے کسی بھی طور پر حامی نہیں ہوسکتے تھے۔ بش انتظامیہ کو قائم مقام اٹارنی جنرل کے طرز عمل پر اعتراض تھا، اس لیے صدر بش نے ایسی حقارت اور تمسخر سے ''کومو'' نام بھی دے رکھا تھا۔

یہ نام انہیں نیویارک کے سابق گورنر ماریہ کومو کی شخصیت کے باعث دیا گیا، کیونکہ امریکی لیڈر کے خیال میں قائم مقام اٹارنی جنرل اور نیویارک کے سابق گورنر کی شخصیت کے خدوخال ملتے جلتے ہیں۔ سابق گورنر متذبذب اور بار بار رائے بدلنے والی شخصیت کے حامل تھے۔ تاہم

وائٹ ہاؤس کے صدر نے ان ریمارکس سے انکار کر دیا اور کومے نے بھی اس پر تبصرہ نہیں کیا۔ کسی مہذب اور جمہوری معاشرے میں شہری آزادیوں اور قومی سلامتی کے درمیان حد فاصل اور توازن قائم کرنے کے لیے انتظامیہ اور حکومت کے مختلف شعبوں کے نمائندوں میں کھلی بحث ہی ایک معقول رویہ سمجھی جاتی ہے۔ لیکن انسانی فطرت اور سیاست صاف ستھرے اور شفاف انداز پر شاذ و نادر ہی عمل پیرا ہوتی ہے۔

بحران کے دور میں امریکی صدور انتظامی اختیارات کو ہمیشہ ملک کے تحفظ و سلامتی کو یقینی بنانے کے لیے بروئے کار لاتے رہے ہیں۔ لیکن جب بحران کے تلاطم خیز سمندر میں خونیں موجیں تھم جاتی ہیں، تو انتظامیہ کے اندازِ فکر پر بحث ہو جاتی ہے اور اس وقت عوام اور ان کے نمائندوں کو یہ سن کر انتہائی دکھ اور حیرت ہوتی ہے کہ ان کے صدر نے ان کے تحفظ و سلامتی کے نام پر کیا کیا۔ گیارہ ستمبر کے واقعہ کے چار سال بعد بھی امریکہ میں تاریخ کے بعض اہم مسائل و معاملات پر بحث جاری ہے کہ کیسے شہری آزادی اور سلامتی کے درمیان توازن قائم کیا جائے اور وائٹ ہاؤس کو کتنے اختیارات تفویض کیے جانے چاہئیں اور کیا ممتاز مؤرخ آرتھر سلیسنجر جونیئر نے ''شہنشاہی صدارت'' کی جو اصطلاح واٹر گیٹ سکینڈل کے ضمن میں متعارف کرائی تھی، کیا درست تھی یا بہتر اصطلاح تھی یا بری یا ان کے درمیان کچھ تھا، یہ کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ غیر روایتی اندازِ فکر کو بروئے کار لا کر لڑی جا رہی ہے اور بظاہر یہ ختم ہوتی نظر نہیں آتی، جس سے خطرات و مشکلات بڑھتی جا رہی ہیں۔

گیارہ ستمبر کے واقعہ کے بعد صدر بش اور ان کے اعلیٰ مشیروں نے جس نادیدہ دشمن کے خلاف جنگ کا اعلان کر رکھا ہے، کیا دنیا کی طاقتور ترین مسلح افواج اس نادیدہ دشمن کے خلاف مؤثر ثابت نہیں ہو رہی ہیں اور کیا انسانی جاسوسی کا عمل مددگار نہیں۔ امریکی سی آئی اے نے شاید ہی کبھی کسی دہشت گرد گروپ کے اندر اپنے ایجنٹ شامل کیے ہوں، حالانکہ فلموں اور ناولوں میں ایسا دکھایا جاتا ہے۔ امریکہ کا حقیقی ہتھیار ٹیکنالوجی ہے۔ جاسوس طیارے، نیشنل سیکورٹی ایجنسی کا کمپیوٹر نظام فضا سے بھی دشمنوں اور ان کے ایجنٹوں کے درمیان ہونے والی ٹیلیفون گفتگو یا ای میل تک رسائی حاصل کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ این ایس اے امریکہ کے دشمنوں کی گفتگو کی سماعت کے لیے ایک دیو ہیکل کان کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ عملی طور پر ان کے تمام منصوبوں کو قبل از وقت حاصل کر لیتا ہے۔ جوں جوں ذرائع رسل و رسائل ڈیجیٹل ہوتے جا رہے ہیں، انٹیلی جنس کے ماہرین نے اس نئی صورتحال کے تناظر میں خبردار کیا ہے کہ اب این ایس اے قوت سماعت سے محروم ہو جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی این ایس اے کے اعلیٰ عہدیداروں کے بیان بھی اس تشویش کو ظاہر کرتے ہیں۔ نئی صورت حال میں یہ محسوس ہونے لگا ہے کہ این ایس اے حساس ڈیٹا اور کمپیوٹر پروگرام پر خفیہ طور پر کام کر رہی ہے، جس کا مقصد معلومات کے وسیع ذخیرے کی چھان بین کرنا اور ان کے آپس کے تعلقات اور روابط کو ڈھونڈ نکالنا ہے۔

نائن الیون کے بعد امریکی حکومت پر بعض حلقوں کی جانب سے شدومد کے ساتھ یہ نکتہ چینی کی گئی کہ وہ ان خودکش حملہ آوروں، جو امریکہ میں چھپے ہوئے تھے، کی بیرون ملک مقیم دہشت گردی کی منصوبہ سازی کرنے والوں کے ساتھ پیغام رسانی کا سراغ لگانے میں ناکام رہی ہے۔ لیکن اب این ایس اے کے کمپیوٹر نئی صورت حال سے نمٹنے کے لیے مکمل طور پر تیار ہیں۔ اسی لیے بش انتظامیہ کے عہدیدار بار بار اس امید کا اظہار کر چکے ہیں کہ امریکہ میں چھپے ہوئے دیگر دہشت گردوں کے ''خوابیدہ گروپوں'' (سلیپر سیلز) کو ڈھونڈ نکالیں گے اور انہیں امریکہ پر دوبارہ حملہ آور ہونے کا موقع نہیں دیں گے۔ لیکن اس کے باوجود آئینی اور قانونی سطح پر صورت حال میں کوئی پیشرفت دیکھنے میں نہیں آئی۔

1978ء میں کانگریس نے فارن انٹیلی جنس سرویلنس ایکٹ منظور کیا تھا، جس میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ انٹیلی جنس ایجنسیاں امریکی شہریوں سے متعلق ذرائع رسل ورسائل کی جاسوسی اور مخبری کرنے سے قبل وارنٹ حاصل کریں گی۔ سی آئی اے اور ایف بی آئی کی جانب سے امریکہ کے اندر اور باہر شہریوں کی جاسوسی کرنے کے لیے متذکرہ قانون کو بطور وکیل پیش کیا گیا جبکہ عوامی حلقوں کی جانب سے جاسوسی کے اس پروگرام پر سخت ردِعمل کا اظہار کیا گیا۔ لیکن یہ ایکٹ سرد جنگ کے دور میں تشکیل دیا گیا تھا اور اس کا مقصد ٹیلیفون کالز کی جاسوسی کرنا تھا۔ یہ ایکٹ ہزاروں فون کالز یا ای میلز تک رسائی حاصل کرنے سے نہیں روکتا، کیونکہ ان معلومات تک رسائی امریکی ٹیلی کمیونی کیشن کمپنیوں کے طویل نیٹ ورک کے ذریعے ممکن ہوتی ہے۔ 1978ء کے قانون کے تحت ایک خفیہ عدالت بھی قائم کی گئی تھی، جس نے جاسوسی کے مقاصد کے لیے حکومت کی جانب سے پیش کی جانے والی وارنٹ کی کوئی بھی درخواست مسترد نہیں کی۔ لیکن ایسی کسی بھی درخواست کے لیے بیسیوں صفحات پر مشتمل دستاویزات متعدد دستخطوں جس میں اٹارنی جنرل کے دستخط بھی شامل ہوتے ہیں، درکار ہوتے ہیں۔ ایسی درخواست کی 72 گھنٹوں میں منظوری دے دی جاتی ہے۔ جیسا کہ این ایس اے کے کمپیوٹروں نے افغانستان اور پاکستان سے امریکہ میں ممکنہ القاعدہ کے ہمدردوں کی فون کالز کا سراغ لگایا۔ اگر اس کارروائی کو سرخ فیتے کی نذر کر دیا جاتا تو یہ ایک ناقابل معافی جرم تصور کیا جاتا۔

صدر بش، جو دہشت گردی کے خلاف جنگ میں حد درجہ تک پرعزم ہیں اور نائب صدر ڈک چینی انتظامی اختیارات پر پختہ یقین رکھتے ہیں، وہ 1978ء کے ایکٹ کو جل دے کر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے سے کسی صورت ہچکچاہٹ محسوس کرتے دکھائی نہیں دیتے، کیونکہ آئین کے آرٹیکل 2 اور نائن الیون کے بعد کانگریس کی قرارداد نے امریکی صدر کو عالمی سطح پر دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے لیے طاقت استعمال کرنے کر اختیار دیا ہے۔ صدر بش بارہا اس بات کی منظوری دے چکے ہیں، جس کے تحت این ایس اے روزانہ پانچ سو امریکیوں کی بغیر وارنٹ کے جاسوسی کر سکتی ہے۔ این ایس اے کے پروگرام کے بارے میں جب ''نیویارک ٹائمز'' نے رپورٹ شائع کی تو اخبارات اور کانگریس میں صدائے احتجاج فوری طور پر بلند ہونے لگی، لیکن ردِعمل کم وبیش جانبدارانہ رہا۔ ری پبلکن پارٹی کے اکثر ارکان اور کنزرویٹوز نے امریکہ کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے صدر بش کے اقدامات کا دفاع کیا۔ اکثر ڈیموکریٹس اور لبرل حضرات نے جاسوسی کے اس پروگرام کو قابل مذمت قرار دیا اور کہا بش اور ڈک چینی مشتبہ دہشت گردوں کو بغیر کسی قسم کے قانونی جواز کے، تشدد کا نشانہ بنوانے اور قید و بند میں رکھنے کے سکینڈل میں ملوث ہیں اور اب اس اقدام سے شہری آزادیوں کو بری طرح متاثر کیا جا رہا ہے۔

متذکرہ بالا صورت حال کے تناظر میں ردِعمل اور بحث ومباحثہ قدرے محدود اور دلائل سے عاری رہا ہے۔ یہ امر اپنی جگہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ گزشتہ چار برسوں کے دوران امریکہ پر کوئی حملہ نہیں ہوا، اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ بش انتظامیہ نے دہشت گردی کے خلاف مؤثر جنگ شروع کر رکھی ہے اور دوسری یہ کہ دہشت گردوں کی جانب سے خطرہ اتنا شدید نہیں جتنا کہ حقیقی طور پر سمجھا گیا۔ یہ دونوں وجوہات امریکہ کو محفوظ بنانے کے لیے بنیاد تصور کی جاتی ہیں۔ تاہم یہ امر واضح نہیں کہ جاسوسی اور مخبری کے پروگرام نے دہشت گردوں کے منصوبوں اور سازشوں کو ملیامیٹ کرنے میں کافی کردار ادا کیا ہے یا اس کے برعکس اس پروگرام کے ذریعے امریکیوں کو ان کی نجی اور خفیہ زندگی کی

آزادیوں سے محروم کیا گیا ہے۔ جاسوسی اور مخبری کا زیادہ تر عمل '' کی ورڈز'' کی کمپیوٹر کے ذریعے تلاش ہے نہ کہ نجی گفتگو کی کوئی شخص سن گن لیتا ہے۔ یہاں یہ امر یقینی ہے کہ قومی سلامتی اور شہری آزادیوں کے بارے میں حالیہ بحث نئی نہیں۔

امریکہ کے سابق صدور کے ادوار میں بھی جنگ کے دوران ایسے ہی جمہوری چلن کا دور دورہ رہا ہے۔ گزشتہ دو صدیوں کے دوران امریکہ کے اندر اور باہر دشمنوں کے سلسلے میں امریکی صدور کے اقدامات سے تنقید کی ایک لہر جنم لیتی رہی ہے۔ لیکن ریاستی امور نے اپنے طریق عمل کو جاری رکھنے کو ہی یقینی بنایا۔ موجودہ بحث کو سمجھنے اور اس کا سنجیدگی سے جائزہ لینے کے لیے کہ بش اور ڈک چینی نے اختیارات کے لیے کس قسم کے اقدامات کیے ہیں۔ ان کا سابقہ ادوار میں بنائے جانے والے قوانین سے موازنہ کرنا مفید ہوگا۔

اگر چہ اختیارات کے حصول کے لیے اظہار کم ہی کیا جاتا ہے۔ امریکی صدور ہمیشہ انفرادی حقوق کی خلاف ورزی کے ارتکاب کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں، کیونکہ وہ جنگ ہارنے کو بہتر ترجیح نہیں سمجھتے۔ 1798ء میں جب فرانسیسیوں نے امریکیوں کی خودمختاری کو چیلنج کیا تو اس وقت امریکہ کے صدر جان ایڈمز نے حکومت کی مخالفت کے خلاف تشکیل کردہ قوانین کی پرزور حمایت کی اور آزادی اظہار پر سزا دینے کے مؤقف کی وکالت کی۔ اسی طرح جب 1861ء میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو ابراہیم لنکن نے حبس بے جا کے قانون کو معطل کر دیا۔ اس قانون کے تحت امریکی شہریوں کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی شکایات عدالت میں لے جا سکتے ہیں۔

پہلی عالمی جنگ کے دوران وڈرو ولسن نے حکومت کو ہدف تنقید بنانے والوں کے خلاف انتظامیہ کو کارروائی کی کھلی چھٹی دے رکھی تھی۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران روزویلٹ نے ایف بی آئی کے ڈائریکٹر ہے ایڈگر کو یہ اجازت دی تھی کہ شہریوں کی پیغام رسانی پر کڑی نظر رکھی جائے۔ اس کے علاوہ انہوں نے جاپانی نژاد امریکیوں کو نظر بندی کے کیمپوں میں رکھنے کا حکم دیا تھا۔ اسی طرح جوں جوں ویت نام کی جنگ طویل پکڑتی گئی، امریکہ کے اندر صدائے احتجاج بلند ہونے لگی۔ رچرڈ نکسن نے اپنے ڈیموکریٹک پیشرو کا حوالہ دیتے ہوئے اندرون ملک شرپسندوں کی جاسوسی کرنے کا انتظامیہ کو اختیار دے دیا تھا۔ لیکن ان اقدامات سے امریکی قوم زیادہ محفوظ نہیں ہوئی۔ تاہم یہ امر اب تک واضح نہیں کہ نائن الیون کے بعد صدر بش نے قومی سلامتی کے اداروں کو مؤثر کارروائی کرنے کے لیے کہاں تک متحرک اور فعال بنایا ہے۔ لیکن یہ بات کسی سے چھپی نہیں کہ امریکی لیڈر انٹیلی جنس سروسز اور فوج کو مؤثر کارروائی اور حملوں سے پیشگی اقدامات اٹھانے کے لیے متحرک بنانے کے خواہاں ہیں۔

این ایس اے کے خفیہ پروگرام کی تمام جہتیں آہستہ آہستہ بے نقاب ہوئی ہیں۔ قانونی جواز اور کمانڈر انچیف کے آئین کے تحت اعلان جنگ کے اختیار کو ستمبر 2001ء میں حملوں کے تین دن بعد کانگریس کی قرارداد میں سمویا گیا تھا، اسی لیے کانگریس کے اکثر ارکان اس وقت یہ سمجھنے لگے تھے کہ وہ افغانستان میں القاعدہ اور طالبان پر حملے کا اختیار دینے کے لیے ووٹ دے رہے ہیں۔ لیکن وائٹ ہاؤس کے ایک سابق عہدیدار جو قرارداد کا مسودہ تیار کرنے میں شریک رہے ہیں اور جنہوں نے اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہا، ان کے مطابق امریکی انتظامیہ میں اس نکتے پر ایک رائے پائی جاتی تھی کہ صدر کو کانگریس سے زیادہ سے زیادہ اختیارات حاصل کرنے چاہئیں، جنہیں وہ دہشت گردوں کو قانون کی گرفت میں لانے اور ہلاک کرنے کے لیے استعمال کر سکیں۔ عمومی طور پر قومی بحران کے دور میں کانگریس ہمیشہ حب الوطنی کی رو میں بہہ جاتی ہے۔

کوریا اور ویت نام کی جنگوں کے دوران اس وقت کے صدور نے کانگریس سے باقاعدہ اعلان جنگ کی منظوری حاصل کرنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی تھی۔ ویت نام اور واٹرگیٹ کے بعد کانگریس نے مختصر عرصے کے لیے اپنے جنگی اختیارات کے قانون کو منوانے کے لیے کچھ سرگرمی بھی دکھائی لیکن کبھی کسی امریکی کانگریس اور نہ ہی صدر نے اس قانون کو آزمائش کے مراحل سے گزارنا چاہا ہے۔ خلیج کی پہلی اور دوسری جنگوں میں بش کے والد اور اب بیٹے نے انتہائی کم سخت قراردادوں پر انحصار کیا۔ وائٹ ہاؤس کے ایک عہدیدار، جو ستمبر 2001ء کی اس قرارداد کی تیاری میں شریک رہے ہیں، جس میں دہشت گردی کے خلاف طاقت استعمال کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ کانگریس کی جانب سے انتہائی کم نوعیت کی سرگرمی کا مظاہرہ کیا گیا۔ سینٹ کی جوڈیشری کمیٹی کے چیئر مین ایولن سپکٹر اختیارات کے دائرہ کار کو محدود کرنا چاہتے تھے، لیکن انہیں کامیابی سے ایک طرف کر دیا گیا۔

کانگریس کے لچکدار رویے کے تناظر میں مبصرین اور تجزیہ نگاروں نے اس حیرت کا اظہار کیا ہے کہ آخر وائٹ ہاؤس نے کیوں کانگریس کو 1978ء کے ایکٹ میں ترمیم کرنے کے لیے نہیں کہا، کیونکہ اس سے بغیر وارنٹ کے امریکی شہریوں کی نجی زندگی میں مداخلت آسان ہو سکتی تھی۔ وائٹ ہاؤس کے ایک عہدیدار نے بتایا ہے کہ بش انتظامیہ کو یہ خدشہ تھا کہ اگر کانگریس میں بحث و مباحثہ کرایا گیا تو دہشت گردوں کو این ایس اے اور دیگر انٹیلی جنس سروسز کے خفیہ ذرائع اور طریقوں کے بارے میں کافی حد تک معلومات مل جائیں گی۔ اس کے علاوہ ایک عنصر یہ بھی کارفرما رہا ہے کہ امریکی انتظامیہ ہمیشہ کانگریس سے کسی چیز کی اجازت مانگنے میں ہچکچاہٹ کا اظہار کرتی ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے کانگریس کے اس اختیار کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کے پاس ''نہیں'' کہنے کا اختیار اور جواز موجود ہے، اسی لیے امریکی صدور نے ہمیشہ اعلان جنگ کے اختیارات کو اپنے عہدے تک محدود کرنے کو ترجیح دی ہے، تاکہ ان کے بارے میں کوئی سوالیہ نشان اٹھایا نہ جاسکے۔ علاوہ ازیں ارکان کانگریس نے اکثر و بیشتر قومی سلامتی کی آڑ میں اٹھائے جانے والے اقدامات کی حقیقت جاننے کی خواہش ظاہر نہیں کی۔ 1950ء کی دہائی میں سی آئی اے کی ڈائریکٹر ایلن ڈولس کے مطابق انہوں نے ہمیشہ سینٹ کی مسلح افواج کی کمیٹی کو حقائق سے آگاہ کیا۔ جب این ایس اے کی جاسوسی کی پلاننگ منظر عام پر آئی تو بش انتظامیہ نے فوری طور پر دعویٰ داغ دیا کہ اس نے کئی مواقع پر کانگریس کے رہنماؤں کو بریف کیا تھا، لیکن یہ بریفنگ بظاہر سرسری تھی۔ سینٹ کے ڈیموکریٹک لیڈر سینیٹر ٹم ڈاشلے کا کہنا ہے کہ انہیں 2002ء اور پھر 2004ء میں بریف کیا گیا۔ انہوں نے ''نیوز ویک'' کو انٹرویو دیتے ہوئے بعض خفیہ اطلاعات ظاہر کرنے سے گریز کیا۔ لیکن یہ تسلیم کیا کہ جو بریفنگ دی گئی تھی وہ ان تفصیلات سے بالکل مختلف ہے، جو اب اخبارات میں شائع ہو رہی ہیں۔ وائٹ ہاؤس میں بریفنگ کے دوران سینیٹر ڈاشلے کو نوٹس لینے اپنے ساتھ کوئی عملہ لانے یا بریفنگ کی تفصیلات کسی کو بتانے سے روک دیا گیا تھا۔ ڈاشلے کہتے ہیں کہ اس طرح سے آپ کچھ بھی حاصل نہیں کر پاتے۔ جب تک کہ آپ سوالات کے ذریعے کچھ پوچھ نہیں لیتے۔

صدر بش کے دور صدارت میں جو قواعد و ضوابط جاسوسی، سراغ رسانی اور تفتیش کیلئے بنائے گئے ہیں، وہ اس اعتبار سے خصوصی نوعیت کے ہیں کہ انہیں وائٹ ہاؤس اور محکمہ انصاف کے وکلاء نے تیار کیا اور ان کے پیش نظر صدر کے اختیارات کو وسعت دینا تھا۔ محکمہ خارجہ کے وکلاء اور باوردی فوجی عہدیداروں کو زیادہ تر اس سے الگ تھلگ رکھا گیا۔ اس سلسلے میں مشتبہ دہشت گردوں کی غیر معینہ عرصے تک کیلئے نظر بندی پر سرکاری وکلاء

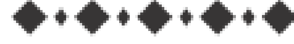
نے اکثر و بیشتر احتجاج ہی کیا۔ ابتداء میں ان شکایات کو نجی طور پر دور کرنے کی کوشش کی گئی۔ اگر چہ بیورو کریٹس پر انگلی اٹھائی جا سکتی ہے، لیکن حکومتی عہدیداروں سے قربت رکھنے والے بیورو کریٹس شائستگی اور منصفانہ پن کے معیار کو پیش نظر رکھتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ جو معاملہ چھوڑ کر جائیں گے، بعد میں آنے والے عوامی نمائندے ان مشکوک خفیہ کارروائیوں کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ محکمہ انصاف میں ایک سابق پراسیکیوٹر جیمز کومے نے وائٹ ہاؤس کو ایک اذیت رسانی کی یادداشت سے دستبردار ہونے پر مجبور کیا، جس میں بظاہر انٹیلی جنس ایجنسیوں کو یہ اختیار دیا جانا تھا کہ وہ پوچھ گچھ کے لیے ایسا طریقہ اختیار کرنے میں آزاد ہوں گے، جس میں تشدد تو کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ تشدد جسم کے اعضاء کو تکلیف پہنچانے کا سبب نہ بنے۔ کومے اس وقت محکمہ انصاف میں دوسرے ایسے عہدیدار تھے، جنہوں نے ٹھوس کوششوں سے اسے ناممکن بنا دیا۔ اگر چہ اس کے متعلق تمام تفصیلات غیر واضح ہیں، لیکن یہ محسوس ہوتا ہے کہ کومے کے اعتراضات کے باعث ہی 2004ء میں جاسوسی اور مخبری کے بغیر وارنٹ پروگرام کو کسی حد تک محدود کرنے میں مدد ملی۔ دیگر متعدد عہدیداروں کے مطابق کومے اور دیگر سرکاری وکلاء نے یہ دلیل دی کہ طاقت کے استعمال کی 2001ء کی قرارداد، جس سے شہریوں کی جاسوسی کا جواز قائم کیا گیا، وہ زائد المیعاد ہو چکی ہے۔ اس لیے اس پروگرام کو آڈٹ کرنے کی ضرورت ہے۔

مارچ 2004ء میں وائٹ ہاؤس کے چیف آف سٹاف کارڈ اور وائٹ ہاؤس کے وکیل گونیلز نے اٹارنی جنرل کی عیادت کی، جو شدید بیمار تھے اور انہیں کومے کے اقدامات کو بلا جواز قرار دینے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی، کیونکہ کومے اس وقت قائم مقام اٹارنی جنرل کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ لیکن شرافٹ نے انکار کر دیا، جس کے بعد محکمہ انصاف اور وائٹ ہاؤس میں بحث چھڑ گئی کہ کیا کرنا چاہیے۔ بالآخر 2004ء کے موسم گرما میں کومے کے ساتھ بعض معاملات پر اتفاق رائے ہو گیا۔ ''نیویارک ٹائمز'' کے مطابق محکمہ انصاف اور این ایس اے نے بعض اصول وضوابط میں ترمیم کی اور ان میں اس شق کو شامل کیا گیا کہ امریکی شہریوں کی گفتگو کی مانیٹرنگ کرنے سے قبل ''ممکنہ وجوہ'' کا تعین کرنا ہوگا۔ بیورو کریٹس جو اپنے سیاسی آقاؤں سے بددل تھے۔ ان کے پاس ایک ہتھیار رہے، جس کے تحت وہ اندرونی معاملات کو بے نقاب کر سکتے ہیں۔ تاہم یہ امر ابھی تک واضح نہیں ہوا کہ این ایس اے کی امریکی شہریوں کی مانیٹرنگ کی پلاننگ کیسے ''نیویارک ٹائمز'' تک پہنچی۔ تاہم گزشتہ ہفتے محکمہ انصاف نے تفتیش شروع کر دی ہے۔

خیال کیا جا رہا ہے کہ اس پروگرام کو بے نقاب کرنے میں وہ عہدیدار ملوث ہیں، جو اس پروگرام کے اخلاقی جواز سے متفق نہیں یا وہ اسے بہتر نہیں سمجھتے۔ تاریخی طور پر جنگ کے دوران شہری آزادیوں کے خلاف اقدامات کے ہمیشہ منفی اثرات ہی ظاہر ہوئے ہیں، جیسے لنکن پر ڈکٹیٹرشپ کا الزام عائد کیا گیا اور ان کی ری پبلکن پارٹی 1862ء اور 1864ء کے انتخابات میں متعدد نشستوں سے محروم ہو گئی۔ ولسن کی جنگ عظیم اوّل کے دوران اور بعد کی کارروائیوں سے شہری آزادی کی جدید تحریک کو پروان چڑھانے میں مدد ملی، جبکہ نکسن کی جانب سے اختیارات کے ناجائز استعمال سے واٹر گیٹ کے لیے متعدد اصلاحات آئیں، جن میں 1978ء کا قانون بھی شامل ہے۔

رواں موسم سرما کے دوران کانگریس شہری آزادیوں کی خلاف ورزی سے متعلق بش انتظامیہ کے اقدامات زیر بحث لائے گی۔ جوں جوں نائن

الیون کا واقعہ عوام کے حافظے سے محو ہوتا جا رہا ہے اور بش رائے عامہ کے جائزوں میں مقبولیت کھوتے جا رہے ہیں۔ عوام کا طرزِ عمل بھی بدل رہا ہے، لیکن اس کے باوجود بش نے اسے اپنے کسی بھی خفیہ پروگرام سے دستبردار ہونے کا کوئی عندیہ نہیں دیا۔



2006 امریکا کا زوال شروع ہو جائے گا

(میگزین رپورٹ)

علم نجوم قدیم ترین انسانی علوم میں سے ایک ہے۔ حساب کتاب کا یہ طریقہ بھی اپنے انداز سے حالات کا تجزیہ پیش کرتا ہے، اس میں انسانی دلچسپی ہمیشہ سے رہی ہے۔ ماہرین ہر سال کے حوالے سے علم نجوم کی بنیاد پر پیش گوئیاں کرتے ہیں کہ آنے والے سال میں کیا کچھ ہونے کا امکان ہے۔ ملکوں کے اندرونی معاملات کیا رخ اختیار کر سکتے ہیں اور ان کے دیگر ممالک کے ساتھ تعلقات کیسے رہیں گے۔

مغربی ماہرین علم نجوم 2006ء پراسراریت اور عجیب وغریب غیر متوقع واقعات کا سال قرار دیتے ہیں۔ گویا اچانک کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ خوابوں اور فریب نظر کا سال ہے، کیونکہ اس سال پر سب سے گہرے اثرات نیپچون کے ہیں۔ اس سیارے کی خاص بات یہ ہے کہ یہ براہ راست اثر انداز نہیں ہوتا یعنی کھل کر سامنے نہیں آتا۔ دیگر سیاروں کے ساتھ اس کا جو تعلق یا رابطہ قائم ہوتا ہے انہی کے پیش نظر یہ اثرات مرتب کرتا ہے۔ رابطہ بدلتا رہتا ہے تو اس کے اثرات بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اس سال خاص طور پر زحل (جو سخت قواعد وضوابط، ڈسپلن اور اپنی اصل میں نحس اکبر ہے) اور مشتری (جو سعد اکبر ہے) سے اس کا تعلق رہے گا۔

2006ء میں سب کچھ ایسا نہیں ہوگا جیسا بظاہر نظر آئے گا۔ کوئی ظاہری بد نصیبی، خوش نصیبی بن جائے گی جبکہ کوئی خوش نصیبی آخری نتائج میں بدقسمتی ثابت ہوگی۔ اس سال عالمی رہنماؤں کو خصوصیت سے چوکس، تخلیقی اور اختراعی رہنا ہوگا۔ اس مشکل یا پیچدار سال کے شعبدوں سے نمٹنے کیلئے انہیں کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیے، لیکن ماہرین علم نجوم کا کہنا ہے کہ صرف برطانیہ اور چین ہی اس برس میسر آنے والے مواقع سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ اس برس حکومتیں بہت کچھ نہیں کر سکیں گی، گویا یہ عوام کیلئے اپنی مدد آپ کا سال ہوگا۔ لوگوں کو چاہیے کہ اپنی زندگیاں زیادہ ٹھوس اور محفوظ بنیادوں پر استوار کریں۔

اس برس یہ بھی یاد رکھنے والی بات ہے کہ ہم ابھی تک مشتری اور یورینس کے زیر اثر ہیں۔ یہ ہم میں بے صبری پیدا کرتے ہیں جس کے نتیجے میں ہم مستقبل سے غافل ہو جاتے ہیں۔ 1920ء کی دہائی میں بھی ایسا ہی ہوا تھا جب امریکہ معیشت کی بدترین خرابی اور زبردست اضطراب سے دوچار رہا۔ یہ تبدیلیاں صرف ان لوگوں کو متاثر کرتی ہیں جنہیں اقتصادی، کریکشن کی ضرورت ہوتی ہے۔ لوگوں کو غیر ضروری قرضوں میں نہیں پھنسنا

چاہیے کیونکہ اس کے دردناک اقتصادی نتائج برآمد ہوں گے۔

ماہرین نجوم کا خیال ہے کہ امریکہ کے لئے یہ سال اچھا نہیں ہوگا۔ اس کی معیشت، ماحولیات سے متعلق اس کی پالیسیاں اور اس کی کرنسی کے لئے یہ اچھا سال نظر نہیں آتا۔ اگر امریکہ 1929ء کے ڈپریشن سے ہونے والے ''کریکشن'' کی صورتحال سے بچنا چاہتا ہے تو اسے مینجمنٹ کو بہتر بنانا ہوگا۔

اس وقت دنیا بھر میں ایک اجتماعی بے فکری یا دانشمندی کا فقدان نظر آتا ہے اور 21ویں صدی کے پورے پہلے عشرے میں یہ جاری رہے گا جس سے سب کو خطرات لاحق ہوں گے اور امریکہ بھی خطرات سے دوچار رہے گا۔ یہ ایک ایسا عالمی پولیس مین بن گیا ہے جس کا اس کی اپنی معیشت پر کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے متعدد مسائل کا سامنا رہے گا کیونکہ یہ سال بازی گر اور شعبدہ باز ہے، اس لئے اچانک ہی کچھ ہو سکتا ہے۔ نتیجتاً عالمی اقتصادی ترقی بھی متاثر ہوگی۔

اس امر کی علامات موجود ہیں کہ اس وقت دنیا میں بے چینی پیدا کرنے والے جو قوانین مستقل اور ٹھوس نظر آ رہے ہیں، وہ 2006ء میں بری طرح شکست سے دوچار ہوں گے۔ گویا اس سال کے دوران یہ ختم ہو جائیں گے اور دنیا کے بہت سے لوگ ان عالمی سختیوں کے خاتمہ پر خوشگوار حیرت سے دوچار ہوں گے۔ دنیا بھر کے عوام ان احمقانہ قواعد وضوابط کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور ان سے لڑیں گے۔ بعض اوقات اس لڑائی کے تباہ کن نتائج بھی برآمد ہوں گے۔

اس برس فراڈ اور دغا بازی میں اضافہ ہوگا۔ دوسری جانب مذہبی جذبات بہت شدید ہوں گے جس طرح 2005ء میں رہے۔ اعتدال پسند اور بنیاد پرست دونوں ہی سیاست پر بالادستی کی کوشش جاری رکھیں گے۔

2006ء اس حوالے سے ایک منفی سال ہوگا کہ اس میں عملی ضروریات پر توجہ دینے میں ناکامی ہوگی۔ ہم اس برس کھوکھلے منصوبے دیکھیں گے، دنیا کو بچانے کے بڑے بڑے منصوبے پیش کئے جائیں گے، لیکن یہ بھی پہلے کی طرح محض وعدے ہی رہیں گے ان پر عمل درآمد کبھی نہیں ہو سکے گا، یہ منصوبے فراموش کرنے کیلئے بنائے جائیں گے، چنانچہ انفرادی طور پر بھی اگر آپ اس سال کے اختتام پر کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو یہ سمجھنا چاہیے اس برس کامیابی کیلئے سب سے بڑا تقاضا تفصیلات وجزئیات کا جائزہ لینا اور کام کو خود مکمل کرنا ہے۔ انفرادی سطح پر بھی جو لوگ اعلانات کریں گے اور عملاً کچھ نہیں کریں گے، وہ بھی سیاستدانوں کی طرح غیر مؤثر ہو کر رہ جائیں گے اور اس برس انہیں حاصل شدہ مواقع ضائع ہو جائیں گے۔

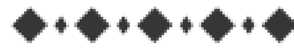
چونکہ یہ سال غیر متوقع ثابت ہوگا لہٰذا ایک جانب تو نجوم کی رو سے عالمی کشیدگی کم ہونے کی نشاندہی ہے اور دوسری جانب ایسے متعدد نجومی اشارے موجود ہیں جو پورے سال تنازعات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ان علامات کا آغاز مشتری، مریخ اور نیپچون کے درمیان تعلق سے ہوتا ہے، جو تصورات ونظریات میں سنگین تصادم کی علامت ہے۔ عوام اور حکومتیں ایسی صلیبی جنگوں میں ملوث ہو سکتی ہیں جس کا سبب عدم برداشت اور باہمی غلط فہمیاں ہوں گی۔ لیکن خوش قسمتی سے یہ صلیبی جنگیں نظریات کی حد تک ہی رہیں گی اور عام طور پر یہ کنفیوژن فوجی تصادم میں تبدیل نہیں ہوگا۔

تصادم کی صورت حال جنوری سے جون تک رونما ہونے کا خدشہ زیادہ ہے۔ چنانچہ زیادہ تر پرتشدد صورت حال سال کے پہلے نصف میں رونما ہوگی۔

اب ہم اس سال کی بنیادی تفہیم یعنی ''خوابوں'' کی جانب واپس آتے ہیں۔ اگر گہرائی میں جا کر دیکھا جائے تو یہ وژن یا بصیرت کا سال ہے۔ اس دوران مواصلات و ابلاغ کی ٹیکنالوجی میں تیز رفتار ترقی ہوگی، خصوصاً فروری اور ستمبر میں ایسا ہوگا، ایسی نئی ایجادات سامنے آئیں گی جو حیاتیات اور مائیکرو چپ ٹیکنالوجی کا مرکب ہوں گی، شاید کمپیوٹر بھی کسی طرح کی نوع حیات میں تبدیل ہو جائیں۔ مجموعی طور پر یہ دنیا میں بہتری کا سال ہے۔ انسانیت کے لئے سب سے بڑا چیلنج ہوگا کہ ان مثبت رجحانات کو اجتماعی مفاد میں کس طرح استعمال کیا جائے اس برس کلوننگ اور جنیاتی طریقوں سے حاصل فصلوں کے بارے میں متنازعہ مباحث شدت اختیار کر جائیں گے لیکن زیادہ تر دلائل جذباتی ہوں گے۔ اصل لڑائی اصولوں اور عقائد کے درمیان ہوگی، یہ دولت کیلئے نہیں ہوگی۔ چنانچہ مغرب میں اسقاط حمل، مانع حمل اور جانوروں کے حقوق پر نظریاتی صلیبی جنگیں ہوں گی۔

برطانیہ کے زائچے میں اس سال کے دوران بہت زیادہ تبدیلیاں نظر نہیں آتیں، گویا سیاست سمت میں کوئی بڑی تبدیلی واقع نہیں ہوگی، کوئی بڑی سماجی شورش بھی متوقع نہیں ہے۔ جولائی ستمبر میں حکومت میں اعلیٰ سطح کی تبدیلیوں کا مطلب بھی یہ ہوگا کہ کام معمول کے مطابق جاری رہے اقتصادی ترقی کی بھی شاندار علامات موجود ہیں، شیئرز اور مکانات کی قیمتوں میں اضافہ ہوگا، تیل کے مزید ذخائر دریافت ہو سکتے ہیں، البتہ یہ یاد رہنا چاہیے کہ اس سال مالیاتی ترقی کا تعلق دیرپا طاقت سے زیادہ اندھی امید پر ہوگا۔

یورپی یونین کے زائچے پر بھی کوئی بڑا دباؤ نظر نہیں آتا 2008-2007ء میں البتہ اس پر دباؤ مرتب ہوگا اور اس مدت میں اس کے آئینی تنازعات اٹھیں گے اور یہ دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گی۔



صدام حسین کا مختصر تعارف

صدام حسین بغداد کے شمال میں واقع شہر تکریت کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد کی وفات کے بعد ان کی والدہ انہیں اپنے رشتے داروں کے پاس چھوڑ کر کسی اور گاؤں چلی گئیں چند سال بعد انہوں نے دوسری شادی کر لی سوتیلے والد کا صدام کے ساتھ برتاؤ اچھا نہ تھا۔ اس طرح صدام حسین کے لئے زندگی مشکل ہوتی گئی۔ 12 برس کی عمر میں انہوں نے اپنا گھر چھوڑ اور تکریت میں اپنے ایک چچا کے ساتھ رہنے لگے اپنے لڑکپن میں صدام حسین حکومت مخالف مظاہروں میں خاصے سرگرم رہے اور بہت سے دوسرے عراقیوں کی طرح برطانوی نوآبادیاتی حکومت امیر جاگیرداروں کے خلاف ہوتے گئے۔ 1968ء بعث پارٹی اقتدار میں آئی اور احمد حسن البقر نے ملک کی صدارت سنبھالی صدام حسین اسی دور میں صدر احمد حسن کے دست راست بنے اور حکومت کے اہم اور خفیہ کام انجام دینے لگے اور ان میں اہم کام تھا مخالفین کو ہر طرح سے ہٹانا۔ ان مخالفین میں سے کچھ تو قتل کر دیئے جاتے کچھ جلاوطن اور کچھ کو خاموش کرا دیا جاتا۔

اسی سال صدام حسین نائب صدر بنا دیئے گئے اور اس کے ساتھ ہی صدام حسین کے سیاسی عزائم بھی مزید بڑھنے لگے 1979ء میں انہوں نے اپنے محسن احمد البقر سے زبردستی استعفیٰ دلوایا اور خود صدر بن گئے اس کے بعد بعث پارٹی کے حکومت پر صدر صدام کی شخصیت حاوی ہوتی گئی اور

جیسا کہ مورخ پیبی مار نشاندہی کرتی ہیں اگر اس درمیان کوئی سیاسی نظریہ بچا تو وہ صدام ازم کا تھا۔

صدر صدام کے جارحانہ عزائم کی پہلی مثال جلد ہی 1980ء میں اس وقت سامنے آئی جب ان کی فوجوں نے ہمسایہ ملک ایران میں پیش قدمی کی صدر صدام کی توقعات کے برعکس یہ جنگ انہیں بڑی مہنگی پڑی حالانکہ اس جنگ میں انہیں امریکا کی مکمل حمایت حاصل تھی آٹھ برس جاری رہنے والی اس جنگ میں دس لاکھ افراد ہلاک ہوگئے۔

صدر صدام حسین نے ہمسایہ ملک سے اقتصادی مدد مانگی انہوں نے کویت پر عراقی تیل چوری کرنے کا الزام عائد کیا اور مطلوبہ معاوضہ نہ ملنے پر اگست 1990ء میں عراقی فوجیں کویت میں داخل ہوگئیں۔ صدر صدام کو یہ فوجی اقدام بھی بہت مہنگا پڑا۔ ان کو توقع تھی کہ بڑی عالمی طاقتیں جنہوں نے ایران کے خلاف جنگ میں ان کا بھرپور ساتھ دیا ہتھیار اور وسائل فراہم کیے تھے ان بار بھی اگر ان کی کھل کی حمایت نہیں کریں گی تو کم از کم مخالفت بھی نہیں کریں گی لیکن حالات بدل چکے تھے امریکا اور اس کے اتحادیوں کے لئے خلیج میں اپنے مفادات یعنی تیل اور اسرائیل کی حفاظت ہر قیمت پر ضروری تھی۔

امریکی قیادت میں آپریشن ڈیزارٹ اسٹارم کے تحت دسمبر 1998ء میں امریکا اور برطانیہ نے عراق پر بھرپور حملہ کیا اس جنگ کے بعد صدام حسین حکومت تو بچ گئی لیکن صدام حسین کو اپنے ہتھیار ختم کرنے کا وعدہ کرنا پڑا۔ اہم معاملہ اس پر ختم نہیں ہوا امریکا مسلسل اس بات پر ڈٹا رہا کہ عراق کے پاس وسیع پیمانے پر ہتھیار ہیں اور برطانیہ کا کہنا تھا کہ ان ہتھیاروں کو صرف 45 منٹ میں قابل استعمال بنایا جا سکتا ہے اس کے علاوہ جوہری ہتھیار بنانے اور حاصل کرنے کا الزام بھی لگایا لیکن عراق پر امریکی حملے اور قبضے کے بعد سے اب تک ان میں سے کوئی بھی الزام ثابت نہیں ہوسکا۔

صدام حسین کے دور کے دو اقدام ان کے لئے سب سے زیادہ بدنامی کا باعث بنے کویت پر حملے کی سزا کے طور پر صدام کے خلاف امریکا نے جو کاروائی کی اس کا غلط مطلب سمجھتے ہوئے جنوبی عراق میں شیعہ عقائد رکھنے والی آبادی نے صدام حسین کے خلاف بغاوت کر دی بعض ذرائع کا کہنا ہے کہ امریکیوں نے یقین دہانی کرائی تھی کہ صدام حسین کے خلاف شیعہ بغاوت کا ساتھ دیا جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا اور ہزار ہا شیعہ عراقیوں کو صدام نے انتہائی بے دردی سے ہلاک کر دیا دوسرا اقدام کردوں کے خلاف تھا شمال میں کرد بغاوت کو کچلنے کیلئے بھی صدام حکومت نے انتہائی ظالمانہ اقدامات کیے۔

صدام اور ان کی مصروفیات

صدام حسین جنہیں دسمبر 2003ء میں تکریت شہر کے قریب ایک تہہ خانہ سے امریکی فوجیوں نے قید کر لیا تھا گزشتہ دو تین ہفتوں سے ان کے خلاف درج مقدمات کی سماعت شروع ہوگئی ہے تاہم صدام حسین ابھی تک یہ سمجھتے ہیں کہ وہ عراق کے صدر ہیں عراق کے برطرف صدر جنہیں قتل کے مقدمات کا سامنا ہے اپنے کپڑے خود دھوتے ہیں اور جیل میں پرندوں کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ صدام حسین کے قید کے شب و روز کے بارے میں یہ باتیں امریکا کے نیشنل گارڈ بیس سالہ اہلکار شین اوشیا نے مشہور رسالے جی کیو سے بات چیت کے دوران بتائی تھی اگرچہ سرکاری طور پر بتایا جا

رہا ہے کہ صدام حسین عراقی حکومت کی تحویل میں ہیں لیکن حقیقتاً وہ ایک خفیہ مقام پر امریکی تحویل میں ہیں اوشیا نیشنل گارڈ کے ان پانچ اہلکاروں میں شامل ہیں جنہوں نے جی کیو کو دنیا کے مشہور ترین قیدی کے ساتھ اپنی یادوں سے آگاہ کیا۔

زیر تبصرہ انٹرویو میں شین اوشیا نے صدام حسین کے روزانہ کے معمولات مثلاً بیت الخلا جانا کھانا کھانا تفریح کرنے کے علاوہ طبی معائنے وغیرہ پر روشنی ڈالی تھی ان کے مطابق صدام حسین کی جیل کوٹھری میں ایک بستر ایک کرسی چند کتابیں اور ایک جائے نماز بھی رکھی ہوئی تھیں شین اوشیا کا کہنا ہے کہ اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ وہ صدام کو اتنا قریب سے دیکھیں گے۔

بقول شین اوشیا صدام حسین اکثر کئی دن اپنا سارا وقت خاموشی سے قانونی دستاویزات پر عربی زبان میں کچھ لکھنے میں گزار دیتے تھے نیشنل گارڈ کے اہلکار نے یہ بھی بتایا کہ کس طرح صدام حسین ہر روز پودوں کو پانی دیتے ہیں اور یہ کہ وہ صفائی کے معاملے میں اس قدر احتیاط کرتے ہیں کہ اپنے کھانے کے برتنوں کو کئی کئی دفعہ گیلے ٹشو سے صاف کرتے ہیں انہوں نے بتایا کہ صدام حسین کو ورزش کیلئے ایک ٹریڈمل بھی دی گئی تھی لیکن وہ انہیں پسند نہیں تھی ٹریڈمل کی بجائے انہوں نے ٹیبل ٹینس کی میز کا مطالبہ کیا تھا لیکن ان کی یہ درخواست رد کردی گئی تھی اگرچہ وہ جسمانی طور پر کمزور ہو چکے ہیں تاہم یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ تکریت کے کسان کے بیٹے نے حوصلہ نہیں گنوایا ہے۔

شین اوشیا نے بتایا کہ صدام کو کیوبا کے سگار پسند ہیں اور کبھی کبھار وہ مجھے مشورے دینے سے بھی نہیں کتراتے تھے ان کے مشوروں میں یہ بھی شامل ہوتا تھا کہ ایک اچھی عورت کی تلاش کیسے ہو اور پھر اس عورت کو کیسے قابو میں رکھا جاسکتا ہے صدام حسین نے یہ کہانی بھی سنائی تھی کہ انہوں نے اپنے بیٹے اودے کی شادی پر اس کیلئے کیسے طوائفوں کا بندوبست کیا تھا۔

نیشنل گارڈ کے اہلکار نے اس واقعہ کے بارے میں بھی بتایا جب صدام حسین عراقی تفتیشی حکام کے ساتھ ایک ملاقات میں دلبرداشتہ ہو گئے اور بات چیت چھوڑ کر اپنے وزراء کو پکارنے لگے اوشین کے مطابق جب انہوں نے صدام حین کو بتایا کہ صدر رونالڈ ریگن جو انہیں جہاز اور ہیلی کاپٹر فروخت کیا کرتے تھے وفات پاگئے ہیں تو وہ خاموش ہو گئے تاہم ان کے خلاف جنگ کرنے والے بش سینئر اور ان کے بیٹے جارج بش صدام حسین کی نظر میں زیادہ اہم نہیں۔

یہ سب باتیں اپنی جگہ لیکن صدام حسین کو جیل میں جس حقیقت کا سامنا ہے وہ کوئی زیادہ دلکش نہیں وہ شخص جو بیش بہا دولت اور شاندار محلات کی زندگی کا عادی تھا اب اس کو رفع حاجت کیلئے بھی نیشنل گارڈ کیا ایک معمولی اہلکار کی نظروں کے سامنے بیٹھا پڑتا ہے۔

والد شیر تھے شیر ہی رہیں گے!

صدام حسین کی بڑی بیٹی رغاد نے اپنے والد پر عراق میں جارے مقدمے سے بے اطمینانی کا اظہار کرتے ہوئے بین الاقوامی عدالت میں مقدمہ چلائے جانے کی اپیل کی ہے رغا صدام نے العربیہ ٹی وی کو بتایا کہ ان پر عراقی حکمران کونسل کے ذریعے مقدمہ نہیں چلایا جانا چاہئے کیونکہ وہاں سے انہیں انصاف کی امید نہیں ہے صدام کی گرفتاری کے وقت رغاد اردن میں مقیم تھیں انہوں نے کہا کہ ان سے اپنے والد کی ٹی وی پر نشر کی جانے والی تصاویر نہیں دیکھی جاتیں رغا نے اپنے والد کے متعلق کہا کہ وہ ایک شیر ہیں اور شیر شیر ہی رہتا ہے خواہ اسے بیڑیاں کیوں نہ پہنا دی گئی۔

انہوں نے کہا کہ دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ میرے والد تحویل میں ہونے کے باوجود کسی سے خائف نہیں ہیں بلکہ ان کی آنکھوں میں دیکھ کر باتیں کرتے ہیں اپنے والد کی طرح انہوں نے کہا عراق کے صدر وہی ہیں۔

برزان ابراہیم التکریتی

صدام حسین کے سوتیلے بھائی اور سابق عراقی سیکریٹ سروس کے رہنما 1995ء کی بات ہے جب صدام حسین نے انہیں ایک بڑی ذمہ داری سونپی تھی یہ وہ دور تھا جب صدام حسین حکومت پر بین الاقوامی شکنجہ بڑی تیزی سے کسا جا رہا تھا اور صدام حسین کسی پر اعتماد کرتے ہوئے گھبرا رہے تھے امریکا نے جن 52 ناپسندیدہ عراقی لوگوں کی فہرست بنائی تھی اس میں برزان ابراہیم کا بھی نام شامل تھا انہیں امریکی فوجیوں نے 17 اپریل 2003 کو گرفتار کیا تھا۔

گرفتاری کے وقت تبصرے

ہفتہ وار اخبار آل سبیل کی شہ سرخی کچھ یوں تھی کیا صدام حسین نے اپنی مرضی سے خود کو حوالے کیا یا انہیں نشہ آور دوا دی گئی تھی ایک اور ہفتہ وار الہلال نے صدام کو آسانی سے گرفتار کیے جانے پر سوال اٹھایا اخبار نے لکھا ہے کہ لوگ اس بات پر حیران ہیں کہیں امریکیوں نے اس مشن کے دوران بے حس کر دینے والی گیس کا استعمال تو نہیں کیا الدستور اخبار کے ایک تبصرہ نگاروں کی ۵ طرمیں اس بات میں کوئی شک نہیں یہ ظاہر ہے کہ اس شخص پر اچانک چھاپہ مارا گیا اور ان پر گرفتاری کے دوران نشہ آور شے کا استعمال کیا گیا پہلے کسی کو خاص قسم کی گیس سے اور پھر انہیں اس طرح کی دوا دی گئی جس سے وہ حواس باختہ ہو گئے اسی طرح کی ان کی بیٹی رغاد نے بھی کہا تھا کہ ان کے والد کو نشہ آور دوا دی گئی تھیں۔ جب انہیں تکریت کے قریب ایک تہہ خانے سے نکالا گیا تو امریکی اہلکاروں نے اس وقت کہا تھا کہ صدام حسین حیران اور حواس باختہ نظر آ رہے تھے گو کہ ان کے پاس ایک پستول موجود تھی لیکن انہوں نے مزاحمت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ یہ مضمون 13 نومبر 2005ء کو سنڈے میگزین کرنیں میں شائع ہوا۔

کہ ان کے متعلق لکھے گئے میرے ایک کالم پر شدید ناراضگی کا اظہار کریں گے۔ یہاں یہ وضاحت کردوں کہ 5 جنوری کو شائع ہونے والا میرا کالم درحقیقت 30 دسمبر کی صبح اسی وقت تحریر کر دیا گیا تھا، جب بی بی سی نے ان کی سزائے موت پر عملدرآمد والی خبر نشر کی تھی۔ میرے جو بھی تاثرات تھے، میں بغیر کسی ملمع کاری یا بناوٹ کے لکھ بھیجے تھے۔ جب وہ شائع نہ ہوئے تو میں نے یہی سمجھا کہ ادارے نے بوجوہ میرے نقطۂ نظر کو چھاپنا مناسب نہیں سمجھا، لیکن 5 جنوری کی صبح جب مجھے منڈی بہاؤالدین سے چودھری منظور گوندل، خواجہ زاہد اور راجہ فواد اکرم کے فون آئے اور انہوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کی تو مجھے اس کالم کی اشاعت کا علم ہوا۔ اس کے بعد یہاں لاہور میں بعض دیگر حضرات نے زیادہ سخت الفاظ میں اپنا احتجاج ریکارڈ کروایا تو مجھے اندازہ ہوا کہ پاکستان میں لوگ میرے اندازے سے زیادہ صدام حسین کو پسند کرتے ہیں۔ اب مجھے کئی پرانی باتیں بھی یاد آ گئیں

ہمارے متذکرہ بالا کالم پر جناب چیف ایڈیٹر صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ ”فاضل کالم نگار یہ حقیقت نظر انداز کر گئے ہیں کہ صدام حسین کو پھانسی دینے والوں کے ہاتھ خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ عراق پر ان کے حملے کو دہشت، درندگی اور بربریت سے الگ کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔“

اس سلسلے میں ہم بطور ثبوت عراق پر لکھی گئی برسوں پر محیط اپنی تمام تحریریں پیش کرتے ہیں۔ کوئی ایک ایسی تحریر نہیں دکھائی جا سکتی جس میں ہم نے عراق پر غیر ملکی حملے کی حمایت کی ہو، بلکہ ایسی بہت سی تحریریں موجود ہیں، جن میں ہم نے عراق پر امریکی حملے کی کھلی اور بھرپور مذمت کی ہے۔ البتہ ان کی جگالی کرنا ہمیں مناسب نہیں لگا۔ ☆

عروج اور زوال دراصل ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ اس دنیا میں ہر عروج کے بعد زوال سے ضرور واسطہ پڑتا ہے۔ اس سے مفر ممکن نہیں۔ یہی دیکھ لیجئے کہ کسی زمانے میں عراق میں وہ قیدی، جنہیں سزائے موت سنائی جاتی تھی، صدر صدام حسین سے رحم کی اپیل کرتے تھے اور انہیں آئین کے تحت یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ جس کی چاہیں سزا معاف کر دیں اور جس کی چاہیں برقرار رکھیں، کن جانتا تھا کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ مطلق العنان عراقی رہنما پر اپنے ہی وطن کی زمین تنگ کر دی جائے گی، انہیں کہیں جائے پناہ نہ ملے گی۔